فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون
تذکرۂ مظہر مسعود
مرتبہ
پروفیسر محمد مسعود احمد
مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

حضرت خواجہ محمد اسمٰعیل شاہ مجددی علیہ الرحمۃ ص ۷۷۲
حضرت مولانا محمد ہاشم شاہ مجددی علیہ الرحمۃ ص ۷۷۴

تذکرہ

مظہر مسعود

از

پروفیسر محمد مسعود احمد

مدینہ پبلشنگ کمپنی
بندر روڈ — کراچی

(۱) مؤلف — پروفیسر محمد مسعود احمد

(۲) کاتب — مولانا عبدالباقی

(۳) طابع وناشر — مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

(۴) مطبع — مشہور آفسٹ پریس، کراچی

(۵) اشاعت — اوّل

(۶) سنہ طباعت — ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء

(۷) تعداد — ایک ہزار

(۸) قیمت — [illegible]

12 ر

فہرست

حصہ اول

سوانح اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حصہ دوم

سوانح حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز

انتساب

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین حضرت سید امام علی شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے نام نامی جن کے فیضانِ تربیت سے پاک و ہند میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی اشاعت ہوئی اور جگہ جگہ چراغ روشن ہوئے

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحون

احقر محمد مسعود احمد

اظہار تشکر

منعم حقیقی کا فضل عظیم ہے کہ اس نے راقم کو ہمت و توانائی عطا فرمائی اور یہ تذکرہ پایۂ تکمیل تک پہنچا، بعض مخلصین و محبین اور مشفقین نے خاص کرم فرمایا اور سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات کے تعاون کے بغیر تدوین کا کام مشکل ترین ہو جاتا، مندرجہ ذیل حضرات کا خصوصی طور پر ممنون ہوں،

حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب، چودھری عبدالعزیز صاحب، سید بشیر علی صاحب، مشفق خواجہ صاحب، شیخ سلطان احمد صاحب، شیخ محمد سعید صاحب، شیخ محمد رفیع صاحب، شیخ محمد فاروق صاحب، قاضی محمد حمایت اللہ صاحب، حکیم محمد تقی صاحب، ظہور احمد صاحب، قاری محمد ظفر احمد صاحب، حکیم محمد نذر احمد صاحب، صوفی فضل احمد صاحب (کراچی) ـــ حضرت مولینا مفتی محمد محمود صاحب، صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر، ـــ پروفیسر عبدالرشید صاحب (حیدرآباد) ـــ مکرم حسین صاحب (جام شورو) ـــ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب، سید محمد طاہر صاحب (بہاول پور) ـــ صغیر علی صاحب کاکوان، حکیم سید شوکت علی صاحب (ملتان) ـــ محمد احمد صاحب قریشی، حکیم محمد عمر صاحب قریشی (لاہور) ـــ حاجی صغیر علی صاحب (لائلپور) ـــ صاحبزادہ جمیل احمد صاحب (شرقپور) ـــ حضرت مولانا محمد عارف اللہ صاحب، حاجی رفیق الدین صاحب (راولپنڈی) ـــ پروفیسر سید محمد عارف صاحب (شکارپور) ـــ مولانا عبدالباقی صاحب (کوئٹہ) ـــ حضرت مولانا زید صاحب، علامہ اخلاق حسین دہلوی، صاحبزادہ شمس فاروقی خواجہ حسن ثانی نظامی، جناب مسلم احمد نظامی، ڈاکٹر محمد سعید احمد، مولانا محمد میاں، مولانا مکرم احمد (دہلی) ـــ قاضی محمد محبوب احمد صاحب (امروہہ) ـــ سید رضا علی صاحب جعفری (گوالیار) ـــ مدیر رسالہ "نوری کرن" (بریلی) ـــ

بکثرت احباب نے مکاتیب مظہری کی جمع و تدوین میں تعاون فرمایا ہے ان سب حضرات کا ممنون ہوں، چوں کہ مکاتیب علیحدہ شائع ہونے والے ہیں اس لئے ان محسنین کا اس میں مفصل ذکر کیا جائیگا

احقر محمد مسعود احمد

مقدمہ

علامہ اخلاق حسین دہلوی کا ایک مقالہ "مفتی اعظم" کے عنوان سے ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) کے جولائی و اگست ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، مقالہ کے آخر میں فاضل موصوف نے تحریر فرمایا تھا :-

> یہ اور اس قسم کے دیگر حقائق مفصل بیان چاہتے ہیں اور یہ کام سوانح نگار کا ہے کہ وہ ہر پہلو کا تفصیل سے جائزہ لیکر سیر حاصل لکھے، یہ کام ہم انہیں کیلئے چھوڑ دیتے ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ کے لائق فرزند اور آپ کے خلفاء آپ کی مبسوط سوانح حیات لکھنے کی طرف توجہ فرمائیں گے
>
> العاقل تکفیہ الاشارۃ ہمارا اس خامہ فرسائی سے مقصود صرف یہی ہے [1]

علامہ موصوف کی اس تحریر نے ترغیب و تشویق کا کام کیا اور راقم الحروف پہلی بار ۱۹۶۴ء میں اس طرف متوجہ ہوا، حضرت قبلہ شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کے حالات کی تدوین کے ساتھ ساتھ آپ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ محمد مسعود رحمۃ علیہ کے حالات مرتب کرنے کی طرف توجہ ہوئی، لیکن ؎

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو
ورق اس کا جب اڑا لے گئی ہوا ایک ایک

حضرت قبلہ مفتی صاحب کے حالات کچھ تو خود دیکھے مگر وہ راقم کی زندگی کا بالکل ابتدائی دور تھا، یہ خیال بھی نہ تھا کہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں پھر اس کیلئے نگاہیں ترسیں گی، ۱۹۴۸ء میں نوعمری میں پاکستان آگیا، اور قرب و حضوری دیکھتے ہی دیکھتے فراق و دوری میں بدل گئی، اس لئے جب سوانح کی تدوین کی طرف متوجہ ہوا تو خود کو ضروری حالات سے بھی باخبر نہ پایا، اس کے علاوہ ؎

میسر ہو کسے دیدار اس کا
کہ ہے وہ رونق محفل کم آمیز

حضرت جد امجد علیہ الرحمہ کے حالات کے متعلق تو بالکل لاعلم تھا چنانچہ حضرت قبلہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا، اپنی تجویزوں کے ساتھ ساتھ کچھ استفسارات بھی پیش کئے، حضرت ممدوح نے اپنی فطری

---

[1] ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی)، شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۴ء، ص-۳۰

انکساری کی وجہ سے حالات لکھنے سے اعراض فرمایا لیکن دعاؤں سے نوازا جو مقبول و مستجاب ہوئیں حضرت کا جواب قابل مطالعہ ہے اس لئے مکتوب گرامی پیش کیا جاتا ہے :-

الزکی الشامخ الحریز والکہف الشامخ العزیز ڈاکٹر آف فلاسفی سلمہم

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعام مولیٰ تعالیٰ تمہیں اس ڈگری میں کامیاب فرمائے[1]، جد امجد صاحب کے حالات لکھنے میں توفیق تمہیں روح القدس سے مولیٰ تعالیٰ مرحمت فرمائے، فقیر کے جملہ حالات خاندان مسعودیہ کیلئے باعث شرم ہیں، بعض لوگوں نے اس کی اجازت چاہی تھی، ان کو بھی لکھدیا تھا، حضرت مجدد صاحب کا مقالہ[2] دل چاہتا ہے کہ زندگی میں دیکھ لوں، مولیٰ تعالیٰ تمہیں ترقی پر ترقی عطا فرمائے، فقیر دعا گو ہے، وہ تعالیٰ اپنے کرم سے قبول فرمائے،

فقط والسلام محمد مظہر اللہ غفر لہ الامام

یہ حضرت مرحوم کا کمال عجز و انکسار تھا کہ اپنے لئے یہ جملہ تحریر فرمایا :-

"فقیر کے جملہ حالات خاندان مسعودیہ کے لئے باعث شرم ہیں"

یہ حضرات تو وہ ہیں ؎

کمال صدق و مروّت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں

حضرت مرحوم کے مکتوب گرامی سے مطمئن نہیں کیا چناں چہ دوبارہ عریضہ ارسال کیا گیا حضرت نے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ صداقت و دیانت کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے، مکتوب گرامی نقل کیا جاتا ہے :-

الرّشید السعید والادیب المجید رفع اللہ قدرہ

وعلیکم السّلام ورحمۃ ربکم المنعام ———— اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ (کے) حالات لکھنا تم کو اور اہل بواطن کو مبارک ہو، لیکن فقیر تو سب کچھ بھول گیا ———— اگر حافظہ پر کچھ زور دوں تو سب لکھوا سکتا ہوں لیکن اس خوف سے کہ کچھ غلطی نہ ہو جائے نہیں

---

[1] راقم نے پی-ایچ-ڈی کیلئے ایک مبسوط مقالہ "اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر" پر لکھا تھا، اس کے متعلق دعا کی درخواست کی تھی، یہاں اس طرف اشارہ ہے۔

[2] راقم نے حضرت مجدد الف ثانی پر ایک طویل مقالہ قلمبند کیا تھا، جو معارف (اعظم گڑھ) میں نو قسطوں میں ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا، بعد میں مزید اضافے کر کے کتابی صورت میں شائع کرنے کا خیال تھا اس کے متعلق حضرت کو لکھا تھا، یہاں اس طرف اشارہ ہے۔

لکھوا سکا، اسی طرح اپنے حالات کا حال ہے ——— فقط والسلام

(مرسلہ ۳ر مارچ ۱۹۶۶ء) محمد مظہر اللہ غفرلہٗ

محض غلطی کے احتمال سے حضرت مرحوم نے نہ اپنے حالات میں اور نہ جدِ امجد علیہ الرحمہ کے حالات میں ایک سطر بھی تحریر نہیں فرمائی، یہ مثالی تقوی ہے ایسی حزم و احتیاط اب کہاں !

سوانح کی تدوین و ترتیب کے لئے بظاہر اسباب مسدود نظر آتے تھے اور یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس موضوع پر اتنا کچھ لکھ سکوں گا، جو آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم کی دعاؤں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور بالآخر منزل تک پہنچایا، فلحمد للہ علیٰ ذٰلک حمدًا کثیرا۔ ۱۹۵۶ء میں برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد صاحب نے حضرت مرحوم کی سوانح مرتب کرنے کی طرف توجہ فرمائی تھی، خیال تھا کہ انھوں نے بہت کچھ لکھ لیا ہوگا، چناں چہ ان کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا گیا، جواباً انھوں نے تحریر فرمایا :-

حضرت کی حیات بابرکات میں بیشک احقر نے غیر معمولی جذبات کے ساتھ حالات طیبات قلمبند کرنے شروع کئے تھے اور بعض احوال بصیرت فال خود حضرت علیہ الرحمۃ سے استفسار کئے تھے زیادہ استفسار سے اکثر ادب مانع رہا، وہ مجموعہ علامہ صاحب (علامہ اخلاق حسین دہلوی)[1] کو بھی اس لئے دکھایا تھا کہ ان کو حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں قدرے بے تکلفی نصیب تھی اور ماشاء اللہ مورخانہ طبیعت بھی پائی ہے، ان کے ذریعہ یہ کام بحسن و خوبی انجام پذیر ہوگا، مگر انھوں نے غالباً عدیم الفرصتی کے سبب اس طرف توجہ نہ فرمائی، نیز حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے معلوم ہوا کہ کوئی مولانا قاری صاحب ہیں جو یہ ارادہ رکھتے ہیں، ان کی جستجو کی مگر ملاقات نہ ہو سکی ——— انشاء اللہ الرحمٰن المستعان وہ مجموعہ اور دیگر حالات طیبات جتنے بھی میسر آئے ضرور بھیجے جائیں گے خدا کرے کہ یہ شاندار سہرا آپ کے سر بندھے آمین !

(موصولہ ۴ر مارچ ۱۹۶۷ء) محمد مشرف احمد غفرلہٗ

لیکن برادر موصوف بعض مصروفیات کی وجہ سے نہ وہ مجموعہ ارسال فرما سکے اور نہ حالات تحریر فرمائے اس لئے راقم نے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کر کے آغاز کار کیا اور قدم آگے بڑھایا ؎

کرتا ہے ہر راہ کو روشن چراغ آرزو

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں حضرت مرحوم کی مشفقانہ دعاؤں کے ثمرات ہیں

---

[1] شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم کے پوتے اور شاہد احمد دہلوی مرحوم کے چھوٹے بھائی جناب مسلم احمد صاحب نظامی آج کل حضرت مرحوم کی مختصر سوانح تحریر فرما رہے ہیں۔

اور تائید الٰہی کی جلوہ ریزیاں ہیں ؎

ببیں در آئینہ جام نقشبندی غیب

۱۹۶۴ء میں مواد کی فراہمی کا آغاز کیا جو ۱۹۶۶ء تک جاری رہا، ۱۹۶۷ء میں تسوید و تبییض کا کام مکمل ہوا اور ۱۹۶۸ء میں مبیضہ کی کتابت شروع ہوئی، امید ہے کہ ۱۹۶۹ء میں یہ کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آجائے گی ــــــ اس میں شک نہیں کہ کتابوں کی تدوین کوئی خاص کمال نہیں، اصل کمال ایسی سیرت کی تعمیر ہے کہ لوگ اس پر کتابیں لکھیں، بیشک ؎ علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب
حضرت شیخ ابی سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم شیخ عبد الکریم علیہ الرحمہ سے خوب فرمایا :-

"یا عبدالکریم! حکایت نویس مباش، چناں باش کہ از تو حکایت کنند" [۱]

لیکن اولیاء اللہ کی سوانح لکھنا بھی کچھ کم خوش بختی کی بات نہیں ہے، پروفیسر مارگولیوس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر نگاروں کیلئے لکھا ہے :-

"ان سیرت نگاروں میں جگہ حاصل کرنا عزت کی بات ہے" [۲]

میں اتنا اضافہ کروں گا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور محبوبوں کے سیرت نگاروں میں جگہ حاصل کرنا کچھ کم سعادت نہیں، مولیٰ تعالیٰ راقم کی اس ناچیز کوشش کو مشکور و مقبول فرمائے، اور حضرات اہل اللہ کے صدقے میں کاروانِ حیات کو منزل مقصود تک پہنچا کر اپنی رضا و خوشنودی کی دولت لایزال سے سرفراز فرمائے آمین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سوانح نگاری کے ان اصول و شرائط کو بیان کر دیا جائے، جو کتاب کی تدوین کے وقت ہمارے پیش نظر رہے ــــــ سوانح نگار کیلئے سب سے پہلے موضوع یعنی شخصیت کا انتخاب ہے، اس کیلئے مشہور یونانی فلسفی ارسطو کا نظریہ جان دل معلوم ہوتا ہے، "اس کے نزدیک موضوع سنجیدہ، باعظمت اور مکمل ہونا چاہیئے" [۳] راقم نے ایسے ہی موضوع کا انتخاب کیا ہے جس میں یہ تینوں صفات پائی جاتی ہیں۔

---

[۱] محمد بن منور بن ابی سعید : اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید مرتبہ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، مطبوعہ تہران ۱۳۳۲ھ
[۲] ڈی۔ ایس۔ مارگولیوس : محمد اینڈ دی رائز آف اسلام، مطبوعہ لندن ۱۹۳۱ء، دیباچہ، ص ۔ ۳
[۳] ڈاکٹر سید شاہ علی : اردو میں سوانح نگاری، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۔ ۱۳

موضوع کے انتخاب کے بعد سوانح نگار کو تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، مواد کی فراہمی، انتخاب اور ترتیب ـــــ مواد کی فراہمی میں یہ چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں، خود موضوع کی اپنی ذات، خود موضوع کی تحریریں، دوست واحباب، اخبارات ورسائل، وہ کتابیں جو موضوع کے زیر مطالعہ ہیں خصوصًا وہ جن کے حواشی پر موضوع نے اپنے افکار وخیالات کا اظہار کیا ہے ـــــ مواد کی فراہمی میں پہلے اور پانچویں ذریعہ کے علاوہ باقی ذرائع سے کام لیا گیا ہے، پہلے ذریعہ سے محرومی کے متعلق، عرض کیا جا چکا ہے، پانچویں ذریعے سے محرومی بُعد مکانی کی وجہ سے ہوئی ـــــ انتخاب و ترتیب میں چوں کہ سوانح نگار کے ذوق کا پورا پورا دخل ہے اس لئے راقم نے اپنے ذوق سے کام لیا ہے۔

مندرجہ بالا منازل سے گزر کر سوانح کے مختصر یا طویل ہونیکا سوال سامنے آتا ہے جو ان شرائط کے وجود وعدم سے متعلق ہیں۔ موضوع کی اہمیت، دستیاب شدہ مواد کی جملہ مقدار، دستاویزی شہادت کی حقیقی قدر وقیمت اور خود سوانح نگار کی دلچسپی ـــــ حسنِ اتفاق سے یہاں یہ چاروں شرائط موجود ہیں، اس لئے فطری طور پر سوانح کو طویل ہونا تھا مگر قارئین کے قوت خرید کے پیش نظر بعض ابواب حذف کر دئیے گئے ہیں اور بعض کو مختصر کر دیا گیا۔

واقعات کو بیان کرنے کیلئے کوئی خاص طے شدہ اسلوب نہیں بلکہ سوانح نگار آزاد ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے :-

"سوانح نگار کیلئے کوئی اسلوبی اصول نہیں بلکہ شاعر وناول نگار، نقاش وسنگتراش کی طرح وہ بھی اسلوب اظہار کے معاملے میں آزاد ہے" [۱]

قارئین کرام اسلوب بیان کے معاملے میں کتاب کے دونوں حصّوں میں بیّن فرق پائیں گے، یہ فرق وہی ہے جو سن کر اور پڑھ کر کہنے اور خود دیکھ کر اور محسوس کر کے کہنے میں ہے۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ بزرگانِ دین کے سوانح نگار ان کی کرامات پر اتنا زور دیتے ہیں کہ اصل سیرت گم ہو کر رہ جاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی سوانح پڑھنے والا تھوڑی دیر کیلئے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، مگر اس کو عمل کیلئے راہیں مسدود نظر آتی ہیں، روشن مینار نظر آتا ہے، زینہ نظر نہیں آتا،

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مطبوعہ لندن، ۱۹۵۰ء، جلد سوم، ص ۵۹۵

سوانح کا مقصود مبہوت و مسحور کرنا نہیں ہے بلکہ نمونۂ عمل پیش کرنا ہے وہ نمونۂ عمل جس پر عمل کر کے انسان خود ایک زندہ کرامت بن جائے اس لئے راقم نے اس کتاب میں بالخصوص دوسرے حصے میں نجی اور مجلسی حالات و واقعات پر زیادہ زور دیا ہے قارئین کے شوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند کرامات بیان کر دی گئی ہیں جو محقق و مستند ہیں مگر پھر عرض کروں گا کہ یہ کرامات اعمال نہیں نتائج ہیں اور ضرورت اصل میں عمل کی ہے، نتیجہ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے، اور پھر بندۂ آزاد، خود اک زندہ کرامات بن جاتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کتاب کے دوسرے حصے میں نجی حالات پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس سلسلے میں معمولی سے معمولی واقعہ کو بھی بیان کر دیا گیا ہے کیوں کہ بسا اوقات یہی معمولی واقعات اصل سیرت کو سمجھنے میں بڑے معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں، یونان کے مشہور سوانح نگار حکیم پلوٹارک نے لکھا ہے :-

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک معمولی سا واقعہ، قول یا جملہ عظیم معرکوں سے زیادہ ایک شخصیت کو واضح کر دیتا ہے" [1]

جیمز باسول نے بھی یہی بات کہی ہے وہ کہتا ہے :-

"ایک شخصیت کی سوانح میں صرف یہی نہیں کہ عظیم واقعات کو بیان کر دیا جائے بلکہ ان باتوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو اس نے نجی طور پر لکھیں کہیں یا سوچیں ——— اس طرح پڑھنے والے ایک زندہ انسان کو دیکھ سکیں گے، اس صورت کے علاوہ میرے ذہن میں سوانح نگاری کا تصور ہی نہیں آتا" [2]

انسان کی اصلاح کیلئے انسان سے بڑھ کر اور کوئی چیز موثر نہیں عظیم انسانوں کی سوانح عمریوں کا مطالعہ نہایت عمدہ اور مستحسن جذبات پیدا کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مشاہیر عالم نے اسلاف کی سوانح عمریوں کے مطالعہ سے اپنی سیرتوں کو روشن و تابناک بنایا ہے، مولوی عبدالحق نے بجا طور پر لکھا ہے :-

"مذہب ہو یا دنیاوی معاشرت، سیاست ہو یا دینیات بغیر اخلاق کے چارہ نہیں، جب تک کہ ان کی تہہ میں اخلاق نہ ہو کامیابی ممکن نہیں، لیکن قابل غور اور اہم سوال یہ ہے

---

[1] پلوٹارک : سکندر اعظم بحوالہ لائف آف سیمول جانسن، ص ۳
رلہ : دی لائوز آف دی نوبل گریشنز اینڈ رومنز، مطبوعہ شکاگو، ۱۹۶۲ء

[2] جیمز باسول : لائف آف سیمول جانسن، مطبوعہ شکاگو، ۱۹۵۲ء، ص ۲ (دی گریٹ بکس سیریز، جلد ۴۴)

کہ اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کیوں کر دی جائے کہ نوجوانوں کے دلوں میں اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات اس طرح متمکن ہو جائیں کہ دنیوی لالچ، خود غرضانہ خواہشات، دوستی اور مروّت انہیں ڈانواں ڈول نہ کر سکے؟ ——— اب صرف ایک ہی طریقہ باقی ہے جو موثر بھی ہے، دلکش بھی ہے اور طبیعتوں میں ولولہ اور جوش بھی پیدا کرتا ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں کے حالات پڑھنے کیلئے دیئے جائیں جنہوں نے دنیا میں ایسے بڑے بڑے کام کئے جو کبھی مٹنے والے نہیں بشرطیکہ ان کا لکھنے والا اس گر سے واقف ہو۔" ۱ھ

لیکن یہ ہماری موجودہ سوانحی اور تاریخی دنیا کا المیہ ہے کہ حقیقی عظیم شخصیتوں کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے کسی نے صحیح لکھا ہے :-

"یہ فن سوانح نگاری کی ستم ظریفی ہے کہ حیاتیں جو سب سے زیادہ پڑھی جانے اور یاد رکھی جانے کے قابل ہیں ان کا مطالعہ اور مطالعہ سب سے کم کیا جاتا ہے۔" ۲ھ

مگر عظیم شخصیت کے اظہار کیلئے عظیم شخصیت کی ضرورت ہے، ایمرسن نے خوب کہا ہے :-

"ایک عظیم آدمی کی ضرورت ہے کہ ایک عظیم تر آدمی کی تشریح کر سکے" ۳ھ

شخصیتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو ذاتی اصولوں پر کاربند ہیں اور دوسری جن کے اعمال و اقوال اصول فطرت اور قانون خداوندی کے مطابق ہیں اس دوسری قسم کی زندگی کیلئے اقبال نے کہا تھا ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ؛ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

انہیں مقدس ہستیوں کیلئے قرآن کریم میں ارشاد ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (پارہ ۲۳ سورۂ زمر) ——— شخصی آئین و اصول اور الٰہی آئین و اصول میں بڑا فرق ہے، ایک اپنی صداقت و افادیت کیلئے طویل تجربہ و مشاہدے کا محتاج ہے اور دوسرا محتاج نہیں کیوں کہ خالق حیات نے منضبط کیا ہے اور اس سے بڑھ کر کون نباضِ حیات ہو گا اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کی حیات مقدسہ کے مختلف پہلوؤں کو قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، یہ اس لئے کہ ان کی نظر قرآن اور حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں پر تھی جن کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پارہ ۲۸، سورۂ حشر)

۱ھ حکیم پلوٹارک : مشاہیر یونان و روما، مطبوعہ دہلی ۱۳۴۳ھ، ۱۹۲۵ء، جلد اول (مقدمہ مولوی عبدالحق) ص ۱۲، ۱۳

۲ھ ڈاکٹر سید شاہ علی : اردو میں سوانح نگاری، ص ۱۶۔

۳ھ 〃 〃 ، ص ۵۲

اور نہ صرف یہ بلکہ :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]

سوانح کا یہ حصہ "مذہبی سوانح" کے ذیل میں نہیں بلکہ قرآنی سوانح کے ذیل میں آئے گا، جو اپنی جگہ ایک منفرد چیز ہے لفظ "مذہبی" سے بالعموم قاری کا ذہن معاملات سے قطع نظر کر کے عبادات کی طرف متوجہ ہوتا ہے گو ایسا نہ ہونا چاہیئے، لیکن لفظ "قرآنی" میں دنیا و آخرت دونوں کی سعادتیں شامل ہیں، خود حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ آیۂ کریمہ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً [2]" میں دنیاوی سعادت کو اخروی سعادت پر مقدم رکھا گیا ہے اس لئے کہ پہلے سعادت دنیوی کے حصول کیلئے جد وجہد کرنی ہے اور اسی پر سعادت اخروی کا انحصار ہے،

انسان کی زندگی آرزو اور عمل سے مرکب ہے، آرزو کی تحدید اور عمل کی تہذیب ہر مذہب کا اور سب سے بڑھ کر مذہب اسلام کا کام ہے اور یہی چیز تصوف ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حسین ترین شکل میں انسان کے سامنے پیش کرنا اور دل کیلئے مرغوب و محبوب بنانا تصوف کا مقصود و مدعا ہے، تصوف کے اعمال و اشغال کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عبادات اور معاملات انسان کی نظر میں مہیب و خوفناک نہیں رہتے حسین و محبوب بن جاتے ہیں ان پر عمل کرنا گراں نہیں گزرتا بلکہ جس کو عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، جی چاہنے لگتا ہے، لیکن اس سے انسان کی زندگی کے کسی مرحلے میں کسی شغل، کسی آرزو، کسی مقصد میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اس کی مثال موجود ہے، شہادت سامنے ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام سے بڑھ کر کون صوفی ہو سکتا ہے لیکن یہ بزرگ تمام لوازم حیات اور مشاغل زندگی پر عامل تھے بس ان کی اتباع کرنا اور اسی طرح دنیا میں عمل کرنا اور پیہم عمل کرتے رہنا اسلام بھی ہے اور تصوف بھی۔

"انسان کو اس زمین میں خلیفہ بنایا گیا ہے، اسے اس زمین میں خلافت کرنی ہے، سب سے پہلے یہ عالم اور یہ زندگی ہے، دوسرا عالم اور دوسری زندگی اس کے بعد کی بات ہے اور وہ بھی حقیقت میں اسی زندگی کیلئے ہے، اسی زندگی کے سبب سے ہے اسی زندگی کا نتیجہ ہے، قیامت اور اس کا حساب کتاب بالکل برحق لیکن وہ اسی زندگی کا محاسبہ ہے، اسی زندگی کا عکس ہے، اسی زندگی کی مثال، اسی زندگی کے بننے یا

---

[1] قرآن کریم، پارہ ۳، سورۃ آل عمران

[2] قرآن کریم،

بگڑنے کی تصویر ہے، بلکہ اسی زندگی کا ساختہ و پرداختہ ہے، اسی زندگی کے ساز و سامان سے آراستہ ہے، ویران کے گلزار و خارستان کیلئے پھول اور کانٹے یہیں سے لے جاتے ہیں۔" (مولانا عابد حسن قادری، خیابانِ اقبال، ص-۲۳۸)

لیکن یہ نہ بھولنا چاہیئے مادی اسباب کی بنا پر شخصیت کو جو عظمت حاصل ہوتی ہے وہ حقیقی نہیں عارضی ہے کیوں کہ اساس عظمت سیرت سے خارج ہے، اصل عظمت وہ ہے جس کی بنیاد خود انسانی سیرت میں موجود ہو۔ صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے !

کامیاب وہ نہیں جس نے عیش فراواں کے سامان مہیا کئے، تاریخ کے اوراق عیش سامانیوں کے متحمل نہیں بلکہ کامیاب وہ ہے جس نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے اپنی سیرت کو کندن بنایا اور اس طرح چمکا کہ اس کی روشنی سے دوسرے بھی چمکنے لگے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ؎ اگر بہ او نہ رسیدی، تمام بولہبی است

پاک و ہند میں بے شمار عظیم ہستیاں گزری ہیں، کتب سوانح پڑھ کر ایک نیا جہان نظر آتا ہے کس کس کتاب کا نام گنایا جائے، گلزار ابرار، اخبار الاخیار، جمع الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، سبحۃ المرجان، ابجد العلوم، نزہۃ الخواطر وغیرہ وغیرہ — ہر ایک کتاب میں ایک نیا عالم ہے ان کتب سوانح کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں کس کثرت سے علماء و صوفیہ موجود تھے، واقعی دہلی علم و دانش کا مرکز تھی،

تقسیم ہند کے بعد بھی فقاہت، خطابت، سیاست وغیرہ سب ہی میں کوئی نہ کوئی ممتاز شخصیت ملتی تھی موجود تھی مگر رفتہ رفتہ صرف انیس سال کے مختصر عرصہ میں مجلس سونی ہو گئی، کس کس کا نام لیا جائے، مولوی سید احمد، شاہ کرار حسین، خواجہ حسن نظامی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولوی حفظ الرحمٰن، مولوی احمد سعید، مولوی حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالغفار، مولانا عبدالسلام نیازی رحمہم اللہ تعالیٰ — پھر دہلی سے پاکستان آنیوالے علماء بھی رفتہ رفتہ راہیٔ ملک بقا ہوئے مولوی نسیم احمد، مولانا طاہر حسین، مولانا زاہد القادری، مولانا منیر جلالی مولانا محمد طاہر اشرف علیہم الرحمۃ ؎

یاران رفتہ ہم سے منہ اپنا چھپا گئے
معلوم بھی ہوا نہ کدھر کارواں گیا

حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات ٹوٹے دلوں کا سہارا تھی، افسوس صد افسوس اب

بھی نہ رہی ع اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے۔

اسلاف اٹھتے جا رہے ہیں اور اب وہ کیفیت نظر نہیں آتی جس کیلئے مولانا حالی نے کہا تھا ع

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو

خلوص و محبت کی وہ بات ختم ہوتی جا رہی ہے علم و فضل کا وہ دور ختم ہو رہا ہے جس میں دماغوں کے ساتھ ساتھ دل بھی جلا پاتے تھے، بارونق مسندیں بے رونق ہو رہی ہیں، یہ بے رونقی کیوں ہے؟ ع

کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خدا کرے کہ محفل عشق و محبت کی رونقیں برقرار رہیں اور تشنہ کاموں کو خانقاہوں سے بھی کچھ نہ کچھ ملتا رہے ؎

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

احقر محمد مسعود احمد

صدر

شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج

کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۶۸ء

حصّہ اول

پہلا باب

شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرزمین دھلی تقریباً ایک ہزار سال تک علماء وصوفیہ کا مرکز رہی ہے، اس خطۂ پاک میں جس قدر گوہر آبدار مدفون ہیں، شاید اتنی کثیر تعداد میں پاک و ہند کے کسی شہر میں نہ ہوں گے ؎

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہہ خاک!
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز!

جن علماء وصوفیہ کے اسماء گرامی معلوم ہیں وہ تو معدودے چند حضرات ہیں جو آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں لیکن ہزاروں وہ ہیں جو یا تو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں یا زینت اوراق بن کر رہ گئے ہیں

سب کہاں، کچھ لالۂ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

دلوں کی بستیاں آباد تھیں تو دل والوں کی یاد تازہ تھی، اب جو باد خزاں چلی ہے اس نے گلشن دل کو ایسا اجاڑا ہے کہ ایسا تو کبھی نہ اجڑا تھا، جو یادیں مٹ گئیں سو مٹ گئیں، رہی سہی بھی مٹتی نظر آرہی ہیں لیکن ہزار مٹیں فروغ انجمن پر آنچ نہیں آسکتی ؎

فروغ انجمن تو قائم رہے گا روز محشر تک!
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

سرزمین دھلی میں غضب کی کشش و جاذبیت ہے، جو ہے کھنچا چلا آرہا ہے، باہر سے جو حضرات آئے وہ تو آئے ہی لیکن اس خطۂ پاک سے بھی جو گوہر آبدار نکلے ہیں ان کی چمک دمک نے بہتوں کو خیرہ کر دیا ہے، انہیں حضرات میں اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر کے عظیم علماء وصوفیہ میں سے تھے، جنہوں نے اپنے علم و فضل اور روحانیت سے دھلی کی فضاؤں کو تقریباً چالیس سال تک منور و مستنیر رکھا

خاندان اعلیٰ حضرت محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ مولداً دہلوی، نسباً فاروقی، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب متعدد واسطوں سے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے چناں چہ رسالہ نور العرفان میں تحریر فرماتے ہیں:

اما بعد می گوید مسکین شیخ رحیم بخش فاروقی[۱] دہلوی ملقب بہ محمد مسعود نقشبندی مجددی اماتی بن شیخ

[۱] اعلیٰ حضرت نے بعض تصانیف میں "صدیقی" بھی لکھا ہے۔ مثلاً درۃ الیتیم فی قرآن العظیم (۱۲۸۵ھ) دُرر ثمانیہ (

الٰہی بخش بن شیخ احمد دہلوی از اولاد صاحب اسرار الٰہی مخدوم جلال الدین تھانیسری کابلی فاروقی قدس سرہٗ العزیز کہ روضۂ مبارک آں در شہر تھانیسر زیارت گاہ مخلوقات است صانہا اللہ عن الآفات والبلیات [1]

حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ میں شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کے مرید اور خلیفہ تھے،[2] آپ کے اجداد میں محمود شاہ رحمۃ اللہ علیہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اور تھانیسر میں مستقل سکونت اختیار کی حضرت ممدوح کی ولادت باسعادت اسی شہر میں ہوئی[3]

عہد اکبری کے مشہور مورخ علامہ ملا عبد القادر بدایونی نے حضرت ممدوح کی دو مرتبہ زیارت کی جس کی کیفیت موصوف نے اس طرح لکھی ہے :- (ترجمہ و تلخیص)

"شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے، علوم ظاہری اور باطنی کے جامع، عرصے تک علوم دینیہ کی تدریس فرماتے رہے لیکن آخر عمر میں خلوت گزیں ہو گئے، تلاوت و نوافل وغیرہ میں وقت گزرتا، ۹۳ سال کی عمر ہو گئی تھی۔ بہت ضعیف و کمزور ہو گئے تھے، ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتے تھے، بیٹھنے اور چلنے تک کی قوت نہ تھی، کمزوری کی وجہ سے ہر وقت تکیہ سرہانے رکھے رہتا اور سوتے رہتے لیکن جوں ہی اذان کی آواز آتی بغیر کسی سہارے اٹھ بیٹھتے، جوتیاں پہنتے، ہاتھ میں عصا لیتے اور اپنے ہوش و حواس میں مسجد تشریف لے جاتے، آداب طہارت سے کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے، اس کے بعد حسب معمول گھر جا کر سو رہتے۔

فقیر نے دو مرتبہ حضرت کی زیارت کی ہے۔ ایک دفعہ ۹۶۹ھ میں جب کہ آپ تھانیسر کے ائمہ کی سفارش کیلئے آگرہ تشریف لائے تھے اور دوسری مرتبہ ۹۸۱ھ میں حسین خاں کے ساتھ شرف نیاز حاصل کیا، اس وقت حضرت کا جسم مبارک تودۂ نور معلوم ہو رہا تھا"[4]

مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی حضرت ممدوح کے حالات ذرا تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں انہوں نے لکھا ہے :- (ترجمہ و تلخیص)

"شیخ عبد القدوس گنگوہی کے اعاظم خلفاء میں سے ہیں، طرفین سے فاروقی ہیں، آپ کے اجداد بلخ کے رہنے والے تھے، والد بزرگوار کا اسم گرامی قاضی محمود تھا، سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور ستر و سال

ص رسالۂ وجدیہ (مکتوبہ ۱۳۱۱ھ) میں [1] محمد مسعود شاہ : نورالعرفان (قلمی)، ص ۱ [2] برکات الاولیا ص ۸۰ [3] عبد اللہ فاروقی : سوانح شیخ جلال الدین تھانیسری، مطبوعہ دہلی ص ۲-۳ [4] ملا عبد القادر بدایونی : منتخب التواریخ (فارسی)، جلد سوم مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء، ص ۳۰

کی عمر میں معقولات و منقولات سے فارغ ہو کر درس دینے لگے تھے، محققانہ و عالمانہ فتوے دیتے تھے، سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے متاخرین مشائخ میں کوئی بزرگ آپ کے مرتبے تک نہیں پہنچا ——— آپ کے بہت سے مکاتیب ہیں جو آپ نے اپنے شیخ کے مکتوبات کے جواب میں لکھے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ کو ہوا۔ عمر شریف ۹۵ سال تھی۔ مزار مبارک تھانیسر میں ہے،

قطعۂ تاریخ وفات

جلال از جہاں چوں بہ جنت رسید[۱] | پئے سال ترحیل آں ذی کمال
یکے شیخ پاکیزہ دل شد عیاں | دگر ہست مہتاب عزت جلال
۹۸۹ھ | ۹۸۹ھ

اعلیٰحضرت محمد مسعود شاہ کے والد ماجد شیخ الٰہی بخش (م ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے، اتنا معلوم ہے کہ سرکاری ملازم تھے۔ دہلی میں آپ کی حویلی تھی، دہلی میں آپ کے عہد میں دو حضرات ہم نام ملتے ہیں جن کا ذکر سعادت یار خاں رنگین[۲] نے اپنی کتاب اخبار رنگین (۱۲۴۹ھ) میں کیا ہے، ممکن ہے کہ ان دونوں حضرات میں سے کوئی آپ ہی ہوں، نمبر ۳۶ اور ۸۲ پر متذکرہ بالا دونوں حضرات کا ذکر ملتا ہے :-

(۳۶) خبر گزری کہ شاہجہان آباد میں الٰہی بخش خاں نے عجب کام کیا کہ کسی یار دوست سے کچھ مشورہ نہ لیا اور اپنا اتنے بڑے ثروت سے ہاتھ اٹھا کر ترک لباس کیا، اور جے پور میں جا کر حضرت مولوی ضیاء الدین صاحب[۳] قدس سرہٗ کی خدمت میں بیعت کر کے گوشہ نشینی کمال مجاہدہ کے ساتھ اختیار کی، حق تو یہ ہے کہ اس پر اللہ کی بڑی مہربانی ہے بلکہ زیب دیتا ہے کہ اسے کہئے کہ یہ ادہم ثانی ہے۔

۱؎ مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ مطبع ہو پریس۔ لاہور ۱۲۸۳ھ ص ۳۶۴ ۲؎ سعادت یار خاں رنگین: اخبار رنگین مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (۱۲۴۹ھ) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۲ء مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق، ص ۲۷ ۳؎ حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری مہاراجہ سوائی جگت سنگھ کے ہاں ملازم تھے، شاہ فخر الدین دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے، آپ نے جے پور میں تلقین و ارشاد کا کام کیا، ضیاء العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، اور بیرون شہر ایک کتب خانہ اور خانقاہ بھی بنائی۔ ملاحظہ ہو "وقائع عبدالقادر خانی" جلد اول اور "واقعات دارالحکومت دہلی" حصہ دوم۔

(۸۲) خبر گزری کہ شاہ جہاں آباد میں میاں الٰہی بخش اور میاں خدا بخش دونوں بھائی سفید باف کے سوداگر سعادت یار خاں رنگین کے نہایت دوست ہیں چنانچہ خاں موصوف ایک دن ان کے پاس جو ملنے گئے تو ان کے سامنے کئی ایک تھان دھرے ہوئے تھے کہ جن کے بیچ میں کف دست سے کم اور روپے کچھ بڑا ادھیلہ پانی کا داغ بار تک تھا[1]، جب پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سال زکوٰۃ کی رقم میں سے ایک روپیہ کم دیا گیا تھا، اس غلطی پر خدا کی طرف سے تنبیہ کی گئی،

شیخ الٰہی بخش دہلی کے متمول حضرات میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس فتوی سے ہوتا ہے جو موصوف کی وفات کے بعد ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں لیا گیا ہے۔ اس فتوی میں ۱۸۵۷ء سے قبل جائداد کی مالیت کا تخمینہ چودہ ہزار روپے لگایا گیا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ الٰہی بخش صاحب مرحوم نے انتقال فرمایا اور اپنے ترکہ میں ایک مکان قیمتی چودہ ہزار روپیہ (۱۴۰۰۰) کا چھوڑا"

۱۸۵۷ء سے قبل کے ایک روپیہ کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب عمائدین بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضر ہوتے تھے تو بطور نذرانہ ایک روپیہ دیا کرتے تھے[2]، اس لئے اندازہ ہے کہ جو جائداد شیخ الٰہی بخش مرحوم نے چھوڑی تھی وہ اس زمانے کے دو لاکھ سے کم نہ ہو گی،

شیخ الٰہی بخش کی حویلی قاضی حوض (۱۲۶۴ھ) سے مسجد جامع فتحپوری (۱۰۶۰ھ) آتے ہوئے بائیں طرف بازار کی دالان میں تھی یہیں ۲۵ ... ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء اعلیٰ حضرتؒ کی ولادت باسعادت ہوئی، بازار لال کنواں گلی مردھانی میں شیخ الٰہی بخش کی ایک اور حویلی تھی، اعلیٰ حضرت نے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں یہیں وصال فرمایا،

تحصیل علم

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل معاصرین علماء سے کی اور ۲۲ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے، یہ اعلیٰ حضرت کے کمال ذکاوت پر دال ہے، رسالہ فیوض محمدی میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

بعمر بست و دو (۲۲) سال از تحصیل علوم عربیہ و فنون ریاضیہ فراغت حاصل کردہ[3]

یعنی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء علوم و فنون سے فارغ ہو گئے تھے ——— اعلیٰ حضرتؒ کی یہ ذکاوت و فطانت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے اور بفضلہ تعالیٰ خاندان مسعودیہ کے اکثر چراغ بیس اکیس سال کی عمر میں روشن ہوئے ہیں۔

---

[1] سعادت یار خاں رنگین۔ اخبار رنگین ص ۷ [2] میرزا حیرت دہلوی۔ چراغ دہلی مطبوعہ ۱۹۰۹ء، کرزن پریس دہلی [3] محمد مسعود شاہ۔ فیوض محمدی و سلوک مسعودی مکتوبہ ۱۳۱۱ھ ص ۱

اعلیٰ حضرت کا سلسلۂ حدیث دو واسطوں سے شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) تک پہنچتا ہے، آپ کے اساتذۂ گرامی میں مولانا نواب قطب الدین خاں (۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) قابلِ ذکر ہیں ——— اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صاحب مراۃ التحقیق حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸۲ھ نے اپنے صاحبزادے صاحب تفسیر صدیقی حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ م ۱۳۱۷ھ کو آپ کا تلمیذ رشید بنایا۔ حضرت امام علی شاہ اعلیٰ حضرت کے شیخ طریقت تھے اور ممدوح ہی سے آپ کو سندِ خلافت و اجازت بھی حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت کے اساتذۂ گرامی نواب قطب الدین خاں اور مولوی نذیر حسین صاحب اپنے عہد کے جید علما میں شمار کئے جاتے تھے، ان دونوں حضرات کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کے نامور نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۶۲ھ) شرف تلمذ حاصل تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے مجمل حالات قلم بند کر دیئے جائیں تاکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذہنی اور علمی پس منظر ظاہر و باہر ہو جائے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے، مثلاً ان حضرات نے سر سید احمد خاں[۱]، فقیر محمد جہلمی[۲]، ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی[۳] وغیرہ وغیرہ

نواب قطب الدین خاں علیہ الرحمہ

نواب قطب الدین خاں رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں ہوا۔ سر سید احمد خاں، کی تالیف آثار الصنادید کا پہلا اڈیشن ۱۸۴۷ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں نواب صاحب مرحوم کے تفصیلی حالات قلم بند کئے ہیں یہ حالات نواب صاحب کی وفات سے ۲۶ سال قبل تحریر میں آئے، ہم آثار الصنادید سے سر سید احمد خاں کا بیان من و عن نقل کرتے ہیں:۔

جناب مولانا نواب قطب الدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ

تحصیل علم و فضل خصوصاً فقہ و حدیث، خدمت بابرکت مولانا اسحاق صاحب مرحوم و مغفور مبرور سے کی، اتباع شریعت میں سب ہمپشمان و مسلک دین سے آپ کا قدم آگے بڑھا ہوا ہے، وضع و لباس میں اپنے استاد عالی نہاد سے ایسے مشابہ ہیں کہ جس نے ان کو نہ دیکھا ہو ان کو دیکھے، اخلاق

۱ـ سر سید احمد خاں: آثار الصنادید مطبوعہ دہلی، ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء ص ۱۰۴ ۲ـ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء ص ۴۷۴ ۳ـ ابو یحییٰ امام خاں: تراجم علمائے حدیث ہند مطبوعہ دہلی، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء جلد اول ص ۱۱۹

وحلم علاوہ فضل و کمال کے ایسا آپ کی ذات میں جمع ہے کہ اوروں میں بہت کم پایا گیا، ان دونوں فنون کا میں توغل بہم پہنچایا، تقوئی و ورع کا تو حساب نہیں، آپ کے اجداد والا تبار عالی خاندان والا دودمان تھے ہمیشہ پیش گاہ سلطنت سے مناصب جلیلہ رکھتے تھے اب اس حیز زماں میں بھی آپ کو تقرب حضرت سلطانی سے وہ عزت و جاہ حاصل ہے جو چاہیئے، چوتھے دن اپنے استاد کی پیروی اور خلق کی ہدایت کیلئے مجلس وعظ منعقد فرماتے ہیں، اکثر رسائل زبان ریختہ میں واسطے فوائد عوام کے تحریر کئے اور اس میں مسائل ضروریہ ہر طرح کے مندرج فرمائے اور حق یہ ہے کہ ان رسالوں سے خلق کو بہت فائدہ ہوا کہ ضروریات دین سے ہر شخص مطلع اور آگاہ ہو گیا، کتب حدیث سے مشکوٰۃ کا ترجمہ زبان اردو میں بہت صاف و شستہ و فائدہ مند کیا ہے اور اکثر فوائد و کتب متداولہ و غیر متداولہ سے اس پر بڑھایا جب اس کتاب کا چھاپا ہوا باوجود مبسوط ہونے کے خلق نے ہاتھوں ہاتھ خریدیں اور ہر روز رواج دین اور تقویت شرح مبین میں مصروف رہتے ہیں، اللھم زد فزد۔[۱]

فقیر محمد جہلمی نے حدائق الحنفیہ[۲] میں ان تصانیف کا ذکر کیا ہے، اس کثرت سے نواب صاحب مرحوم کے تبحر علمی اور قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے،

تصانیف نواب قطب الدین خاں مرحوم

(۱) مظاہر حق (۲) جامع التفاسیر (۳) ظفر جلیل (۴) مظہر جمیل (۵) مجمع الخیر (۶) جامع الحسنات (۷) خلاصہ جامع صغیر (۸) ہادی الناظرین (۹) تحفہ سلطان (۱۰) معدن الجواہر (۱۱) وظیفہ مسنونہ (۱۲) تحفۃ الزوجین (۱۳) احکام الغنی (۱۴) فلاح دارین (۱۵) تنویر الحق (۱۶) توقیر الحق (۱۷) تحفۃ العرب والعجم (۱۸) احکام العیدین (۱۹) رسالہ مناسک (۲۰) خلاصۃ النصائح (۲۱) گلزار جنت (۲۲) تنبیہ النساء (۲۳) حقیقۃ الایمان (۲۴) مراد المعاد (۲۵) تذکرۃ الصیام (۲۶) تذکرۃ الریاء وغیر ذالک ——— مولانا رحمان علی نے بھی ان تصانیف کا ذکر فرمایا ہے[۳]، سید عبدالعزیز سلفی نے بھی حالات و تصانیف کا ذکر کیا ہے[۴]، نواب صاحب مرحوم کی وفات ۱۲۷۹ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی، مولانا

۱ سرسید احمد خاں، تذکرہ اہل دہلی مرتبہ اختر جونا گڑھی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء ص ۸۳ ۲ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء ص ۴۸۸ ۳ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء ص ۱۶۹ ۴ ابو محمد سید عبدالعزیز، آثار دہلی، ۹ دسمبر ۱۹۱۱ء، مطبوعہ دہلی، ص ۴۷

رحمان علی آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں :-
نواب قطب الدین خاں بہادر محدث دہلوی در دوازدہ صد و نوزدہ ہجری (۱۲۱۹ھ) ولادت یافتہ، فقیہ و محدث و مفسر، قامع شرک و بدعت بود، علوم دینیہ خصوصاً حدیث و اصول آں از مولوی محمد اسحاقؒ دہلوی حاصل نمودہ و نیز از فیض علمائے حرمین شریفین مشرف گشتہ، در دوازدہ صد و ہفتاد و نہ (۱۲۷۹ھ) ہجری بمکہ معظمہ وفات یافتہ[1]

مولانا سید نذیر حسین محدثؒ دہلوی

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے حالات زندگی مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے مفصل بیان کیے ہیں ہم ان کی کتاب تاریخ اہل حدیث سے مجملاً بیان کرتے ہیں :-
حضرت مولانا کا وطن مالوف قصبہ سورج گڑھ ضلع مونگیر صوبہ بہار تھا ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں ولادت باسعادت ہوئی، ۱۲۳۶ھ میں عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لائے یہاں ترجمہ قرآن پاک اور مشکوٰۃ شریف پڑھی،

۱۲۴۳ھ میں دہلی کیلئے عازم سفر ہوئے، راستہ میں غازی پور میں قیام فرمایا، اور مولوی محمد علی چڑیاکوٹی سے کچھ کتابیں پڑھیں اس کے بعد الہ آباد میں چند ماہ قیام فرمایا، اور صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں آخر کار ۱۲ رجب المرجب ۱۲۴۳ھ کو دہلی رونق افروز ہوئے، اور پنجابی کڑہ میں مسجد اورنگ آبادی میں مولانا عبدالخالق سے استفادہ کیا ان کے علاوہ اور علماء سے بھی پڑھا، ۱۲۴۶ھ میں علوم تفسیر، فقہ و حدیث کی تکمیل کیلئے شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ کا رخ کیا اور وہاں کتب تفسیر و حدیث کی تکمیل کی، تیرہ برس کی طویل مدت تک حضرت شاہ صاحب سے مستفیض ہوتے رہے ۱۲۴۸ھ میں استاد گرامی مولانا عبدالخالق کی صاحبزادی سے عقد ہوا، شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے کفالت فرمائی اور شادی کا پورا پورا اہتمام کیا، اس سے برادران موصوف کی حضرت سید صاحب سے الفت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے، ۱۲۵۸ھ میں جب شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ معظمہ ہجرت فرمائی تو مسند درس و تدریس کا حقیقی جانشین حضرت سید صاحب کے سوا اور کوئی نہ ہو سکا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سرگروہ خاندان کو اہل دہلی میاں صاحب کہتے تھے، چنانچہ خاندان ولی اللہی سے نسبت قوی کی بنا پر حضرت سید صاحب کو میاں صاحب کہا جاتا، اسی عرف سے مشہور ہوئے مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے ہجرت کر جانے کے بعد آپ نے اورنگ آبادی میں مستقل طور پر حلقہ درس

---

[1] رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص - ۱۶۹

قائم کیا اور ۱۲۷۰ھ تک فنون درسیہ کی ہر شاخ اور تفسیر کی کتابیں بلا استثناء پڑھاتے رہے لیکن بعد میں صرف علوم دین، فقہ اور حدیث پڑھانے لگے۔ اور زندگی کا باقی حصہ جو نصف صدی کا طویل زمانہ ہے، محض خدمت دین، اور اشاعت علوم دین میں بسر کر دیا۔ آپ کے کتب خانہ کا قیمتی حصہ ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا پھر بھی جو کچھ باقی رہ گیا وہ بھی کچھ کم نہیں، آجکل دہلی میں بھوجلہ پہاڑی پر شیخ فتح علی گردیزی کے مزار مبارک کے قریب یہ کتب خانہ منتقل ہو گیا ہے اور نذیریہ پبلک لائبریری کے نام سے مشہور ہے، ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۵ء کے درمیان جب وہابیت کا مقدمہ ہندوستان میں چلایا گیا تو حضرت سید صاحب بھی راولپنڈی میں نظر بند کر دئیے گئے اور ایک سال تک سنت یوسفی کی تکمیل فرماتے رہے جیل میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا اور سنت امام اعظم بھی ادا فرمائی، ۱۳۰۰ھ میں حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے گئے۔ جون ۱۸۹۷ء مطابق محرم ۱۳۱۵ھ کو حکومت برطانیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب دیا گیا مگر آپ نے ان دنیاوی خطابات کی مطلق پرواہ نہ کی اور فقیرانہ بسر کی،

۱۰ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء سو برس کی عمر طویل پا کر دہلی میں وصال فرمایا،
آپ کی تصانیف میں معیار الحق قابل فخر ہے۔ آپ کے فتاوے آپ کے سعادت مند پوتوں سید عبدالسلام اور سید ابوالحسن نے دو جلدوں میں شائع کر دئیے ہیں، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے رسائل بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے، زیادہ وقت درس تدریس میں گزرا۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت شاہ محمد مسعود شاہؒ، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی، مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی، مولانا وحید الزمان حیدرآبادی وغیرہ قابل فخر ہیں۔ [1]

ملازمت و بیعت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ابھی بائیس سال ہی کے تھے کہ یتیم و یسیر ہو گئے، چنانچہ تلاش معاش کے سلسلے میں ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء کے اوائل میں دہلی سے پنجاب تشریف لے گئے، ملتان میں کچھ عرصہ بحیثیت تحصیلدار اپنے فرائض انجام دیتے رہے اسی زمانے میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ کامل حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۲ھ)، کا شہرہ سنا جو اس وقت مکان شریف (موضع رتڑ چھتڑ ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب (بھارت) میں فیض بخش خاص و عام تھے، چنانچہ شوق آستانہ بوسی نے مجبور کیا اور کشاں کشاں مکان شریف پہنچ کر شرف قدم بوسی حاصل کیا، حضرت امام علیؒ نے بیعت فرما لیا اور بغیر ریاضت و مجاہدہ کے ایک سال کے اندر اندر خلافت سے نوازا اور سند اجازہ عطا فرمائی۔
اعلیٰ حضرتؒ نے یہ تمام حالات و واقعات رسالہ فیوض محمدی (۱۲۸۰ھ) میں مفصل طور پر بیان فرمائے ہیں،

---

[1] محمد ابراہیم میر، تاریخ اہلحدیث، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۳ء، ص ۴۲۵ تا ۴۲۴

یہاں متعلقہ اقتباس نقل کیا جاتا ہے :-

بعمر بست و دو سالی (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) از تحصیل علوم عربیہ و فنون ریاضیہ فراغت حاصل کردہ بعد از وفات والدین بباعث احتیاج و تعلقات دنیوی بملک پنجاب رفتہ ملازمت و سیاحی نمودم حتی کہ بہدایت فیض الٰہی و بجذبۂ رحیمی باستماع اوصاف حمیدۂ حضرت سیدی و مولانا و مرشدنا و ہادینا خواجہ سید امام علی صاحب حسنی السامری النقشبندی المجددی افاض اللہ فیضہ علی الطالبین وادام اللہ ضوء حیاتہ علی العلمین ———— کہ در این ایام مثل خود نظیرے ندارند و قائمقام خواجہا اند و بواسطہ حصول درجات ولایت النبوۃ ہر کسے اکہ خواہند بدرجہ کمال و تکمیل می سازند، و در یں ماں بر آستانہ ملک کاشانہ حضرت عالیشان کوس رشد و ہدایت می نوازند و جوق جوق مردان از راہ دور دراز مثل بدخشان ہند و روم وغیرہ بخدمت عالیہ حاضر شدہ مستفیض می شوند، علم یکتائی را بر سر فلک الافلاک قائم کردہ و صیت رشد و ہدایت برا ہالیان شرق و غرب رسانیدہ مضمون حوالیہ من کل فج عمیق بر سر طغیان است ہر کسے اکہ خواہش دامن گیر باشد بحضور فیض گنجور حاضر شدہ و از فیض عمیمش بہرہ مند گردد، و قدرت کردگار را معائنہ کند کہ ہر کسے اا از سفرۂ عام چہا نصیبے می گردد و مطلب دین و دنیا حاصل کردہ شکر گزار می گردد، و فناء الفناء در قبضۂ ایشان است و کشف و کرامات در تحت تصرف و شان جذب و کشش در یک نظر و اجراء ذکر بیک بصر و مقامات علیا در بر، نسبت بیچونی در سیر طالب از ولایت صغری خالی و نہ از ولایت کبریٰ عاری، نسبت ایشان نسبت احمدی مشرب و شان مشرب محمدی، نہ قرب باطنی را نہایتے نہ تصرف ظاہری را غایتے از خلق عظیم آراستہ، و از حلم عمیم پیراستہ، شفقت بر خاکساران، چشم پوشی از خطاکاران حبیب حبیب العالمین، منیب سید خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کانون اشتیاق بجوش آمد و آرزوئے پابوسی دامن گیر شد و بجذبۂ جاذبۂ اصلی منجذب گردیدہ مقبول بندگان و الاگشت و توجہ بیانہ و پرورش فرزندانہ و عنایت بے پایاں بریں فقیر گماشتہ شد کہ حمد سپاس آں از احاطۂ تحریر و تقریر بیرون است، ظلال فیوض حضرت رشادپناہی ام اقبالہ و دام و رنما فرمود حتی کہ بغیر مجاہدہ و ریاضات بصرف ہمت خود و توجہ نظر کیمیا اثر از فیوض عمیم بعد از یک سال و چہار تکمیل فرمودہ بسمت دہلی برائے ارشاد طالبین فرستادند۔[1]

---

[1] شاہ محمد مسعود، فیض محمد و سلوک مسعودی در تحفۃ السالکین مسعوی (۱۲۸۰ھ) مکتوبہ محمد عظیم گوپالوی شعبان المعظم

تلخیص و ترجمہ

بائیس سال کی عمر میں علوم عربیہ و فنون ریاضیہ سے فارغ ہو کر جب کہ والدین کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا تھا ضرورت و احتیاج اور دنیوی علائق کی وجہ سے پنجاب جا کر ملازمت شیاحی کی، یہاں تک کہ بتوفیق الٰہی حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ سماعت میں آئے، آپ اپنے معاصرین میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، بدخشاں، روم اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جوق در جوق لوگ آکر مستفیض ہوتے ہیں، آپ کے قبضہ میں فناء الفناء ہے، صاحب کشف و کرامات ہیں، ایک نگاہ میں دل کھینچ لیتے ہیں، ایک چشم کرم سے قلب جاری فرما دیتے ہیں، مقامات علیا اور نسبت بیچونی کے حامل ہیں، ان کے حضور جو طالب آتا ہے وہ نہ ولایت صغریٰ سے خالی جاتا ہے اور نہ ولایت کبریٰ سے، آپ کی نسبت النسبت احمدی ہے، آپ کا مشرب مشرب محمدی ہے، نہ آپ کے قرب باطنی کی کوئی انتہا اور نہ تصرفات ظاہری کی، خلق عظیم اور حلم عمیم سے آراستہ و پیراستہ ہیں، خاکساروں پر شفقت فرماتے ہیں، خطاکاروں سے درگزر فرماتے ہیں، حبیب خدا ہیں، منیب مصطفےٰ ہیں ——— ان اوصاف حمیدہ کو سن کر دل میں شوق پیدا ہوا اور قدم بوسی کی آرزو نے دل میں کروٹیں بدلیں، چنانچہ کشش باطنی نے کھینچا اور ان کے غلاموں میں شریک ہو گیا، مربیانہ توجہ اور فرزندانہ پرورش فرمائی اور اس کے علاوہ عنایات بے پایاں سے اس فقیر کو نوازا کہ جس کا شکریہ تحریر و تقریر سے ممکن نہیں، یہاں تک کہ بغیر مجاہدہ ریاضات کے اپنی ہمت اور حضرت کی نظر کیمیا اثر سے ایک سال کے اندر اندر درجہ تکمیل عطا فرمایا اور طالبین کی رشد و ہدایت کیلئے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔"

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بغیر مجاہدہ ریاضات کے صرف چوبیس سال کی عمر شریف میں خلافت حاصل کرنا کمال روحانیت کی دلیل ہے، فی الحقیقت یہی وہ حضرات ہیں جن کے سینوں میں مولیٰ تعالیٰ نے قیامت کی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے لگتے ہیں ؎

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

دہلی تشریف لے جانے سے پہلے حضرت امام علی شاہؒ نے اعلیٰ حضرتؒ کو اجازت نامہ مرحمت فرمایا اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ طریقت کی نگاہ میں آپ کا کیا مقام تھا؟ ——— یہ اجازت نامہ حضرت امام علی شاہؒ کے مطبوعہ مکتوبات شریف (۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء لاہور) میں شامل ہے (ص-۱۹) ہم یہاں من وعن نقل کرتے ہیں، قارئین کرام کی سہولت کے لئے حواشی میں مصطلحات تصوف کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

خلافت نامہ

الحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ ــــ

اما بعد ۔ بر ضمائر صفوت نظائر ارباب علم و عرفان مکشوف و مبرہن باد کہ جامع فضائل عقلی و نقلی مولوی محمد مسعود دہلوی زاد اللہ انوار قبولہ ہر گاہ کہ بداعیہ سلوک[1] طریق اہل اللہ داخل طریقہ نقشبندیہ مجددیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار اہلہا گردیدہ بورزش ماموریہ مشغولی ورزیدہ در مبادی احوال عنایت ازلی متکفل بحال او گشتہ نسبت[2] جذبیہ وے را دریافت، و انوار و اسرار ہر لطیفہ[3] از لطائف[4] پنج گانہ بردلش تافت و از سیر[5] دراصول آں ہا در تجلیات آثاری[6] و افعالی[7] و صفاتی[8] مستہلک گردید تا آں کہ بقوت امداد

ا؎ خدا تک رسائی کا راستہ بطریق سیر کشفی عیانی نہ کہ بطریق استدلال۔ اس راستہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں

ؔ۲ وہ ملکہ راسخہ محمودہ جو سالک اکتساب سے حاصل کرتا ہے اور جو اس کی روح کو جمیع جہات سے احاطہ کر لیتا ہے اور اس کی صفت لازمی بن جاتا ہے اس کا مرنا جینا اسی پر واقع ہوتا ہے (سرِّ دلبراں ص۔ ۲۵۴)

ؔ۳ ہر اشارۂ دقیق المعنی جو عبارت کے ذریعہ بآسانی سمجھ میں آسکے، جس طرح علوم ذوقی عبارت سے سمجھ میں نہیں آسکتے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انسان دس لطائف سے مرکب ہے، پانچ عالم امر سے متعلق ہیں اور پانچ عالم خلق سے۔ لطائف[4] پنجگانہ عبارت ہیں لطائف عالم امر سے جس کی تفصیل یہ ہے۔ قلب،[1] روح،[2] سر،[3] خفی[4] اور اخفیٰ[5] اور عالم خلق کے لطائف میں نفس اور اربعہ عناصر شامل ہیں۔ (سرِّ دلبراں، ص۔ ۳۲۸)

ؔ۵ سالک کا ایک حال سے دوسرے حال، ایک فعل سے دوسرے فعل، ایک تجلی سے دوسری تجلی، ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونا، جب کشف و کرامات کی راہ سے یہ سلوک طے کیا جاتا ہے تو اسے سیر کہتے ہیں سرِّ دلبراں

ؔ۶ یہ تجلی صوری ہے، وجود جسمانیات کی صورت میں متمثل ہوتا ہے اور جس پر یہ تجلی پڑ جاتی ہے وہ جان لیتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کا پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت حق کو اس صورت تمثیلی میں دیکھ رہا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر ابتدا میں تجلی بصورت نار ہوئی پھر انہوں نے یہ بھی پہچان لیا کہ اس صورت میں کون متجلی ہے (سرِّ دلبراں، ص ۱۳۱)

ؔ۷ اس تجلی میں سالک صفات فعلیہ ربوبیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ حق تعالیٰ کو متجلی پاتا ہے اس مشاہدہ میں بندہ سے حول و فعل و ارادہ سلب ہو جاتا ہے اور ہر چیز میں قدرت کو جاری و ساری دیکھتا ہے (سرِّ دلبراں ص ۱۳۲)

ؔ۸ اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہات صفات میں متجلی پاتا ہے، امہات صفات حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام ہیں، جنہیں مقامات سبعہ ذاتیہ بھی کہتے ہیں (سرِّ دلبراں، ص۔ ۱۳۴)

(سرِّ دلبراں ص ۲۴۱)

(سرِّ دلبراں ص ۲۵۲)

جذبات[1] بسائط نفی و دائرۂ[2] امکانی را کہ عبارت از سیر الی اللہ[3] است طے کردہ از معارج قلبی و مدارج روحی بعالم کشف[4] قسمیان سید و بمشاہدۂ انوار حقائق فناء[5] و معاینۂ اسرار و دقائق بقا[6]

---

[1] توحید کی دو جہتیں ہیں، نفی اور اثبات۔ اور کلمہ طیبہ مرکب ہے نفی اور اثبات سے۔ ذات باری تعالیٰ ان اوصافِ ناقص سے منزہ ہے جو اس کی شان کے شایان نہیں اور انہیں اوصاف ناقصہ سے اس کی نفی کی جاتی ہے اور چونکہ وہ اپنی ذات سے کامل اور اپنی صفات سے مکمل ہے اس لئے ان اسمائے حسنیٰ اور ان صفات کاملہ سے جن کو اس نے خود اپنی شان میں بیان فرمایا ہے اس کا اثبات کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں خدائے عزوجل نفی اور اثبات دونوں سے منزہ وماوراء ہے۔ (سرِ دلبراں، ص۔۳۶۰)

[2] دوائر کے متعلق تفصیلات سرّ دلبراں، ص۔۲۲۲ اور ص۔۳۸۰ پر ملاحظہ کی جائیں۔

[3] انسان کامل جو کہ خلاصۂ تعینات وتکثرات ہے سیر شہودی و رجوعی کے ساتھ بجانب کل جو کہ واحد مطلق ہے یعنی بمقام احدیت وصول یاب ہونا سیر الی اللہ ہے۔ (سرّ دلبراں، ص۔۲۵۲)

[4] لغت میں کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں، اصطلاح صوفیہ میں امور غیبی و معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھنا اور حقیقت وراء حجاب پر وجوداً اور شہوداً اطلاع پانا کشف ہے، اس کے دو اقسام ہیں کشف صوری و کشف معنوی۔ (سرّ دلبراں، ص۔۳۱۲)

[5] فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں ذات احدیت میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے ؎

ہستی من رفت خیالش بماند

ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

اس ہوش نہ رہنے کا بھی ہوش نہ رہے تو اس کو فنا الفناء کہتے ہیں، فناء کی کئی منازل ہیں۔ فنائے افعالی یعنی اپنے افعال اور خلق کے افعال کو افعال حق میں فنا کر دینا۔ فنائے صفاتی یعنی اپنی صفات کو اور خلق کی صفات کو ذات حق میں فنا کر دینا۔ فنائے ذاتی یعنی اپنی ذات کو اور خلق کی ذات کو ذات حق میں فنا کر دینا۔ (سرّ دلبراں، ص۳۰۲)

[6] وہ بقا جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ فنائے صفاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اسے قرب نوافل کہتے ہیں، یعنی بندے کی صفات اور بندے کے افعال کا فنا ہو جانا اور ان کی جگہ خدا کی صفات اور خدا کے افعال کا قائم ہونا، فنائے ذاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اسے قرب فرائض کہتے ہیں یعنی بندے کی ذات کا خدا کی ذات میں گم ہو جانا۔ اس مرتبہ میں بندہ اپنی ذات سے غائب اور ذات حق سے حاضر ہو جاتا ہے۔

(سرّ دلبراں، ص۔۳۰۴)

درمقام سیر فی اللہ پیوست چناں کہ از اتصاف بصفات ربوبیت بسنن سرمدیت و مظہریت[1] و کلیت[2] از محو بصفات بشریت ایمن شد، سریان این نسبت در روحانیہ و جسمانیہ از اوصاف طبیعت، برآورده فانی مطلق ساختہ و این فنا محض موہبت است، رجوع از موہبت لایق بجناب قدسہ تعالیٰ پس بعد یافت تمکین او در مقام تکمیل ورا اجازت کردہ تا طالبان را بحق سبحانہ دعوت نماید و بہ تربیت مستعدان پردازد، چوں طریق ارشاد و مقامات بنظر عیاں دیدہ بجذبہ عنایت تصرف او مرتبہ رسید کہ مداوائے علیلان بستر غفلت تواند کردن، طریق طالبان آں کہ اورا در کمالات مرقومہ واثق دانستہ صحبت کثیر البرکت اورا مغتنم انگارند کہ بواسطہ صحبت آثار تصرفات الٰہی واسرار جذبات نامتناہی در بواطن خود ہا یافتہ دز بحر احدیت مستہلک و متلاشی خواہند بود وصیت کردہ شد بتمسک کتاب و سنت و عمل بعزمیت و اجتناب از بدعت و التزام ورع و تقویٰ و احتراز از صحبت اغنیاء، امید آنکہ از کرم او سبحانہ آں کہ اورا واسطہ احیاء سنن رسول انس و جان و ذریعہ القائے نسبت حضرات خواجگان عالی شان گرداناد بحرمت کمال اولیائے من الابدال والاوتاد۔ ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھئ لنا من امرنا رشدا[3]

سلسلۂ طریقت

اعلیٰ حضرتؒ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت امام علیؓ تک مندرجہ ذیل واسطوں سے فیض پہنچا ہے :-

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (۱۳ھ) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۳۳ھ) حضرت امام قاسم (۱۰۸ھ)، حضرت امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) حضرت بایزید بسطامی (۲۹۹ھ)، حضرت بوالحسن خرقانی (۴۲۵ھ)، حضرت بوعلی فارمدی (۴۷۷ھ)، شیخ یوسف ہمدانی (۵۳۵ھ)، حضرت عبدالخالق غجدوانی (۵۷۵ھ) حضرت خواجہ عارف ریوگری (۷۱۵ھ)، حضرت ابوالخیر محمود فغنوی (۷۱۷ھ)، حضرت شاہ علی رامیتنی (۷۲۱ھ) بابا سماسی (۷۵۵ھ)، خواجہ سید کلال (۷۷۲ھ)، حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند (۷۹۱ھ) حضرت یعقوب چرخی (۸۵۱ھ)، شاہ عبید اللہ (۸۹۵ھ) خواجہ محمد زاہد (۹۳۶ھ)

---

[1] آیئنہ ظہور یعنی اعتبارات و اقعیہ جن سے وجود مطلق نے ظہور پایا (ایضاً ص- ۳۲۴)

[2] نام حق تعالیٰ باعتبار اس کے وہ مظہر ہے جملہ مظاہر کا (ایضاً ص- ۳۱۸)

[3] امام علی شاہ :- مکتوبات شریف، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء، ص- ۱۲۵ تا ۱۲۷

خواجہ محمد درویش (۹۷۰ھ)، خواجہ امکنگی (۱۰۰۸ھ)، حضرت خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ)، حضرت مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ)، خواجہ محمد معصوم (۱۰۷۹ھ)، خواجہ عبدالاحد (۱۱۲۷ھ)، شاہ محمد حنیف (۱۱۳۳ھ)، شاہ محمد مکی رازداں (۱۱۴۳ھ)، خواجہ محمد مظہری (۱۱۴۹ھ) خواجہ محمد زماں (۱۱۸۸ھ)، خواجہ احمد متقی (ســـ ھ)، حضرت حلبی شاہ حسین (۱۲۴۴ھ)، حضرت شاہ امام علی (۱۳۰۹ھ) رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

رشد و ہدایت

دہلی تشریف لانے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد جامع فتحپوری دہلی (۱۳۰۶ھ) میں خانقاہ مسعودیہ کی بنیاد رکھی اور علمی و روحانی فیض جاری فرمایا، دور و نزدیک سے لوگ آکر بیعت ہوتے تھے، الحمد للہ کہ اعلیٰ حضرت کے نامور پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی، قدس سرہ العزیز نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مسعودیہ کو وہ عروج بخشا کہ بایدوشاید آپ نے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک فیض روحانی کے دریا بہائے اور تشنگانِ راہ طریقت کو سیراب فرمایا، اس کتاب کے دوسرے حصے میں آپ کے تفصیلی حالات بیان کئے جائیں گے۔

دہلی میں سلسلۂ رشد و ہدایت جاری فرمانے کے بعد اعلیٰ حضرت اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں مکان شریف تشریف لاتے رہے اور مراسلت بھی فرماتے رہے، ایک صدی قبل کا ایک مکتوب دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گیا ہے جو اعلیٰ حضرت نے ایک مرید جلال الدین نے قصبہ دسوہہ ضلع ہوشیار پور سے اس وقت مکان شریف کے پتے پر ارسال کیا جب شیخ طریقت کی خدمت میں دہلی سے حاضر ہوئے تھے، یہ خط کرم خوردہ ہے، جو کچھ سمجھ میں آتا ہے تحریر کیا جاتا ہے :-

بجناب فضیلت و طریقت مآب حضرت مخدوما و مطاعنا مولانا محمد مسعود صاحب دام اللہ اشتغالہ

کمترین نیاز منداں آداب تسلیم و ست بستہ معروض داشتہ ملتمس آں خبر خیر مقدم بالسنہ جناب عالی صاحب والی بنگالہ شریف شنیدہ لبیا محزوز دلکذا، شدم خواستم کہ بشرف زیارت رسم۔ الا در دسوہہ تنہا ہستم یکسے محرم نسواں موجود نیست مولوی صاحب ازیں جا بہ حضرت نور شہر تبدیل شدند مجبور ماندم اگر الطاف و اخلاق فرمایند تا ہنگام رخصت سمت دہلی سر از میں را تشریف فرما شوند غلام سبیل کرایہ سواری از مکان شریف تا جالندھر بر خود الزم خواہد دانست دل بر ملاقات سامی نہایت مشتاق است اگر خلاف مزاج والا نہ شود ضرور تشریف آرند داخل انعام و اکرام خواہد بود و نیز از خیر و عافیت حضرت قبلہ و کعبہ دام اللہ اعلاہ گاہے گاہے اطلاع بخشند بحضور جناب صاحبزادہ صاحب الامناقب ـــــــ

کمترین بندگان جلال الدین غفرلہ ذنوبہ و ستر عیوبہ بمقام دوسوبہ ضلع ہوشیار پور، عرائض نویس تحصیل دوسوبہ ــــــــــــ می کنم قوت لایموت حق تعالیٰ احسن الوجوہ عطا فرمایند ـــ اطلاعاً

عرض دار کمترین جلال الدین [1]

حضرت امام علی شاہؒ نے اعلیٰ حضرتؒ کو جو مکاتیب ارسال فرمائے تھے ان میں سے ایک مکتوب گرامی محولہ بالا مطبوعہ مکتوبات شریف میں شائع ہو گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے شیخ طریقت کی نظر میں اعلیٰ حضرت کے علو شان کا اندازہ ہوتا ہے اعلیٰ حضرتؒ تقریباً ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء میں بیعت ہوئے اور حضرت امام علی شاہؒ نے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں وصال فرمایا۔ اس طرح تقریباً دس برس شیخ کامل سے استفادہ و استفاضہ کا موقع ملا۔ اس عرصہ طویل میں ــــ جانبین کی محبت راسخ ہو گئی، آیئے اس محبت کی جھلک حضرت امام علی شاہؒ کے مکتوب گرامی میں ملاحظہ کیجیے جو ایک طرف حضرت امام علی شاہؒ کی کمال نشاد پردازی کا آئینہ دار ہے تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت کی عظمت و شوکت کا ترجمان ہے ۔

مکتوب شیخ طریقت

مکتوب پنجم

الحمد للہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

مظہر صفات ربانی، مورد اخلاق سبحانی، صدر مسند ارشاد و ہدایت، جامع نعوت و لابت فضائل و کمالات مرتبت، مولوی محمد مسعود سلمہ اللہ تعالیٰ و بارک فیما اعطاہ۔

بعد دعوات کمال استقامت و عافیت مکشوف خاطر انور آں کہ مجاری حالات فقرا ایں حدود مستوجب حمد است و روز افزونی انوار برکات و قبول مسئول اللّٰھم زد صحائف شرائف متواتری رسند، بدریافت احوال فیض اشتمال فقیر مسرور الحال است خصوصی مکتوب مرغوب مبنی فرط اشتیاق و مشعر قلق فراق کہ دریں ایام وصول آورد بسیار خوش وقت و ذوقیں ساختہ، اللہ تعالیٰ ترقیات کثیرہ در محبت و معارف و اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در ظاہر و باطن عطا فرماید، بمنہ و فضلہ، آرے عاشق صادق آں است کہ بے مطلوب او را آرام نہ بود و بما سوا او را انسے و الفتے نماند ہمیشہ از سر او ایں ندا آید

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام
دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

---

[1] یہ مکتوب ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء سے قبل کا ہے کیوں کہ سنہ مذکور میں حضرت امام علی شاہ کا وصال ہوا اور اس مکتوب میں ان کا ذکر ہے۔

لیکن باید که شوق تعلق خود را فرع شوق و محبت فقرا انگارد، بنابرآن که درین نوبت آن
فضیلت پناه را زحمت کرده بواسطهٔ زیاده پیدا شدن علاقهٔ معنوی نسبت سابق خاطر بدان،
صوب متوجه است پس ضرورةً شاید که آن چه در اصل کائن بود آثار آن فرع بپیرایهٔ وضوح بوجه
احسن جلوه افتاده باشد، فی الجمله هرچند که تعلق و محبت بصاحب رابطه بر مزید بود و برکات و فتوحات بیشتر
روی نماید، ازین همه امیدواری است که از دوست نسبت جمعی که سائر نسبتها در جنب آن متلاشی
اند، بمصداق الیوم یسد کل خوخة الا خوخة ابی بکر حظ کامل بهرهٔ شامل حاصل شود
و راستقامت مردانه و از غیر بیگانه و در محبت پیران دیوانه باشند، و شکر بجا آرند که تربیت مخفی و
مرادی مربی ساخته در پرورش لطف و احسان پرورش داده که شکر بر نعمت هیچ دقیقه از دقائق فرو می
گذارد، و نصیب شاکرینه گردد و ظاهراً و باطناً از تنگی دل تنگ نباشند که دوسه سرّے از اسرار است و
درکار بفقر و فاقه مستقیم بوند، تا حسن و جمال فقر که عبارت از عدم اسباب و صبر و رضا بلکه التذاذ در
باطن از عدم آرزو و عدم التفات بغیر و وثوق بر حال و توجه بحضرت ذوالجلال کانک تراه است
منکشف گردد که همه اغنیائے عالم چون قدر دولت و نعمت اهل فقر و فاقه معاینه کنند آرزو برند و گویند
اے کاشکے عمر با در دنیا بفقر و فاقه گذشتے، نقل است که در شب معراج ملک و ملکوت هرچه بود در نظر حضرت
رسالت نهادند در گوشهٔ ندید گفت الفقر فخری - غایت درویشی آن بود که او را فاقه افتد معراج
او بود ؎

هرکه او از دار دنیا پاک شد
نور مطلق گشت گرچه خاک شد

هرکه در حق سبحانه و تعالی از فراغت چیزے ندید یقین داند که از آفت آن نگهدارد تا ملوث نشود کما ورد
فی الحدیث عن سلطان ان الله اشد حمية المؤمن والله اشد تعهد للمؤمن
بالبلاء من الوالد بولده بالخير، بلکه آن را موجب ترقی درجات داند اذا احب الله عبداً ا
غلق عليه امور الدنيا و فتح له امور الآخرة - با آن عظمت و جلالت حضرت رسالت
پناه را دعا این بود اللهم احيني مسكينا و امتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين
دیگر چون دنیا دار بلا و محنت است کس را ممکن نیست که یک دم بے بلا و یک قدم بے محنت تواند زد از
آن که ؎

آدمی بهر بے غمی را نیست
پاے در گل جز آدمی را نیست

مقولہ فیض مجمولہ سرور انبیا است یا لیت رب محمد لم یخلق محمدا و آں کہ صفوۃ البشر و انبیاء است نالہ اوست یا لیتنی کنت ورقۃ شجرۃ یا کل لا انا مد۔ پس ما و توجہ باشیم وچہ گوئیم، بہر حال بر بلا و محنت صبا باید ساخت و بہر چہ رسد گردن باید نہاد زیراکہ گرفتار مرادات خود بہ ہوا و ہوس خود فریفتہ و بندۂ خود است بندہ باید کہ مطلب او غیر از مولا و خود جل سلطانہ ہیچ نہ بود، و جز مراد مولا مراد بندہ ہیچ نہ بود و جلال و جمال و ایلام و انعام را مساوی داند کہ مقام بندگی است و بندگی با مراد ضدیۃ است، والضدان لا یجتمعان ؎

نرود بر مراد ما کارے

بندہ بودن ہمیں بود آرے

امور دین و دنیا را بجناب الٰہی تفویض نمودن و مجاری احوال را تقدیر کارساز دیدن و از ما سوا، نا امید بودن و بوعدہ ہائے حضرۃ الٰہیہ مستقیم بودن و برزق مضمون او رساختن طریق دوستان خدا است، براں ملازمت ورزند و در ترویج ایں طریقہ انیقہ و احیاء سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوشند کہ توجہ ایشاں لہا از غفلت باک و بجا و بہ صحبت کثیر البرکت انوار مشاہدہ برد لہا درخشیدن گیرد۔ دیگر عذر نانوشتن جواب دریں مدت کثرت اشتغال بحال اردین است آں را حمل بر ملال خاطر فقیر انکند کہ فقیر ہرگونہ ازاں فضیلت پناہ خوش است اللہ تعالیٰ در دو جہاں خوش دارد و قبلہ طالبان خود سازد بعونہ و لطفہ[1]

ترجمہ و تلخیص

بعد صلوات کمال استقامت و عافیت معلوم ہو کہ اس طرف خیریت ہے۔ آپ کے صحائف شرائف متواتر پہنچ رہے ہیں، آپ کی خیریت معلوم ہو کر فقیر مسرور ہوا، اللہ تعالیٰ محبت و معارف اور اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں روز بروز ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین،

بیشک عاشق صادق وہ ہے کہ بغیر محبوب و مطلوب کے اس کو چین نہ ملے، بیکل ہی رہے، غیر کے ساتھ کوئی انس و محبت بھی ہو اور ہمیشہ بزبان بے زبانی کہتا رہے ؎

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام ✿ دل ترا می طلبد، دیدہ ترا می خواہد

---

[1] امام علی شاہ: مکتوبات شریف، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء، ۱۹ تا ۲۲

اپنے شوق و قلق کو فقراء کے شوق و محبت کا ثمر جانیں، استقامت میں مردانہ، غیر سے بیگانہ، اور مشائخ کی محبت میں دیوانہ رہیں، ظاہر و باطن میں تنگی دل سے تنگ نہ ہوں کیوں کہ یہ تنگ دلی راز ہائے سربستہ میں سے ایک راز سربستہ ہے فقر و فاقہ میں استقامت سے کام لیں تاکہ حسن و جمال فقر ظاہر ہو ——— فقر کیا ہے؟ اسباب سے قطع نظر کر کے صبر سے کام لیتے ہوئے راضی برضاء الٰہی رہنا ۔ غیر اللہ سے نہ آرزوئیں وابستہ رکھنا اور نہ ان کی طرف التفات کرنا بلکہ دل ہی میں لطف اٹھانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ رہنا کہ گویا آپ اس کو دیکھ رہے ہیں ۔ کل قیامت کے دن جب دنیا کے اغنیاء و امراء اہل فقر و فاقہ کی دولت و نعمت کو بچشم خود معائنہ کریں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری عمر فقر و فاقہ میں گزرتی! ——— روایت ہے کہ شب معراج میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک و ملکوت جو کچھ تھا سب دکھایا گیا مگر آپ نے گوشۂ چشم بھی اس طرف نہ کیا اور فرمایا الفقر فخری ۔ درویش کی انتہا یہ ہے کہ جب وہ فاقہ سے دوچار ہو تو وہ اس کی زندگی معراج ہو ؎

ہر کہ از دار دنیا پاک شد ❊ نور مطلق گشت گرچہ خاک شد

جس کسی کو حق تبارک و تعالیٰ فراغت کے ساتھ کوئی چیز نہ دے تو وہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کی آفت سے محفوظ رکھے گا جیسا حدیث میں آتا ہے :-

"بیشک اللہ تعالیٰ مومن کا سب سے زیادہ محافظ ہے کوئی باپ اپنے بیٹے کی مصیبت میں اس کا اتنا خواہاں نہیں ہوتا جتنا پروردگار عالم مصیبت میں اپنے عزیز بندے کی خیر خواہی فرماتا ہے"

بلکہ اس کو موجب ترقی درجات جانے کیوں کہ جب اللہ اپنے بندے سے بہت محبت کرتا ہے تو اس کے لئے امور دنیا میں مشکلات فرما دیتے ہیں اور آخرت کے امور آسان فرما دیتے ہیں ——— باوجود عظمت و جلالت کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ التجا فرمائی :-

"اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین اٹھا اور مسکینوں کے زمرے میں میرا حشر فرما" دوسرے چونکہ دنیا آزمائش و مصیبت کا گھر ہے کسی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ ایک لمحہ بغیر مصیبت کے اور ایک قدم بغیر آزمائش کے رکھ سکے ۔ کیونکہ ؎

آدمی بہر بے غمی راتیست ❊ پائے در گل چراغ آدمی راتیست

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے :-

"کاش کہ محمد کے رب نے محمد کو نہ پیدا کیا ہوتا!"

ایک بار یہ فرمایا :-

"کاش میں درخت کا پتہ ہوتا جس کو چوپائے کھا لیتے!"

پس ہم اور آپ کس شمار میں ہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ ——— ہر حالت میں بلا و مصیبت کے ساتھ

بنا ہے رکھنا چاہیئے ـــــ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے کیونکہ جو اپنی خواہشات میں گرفتار ہے وہ اپنی ہوا و ہوس میں پھنسا ہوا ہے اور خدا کا نہیں اپنا ہی غلام ہے حالانکہ بندہ تو وہ ہے کہ اپنے مولا کے سوا الفت رز و کسی غیر سے وابستہ نہ ہو اور مولیٰ تعالیٰ کے علاوہ اس کی کوئی خواہش ہی نہ ہو ـــ جلال و جمال اور ایلام و انعام کو برابر سمجھئے کہ مقام بندگی ہی ہے بندگی اور خواہش میں ضد ہے اور ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ۔ ــــ

نرود بر مراد کارے ؎ بندہ بودن ہمیں بود آرے

دین و دنیا کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اپنے حالات کو تقدیر الٰہی کے تابع دیکھنا، ماسوا اللہ سے ناامید ہونا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر استقامت کے ساتھ دل لگائے رکھنا، یہ خدا کے دوستوں کا شیوۂ خاص ہے ۔ اس پر پابند رہیں اور اس طریقۂ انیقہ (نقشبندیہ مجددیہ) کی ترویج اور احیاء سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوشاں رہیں کہ آپ کی توجہ خاص سے طالبین کے دل غفلت سے پاک ہو جائیں گے ۔ اور ان کے دل انوار الٰہی کی چمک سے چمکنے لگیں گے ۔

اس مدت طویل میں خط نہ لکھنے کا باعث یہ تھا کہ نوادر دین کی طرف توجہ میں مشغول تھا اس کو ملال خاطر پر محمول نہ کریں کیونکہ فقیر اس فضیلت پناہ سے ہر طرح خوش ہے ۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں خوش رکھے اور طالبین کا مرکز نگاہ بنائے ۔ آمین !

دوسرا باب

شیخ طریقت

حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت امام علی شاہؒ اور اعلیٰ حضرتؒ کا ذکر بڑی عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے مثلاً مولانا محمد ہدایت علی جے پوری تحریر فرماتے ہیں :-

بڑے عالم و فاضل آپ کے (حضرت امام علی شاہ) حلقہ میں حاضر ہو کر نور باطن اخذ کرتے تھے چنانچہ حضرت مولوی مفتی مسعود صاحب پیش امام مسجد فتحپوری واقع دہلی آپ ہی کے خلفاء اعظم سے ہیں اور مفتی صاحب کے بھی جو خلفاء ہوئے وہ بھی بفضلہ تعالیٰ بابرکت صاحب نسبت بزرگ ہوئے حضرت مفتی صاحب کے خلفاء میں خاص خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین صاحب الوری مدفیوضہ ہیں جن کا فیض اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں علاوہ القائے انوار باطن کے اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت و کلام میں وہ تاثیر عنایت فرمائی ہے کہ اکثر بیسیوں غیر مذاہب کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے اپنے دلوں کو نور باطن سے منور کر لیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور ارشاد میں ترقی عطا فرمائے حضرت مولوی مسعود صاحب کی تعریف کیا کی جائے کہ جن کے مرشد سید صاحب (امام علی شاہؒ) جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین صاحب جیسے ہوں ۔[1]

اسی طرح صوفی محمد ابراہیم نے بھی اپنی تالیف خزینۂ معرفت (۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) میں حضرت امام علی شاہؒ کا مفصل ذکر کیا ہے اور صفحہ ۱۲۳ پر جہاں خلفاء کا ذکر کیا ہے وہاں ساتویں نمبر پر اعلیٰ حضرتؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علی شاہؒ اور ان کی اولاد امجاد کے حالات مختصراً بیان کر دیئے جائیں تاکہ ان کی عظمت شان کا صحیح اندازہ ہو سکے، خانقاہ امامیہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ العالی اس وقت ساہیوال میں مقیم ہیں، ممدوح کے کتب خانے میں حضرت امام علی شاہؒ سے متعلق بڑا نادر ذخیرہ موجود ہے افسوس وہاں تک رسائی نہ ہو سکی۔ سر دست تذکروں سے حالات اخذ کر کے نقل کیے جاتے ہیں :-

خاندان و ولادت

جیسا کہ عرض کیا گیا مختلف تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں نے حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و سوانح پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔ امام بخش بن پیر بخش[2]، صوفی ابراہیم[3]، محمد ہدایت علی[4] جے پوری، محمد امین شرقپوری اور حاجی فاضل احمد

---

[1] محمد ہدایت علی: معیار السلوک و دافع الاوہام والشکوک مطبوعہ کراچی (تالیف قبل ۱۳۲۶ھ) ص ۱۴۰-۱۴۱ (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

حضرت امام علی شاہ نسباً حسنی و حسینی تھے آپ کے اسلاف حرمین شریفین سے سامرہ نواح بغداد تشریف لائے پھر ۸۳۶ھ/۱۴۳۱ء میں آپ کے مورث اعلیٰ حضرت دانیال رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور یہیں فروکش ہو گئے[۱] صاحب حدیقۃ الاسرار نے حضرت امام علی شاہؒ کی سیادت و ولادت کا اس طرح ذکر کیا ہے

اس کامل و اکمل ولی حضرت سید امام علی شاہ کہ از سادات کرام حسنی و حسینی قدس سرہ العزیز و نور مرقدہٗ ——

ولادت باسعادت حضرت بابرکت فیض رجبت دوازدہ صد دوازدہ ۱۲۱۲ھ[۲]

اور صاحب معیار السلوک تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت سید صاحب ملک پنجاب مقام رتڑ چھتر کہ جس کو مکان شریف بھی کہتے ہیں اور شہر امرتسر سے قریب اور دریائے راوی کے کنارے پر ہے ———— پیدا ہوئے، آپ کی ذات والا صفات خدا کی رحمتوں میں سے بڑی رحمت اور آیات الٰہی میں سے ایک آیت تھی جس نے دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہے[۳]

صاحب خزینہ معرفت نے حضرت امام علی شاہؒ ابتدائی تعلیم اور تکمیل کے بارے میں تحریر کیا ہے

تحصیل علم و بیعت

آپ کے والد میر سید حیدر علی شاہ آپ کے بچپن میں فوت ہو گئے، ابتدائی فارسی کتابیں ان سے پڑھیں پھر مولوی فقیر اللہ دین کوٹی سے پڑھا ہوں کہ فن طب آپ کے اجداد کا شغل خاص تھا اس لئے آپ نے فنون طب حافظ محمد رضا صاحب مولانا نور محمد صاحب چشتی سے حاصل کئے درس و تدریس کے

(بقیہ صفحہ ۳۴) [۲] امام بخش : حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، ۱۳۱۵ھ، ڈیرہ غازی خاں، چمن پنجم، ص - ۱۸۳

[۳] صوفی ابراہیم : خزینہ معرفت، مؤلفہ ۱۳۵۰ھ

[۴] محمد ہدایت علی : (۱) معیار السلوک و دافع الاوہام والشکوک (ب) احسن التقویم، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۶ء

نوٹ :- حضرت مولانا محمد ہدایت علی جے پوری، حضرت محمد علی شیر (م - ۱۳۲۸ھ) جے پوری سے بیعت تھے حضرت موصوف حضرت شیر محمد خان (م - ۱۳۲۷ھ) شرقپوری سے بیعت تھے اور موصوف حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمۃ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔

[۵] محمد امین شرقپوری : تذکرہ اولیاء نقشبند، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۲ھ

[۶] حاجی فضل احمد : "قیوم العالم حضرت مرشدنا سید امام علی شاہ صاحب" مقالہ مطبوعہ رسالہ سلسبیل (لاہور) جلد ۴ شمارہ - ۲، نمبر ۱۸

(بقیہ صفحہ ہذا) [۱] رسالہ سلسبیل فروری (۱۹۶۶ء)، لاہور، ص - ۷ (ملخصاً)

[۲] امام بخش : حدیقۃ الاسرار، ص - ۱۸۳ [۳] محمد ہدایت علی : معیار السلوک، ص - ۱۱۴

زمانے میں بھی آپ کا دل عشق کی طرف مائل تھا اور اشعار پرسوز پڑھتے ۔[1]
عشق خداداد کی جذب و کشش نے راہ پر لگا دیا اور منزل تک پہنچا دیا۔ ع رحمت حق بہانہ می جوید، بیعت کے راہ
میں جو منزلیں پیش آئیں صاحب تذکرہ اولیائے نقشبند نے اس کا تفصیل ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔
حضرت امام علی شاہؒ اپنے ہی خاندان کے ایک صاحب دل بزرگ حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ
سے بیعت تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب کی نظر حضرت امام علی شاہؒ پر پڑی تو دریافت فرما
کر "صاحبزادے کونسی کتاب پڑھتے ہو؟" ———— ابھی جواب دینے پائے تھے کہ خود ہی
فرمایا "مثنوی شریف پڑھا کرو، اس کے مطالعہ سے عمل میں اصلاح، اعتقاد میں سچائی، قلب میں عشق
اور روح میں قوت پیدا ہوتی ہے" ———— اگلے روز حضرت شاہ صاحب نے خود طلب
فرما کر مثنوی شریف کے اشعار کی تشریح کچھ اس انداز سے کی کہ حضرت امام علی شاہؒ کے دل میں
عشق کی لگن پیدا ہو گئی اور آپ حضرت شاہ صاحب سے بیعت ہو گئے ۔[2]

گاہ حیلہ می برد گاہ بزور می کشند!
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب

حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر میں رہ کر چند سالوں میں وہ مرتبہ حاصل کر لیا جو سالہا سال
ریاضات و مجاہدات کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

اس میں شک نہیں کہ یہ کمال روحانی ایک طرف حضرت مرشد کے کمال تربیت کا غماز ہے تو دوسری طرف حضرت
امام علی شاہؒ کی فطری استعداد و روحانی قابلیت کا ترجمان ہے :۔
مخدومیت، خادمیت سے ملتی ہے حضرت امام علی شاہؒ نے مرشد کی خدمت و محبت کا حق ادا
کر دیا، کیا خوب کہا ہے ع عاشقی چیست؟ فنا در رہ جاناں بودن ـــ واقعی راہ جاناں میں خود کو فنا کر کے
ہی بقا ملتی ہے اور بقا بھی کیسی، سدا بہار ———— حاجی فضل احمد نے حضرت امام علی شاہؒ کی
خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔
"حضرت امام وقت امام علی شاہ صاحب اپنے شیخ کے گھوڑے کا لید برابر بھی زمین پر پڑنے نہ دیتے

---

[1] رسالہ سلسبیل (فروری ۱۹۷۶ء) لاہور، ص ۔ ۷ (ملخصاً)
[2] محمد امین: تذکرہ اولیاء نقشبند، ص ۔ ۱۵۷ (ملخصاً)

اور اٹھا کر شہر کی حدود سے باہر لے جاتے، خدمت کے یہ تھوڑے ہوتے ہیں، درِ اس کا پھل نہایت شیریں اور پائیدار۔ حضرت مرشد فرماتے ہیں "یہ صاحبزادہ جو آج ہمارے گھوڑے کا میلا اٹھاتا ہے کل اس کا بول براز اٹھانا لوگوں کیلئے باعث فخر ہوگا"

اس قسم کی باتیں اہل عقل کیلئے عجیب و غریب ہو سکتی ہیں، اصل حال جب کھلتا ہے جب کوئی میدانِ عشق و محبت میں قدم رکھتا ہے، یہ دنیا ہی اور ہے۔ ان حضرات کی مرشد کامل سے محبت و عقیدت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت و عقیدت کا پتا دیتی ہے، اسی محبت کی جھلک جو ان حضرات کے ہاں نظر آتی ہے۔

حضرت امام علی شاہؒ خدمت شیخ میں مصروف رہے، حتیٰ کہ ایک روز دریائے رحمت جوش میں آیا، نوازنا کسی کو تھا، لیکن وہی نوازا گیا جس کے مقدر میں یہ سعادت روزِ ازل ہی سے لکھی جا چکی تھی۔ ــــ تفصیلی واقعہ حاجی فضل احمد نے اس طرح بیان کیا ہے :۔

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب موضع مونڈھ میں تشریف لے گئے، گاؤں کے باہر قیام فرمایا، آپ رات کے وقت خاص کیفیت میں قرآن کریم اور مثنوی مولانا روم پڑھا کرتے تھے، ایک رات کسی خاص حال میں ایک خادم غلام محمد کو یاد فرمایا، وہ بے نصیب غیر حاضر تھا، حضرت امام علی شاہؒ صاحب نے جواب دیا "حضور غلام محمد نہیں ہے اور یہ غلام حاضر ہے" ــ آپ نے تین مرتبہ غلام محمد کو طلب فرمایا اور ادھر سے یہی جواب ملا، حضور نے فرمایا :۔

"جسے خدا دے اسے کون روکے"

فرمایا "تم ہی آجاؤ" ـــــــــــــ حضور نے حضرت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور دیر تک توجہ فرماتے رہے، ادھر حضرت پر بیخودی کا عالم طاری تھا ــ طلوع سحر تک توجہات عالیہ شامل حال رہیں اور فیض کے اس دریا سے ایک اور دریا پیدا ہو گیا جس نے اپنی طوفانی موجوں سے ایک دنیا کو سیراب فرمایا۔[2]

جب کمالِ محبت و عشق ہو تو محبوب کا ہجر و فراق قیامت ہے، اسی کا دل جانتا ہے جس پر گزری ہو ؎

عاشق نہ شدی و محنت الفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید ؟

حضرت امام علی شاہؒ آخر وقت تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہے، جب وقت وداع و فراق آیا تو آپ کی

---

[1] فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل، ص ۔ ۸۔

[2] فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل، ص ۔ ۸

عجب کیفیت ہوگئی۔

"یہ صدمہ آپ پر بیحد شاق گزرا اور آبادی چھوڑ کر ویرانوں میں رہنا شروع کر دیا، دو سال متواتر یہی حالت رہی، ایک رات حضرت (شاہ حسین) نے خواب میں فرمایا کہ آپ کو یہ دولت تقسیم کرنے کی خاطر عنایت ہوئی تھی، اس طرح محفوظ رکھنا مطلوب تھا، اسی رات اپنے دو غلاموں سید بہادر شاہ اور میاں حبیب اللہ کو بھی خواب میں فرمایا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اس ارشاد پر شد سے حضرت مکان تشریف لائے اور ان ہر دو کو بیعت فرمایا، سلسلے کی اشاعت شروع ہوگئی اور ہندوستان بھر میں آپ کا چرچا ہو گیا" [1]

شیخ کامل وہی ہے جس کی صحبت جلیلہ میں دل و دماغ میں ایک انقلاب برپا ہو جائے اور وہ مولی تعالی کے رضا کے تابع ہو جائیں۔ حضرت امام علی شاہ کی یہی کیفیت تھی کہ وہ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور کسی لمحہ اس کے خیال سے غافل نہ رہتے جس نے دل کی دنیا بسائی تھی ——— پابندی اوقات کا اتنا خیال تھا کہ زندگی کی گھڑیاں تسبیح کے دانوں کی طرح پری ہوئی تھیں :-

"نماز پنجگانہ کا وقت رونق اور برکت کا وقت ہوتا، تمام نمازی محویت کے عالم میں ہوتے، حضرت ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے، رمضان المبارک میں خاص اہتمام ہوتا، ہر وقت انوار برستے تھے اور مکان شریف کا عالم دنیا سے نرالا عالم ہوتا۔" [2]

مرض الموت عبادت و ریاضت اور خلق خدا کی خدمت میں زندگی گزری، بالآخر وہ وقت آگیا، مرض الموت کا آغاز ہوا :-

وصال سے پانچ سال پہلے حضور کو وجع الفواد (درد دل) شروع ہوا، ہر چند حاذق طبیبوں نے علاج کیا مرض میں کمی نہ ہوئی، حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند ارشد حضرت قیوم ثانی میر صادق علی شاہ صاحب کو امام مقرر فرمایا اور خود تکلیف کی حالت میں بھی مسجد تشریف لائے، رمضان المبارک میں تکلیف زیادہ ہو گئی لیکن آپ تراویح باجماعت پڑھتے، العید کی نماز بھی تکلیف میں پڑھی، پھر دولت خانے میں تشریف لے گئے، اور پھر باہر تشریف لائے، خاص غلاموں کو خطوط لکھے گئے، پہلا شعر یہ لکھوایا [3]

نماز فرض خدا را قضا بود لیکن ؎ نماز صحبت ما را قضا نہ خواہد بود

ع ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے ———

---

[1] فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل، ص ۔ ۹

[2] ایضاً، ص ۔ ۹ و ۱۱

جب تکلیف بڑھ جاتی تو آپ یہ آیت تلاوت فرماتے :-

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

وصال سے دو روز پہلے طبع مبارک میں کچھ افاقہ تھا، خدام نے الحاح وزاری سے عرض کیا کہ مشتاقانِ دیدار منتظر ہیں اگر حضور تھوڑی دیر کے لئے باہر تشریف لے چلیں تو وہ مقصود کو پہنچ جائیں گے۔ حضور نے فرمایا :-

"انشاء اللہ پرسوں صبح باہر چلیں گے"

پرسوں صبح کا وہ دن تھا کہ ادھر آسمان کا سورج غروب ہو رہا تھا ادھر ہمارے رُشد و ہدایت کے آفتاب نے اپنا منہ چھپا لیا اور جدائی کا وہ داغ دے گئے جس کا نشان زندگی نہ مٹ سکے گا، اپنا وعدہ پورا فرمایا اور پرسوں آپ کا جنازہ باہر آیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؁ [1]

وصال حضرت امام علی شاہؒ کا وصال ۱۳ رماہ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ میں ہوا، صاحب حدیقۃ الاسرار لکھتے ہیں :-

وفات آں الاصفات بابرکات فیاض بے نہایت بتاریخ سیزدہم ماہ شوال بسال دوازدہ صد ہشتاد و دو ۱۲۸۲ھ بوقوع آمدہ است [2]

کسی نے مادۂ تاریخ وفات کیا خوب نکالا ہے :-

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" (۱۲۸۲ھ)

جب ۱۳ رشوال المکرم ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء کو حضرت امام علی شاہؒ کا وصال ہوا تو اعلیٰ حضرتؒ دہلی ہی میں تھے، خانقاہ امامیہ مکان شریف سے اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع دی گئی حسن اتفاق ہے یہ مکتوب جس کو آج ایک سو پانچ برس گزر چکے ہیں، اعلیٰ حضرتؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کاغذات میں سے دستیاب ہوا۔ یہ نادر مکتوب پیش کیا جاتا ہے :-

مورد تجلیات الٰہی، مصدر تفضلات نامتناہی، معدن معارف، مخزن عوارف، مولوی صاحب مولانا محمد مسعود دام اللہ ——————

بعد اتحاف دعوات و تجلیات فراواں معروض آں کہ اگرچہ خبر وحشتی موجب تألم خواطر و موجب ضمایر است امّا بحکم ضرورت اخبار می نماید کہ بتقدیر ملک قدیر حیات قطب الاقطاب قدس سرہ بتاریخ سیزدہم ماہ

---

[1] فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل، ص ۱۱۰-۱۲

[2] امام بخش : حدیقۃ الاسرار، ص ۱۸۰

شوال وقت غروب روز پنجشنبہ بدار ارجعی الی ربک در کوش کردہ بجوار رحمت حق و فندہ و بقاء
مطلق پیوستہ انداز یں معنی عالم و عالمیان بر بماتم و اندوہ مستغرق و از دیدہ ہر کسے اشک حسرت منکب
و آتش غم و الم در سینہ ملتہب است بیراں صورت استقرار پذیرفتہ کہ تمامی یاران ہوا داران
ــــــــ ہشتم دہم ماہ ذیقعدہ ــــــــ ختم چہلم حاضر بودہ شرط ارادت بجا خواہند
آورد، و ہشت روز پیش از رحلت جناب ارشاد پناہی قدس سرہ یاران امرتسر را روبرو طلبیدہ
و حضرت صاحبزادہ صاحب را مجاز فرمودند و باقتدا امر فرمودند چناں چہ دراں روز اجازت نامہ نوشتہ
عطا کردہ شد پس اگر بروز ہشتم دہم ذیقعدہ رسید آں مخدوم صورت ہذا گردید خود را معاف باید دانست

والسلام ــــ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء

مریدین و خلفاء

حضرت امام علی شاہؒ کے بے شمار مریدین اور خلفاء تھے۔ چند خلفاء کرام کے اسمائے گرامی کا پتا ان اجازت ناموں اور مکاتیب سے چلتا ہے جو وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحب عنایت فرماتے رہے۔ یہ مکاتیب اور اجازت نامے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، تفصیلات کیلئے اس طرف رجوع کیا جائے۔ صاحب معیار السلوک مولانا ہدایت علی جے پوری نے مریدین کی تعداد کئی لاکھ بتائی ہے، وہ لکھتے ہیں

آپ کے کئی لاکھ مرید اور قریب سو آدمیوں کے خلیفہ تھے۔[۱]

حاجی فضل احمد نے بھی خلفاء و مریدین کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں :-

آپ کا فیض اتنا عام تھا کہ لاکھوں بندگان خدا اس آستانے سے فیض یاب ہوئے اور ایک سو کے قریب خلفاء تھے۔ حضور کے خلفاء میں حضرت قبلہ سید صادق علی شاہ صاحب فرزند اکبر حضور قبلہ اور سجادہ نشین ــــ حضرت مفتی مسعود صاحبؒ امام مسجد فتحپوری۔ دہلی، حضرت شیر محمد خاں حضرت حکیم احمد علی صاحب بے صرکوٹی وغیرہم تھے۔[۲]

صاحب خزینۂ معرفت صوفی ابراہیم نے بھی خلفاء کا ذکر کیا ہے اور ساتویں نمبر پر اعلیٰ حضرت محمد مسعودؒ کا نام گرامی لکھا ہے[۳]، صاحب تذکرہ اولیائے نقشبند محمد امین نے بھی خلفاء کا ذکر کیا ہے بالخصوص حضرت صادق علی شاہؒ اور حضرت بابا امیر الدین رحمہما اللہ تعالیٰ کا۔

۱۔ محمد ہدایت علی : معیار السلوک، ص ۔ ۲۸۳
۲۔ فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل، ص ۔
۳۔ صوفی ابراہیم : خزینۂ معرفت، ص ۔ ۱۲۳

(بقیہ دوسرے صفحہ پر)

حضرت امام علی شاہؒ کے مریدین و خلفاء نہ صرف پاک و ہند میں تھے بلکہ بیرونی ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے چناں چہ حاجی فضل احمد لکھتے ہیں :-

افغانستان، بلخ، بخارا، ترکستان اور عرب سے لوگ آتے اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے اور ہر طبقے کے لوگ سلسلہ غلامی میں داخل ہوتے امراء، وزراء، عالم، مفتی ــــ سب سلسلۂ مبارک داخل ہوئے اور ظاہری فرق سب اٹھ گئے اور ایک ہی رنگ میں رنگ گئے [1]

خود اعلیٰ حضرتؒ نے بھی اپنی تصانیف میں حضرت امام علی شاہؒ کی ہمہ گیر اور عالم گیر شہرت کا ذکر کیا ہے -

ملفوظات

مشایخ طریقت کے سامنے مریدین کے اصلاح حال کے لئے چند زرّیں اصول ہوا کرتے تھے جن کے تحت وہ طالبین کی تربیت فرمایا کرتے تھے، حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے ان اصولوں کا پتا چلتا ہے، یہاں چند ملفوظات تیمّناً پیش کئے جاتے ہیں :-

۱- مرید کے دل میں شیخ کا ادب اس درجہ ہو کہ پیر کے سامنے بغیر اجازت بات نہ کرے، پیر کی طرف بے باکانہ نہ دیکھے، پیر کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دے، طریقت ادب کا نام ہے بے ادب دین و دنیا کی نعمتوں سے محروم رہتا ہے"۔

۲- شیخ کا کلام ہمہ تن گوش ہو کر سنو کیوں کہ ان اشارات کا سننا ہزاروں کتابوں کے مطالعہ سے بڑھ کر ہے'

۳- مرید وہ ہے جس کی نفسانی خواہشات کو محبت اور شوق الٰہی کی آگ نے جلا کر راکھ کر دیا ہو، جب صبح سویرے اٹھے حسرت و افسوس کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوں عاجزی اور ناکامی اس کا شعار ہو، گزشتہ اعمال پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے پناہ مانگتا ہو نیک کاموں کے لئے اوقات کا پابند ہو، جو مصیبتیں، تکلیفیں اور سختیاں پہنچیں، صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور انہیں

(بقیہ) [2] محمد امین : تذکرۂ اولیاء نقشبند، ص

نوٹ : - محمد امین نقشبندی نے لکھا ہے کہ حضرت بابا امیر الدینؒ (۱۲۰۷ھ ــــ ۱۳۲۱ھ) کے خلیفہ حضرت شیر محمد خان (۱۲۸۶ھ ــــ ۱۳۴۷ھ) تھے اور ممدوح کے خلیفہ حضرت محمد علی شرقپوری (م-۱۳۲۸) مگر مولانا ہدایت علی نے لکھا ہے کہ حضرت شیر محمد خاں شرقپوری، حضرت امام علی شاہؒ کے خلیفہ تھے، اور حضرت محمد علی شیر، حضرت محمد خاں کے خلیفہ تھے جن سے خود مولانا ہدایت علی کو شرف بیعت حاصل تھا۔

(فوائد صفحہ ہٰذا) [1] حاجی فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل

خدا تعالیٰ کی طرف سے جانے اپنے قصور کا اقرار کرتا ہے شاید پھر دم کا آنا ہو یا نہ ہو۔

۴۔ پیر پر جو فیوض اور انوار الٰہی نازل ہوتے ہیں مرید پر بھی وہی انوار چمکتے ہیں مرید کو باری تعالیٰ کی بارگاہ سے براہِ راست اس لیئے فیض حاصل نہیں ہوتا کہ مرید کی ترقی میں اربعہ عناصر اور شہوانی جذبات حائل ہوتے ہیں، پیر چونکہ ان بندھوں سے آزاد ہو چکا ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے اس لیے مرید بھی اس سے فیض پا سکتا ہے

۵۔ ہر حالت میں متوکل اور کام کاج میں مشغول رہنا چاہیئے، بیکار نہ بیٹھے، اور رزاق پروردگار کو سمجھے وہ بندے کو ہر حالت میں رزق پہنچاتے ہیں، البتہ مقسوم سے زیادہ ملنا محال ہے، اس کی شکایت سے حق سبحانہٗ کی نافرمانی نہ کرے کیوں کہ اس میں دو جہاں کی خرابی ہے زیادہ لالچ حرام ہے۔

تصانیف

حضرت امام علی شاہؒ کی متعدد تصانیف ہیں جو ان کے اخلاف میں حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ العالی کے پاس ساہیوال میں محفوظ ہیں، ہمیں تذکرہ اولیائے نقشبند سے ایک تصنیف مراۃ المحققین کا کچھ حال معلوم ہوا ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے ایک حصہ میں اپنے شیخ طریقت حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھے ہیں اور دوسرے حصہ میں خود حضرت امام علی شاہؒ کے ملفوظات ہیں جن میں اسرار و معارف پوشیدہ ہیں۔ تیمناً ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:-

(ا) حق سبحانہٗ و تعالیٰ جل شانہٗ اور بندہ کے درمیان اس موجودات کی صورتیں جو دل پر منقش ہیں، بہت بڑا حجاب ہیں اور نقوش لوح دل پر بری صحبتیں اختیار کرنے، سیر سپاٹے کرنے اور طرح طرح کے رنگوں اور صورتوں کے دیکھنے سے اور گہرے ہوتے ہیں اور دل میں گھر کر لیتے ہیں، اور گلو خلاصی پانے کے لیے پوری محنت و مشقت سے ان کی نفی کرنی چاہیئے ——— ان نقوش میں مزید ترقی کی بڑی وجوہ اخلاق بگاڑنے والی کتابوں کا مطالعہ اور ادھر ادھر کی بیکار باتیں اور راگ رنگ کی محفلوں میں شرکت کرنا ہے، یہ سب مشاغل حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے دوری اور غفلت کے باعث ہیں، جو چیزیں ان نقوش کو تقویت دینے والی ہیں، ضرورت ہے کہ ان سے پرہیز کیا جائے اور صفائی قلب کے ساتھ ساتھ خداوند کریم کی طرف بھی رجوع ہو کیوں کہ قانون قدرت یہی ہے کہ بغیر محنت و مشقت اور ترک لذت اور تمام شہوتوں کے یہ مراد حاصل نہیں ہوتی۔

(ب) اے عزیز آرام تو آخرت میں ہے چند روزہ اس سرائے فانی میں رنج اٹھا تاکہ تجھے ہمیشہ کا آرام ہو، پس تمام احوال میں بزرگان قدیم کی پیروی کر اور طریقہ اہل سنت و الجماعت کو لازم پکڑ، فقہ اور حدیث کا علم حاصل کرو، ہمیشہ نماز با جماعت ادا کر، شہرت سے اجتناب کر کیوں کہ شہرت حاصل کرنے میں آفت ہے، اور مرتبہ پر غرہ نہ کر بلکہ گمنام رہ [۱]

[۱] محمد امین شرقپوری: تذکرۂ اولیائے نقشبند، ص ۱۶۶ و ۱۶۷

تیسرا باب

امامت و خطابت

امامت و خطابت

اعلیٰ حضرتؒ کی پہلی شادی عنفوان شباب ہی میں ریاست جھجر[1] کے ایک مشہور و معروف خاندان میں، مولانا حید شاہ خان رحمۃ اللہ علیہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی کی صاحبزادی عائشہ خانم رحمہا اللہ تعالیٰ سے ہوئی، موصوفہ کے بطن سے حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۸۹ء) تولد ہوئے جو حضرت قبلہ مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ (م ۱۹۶۶ء) امام شاہی مسجد جامع فتحپوری کے والد بزرگوار تھے۔

مولانا حید شاہ خانؒ کی دوسری صاحبزادی فاطمہ خانم رحمہا اللہ تعالیٰ مولوی فرزند علی[2] کے صاحبزادے ڈپٹی سید اکبر علی صاحبؒ[3] (ڈپٹی کلکٹر) سے منسوب تھیں، سید صاحب موصوف کا انتقال ۱۸۹۲ء کے قریب ہوا سید صاحب موصوف اعلیٰ حضرت محمد مسعود شاہؒ کے ہم زلف ہونے کے ساتھ ساتھ برادر طریقت بھی تھے، دونوں حضرات حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ م (۱۲۸۲ھ) سے بیعت تھے اور انہیں سے سند خلافت حاصل تھی، سید صاحب کو ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ سند خلافت ملی،

مولانا حید شاہ خانؒ کی اولاد امجاد میں دو صاحبزادیوں کے علاوہ ایک صاحبزادے بھی تھے جن کا

---

[1] شہر جھجر، ضلع رہتک، مشرقی پنجاب کی تحصیل جھجر کا ہیڈ کوارٹر تھا، رہتک سے ۱۲ میل اور دہلی سے مغربی جانب ۳۵ میل پر واقع ہے، یہ شہر محمد غوری نے تباہ کر دیا تھا، اس کے بعد ایک جاٹ خاندان نے اس کو دوبارہ آباد کیا، جاٹ سردار سورج مل سے فرخ نگر کے نوابین نے یہ ریاست لے لی۔ اس کے بعد یہ والٹرین ہارٹ کے قبضے میں چلی گئی ۱۷۹۴ء میں جارج تھامس کے سپرد کر دی گئی۔ الحاق ۱۸۰۳ء کے بعد یہ ریاست نواب نجابت خاں کو دے دی گئی ۱۸۵۷ء میں یہ ریاست ضبط کر لی گئی کیوں کہ اس کے حکمراں نواب عبدالرحمٰن خان پر بغاوت کا الزام تھا۔ نواب صاحب موصوف کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ کے لئے جھجر اپنے نام ہی کی ایک تحصیل کا ہیڈ کوارٹر بن گیا لیکن ۱۸۶۰ء میں یہ حیثیت ختم کر دی گئی۔ اس کی خاص عمارات میں نوابین ریاست کا پرانا محل، دربار، جدید محل، باغ جہاں آرا قابل دید تھے۔ (امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد XIV، آکسفورڈ، ۱۹۰۸ء، ص ۱۰۸)

[2] مولوی فرزند علی کے اجداد غزنی سے ہندوستان آئے تھے اور گورکھپور میں بس گئے تھے، موصوف کے والد سید کلب علی گورکھپور میں مقیم ہو گئے، مگر مولوی فرزند علی وہاں سے دہلی تشریف لائے اور غالباً شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی، ۱۸۵۲ء کے قریب وصال فرمایا۔ مولوی فرزند علی کے چار صاحبزادے تھے (بقیہ آگے)

اسم گرامی مولانا غلام مصطفےٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ تھا، موصوف اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد مسجد فتحپوری کے منصب امامت و خطابت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد کوئی جانشین نہ تھا، ان کے ایک صاحبزادے دوست محمد خاں تھے جن کا اوائل عمری میں انتقال ہو گیا تھا چنانچہ مولانا غلام مصطفےٰ خاں رح کے بعد منصب امامت و خطابت اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو تفویض کیا گیا جو مولانا حیدر شاہ خاں رح شاہی امام مسجد فتحپوری کے فرزند نسبتی تھے اور اس منصب جلیلہ کی پوری اہلیت رکھتے تھے۔

مسجد جامع فتحپوری میں سلسلۂ امامت و خطابت اعلیٰ حضرت رح کی سسرال میں شاہان مغلیہ کے عہد سے چلا آتا تھا۔ اعلیٰ حضرت رح کی تصنیف فتاویٰ مسعودیہ (۱۲۹۷ھ تا ۱۳۴۰ھ) کے ایک اقتباس سے ضمناً چند ائمہ کرام کا پتا چلتا ہے ایک فتوے کے جواب میں اعلیٰ حضرت رح تحریر فرماتے ہیں :۔

> دستور سابق حجرہ ہائے مسجد فتحپوری کے سکونت قاری قرآن کے اور واردین مساکین غریب کے تھے، پہلے فقیر کے مصطفےٰ خاں مرحوم، اور قبل ان کے حیدر شاہ خاں اور قبل ان کے اسد خاں در حافظ عبدالکریم تا عمر قاری سے کہ بوقت بادشاہ محمد شاہ تھے آج تک یہی دستور رہا (۷ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء)

اعلیٰ حضرت رح کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد ($\frac{۱۷۱۹ء}{۱۱۳۱ھ}$ تا $\frac{۱۷۴۸ء}{۱۱۶۰ھ}$) سے لیکر بہادر شاہ ثانی ظفر کے عہد ($\frac{۱۸۳۷ء}{۱۲۵۳ھ}$ تا $\frac{۱۸۵۷ء}{۱۲۷۴ھ}$) تک مندرجہ بالا حضرات نے امامت کے فرائض انجام دیئے، یہ حضرات جن بادشاہوں کے زمانے میں امامت فرماتے رہے ان کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی ولد جہان شاہ ابن شاہ عالم بہادر شاہ، $\frac{۱۱۳۱ھ}{۱۷۱۸ء}$ تا $\frac{۱۱۶۰ھ}{۱۷۴۷ء}$

۲۔ مجاہد الدین محمد ابوالنصر احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی ابن محمد شاہ بادشاہ، $\frac{۱۱۶۱ھ}{۱۷۴۸ء}$ تا $\frac{۱۱۶۷ھ}{۱۷۵۳ء}$

۳۔ عزیز الدین محمد عالمگیر ثانی ابن معز الدین جہاندار شاہ ابن شاہ عالم بہادر شاہ، سال جلوس $\frac{۱۱۶۷ھ}{۱۷۵۴ء}$

۴۔ ابوالمظفر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ غازی ولد عزیز الدین عالمگیر ثانی، سال جلوس $\frac{۱۱۷۳ھ}{۱۷۵۹ء}$

۵۔ ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی ابن شاہ عالم بادشاہ غازی، سال جلوس $\frac{۱۲۲۱ھ}{۱۸۰۶ء}$

۶۔ ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی ابن محمد اکبر ثانی بادشاہ غازی، $\frac{۱۲۵۳ھ}{۱۸۳۷}$ تا $\frac{۱۲۷۴ھ}{۱۸۵۷ء}$

(بقیہ حاشیہ ۵) سب کے سب اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، مولوی سید اکبر علی (ڈپٹی کلکٹر)، سید امیر علی (ڈپٹی کمشنر فیروزپور) سید وزیر علی (وزیر اعظم ریاست ٹونک) اور سید اعظم (سپرنٹنڈنٹ محکمہ نمک) ۳ے راقم السطور کی اہلیہ مولوی سید اکبر علی (ڈپٹی کلکٹر) کی اولاد امجاد سے ہیں، ڈپٹی صاحب مرحوم کے اخلاف حیدرآباد دکن، دہلی، کراچی، ملتان، لائل پور، راولپنڈی وغیرہ میں

مسجد جامع فتحپوری ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء میں عہد شاہجہانی میں نواب فتحپوری بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ نے تعمیر کرائی۔ اسی سنہ میں جامع مسجد دہلی بھی پایہ تکمیل تک پہنچی۔ ان دونوں مساجد میں سلسلۂ امامت عہد شاہجہانی (۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء تا ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) سے چلا آرہا ہے، اس طرح تعمیر مسجد فتحپوری (۱۰۶۰ھ) سے لیکر محمد شاہ جہاں ثانی کے عہد (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) تک جو ستر سال کا خلا ہے اس میں ائمہ کرام کے متعلق تحقیق نہ ہو سکی۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ ۱۰۶۰ھ سے مولانا حمید شاہ خانؒ کے خانوادے میں شاہی امامت و خطابت کا سلسلہ چلا آرہا تھا جو بعد میں اعلیٰ حضرتؒ کے خانوادے میں منتقل ہو گیا،

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بائیس سال کی عمر میں ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء کے قریب والدین کی وفات کے بعد تلاش معاش کے سلسلے میں "ملک پنجاب" تشریف لے گئے جہاں حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور سندِ اجازہ حاصل کی، تقریباً ڈیڑھ سال بعد دہلی مراجعت فرمائی، یعنی انقلاب ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ انقلاب ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل یا فوراً ہی بعد، منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اغلب یہی ہے کہ انقلاب سے قبل یہ منصب جلیلہ آپ کو مل گیا تھا، کیوں کہ انقلاب کے وقت اعلیٰ حضرتؒ دہلی میں موجود تھے، چناں چہ اعلیٰ حضرتؒ کی بھانجی مخدومہ مجید النساء بنت افضل النساء رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی تھیں کہ انقلاب کی بے پناہ شورشوں اور ہنگاموں سے مجبور ہو کر اعلیٰ حضرتؒ، اپنے برادر نسبتی حافظ عبد العزیز خانؒ کے ہمراہ فرید آباد تشریف لے گئے تھے،

(بقیہ صفحہ ۴۶) ۱؎ محمد مسعود شاہ: فتاویٰ مسعودیہ (قلمی) (۱۲۹۷ء/۱۳۰۴ھ)، ص ۱۲۰

(حواشی صفحہ ہٰذا) ۱؎ مسجد فتحپوری ۱۰۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔ اس کے تقریباً آٹھ سال بعد شاہ جہاں بادشاہ تخت سے دست بردار ہو گئے، ان کے بعد جو بادشاہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک تخت نشیں ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے :-

نمبر	نام		
۱	اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء	تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء
۲	شاہزادہ محمد اعظم شاہ خلف سوم عالم گیر بادشاہ	۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء	تا ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء
۳	قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ خلف دوم عالم گیر بادشاہ	۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء	تا ۱۱۱۹/۱۷۰۷
۴	معز الدین محمد جہاں دار شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ	سال جلوس	۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء
۵	معین الدین محمد فرخ سیر ولد عظیم الشان ابن شاہ عالم بہادر شاہ	سال جلوس	۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء
۶	سلطان رفیع الدرجات ابن شاہزادہ رفیع الشان ولد بہادر شاہ	سال جلوس	۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء
۷	شمس الدین رفیع الدولہ محمد شاہ جہاں ثانی برادر کلاں رفیع الدرجات	سال جلوس	۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸

درس حدیث

اعلیٰ حضرتؒ متبحر عالم اور شیخ کامل تھے، ۱۸۵۷ء کے بعد آپ نے مسجد جامع فتحپوری میں درس حدیث کا آغاز کیا۔ درس حدیث کے وقت پورا پورا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے، جو فی زمانہ بڑا مسدوم ہوتا جا رہا ہے، مولانا عزیز الحسن زیدی نے حضرت مولانا ارشاد علی صاحبؒ (مرید اعلیٰ حضرتؒ) کے حوالہ سے بتایا ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ درس کے وقت رو بقبلہ ہو کر تشریف رکھتے تھے درس حدیث بڑے کیف و سرور کے ساتھ دیتے تھے، کبھی کبھی رقت کا عالم طاری ہو جاتا تو مراقب ہو جاتے پھر کیف کا اور ہی عالم ہوتا۔ یہ اعلیٰ حضرتؒ کا فیض روحانی ہے کہ مسجد فتحپوری میں برسہا برس سے تعلیم حدیث کا سلسلہ جاری ہے مدرسہ عالیہ عربیہ سے ہزاروں تشنگان علم مستفیض ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔

جب ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دیوبند میں دار العلوم کی بنیاد رکھی تو دہلی میں بھی، اس کا چرچا ہوا، کچھ طلبہ کا خیال ہوا کہ وہاں جا کر داخلہ لے لیں کیوں کہ وہاں کھانے اور کپڑے وغیرہ کی سہولتوں کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں ایک دن درس سے پہلے اعلیٰ حضرتؒ نے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دیوبند جا کر پڑھیں، وہاں کھانا بھی ملتا ہے اور کپڑا بھی۔ یہ فقیر تو محض رضائے الٰہی کے لئے پڑھاتا ہے، جس کا جی چاہے وہاں جا سکتا ہے۔"

طلبہ یہ سن کر حیران رہ گئے کیوں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرتؒ کے سامنے اس خیال کا اظہار نہیں کیا تھا، حضرت بذریعہ کشف ان کے ارادوں پر مطلع ہو گئے تھے، سبحان اللہ یہ روشن ضمیری !

تعلیم و تدریس میں اعلیٰ حضرت کا مسلک، مسلک ولی اللٰہی تھا کیوں کہ اسی خاندان سے فیض پایا تھا، وہ تمام موجودہ مکاتب فکر جن کا تعلق خاص دار و دہلی ہے، بعد میں قائم ہوئے، مثلاً دار العلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں قائم ہوا جب کہ اعلیٰ حضرتؒ کو فارغ التحصیل ہوئے تیرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا اور دس سال سے درس حدیث دے رہے تھے، اسی طرح بریلی میں مولانا احمد رضا خاں (م۔ ۱۳۴۰ھ) کے نے بہت بعد میں مدرسہ منظر الاسلام قائم کیا پھر ۱۸۷۵ء میں سر سید احمد خاں نے علی گڑھ اسکول قائم کیا۔ ۱۸۹۸ء میں مولانا شبلی نعمانی نے لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم کیا۔ ان اداروں سے جو مکاتب فکر نکلے ہیں وہ یا تو نظریاتی تصادم کے نتیجے میں نکلے ہیں یا عصری تصادمات کے تحت معرض وجود میں آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں اپنے اپنے حلقوں میں انہوں نے خدمتیں کی ہیں مگر باہمی فروعی اختلافات نے ملت اسلامیہ کی فکری وحدت کو جو صدمہ پہنچایا ہے وہ ایک المناک سانحہ ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک معتدل کی جن علماء نے پیروی کی ہے وہ ہمیشہ اختلافات سے بالاتر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ انہیں علماء میں تھے، انہوں نے مخلصانہ اور بے لوث طریقہ پر دین کی خدمت کی ۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد فتحپوری میں درس حدیث ہی کی داغ بیل نہیں ڈالی بلکہ دار الافتاء قائم

کیا اور فتویٰ نویسی کے فن میں وہ مہارت حاصل کی کہ باید و شاید، آپ کے چند فتوے قلمی صورت میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کی تحقیق و جستجو اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، تصانیف کے ذیل میں ان فتووں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائیگا، انشاء اللہ تعالیٰ،

ہم آئندہ باب میں مسجد فتحپوری کی تاریخی اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں اس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کرامات وغیرہ کا ذکر کیا جائیگا۔

چوتھا باب

مسجد جامع فتحپوری

دہلی

شاہی مسجد فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی کی عظیم مساجد میں شمار کی جاتی ہے۔ جامع مسجد کے بعد یہی سب سے بڑی مسجد ہے
مختلف مورخوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سر سید احمد خاں، محمد عبدالغفور، منشی بلاقی داس، میرزا حیرت دہلوی
مولوی سید احمد دہلوی، محمد عالم شاہ، بشیر الدین احمد دہلوی، رکن الدین نظامی وغیرہ وغیرہ اور مغربی مورخوں
میں ان حضرات نے ذکر کیا ہے فانس[۱] گارڈن رزلے[۲] ہرن اور سر ہنری شارپ[۳] وغیرہ وغیرہ۔

مسجد فتحپوری اپنی ساخت کے اعتبار سے جامع مسجد شاہ جہانی (۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء) سے قدیم تر معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وسطی محراب پر قدیم طرز کا اندر دھنسا ہوا ایک بڑا گنبد ہے۔ گنبد کے سامنے دو ابھری ہوئی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں، مغربی دوہرے دالانوں کے کنارے دونوں جانب دو بلند مینارے ہیں۔ آگے وسیع و عریض صحن ہے جس کے دونوں جانب شمالاً و جنوباً اکہرے دالان ہیں، ان کے وسط میں دو بڑے دروازے ہیں، مشرق کی طرف بھی اکہرے دالان ہیں اور وسط میں ایک دروازہ ہے جو چاندنی چوک کی طرف کھلتا ہے بازار چاندنی چوک لال قلعہ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

دہلی کی قدیم مساجد میں مسجد فتحپوری کی طرح ایک گنبد ملتا ہے۔ اور جامع مسجد شاہ جہانی کی طرح تین گنبد بھی ملتے ہیں۔ مثلاً پرانے قلعے کی مسجد جو ۹۴۸ھ/۱۵۴۱ء میں شیر شاہ سوری نے تعمیر کرائی تھی اس کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے۔ مسجد عیسیٰ خاں (۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء) میں تین گنبد ہیں مگر شکل جامع مسجد کے گنبدوں سے مختلف ہے، مقبرہ ہمایوں جو ۹۷۳ھ/۱۵۶۵ء میں ہمایوں کی اہلیہ حمیدہ بانو نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے، چاروں طرف برجیاں ہیں۔ جامع مسجد کے گنبد اس کے گنبد سے اور مسجد فتحپوری کی برجیاں، اس کی برجیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ مؤرخین نے دہلی کی ان چار مساجد کا سنہ تعمیر ایک ہی لکھا ہے:۔

۱۔ مسجد فتحپوری	۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء
۲۔ مسجد سرہندی[۴]	״
۳۔ مسجد اکبرآبادی[۵]	״
۴۔ مسجد جامع[۶]	״

ان مساجد کے طرز تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں مسجد فتحپوری پہلے پایہ تکمیل کو پہنچی[۷]۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسجد فتحپوری کی وسطی محراب پر ایک بڑا گنبد ہے۔ لیکن باقی تین مسجدوں میں تین تین گنبد ہیں۔ جو طرز تعمیر کے

مسجد جامع فتحپوری دهلی
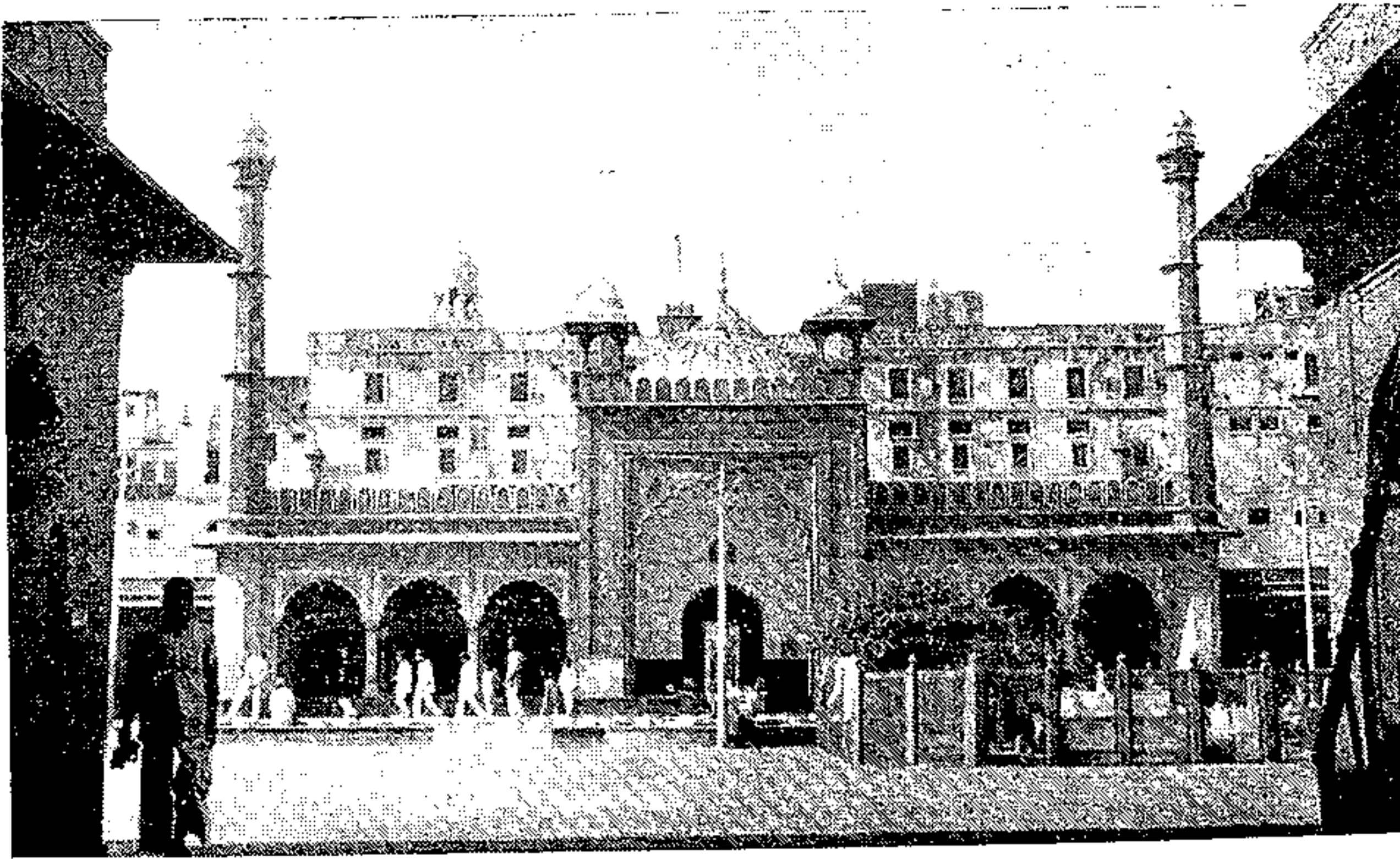
مشرقی دروازے سے مسجد جامع فتحپوری (١٠٦٠ھ/١٦٥٠ء) کا ایک اندرونی منظر - سامنے صحن مسجد میں داهنی طرف درگاہ حضرت میراں شاہ نانو رح کی سنگی جالیوں سے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد انور صاف جھلک رہا ھے

لحاظ سے مسجد فتحپوری سے زیادہ حسین و رعنا نظر آتے ہیں۔ اگر مسجد فتحپوری بعد میں تعمیر ہوتی تو زیادہ حسین و جمیل ہوتی کیوں کہ نقش ثانی ہمیشہ نقش اول سے زیادہ بہتر ہوا کرتا ہے، مگر یہاں ایسا نہیں، جامع مسجد کے بعد دہلی میں جتنی مساجد تعمیر ہوئی ہیں ان میں تین گنبد اور دو مینارے جامع مسجد کی طرز پر موجود ہیں۔ مثلاً یہ مسجدیں:۔

۱۔ موتی مسجد (۱۰۷۰ھ/۶۰-۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب نے لال قلعہ میں تعمیر کرائی، اس میں مناروں کے بجائے چار چھوٹے چھوٹے مینارے ہیں۔)

۲۔ زینت المساجد (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں دریا گنج دہلی میں بہادر شاہ بادشاہ کے زمانے میں تعمیر ہوئی۔)

۳۔ مسجد مدرسہ غازی الدین (۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں معز الدین محمد جہاندار کے عہد میں اجمیری دروازہ، دہلی کے باہر تعمیر ہوئی)

۴۔ سنہری مسجد (۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں، دہلی کے مشہور بازار چاندنی چوک میں فوارے کے قریب تعمیر ہوئی۔)

۵۔ مسجد شرف الدولہ (۱۱۳۵ھ/۲۳-۱۷۲۲ء میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت میں، دریبہ کلاں دہلی میں تعمیر ہوئی۔)

(بقیہ صفحہ ۵۲) لہ فانس شا: دہلی پاسٹ اینڈ پریزنٹ، ۱۹۰۲ء

۲ہ گارڈن رزلے ہرن: دی سیون سٹیز آف دہلی، لندن، ۱۹۰۶ء

۳ہ سر ہنری شارپ: دہلی، آکسفورڈ، ۱۹۲۸ء

۴ہ یہ مسجد لاہوری دروازہ کے قریب واقع ہے، شاہ جہاں بادشاہ کی اہلیہ سرہندی بیگم نے تعمیر کرائی تھی۔

۵ہ یہ مسجد فیض بازار میں واقع تھی، شاہ جہاں بادشاہ کی دوسری اہلیہ اعزاز النساء نے تعمیر کرائی تھی، گردش زمانے سے یہ مسجد معدوم ہو چکی ہے۔ آجکل اس کی جگہ ایڈورڈ پارک بنا ہوا ہے۔ یہ مسجد اپنے زمانہ میں علم و فضل کا مرکز رہی ہے۔

۶ہ یہ قندھار بلوچستان کی مشہور و معروف مسجد ہے جو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوائی تھی، تفصیلات کے لئے شاہ جہاں نامہ، جلد سوم ص ۵۲ ملاحظہ فرمائیں۔

۷ہ محمد صالح کنبوہ نے شاہ جہاں نامہ میں لکھا ہے کہ جامع مسجد دہلی کی بنیاد ۱۰ شوال المکرم ۱۰۶۰ھ کو رکھی گئی اور چھ سال بعد یعنی ۱۰۶۶ھ میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔ اس لئے ہمارا قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مسجد فتحپوری پہلے تعمیر ہوئی۔ محمد صالح

(بقیہ آگے)

۶۔ فخر المساجد (۱۱۴۱ھ/۹-۱۷۲۸ء میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں کشمیری دروازہ کے باہر تعمیر ہوئی۔)

۷۔ سنہری مسجد (۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء میں احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لال قلعے کے نیچے تعمیر کی گئی)

ظاہر شاہ (شاہ افغانستان) کے شیخ طریقت مشہور و معروف بزرگ ملا شور بازار رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے صدر المشائخ مولانا فضل عثمان صاحب مدظلہ العالی فرماتے تھے کہ ان کے پاس ایک قدیم تاریخ ہے جس میں مسجد فتحپوری کو جامع مسجد سے بہت قدیم بتایا گیا ہے، چونکہ یہ کتاب کابل میں ہے اس لئے راقم اس سے استفادہ نہ کر سکا، ممکن ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہمارے اس نظریہ کی توثیق ہو جائے کہ مسجد فتحپوری جامع مسجد شاہجہانی سے قدیم تر ہے

جیسا کہ عرض کیا گیا مسجد فتحپوری کے متعلق مختلف مورخوں نے اپنے اپنے بیانات قلم بند کئے ہیں، یہاں ان بیانات کو ترتیب وار پیش کیا جاتا ہے :-

سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں مسجد فتحپوری کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

"یہ مسجد اس بازار (چاندنی چوک) کی انتہا پر واقع ہے، بہت تحفہ اور نہایت نفیس، اور ایسی نیک نیتی سے بنائی ہے کہ اب تک اس میں بہت کار خیر ہوتے ہیں، اس مسجد میں صدہا لوگ حافظ قرآن مجید ہوئے الحمد للہ علی ذلک۔ طول اس مسجد کا پینتالیس گز کا ہے اور عرض بائیس گز کا، اور سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ گنبد کے دونوں طرف ایوان در ایوان ہیں۔ تین تین در کے۔ اور کرسی و دراجارہ میں منبت کاری کی ہوئی ہے اور فرش بھی سنگ مرمر کا تھا اور دونوں کونوں پر دو مینارے ہیں پینتالیس گز کے اونچے۔ نہایت خوشنما مگر اس کی برجیاں ٹوٹ گئی ہیں صرف مینار باقی ہیں اور اس مسجد کے آگے چبوترہ ہے۔ سنگ سرخ کا پینتالیس گز کا لمبا، اور تیس گز کا چوڑا، تمام سنگ سرخ کا، اور اس چبوترے کے پائیں حوض ہے، نو آئین سولہ گز سے چودہ گز کا کہ چاندنی چوک کی نہر میں اس میں سے ہو کر پانی آتا ہے اور گرد صحن کے اوپر نیچے ایوان ہائے عمدہ طالب علموں کے رہنے کو بنے ہوئے تھے، اور ان ایوانوں کے آگے سراسر تین گز کے عرض سے چبوترہ، صحن اس مسجد کا سو گز سے سو گز کا ہے اس کے عقب میں لاہوری دروازہ

(بقیہ ۵۳) نے جامع مسجد سے پہلے تعمیر شدہ مساجد کا اس طرح ذکر کیا ہے "اگرچہ مساجد فراواں بکمال فقر و شان در بقاع خیر بکیر ار اساس یافتہ" شاہجہاں نامہ ج-۳، ص-۵۲ (حواشی صفحہ ہذا دوسرے صفحہ پر)

ہے اس مسجد کو نواب فتحپوری بیگم نے بنایا ہے جو بی بی تھی شاہ جہاں کی[۱] آثار الصنادید (۱۸۴۷ء) کے صفحہ ۵ پر مسجد فتحپوری کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔

آثار الصنادید کے تیسرے اڈیشن (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) مندرجہ بالا بیان کو کچھ بدل دیا گیا ہے، اس میں مسجد فتحپوری کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے :-

"شہر شاہجہان آباد میں اردو بازار اور چاندنی چوک سے آگے بڑھ کر یہ مسجد ہے، نواب فتحپوری بیگم زوجۂ شاہ جہاں کی بنائی ہوئی ہے، یہ مسجد بھی ۱۰۶۰ ہجری مطابق ۱۶۵۰ عیسوی کے بنی ہے"۔ (ص ۔ ۷)

سر سید احمد خاں کے بعد محمد عبدالغفور نے آثار المتاخرین (۱۲۹۱ھ) میں اس طرح ذکر کیا ہے :-

"عہد شاہجہاں میں نواب فتحپوری بیگم زوجہ شاہجہاں بادشاہ نے لاہوری دروازہ شاہجہاں آباد پاس یہ مسجد بنائی تھی، طول اس کا بین تائیس گز کا ہے اور عرض ۲۲ گز کا، دونوں میناروں کی بلندی بین تیس بین تیس گز کی ہے"[۲]

منشی بلاقی داس[۳]، میرزا حیرت دہلوی اور مولوی سید احمد دہلوی نے بھی مسجد فتحپوری کا اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :-

گھنٹہ گھر[۴] کے آگے فتحپوری بازار ہے، جس کی انتہا پر فتحپوری کی مسجد واقع ہے، یہ مسجد شاہجہاں کی بیوی نواب فتحپوری بیگم نے ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کی تھی، اس مسجد کا طول ۴۵ گز کا اور عرض بائیس گز کا ہے، یہ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اس کا ایک برج جو چوٹی کا دھاری دار

(حواشی صفحہ ۵۴) [۵] نہ معلوم سر سید نے یہ اندازہ کس طرح لگایا ہے، ان کی پیروی میں اور مورخوں نے بھی یہی لکھ دیا ہے ہمارے اندازے کے مطابق مسجد فتحپوری کا طول تقریباً ۱۰۰ گز ہوگا اور عرض بھی اتنا ہی ہوگا،

[۶] سر سید کا یہ بیان صحیح نہیں، فرش سنگ مرمر کا نہیں، سنگ سرخ کا ہے۔

[۷] یہ برجیاں عرصہ ہوا از سر نو تعمیر ہو چکی ہیں۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] سر سید احمد خاں : آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء، ص ۔ ۵۶

[۲] محمد عبدالغفور : آثار المتاخرین (۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء)

[۳] منشی بلاقی داس : غنچۂ عشرت المعروف بہ تحفۂ مرغوب، ص ۔ ۳۷

[۴] یہ مشہور گھنٹہ گھر جو چاندنی چوک میں میونسپل کارپوریشن کی عمارت کے سامنے تھا، عرصہ ہوا ایک حادثہ میں اچانک گر پڑا۔ اب اس کی جگہ بیضوی شکل کا ایک باغیچہ ہے۔

بنا ہوا ہے اور دو مینارے چونتیس گز بلند ہیں۔ مسجد کے سامنے صحن پینتالیس گز کا لمبا اور پینتیس گز کا چوڑا سنگ سرخ کا ہے۔ صحن کے آگے سولہ گز سے چودہ گز کا حوض ہے اس مسجد کی چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوئے ہیں، اس کے تین دروازے ہیں، ایک شمال میں کھاری باؤلی بازار کی طرف ہے، یہ باؤلی اب دکانوں میں دب گئی ہے یہ شاہجہاں آباد کی آبادی سے پہلے کی تھی، ۹۵۲ھ میں شیر شاہ کے عہد میں بننی شروع ہوئی تھی اور چھ سال میں تمام ہوئی تھی (۹۵۸ھ)

دوسرا دروازہ مشرق میں چاندنی چوک کی جانب اور تیسرا جنوب میں بازار لال چاہ کی طرف ہے جو کمرہ چاندنی چوک کی جانب تھا اب اس پر دوسری منزل بنادی گئی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی بڑھ جائے طالب علموں کے مکانات کے سامنے باغیچہ تھا جو اب خراب ہو گیا ہے، ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہ مسجد ضبط ہو گئی تھی جب ۱۸۷۶ء میں حضور قیصر ہند دہلی میں بحالت ولیعہدی تشریف لائے تو یہ مسجد از سر نو مسلمانوں کی عبادت کے لئے واگزاشت کردی گئی تھی[1] اب اس کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے[2]۔ فتحپوری کے سامنے سے سیدھی سڑک ریل کے اسٹیشن کی سڑک سے جا ملی ہے اس سڑک کے بائیں طرف کیمبرج مشن کا مکان ہے جو پہلے نواب صفدر جنگ کا محل تھا جس جگہ اب ریل کا اسٹیشن ہے وہاں پنجابی کٹرہ میں نواب اورنگ آبادی بیگم کی بنوائی ہوئی بہت بڑی مسجد تھی۔ یہ خاتون اورنگزیب بادشاہ کی بیوی تھیں یہ مسجد سرخ رنگ کی بنی ہوئی تھی[3]

چراغ دہلی کے صفحہ ۲۵۱ پر مسجد فتحپوری کا فوٹو دیا گیا ہے۔ اسی مسجد کا حال مولوی سید احمد دہلوی نبیرۂ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اس طرح لکھا ہے۔:

یہ مسجد ———— نہایت عمدہ، خوبصورت، سنگین سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہے تمام صحن اور دونوں دالانوں کا فرش بھی سنگ سرخ کا ہے، اس مسجد کا طول ۴۵ گز اور عرض بائیس گز ہے، گنبد کے دونوں طرف تین تین در کے ایوان در ایوان ہیں کرسی اور ازارہ میں منبت کاری ہوئی ہے دونوں کونوں پر پینتیس پینتیس گز کے دو مینارے

---

[1] مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں صرف مسجد کی جائداد ضبط ہوگئی تھی جو بعد میں ۱۸۹۲ء میں واگزاشت

[2] آجکل مسجد فتحپوری وقف بورڈ کی تحویل میں ہے جو دہلی کی تمام مسلم وقف املاک کی نگرانی کرتا ہے،

[3] میرزا حیرت دہلوی، چراغ دہلی۔ مطبوعہ کرزن پریس۔ دہلی ۱۹۰۳ء، ص ۲۵۱، ۲۵۲

ہوئی جو نہایت خوشنما بنے ہیں، صحن کے آگے سولہ گز سے چودہ گز کا حوض ہے، اس میں چاندنی چوک کی نہر سے پانی آتا تھا، اب چار پانچ سال سے بند ہو گیا ہے، مسجد کے دائیں بائیں والان اور طالب علموں کے رہنے کے حجرے بنے ہیں۔

یہ مسجد نواب فتحپوری محل بیگم زوجۂ شاہ جہاں بادشاہ نے بنوائی تھی، اس کے متعلق بہت سی دکانیں ہیں۔ عذر کے زمانے میں یہ دکانیں ضبط ہو گئی تھیں۔[1]

ابو محمد عبد العزیز السلطنی نے بھی آثار دہلی میں مسجد فتحپوری کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

اب آگے مسجد فتحپوری کی سیر کیجئے، یہ مسجد بھی ۵۴ گز طول میں اور ۲۲ گز لمبائی میں ہے سر سے پاؤں تک مع فرش، سنگ سرخ کی ہے، نواب فتحپوری محل بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ کی بنوائی ہے ——— اس کے سامنے کا حوض جو بند ہو گیا تھا دوبارہ کھول دیا گیا ہے، بہت نفیس ہے، حوض سے متصل دو بزرگ حضرت میراں شاہ نانو اور آپ کے مرید شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات ہیں۔[2]

رکن الدین نظامی نے بھی حیات دہلی میں مسجد فتحپوری کا اجمالی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

چوک کے مغربی رخ پر مسجد فتحپوری ہے جسے بیگم شاہ جہاں فتحپوری نے اپنے نام پر بنایا ہے یہ سنگ سرخ کی بہت خوبصورت بنی ہوئی ہے اس کے دو مینارہ ۴۳ گز کے ہیں اور اس مسجد کا طول عرض ۴۵ × ۲۲ ہے اس میں آجکل مسلم ہائی اسکول فتحپوری بھی ہے۔[3]

شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم کے صاحبزادے مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے اپنی کتاب واقعات دار الحکومت دہلی میں مسجد فتحپوری کا مفصل ذکر کیا ہے، ہم مسجد فتحپوری کی تاریخ کو ان کے بیان پر ختم کرتے ہیں:۔

مسجد فتحپوری

چاندنی چوک کے مغربی سرے پر نواب فتحپوری محل صاحبہ بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بنوائی ہوئی نہایت عمدہ، شاندار، خوبصورت، سر سے پا تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی مسجد ہے، سارے شہر میں بس یہی مسجد ایک گنبد کی ہے جس کے دونوں جانب اونچی اونچی مینار یں ہیں، یہ عمارت نہایت مضبوط ہے جس کا بڑا بھاری گنبد دور سے بہت بھلا دکھائی دیتا ہے، یہ مسجد پہلے زمانے

---

[1] مولوی سید احمد: یادگار دہلی، مطبعہ مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء، ص ۴۵

[2] محمد عبد العزیز: آثار دہلی، (۹ دسمبر ۱۹۱۱ء)، مطبوعہ مطبع حقانی، دہلی، ص ۴۴

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں بڑی پُر رونق تھی اور جس مقام پر بنی ہے وہ بھی شہر کا مرکز تھا، اب بھی اس مسجد کی حالت اچھی ہے اور اس کے گرد پیش بازار ہے جہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ لگی رہتی ہے، مسجد کے تین بڑے بڑے دروازے ہیں جن پر سنگ سرخ کا کنگورہ اور ادھر ادھر برجیاں ہیں، ان میں (سے) ہم مسجد کے وسیع صحن میں داخل ہوتے ہیں جو اسّی گز مربع ہے اور جس میں تمام سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، شمال اور مشرق کی طرف دروازے تیس فیٹ اونچے اور ستائیس فیٹ چوڑے ہیں، جنوب کی طرف کا دروازہ ستائیس فیٹ مربع اور صرف دس فیٹ گہرا ہے[1] اس دروازے کی ڈیوڑھی آٹھ فیٹ چوڑی اور گیارہ فیٹ اونچی ہے، مغرب کی طرف اصل مسجد کے تھرے دالان ہیں جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں، مسجد کی ہر سہ جانب مسلسل دکانیں ہیں جس میں مشرق اور شمال کی طرف علاوہ دکانوں کے دو منزلہ بڑے بڑے شاندار کمرے بعد میں بنائے گئے ہیں ——— صحن مسجد میں ایک بہت بڑا حوض ہے ۱۶ × ۴۴ گز ہے، حوض اور مسجد کے درمیان کا چبوترہ ۳۰ × ۹۰ ہے، اب تو سارے صحن میں فرش ہو گیا ہے اور جتنی دکانیں مسجد کے احاطے کے اندر تھیں سب نکال کر کل حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے، اصل مسجد $3\frac{1}{2}$ اونچے چبوترے پر بنی ہوئی ہے جس کے دالان سے ۱۲۰ × ۴۰ ہیں، پیش طاق یا صدر محراب بہت اونچی ——— اس پر بھی کنگورہ اور دونوں طرف بڑی بڑی برجیاں ہیں ——— مسجد کا ایک ہی بڑا بھاری گنبد ہے، ——— پیش طاق کے ہر دو جانب بارہ فٹ کے فصل سے دو دو دالان تین تین دروں کے کنگوری دار محرابوں کے ہیں، جو تیس فیٹ اونچے اور دس فیٹ چوڑے ہیں، ان کی چھتوں پر بھی کنگورا ہے، مسجد کے دونوں مینار اسّی اسّی فیٹ بلند ہیں جن کی برجیاں پہلے پتھر کی کھلی ہوئی تھیں، بعد میں چونے گچی کی بنا دی گئیں، مسجد کی چھت کے تینوں طرف کنگورا ہے، مسجد کے عقب میں چار مینار سنگ سرخ کے صرف دس دس فیٹ اونچے ہیں، جن پر کنول بنے ہوئے ہیں،[2]

——— مسجد کے پیش طاق اور نیز دوسرے دروں کے سامنے تین تین سیڑھیاں ہیں ——— مسجد کا گنبد بھیلا ہوا کوٹھی دار وضع کا ہے، جو پتھر اور گچ کے چار فیٹ

(بقیہ صفحہ ۵۷) [1] رکن الدین نظامی : حیات دہلی، مطبوعہ ادریسیہ المطابع - دہلی، ۱۳۳۲ھ، ص - ۲۷

(حواشی صفحہ ہذا) [1] اب یہ دروازہ صرف دو فیٹ گہرا ہے۔ (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

اونچے اسطوانے پر قائم ہے ——— منبر سنگ مرمر کا ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں، مسجد کے صدر دالانوں میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں ہیں، مسجد کی دونوں جانب سنگ سرخ کے ستونوں کی قطاریں تھیں جس سے مسجد کے دو طرفہ حصے الگ الگ ہو گئے ہیں، کچھ عرصہ ہوا کہ مسجد کی چھت کی حالت مخدوش ہو گئی تھی اس لئے پتھر کے ستونوں کی اور دو قطاریں بیچ میں لگوا کر دوا دے کر مضبوط کر دی گئی ہے، ——— کتبۂ ذیل مرمت کے بعد پیش طاق کے اوپر سنگ مرمر کی تختی پر کھدا ہوا ہے :-

۱۲۸۹ھ
۱۸۷۲-۳ء

دید چوں ایں مسجد رفعت پناہ ؛ پشت گردوں خم پے تعظیم شد
سال ترمیم از سر لوح بگفت ؛ مسجد عالی نکو ترمیم شد

منجانب حاجی محمد تقی باہتمام حاجی قطب الدین و غلام محمد طالبان دعائے خیر سلہ

۱۲۸۹ھ کے بعد بھی مسجد فتحپوری میں برابر ترمیم و اضافے ہوتے رہے، چنانچہ ۱۳۳۱ھ سے پہلے اندرون مسجد میں جو دکانیں، اونٹ گاڑیوں کا اڈا اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر تھے وہ سب صاف کر کے سارا فرش سنگ سرخ کے چوکوں کا بنا دیا گیا، یہ سارا کام ۱۳۳۲ھ تک مکمل ہو گیا، ۱۳۳۵ھ میں مسجد کے شمالی رخ پر ایک سنگ بست دو منزلہ دالان بنایا گیا اور ۱۳۳۶ھ میں شمال مغربی کونے پر دوسرا ایک اور دالان بنایا گیا۔ اس کے علاوہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں گولہ باری کی وجہ سے جو جابجا چھت کی سلیں چٹخ گئیں تھیں وہ درست کر دی گئیں اور پیوند اس طرح لگایا کہ معلوم تک نہیں ہوتا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں مسجد کی دکانیں حکومت برطانیہ نے ضبط کر لی تھیں اور ۲۹ ہزار روپے میں نیلام کر دیں جس کو ایک ہندو لالہ چھنا مل نے خرید لیا تھا، ۱۸۹۲ء میں انجمن راشدین صلح کل اسلامیہ کی طرف سے جائداد

(بقیہ صفحہ ۵۸) ۱؎ گدڈیا نامی ایک ہندو سیٹھ نے مسجد کی پشت پر ایک عظیم الشان کئی منزلہ عمارت بنالی ہے جو عرض میں تقریباً ڈیڑھ سو گز ہو گی، مسجد کے پشت کے ساتھ ساتھ یہ چاروں عجبی مینار آدھے آدھے دب گئے ہیں، اس عمارت کے چاروں گوشوں پر چار برج ہیں، جنوب مغربی سمت ایک مزید برج بنایا ہے جو نہایت بلندی پر ہے اور اس کا کلس مسجد فتحپوری کے اسی فیٹ بلند مینار سے بھی اوپر نکل گیا ہے ، ہندو سیٹھ کے اس غاصبانہ طرز عمل کے خلاف مسلمانان دہلی نے بہت جد وجہد کی مگر تقسیم ہند کی وجہ سے مقدمہ نامتمام رہ گیا، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو رات بارہ بجے جب آزادی کا اعلان کیا گیا تو اس برج سے پہلی مرتبہ ناقوس کی آواز آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور پھر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک اسی عمارت سے مسجد میں بم پھینکے گئے (بقیہ صفحہ پر)

کی بازیافت کے لئے کوشش کی گئی چنانچہ ۱۸۹۵ء میں مسجد کی کل جائداد واگزاشت ہوگئی اور ایک کمیٹی بنادی گئی جس کے نگران ڈپٹی کمشنر صوبۂ دہلی مقرر کئے گئے، ایک عرصہ بعد جب سنی مجلس اوقاف کی تشکیل ہوئی تو اس کے صدر شہید ملت لیاقت علی خاں مرحوم کو بنایا گیا جو اس وقت دہلی میں تھے، شہید ملت کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین (موجودہ صدر جمہوریہ ہند) اس کے صدر منتخب ہوئے، تقسیم ہند کے بعد جب وقف بورڈ کی تشکیل ہوئی تو اس کا صدر مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم (ممبر پارلیمنٹ) کو بنایا گیا، یہ بورڈ اب بھی اصل کے اوقاف کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کے صدر نورالدین بیرسٹر صاحب ہیں۔

تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے فوراً ہی بعد فسادات کے زمانے میں دشمنان اسلام نے اس مسجد پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس پر آشوب دور میں یہاں حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز تشریف رکھتے تھے، الحمدللہ ان کی بے پناہ استقامت و عزیمت پسندی نے مسجد کو دشمنوں سے محفوظ رکھا، ورنہ کیا کچھ نہ ہوا، جمعۃ المبارک ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مسجد فتحپوری میں پہلا بم گرایا گیا اور ساتھ ہی شمال کی طرف سے شدید حملہ کیا گیا، اس کے بعد ۱۹۵۵ء تک تقریباً آٹھ مرتبہ وقتاً فوقتاً دستی بم پھینکے گئے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی پوری پوری حفاظت فرمائی مسجد کے باہر جنوب و شمال اور مشرق کی طرف مسجد کی دکانیں اور مکانات ہیں، تقسیم ہند سے قبل ان کی آمدنی تقریباً دس ہزار روپیہ ماہانہ تھی، مسلمان اور ہندو مشترکہ طور پر اس کے کرایہ دار تھے، اب یہ ساری عمارات ہنود کے تصرف میں ہیں، ایک دو دکانوں میں مسلمان ہیں،

درسگاہیں

مسجد فتحپوری میں زمانۂ قدیم سے مدرسہ عالیہ عربیہ قائم ہے، جہاں تقسیم ہند سے قبل بیرونی ممالک کے طلبہ بھی بکثرت آتے تھے، مثلاً پاکستان، افغانستان، روس، ملایا، انڈونیشیا، چین وغیرہ اور خود ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بھی آتے تھے مثلاً آسام، بنگال، بہار پنجاب وغیرہ۔ اس مدرسہ میں تکمیل علوم عقلیہ و نقلیہ کے لئے آٹھ سالہ کورس تھا جو اب نو سالہ ہوگیا ہے، ہزاروں طلبہ فارغ ہو چکے ہیں اور بیسوں زیر تعلیم ہیں، آجکل مندرجہ ذیل اساتذہ کرام تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مولانا سجاد حسین صاحب (صدر المدرسین) مولانا عبدالدائم صاحب جلالی، مولانا عبدالسمیع صاحب مولانا نصراللہ صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، قاری محمد سلیمان صاحب وغیرہ وغیرہ۔ زمانۂ قدیم میں جن علماء کرام نے یہاں تدریسی فرائض انجام دیئے ہیں ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:-

مولانا سیف الرحمٰن افغانی، مولانا محمد عالم پنجابی، مولانا عبدالسلام افغانی اور مولانا کاظم علی صاحب

(بقیہ صفحہ ۶۴) ۱۔ بشیرالدین: واقعات دارالحکومت دہلی، جلد سوم، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء، ص ۲۴۳ تا ۲۴۴

دہلوی وغیرہ حضرات ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۱ء اور ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۴ء کے درمیان مدرسہ میں موجود تھے، مولانا عبدالرحمن صاحب مولانا احمد علی صاحب، مولانا عبدالسبحان صاحب، مولانا عماد الدین صاحب سنبھلی وغیرہ، ــــــ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء میں یہاں موجود تھے ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء میں یہ حضرات بھی موجود تھے مولانا محمد حمید اللہ، مولانا عبدالمجید اور مولانا عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ــ مولانا سلطان محمود صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب، مولانا ولایت احمد صاحب، مولانا شریف اللہ صاحب، مولانا اشفاق الرحمن صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب، مولانا ناصر خلیق صاحب وغیرہ، ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء سے ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء تک موجود رہے، مولانا ولایت احمد صاحب تقسیم ہند کے بعد بھی کئی سال تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور بالآخر سنبھل میں انتقال فرمایا۔

تقسیم ہند سے قبل تک مسجد فتحپوری میں اورینٹیل کالج بھی قائم تھا، جس میں علوم شرقیہ کی تعلیم دی جاتی تھی، جو سالہاسال تک جاری رہی، اس میں مولانا فخرالحسن صاحب، مولانا محبوب الٰہی صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب وغیرہ پڑھاتے رہے ، تقسیم ہند کے بعد یہ کالج ختم ہوگیا،

مسجد فتحپوری میں سالہاسال سے تجوید و قرأت کا مدرسہ بھی قائم ہے، جہاں سے ہزاروں طلبہ، حفاظ و قراء بن کر نکلے ہیں، سرسید احمد خاں نے بھی آثار الصنادید (۱۸۴۷ء) میں اس کا ذکر کیا ہے، اس مدرسہ میں تقسیم ہند سے قبل سید قاری حفیظ الرحمن صاحب (فرزند نسبتی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ) وغیرہ تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، آجکل قاری محمد سلیمان اور قاری یہ فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مسجد کے جنوبی دالان کی بالائی منزل پر فتحپوری مسلم ہائی اسکول کی دومنزلہ عمارت ہے جو تیس چالیس سال سے قائم ہے۔ اس عمارت کے نیچے عرصہ سے پرائمری اسکول قائم ہے، مسجد کے شمالی دالان کی بالائی منزل پر ہندوؤں کا مڈل اسکول ہے، خانۂ خدا سے وہ بھی محروم نہیں۔

الغرض مسجد فتحپوری علوم قدیمہ اور جدیدہ کی تعلیم و تدریس کا مرکز رہی ہے اور اب بھی ہے، حتیٰ کہ اب تو ہندی زبان کی بھی تعلیم دی جاتی ہے،

مسجد کے جنوبی دروازہ کے اوپر سنگ سرخ کی ایک عمارت ہے، اس میں تقریباً نصف صدی سے فتحپوری مسلم لائبریری کے نام سے ایک کتب خانہ قائم ہے جس میں ہر علم و فن پر ہزاروں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں ــــــ

شمالی دروازہ کے ساتھ ہی بالائی منزل پر ایک زمانہ میں تحریک آزادی کے داعی مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنا دفتر قائم کیا تھا، یہیں پر تقسیم ہند سے بہت پہلے مولوی عبدالحق مرحوم نے انجمن ترقی اردو کا دفتر قائم کیا تھا۔

دارالافتاء

اس مسجد میں ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے دارالافتاء قائم ہے، جہاں سے پورے پاک و ہند اور بیرونی مسلم ممالک کے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں، اول اول اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ نے تقریباً تیس پینتیس سال تک فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے اور اس فن میں بڑی شہرت حاصل کی، موصوف کے بعد ان کے پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہٗ ساٹھ سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے اور اس فن میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ باید و شاید، حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادگان میں حضرت مولانا مظفر احمد صاحب اور حضرت مولانا مشرف احمد صاحب بھی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے اور بڑا کمال حاصل کیا، آجکل حضرت مفتی صاحب کے دوسرے صاحبزادے مولانا مشرف احمد صاحب مسجد فتحپوری میں فرائض فتویٰ نویسی انجام دے رہے ہیں۔

درگاہ حضرت میراں نانو شاہؒ

مسجد فتحپوری کے مشرقی صدر دروازہ سے داخل ہونے کے بعد شمال مغربی سمت حوض سے متصل ایک درگاہ ہے جس کے اردگرد سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں، اس میں کئی مزارات ہیں۔ داہنی جانب پہلی قطار میں حضرت میراں نانو شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے اور ان کے ساتھ ان کے خلیفہ حضرت شاہ جلال رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت میراں شاہ نانو رح، شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ (م۔ ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) کے معاصرین میں تھے، وطن مالوف تھانیسر تھا، نسباً فاروقی تھے اور شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (م۔ ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء) کی اولاد امجاد سے تھے جو سلسلہ چشتیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید و خلیفہ تھے۔

درگاہ کے بائیں جانب دوسری قطار ہے جس میں انقلاب ۱۸۵۷ء میں شہید ہونے والے چند شہداء کے مزارات ہیں، ان دونوں قطاروں کے وسط میں جو جگہ خالی تھی وہاں حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری قدس سرہ العزیز کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے، بڑی مقبول محفوظ ہے یہ مقدس سرزمین جہاں اہل اللہ اور شہداء کی محفل سجی ہوئی ہے، ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان نفوس قدسیہ پر جن کو اللہ نے اپنے گھر میں مہمان رکھ کر سربلند و سرفراز فرمایا۔

حضرت میراں شاہ نانو رح وغیرہ کے حالات پر مختلف تذکرہ نگاروں نے روشنی ڈالی ہے مثلاً سرسید احمد خاں، مولوی سید احمد دہلوی، مولانا محمد عالم شاہ وغیرہ، سرسید احمد خان نے آثار الصنادید (۱۲۶۳ھ) کے صفحہ ۷۴ پر چوتھے باب میں آپ کا ذکر کیا ہے، اور صفحہ ۷۱ پر شاہ جلال رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے۔

تذکرہ اہل دہلی کے نام سے آثار الصنادید کا حصہ شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے :-

اصل وطن آپ کا تھانیسر ہے، سلسلہ حضرت کا جناب برکت انتساب سرگروہ اہل اللہ شیخ

جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمۃ تک کئی واسطوں سے پہنچتا ہے، بعد تحصیل کمال اور تحصیل فیوض باطنی کے شہر شاہ جہاں آباد میں وارد ہو کر حرم مسجد فتحپوری میں ایک حجرہ واسطے سکونت کے اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ ان کی کرامت اور فیض باطنی کا شہرہ ایسا پڑا کہ، کہ و مہ کو اعتقاد آپ کی خدمت میں بہم پہنچا۔ اکثروں کو آپ کے فیض ہدایت سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے، اسّی برس کی عمر کے قریب وفات پائی اور اسی مسجد کے حریم میں مدفون ہوئے عرس آپ کا آج تک بدستور ہوتا ہے۔" ؎۱

حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں اس کتاب میں لکھا ہے:-

یہ خلیفہ تھے حضرت میراں شاہ نانو صاحب مغفور کے، اس اوقات کا آدمی اس حیز و زمان میں بہت کم یاب ہے، حضرت میراں شاہ نانو صاحب کے حجرہ میں مسند خلافت پر بیٹھ کر عمر بسر کی اور نفس واپسیں تک اہل دنیا کی طرف رجوع نہ کی، باوجود توکل کے لنگر شام کے وقت۔ مساکین اور فقراء کو آپ کی طرف سے تقسیم ہوتا تھا، یہ حضرت بھی بعد وفات کے پیر کی قبر کے قریب مدفون ہوئے ؎۲

مولوی سید احمد ولی اللّٰہی نے بھی حضرات میراں شاہ نانو کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے:-

آپ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی علیہ الرحمۃ کے ہمعصر ہیں، آپ کا وطن تھانیسر ہے اور سلسلہ نسب کئی واسطوں سے شیخ جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمۃ سے جا ملتا ہے آپ ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کر کے شاہ جہاں آباد میں وارد ہوئے اور حریم مسجد فتحپوری میں ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی، رفتہ رفتہ آپ کی کرامات اور فیوض باطنی کا یہاں تک شہرہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آپ کی خدمت میں عقیدۃً حاضر ہو کر فیض یاب ہونے لگے، بہت عرصہ تک برابر فیض جاری رہا، آخر تقریباً اسّی برس کی عمر میں وصال ہوا، اسی احاطہ میں مدفون ہوئے، آپ کے بعد آپ کے خلیفہ شاہ جلال علیہ الرحمۃ نے آپ کے حجرے میں مسند خلافت پر بیٹھ کر تمام عمر یاد الٰہی میں بسر کی اور تا انتقال اہل دنیا کی طرف التفات نہ کی بعد وفات

؎۱ سر سید احمد خاں: تذکرۂ اہل دہلی، مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۵ء، ص۔ ۳۲

نوٹ:۔ تاریخ دہلی (سید احمد) کے صفحہ ۱۵۷ پر حضرت میراں شاہ کا تفصیلی ذکر موجود ہے

؎۲ ایضاً، ص۔ ۳۷

یہ بھی اپنے پیر کی قبر کے برابر مدفون ہوئے [1]

مولانا محمد عالم شاہؒ نے بھی مولوی سید احمد کی طرح سر سید احمد خاں کا بیان نقل کر دیا ہے، مزید یہ لکھا ہے کہ حضرت میراں شاہ نانوؒ کا وصال محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء تا ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) میں ۷ صفر المظفر کو ہوا، اور شاہ جلالؒ کا انتقال ۹ ربیع الاول کو ہوا [2]

چاندنی چوک

جیسا کہ سر سید احمد خاں نے لکھا ہے مسجد فتحپوری بازار چاندنی چوک کی انتہا پر واقع ہے، مسجد کا مشرقی دروازہ اسی بازار میں کھلتا ہے، یہ ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے کسی زمانے میں اس کی بڑی شہرت تھی اب اس بازار کی بدحالی کو دیکھ کر جگر کا یہ شعر یاد آتا ہے :-

مرے غم خانۂ معیبت کی = چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے

آج سے دو سو برس قبل اس بازار کی جو کیفیت تھی وہ حیدرآباد دکن کے نواب قلی خاں کی زبانی سنیئے جنہوں نے ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں اس کی سیر کی تھی، بخوف طوالت تلخیص و ترجمہ پیش کیا جاتا ہے :-

تلخیص و ترجمہ

چاندنی چوک (دہلی کے) تمام چوراہوں اور گزرگاہوں سے زیادہ حسین و رعنا ہے نفاست پسندوں کے لئے تماشا گاہ اور نازک مزاجوں کے لئے سیر گاہ ہے، یہاں ہر قسم کے پارچہ جات اور ساز و سامان موجود ہے، کونے کونے اور گوشے گوشے سے دنیا کی نادر و نفیس چیزیں، دیکھنے والوں کے دل کھینچے لیتی ہیں۔ اس چوک کے تمام راستے کشادہ و فراخ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آغوشِ رحمت کھلا ہوا ہے، اس بازار کے بیچوں بیچ ایک نہر رواں ہے جو ماء العین کی طرح صاف و شفاف پانی سے بھری ہوئی ہے، ایک جانب جوہری اپنی اپنی دکانوں میں بڑے اطمینان سے بے نیازانہ بیٹھے ہیں، سامنے لعل و گوہر کے انبار لگے ہیں اور دلال میٹھی میٹھی باتیں کر کر کے خریداروں کو ترغیب دے رہے ہیں، دوسری طرف تاجروں نے قسم قسم کے کپڑے اور ضرورت کی تمام چیزیں دکانوں پر بڑے سلیقے سے سجا رکھی ہیں، آوازیں لگا لگا کر خریداروں کو پھسلا رہے ہیں، عطاروں کے ہاں قسم قسم کے روایح و عطریات

---

[1] سید احمد ولی اللّٰہی : یادگار دہلی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء، ص ۱۵۶-۱۵۷

[2] محمد عالم شاہ : مزارات اولیائے دہلی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۶ھ، ص ۱۲۸ و ۱۲۹ (طبع اول ۱۳۳۰ھ)

موجود ہیں، ان کی چکنی چپڑی باتیں، دلالوں کی لچھے دار گفتگو خریداروں کا دل للچائے بغیر نہیں رہتی، ہر چیز ایسی لطیف و نفیس ہے کہ خریدار اس کو دیکھ کر پھسلے بغیر نہیں رہ سکتا، تلواروں کو دیکھئے کہ دیکھتے ہی محبوب کی ابروئے خمیدہ نظروں میں پھر جائے، دوسری طرف وضع وضع کی کٹاریں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ سانپ بانبیں نکالے حریف کو دعوت مبارزت دے رہے ہیں، چینی سامان اس کثرت سے ہے کہ خریداروں کے حوصلے پست ہوئے جاتے ہیں، رنگ برنگ کے صلاحی اور بلوریں صندوقچیاں دکانوں پر سلیقے سے سجی ہیں، دل پسند اور رنگین پیالے اس حسن و خوبی سے رکھے ہیں کہ زاہد صد سالہ بھی شراب کی آرزو کر بیٹھے، قسم قسم کے کپڑے، قریب قریب اسی نفاست و لطافت کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں کہ شاید امراء کے دولت کدوں میں بھی نہ رکھے ہوں گے

ان مناظر سے قطع نظر شام کی فضاؤں میں وہ رنگ برنگ کے جلوے نظر آتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر شفق خون خون ہوئی جاتی ہے، یہاں وہ لطف و سرور ہے کہ سیر چمن میں بھی نہیں اس چوک کے بیچوں بیچ قہوہ خانے ہیں جہاں شعراء اور اہل فن روزانہ جمع ہوتے اور داد سخن لیتے ہیں، امراء دہلی بھی باوجود اپنی عظمت و شوکت کے چاندنی چوک کی سیر کو آتے ہیں، الغرض اس بازار کی دوکانوں میں ایسی ایسی نادر و نفیس چیزیں روزانہ دیکھنے میں آتی ہیں کہ اگر قارون کا خزانہ بھی میسر آجائے تو وہ بھی وفا نہ کرے،[1]

تقریباً سو برس بعد سر سید احمد خاں نے بازار چاندنی چوک اور اس سے متصل بیگم باغ کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح لکھا ہے

اس کے آگے چاندنی چوک ہے، یعنی اس مقام کے آگے چار سو اسی گز کا لمبا بازار ہے، اور اس مقام پر ایک چوک ہے۔ مثمن سو گز سے سو گز میں اور اس کے بیچ میں بھی مثمن حوض ہے، اس چوک کو چاندنی چوک کہتے ہیں، خوبی اور خوشنمائی اس کی بیان سے باہر ہے، آدمی کی طاقت نہیں کہ بیان کر سکے تیسرے پہر کو اس چوک میں عالم طلسمات ہوتا ہے، اکثر جوانان جواں دل اور امراء اور شاہ زادے سیر و تماشے کو آتے ہیں اور سیر کرتے پھرتے ہیں، اس چوک کے گرد دکانیں نہایت خوش سلوک اور خوشنمائی کے ساتھ بنی ہوئی ہیں اور ان میں ہر قسم کے سودے والے بیٹھتے ہیں، تمام دنیا کی چیزیں یہاں ہم پہنچ سکتی ہیں اور ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ خامۂ زبان کو اس کے بیان کی طاقت نہیں[2]

چاندنی چوک کے متصل بیگم باغ تھا جس کا آنکھوں دیکھا حال سر سید احمد خاں نے اس طرح لکھا ہے:-

اس چوک کے جانب شمال مکانات دل کشا اور دلچسپ بنے ہوئے تھے اور ایک باغ تھا نو سو ستر

---

[1] نواب قلی خاں: مرقع دہلی (۱۱۵۱ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن، ص ۷۰ تا ۹۱ [2] سر سید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء، ص ۵۵

گز کا لمبا اور دو سو چالیس گز کا چوڑا اور اس باغ میں عجیب عجیب بارہ دریاں اور مکانات تھے، اور نہر جاری تھی اور ہر جا حوض و فوارے تھے، اگرچہ اب وہ صورت نہیں ہے اکثر لوگوں نے اس میں مکانات بنا لئے ہیں اور ایک بستی بن گئی ہے لیکن اس پر بھی باغ موجود ہے اور نہر جاری ہے اور لگے زمانے کی کیفیت یاد دلاتی ہے، اس چوک کے جنوب کی طرف بھی اس عمارت کے جواب میں عمارت دل کشا بنی ہوئی تھی، چناں چہ اب بھی اس کا نمونہ باقی رہ گیا ہے، یہ باغ صاحبہ آباد کر کے موسوم تھا اور یہ سب عمارت اور باغ جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بادشاہ کے حکم سے بنا تھا جس کے دیکھنے سے نقش عمارت شکستہ خیال میں پھر جاتا ہے، بیت

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ ؎ آثار پدیداست صنادید عجم را

کھاری باؤلی

مسجد فتحپوری کے شمال مغربی سمت کا پورا علاقہ کھاری باؤلی کے نام سے مشہور ہے یہ علاقہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے، یہ باؤلی سنہ ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری کے عہد میں کنوئیں سے باؤلی بنا دی گئی تھی، اس کے متصل ایک مسجد بھی ہے جو $\frac{۱۵۳۹ء}{۹۴۶ھ}$ اور $\frac{۱۵۴۵ء}{۹۵۲ھ}$ کے درمیان تعمیر ہوئی،[1] یہ مسجد آجکل کوچۂ نواب مرزا متصل مسجد فتحپوری میں واقع ہے، صاحب مفتاح التواریخ نے کھاری باؤلی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

ایں باؤلی در عقب جامع مسجد[2] متصل لال کنواں در شاہ جہاں آباد واقع است آں را عماد الملک عرف خواجہ عبداللہ لاذر قریشی در اول سال جلوس اسلام شاہ یعنی سلیم شاہ ابن شیر شاہ بنا نہادہ بود، در سنہ نہ صد و پنجاہ و ہشت باتمام رسانید آثارش الی الآن موجود است و عبارتے چند بخط عربی بر دروازہ دیوار آں منقوش است، آنچہ کہ بر دروازہ و دیوار آں کندہ است این است :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم - در عہد زماں سلطان السلاطین والمظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ بنا کردہ ایں چاہ بتوفیق اللہ و برحم رسول اللہ ملک عماد الملک عرف خواجہ عبداللہ لاذر قریشی بدار الملک حضرت دہلی فی سنہ اثنی وخمسین وتسعمائۃ - فقط -[3]

تلخیص و ترجمہ یہ باؤلی جامع مسجد کے عقب میں لال کنوئیں کے قریب شاہ جہاں آباد میں واقع ہے اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری کے اول سال جلوس میں عماد الملک عرف خواجہ عبداللہ لاذر قریشی نے اس کی بنا رکھی تھی، سنہ ۹۵۸ ہجری میں یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی، اس کے آثار ابتک موجود ہیں، اس کی دیوار پر عربی میں ایک عبارت کندہ ہے۔

---

[1] بشیر الدین احمد : واقعات دار الحکومت دہلی، جلد سوم،

[2] یہ باؤلی جامع مسجد کے عقب میں نہیں بلکہ مسجد فتحپوری کے عقب میں ہے، [3] ولیم بیل : مفتاح التواریخ

پانچواں باب
کرامات ووصال

کرامات

جو سیرت مقدسہ، سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہو وہ خود ایک زندہ کرامت ہے، عام لوگ اہل اللہ کے حالات زندگی میں کرامات اور خرق عادات کے متلاشی رہتے ہیں، ان کے ذوق کی تسکین اسی سے ہوتی ہے حالاں کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اہل اللہ بذات خود مجموعہ کرامات ہیں، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بنفس نفیس ایک کرامت تھی، ایسی کرامت جس سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔ من جملہ ان کرامات کے چند ایک یہ ہیں :-

(۱)

اعلیٰ حضرتؒ کے پڑپوتے حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب (کراچی) فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرتؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۴ء/۱۳۶۴ھ) فرماتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرتؒ کا وصال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا تجہیز و تکفین فاتحہ وغیرہ میں اگر اخراجات زیادہ ہو جائیں تو میرے انتقال کے تیسرے روز ایک نقاب پوش بزرگ آئیں گے ان کو بتا دینا وہ روپے ادا کر دیں گے چناں چہ حسب ارشاد گرامی انتقال کے تیسرے روز ایک نقاب پوش بزرگ تشریف لائے اور دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا، آپ نے صاحبزادگان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی چناں چہ مولانا عبدالمجید صاحبؒ اور مولانا عبدالرشید صاحبؒ (م ۱۹۴۶ء) تشریف لائے اور اخراجات کی تفصیلات بتادیں آپ نے ساری رقم ادا کر دی اور تشریف لے گئے، جاتے ہوئے اعلیٰ حضرتؒ کے ایک مرید ان بزرگ کے پیچھے پیچھے ہو لئے، کچھ فاصلہ پر جا کر حقیقت حال معلوم کرنا چاہی تو ان بزرگ نے نقاب الٹ دی، یہ مرید دیکھ کر حیران رہ گئے وہ نقاب پوش خود اعلیٰ حضرتؒ ہی تھے، قدس سرہ العزیز۔

(۲)

پروفیسر سلمیٰ سلطانہ (وائس پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ) ایک واقعہ نقل کیا، انہوں نے فرمایا کہ ایک روز اعلیٰ حضرتؒ کی نماز تہجد قضا ہو گئی، آپ اس غم میں الحاح وزاری فرما رہے تھے کہ اچانک حجرہ شریف میں ایک آواز سنی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا حجرہ

بقعہ نور بن گیا، بجلی کی سی ایک کڑک سنائی دی، پھر کچھ نہ تھا۔

(۳)

محترم حکیم احمد حسین صاحب (حیدر آباد سندھ) فرماتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرت انور تشریف لائے تو حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحبؒ کے ہاں ایک چارپائی پر استراحت فرمائی، آپ کے تشریف لے جانے کے بعد جس مکان میں وہ چارپائی رکھی ہوئی تھی، اتفاق سے اس میں آگ لگ گئی، مکان کا سارا ساز و سامان جل گیا لیکن اس چارپائی کا بان تک نہ جلا جس پر اعلیٰ حضرت نے آرام فرمایا تھا۔

(۴)

مولانا عبدالعزیز (جام شورو) اعلیٰ حضرت کے مرید خاص مولانا ارشاد علی سے یہ واقعہ نقل کرتے تھے کہ جس گلی میں حضرت کا مکان شریف تھا، وہاں ایک ہندو رہا کرتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں آمنا سامنا ہو گیا تو مشرف باسلام ہونا پڑے۔ چھپا چھپا پھرتا تھا، ایک روز اعلیٰ حضرتؒ نے اسے دیکھ لیا، آپ کی نظریں اس پر پڑیں اور کام تمام ہو گیا ؎

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل !
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

کسی کو نہیں معلوم کہ اس ہندو کی کایا پلٹ چکی ہے، جب اس کا انتقال ہوا اور ارتھی چتا میں جلائی گئی تو حاضرین یہ حال دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نہیں جلا آخر معلوم ہوا کہ نگاہ محبوب کا شکار ہو چکا ہے چناں چہ اس کی لاش اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں لاکر رکھدی آپ مسجد فتحپوری میں پہلے ہی کسی نامعلوم مہمان کے منتظر تھے، معلوم ہوا کہ اس عاشق صادق کا انتظار تھا، چناں چہ اس کو غسل دیا گیا، کفنایا گیا، اعلیٰ حضرتؒ نے نماز پڑھائی اور دفن کر دیا گیا۔

(۵)

حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب (حیدر آباد) فرماتے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، ایک روز موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، رات کا وقت تھا اور اعلیٰ حضرتؒ مکان شریف میں استراحت فرما رہے تھے، باہر بارش میں ایک گھوڑا کھڑا تھا، جو اعلیٰ حضرتؒ کو کسی مرید نے پیش کیا تھا، اعلیٰ حضرت اس کی تکلیف کے خیال سے

آرام نہ فرما سکے، فوراً دروازہ کھولا، دست مبارک دروازے کی بالائی چوکھٹ پر رکھے ہوئے تھے، مولانا رکن الدینؒ کو یاد فرمایا جو اس وقت خدمت بابرکت میں حاضر تھے، اور فرمایا، کہ گھوڑے کو کھول کر اندر باندھ دو، اس کی تکلیف کی وجہ سے ہم آرام نہ کر سکے"۔ چنانچہ اسی وقت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ باہر تشریف لے گئے، اعلیٰ حضرتؒ نے چوکھٹ پر ہاتھ رکھا کہ اچانک بارش رک گئی، مولانا رکن الدین صاحب گھوڑے کو اندر لے آئے اور مطلقاً بارش کا اثر نہ ہوا، جب اندر تشریف لے آئے تو اعلیٰ حضرتؒ نے چوکھٹ سے ہاتھ ہٹا لیئے، اچانک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

وصال

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء بروز بدھ صبح نو بجے دہلی میں ہوا، محمد عظیم گوپاموی نے لکھا ہے :۔

تاریخ وصال حضرت مرشدی قدس سرہ دہم رجب ۱۳۰۹ھ یوم چہار شنبہ بوقت نواخت ۹ گھنٹہ صبح، و تدفین بوقت نواخت ۳ گھنٹہ بعد دوپہر فقد قولوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

محمد عظیم گوپاموی نے چند تاریخی مادے بھی نقل کئے ہیں، چند ایک یہ ہیں :۔

حبیب غفور ۱۳۰۹ھ

چراغ ہند الٰہی ۱۳۰۹ھ

ولی چراغ ہند ۱۳۰۹ھ

یہ مادۂ تاریخ کسی نے بہت ہی خوب نکالا ہے ؎

ہے ہے بجھا ہے چراغ دہلی

۱۳۰۹ھ

ایک قطعہ تاریخ وفات بھی لکھا ہے جو غالباً حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے بہت خوب ہے :۔

مسعود شہ فرو جہاں ہم شمع بزم عارفان ۔۔۔ محبوب رب لم یزل صلو علیہ وآلہ
شان نبی، جاہ علی، ہم نور حق سر تا پا ۔۔۔ برہان ایمان و ملل جنت جمیع خصالہ
حیثیت نوالش چار سو من خیفہ لا تقنطوا ۔۔۔ بدر الدجیٰ، صدر الاجل، کشف الدجیٰ بجمالہ
برداشت از عالم قدم پے سال وصلش از عدم ۔۔۔ سعدی بگفتا از ازل بلغ العلیٰ بکمالہ [2]
۱۳۰۹ھ

[1] محمد عظیم گوپاموی: تحفۃ السالکین، مکتوبہ شعبان المعظم، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۸۰

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک درگاہ خواجہ باقی باللہؒ میں شمال مغرب کی طرف ایک احاطہ میں ہے۔ آپ کے سرہانے ایک طویل و عریض سنگ مرمر کا کتبہ لگا ہوا ہے جس پر یہ دو شعر کندہ ہیں:۔

حضرت مسعودؒ غوث وقت، قطب الاولیاء | کاشف سرِ حقیقت، در شریعت مقتدا
کرد رحلت جست تاریخش حسیکی دل بگفت | یا بگو شیخ المشائخ، یا چراغ دین ما[1]
۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء

یہ کتبہ اعلیٰ حضرتؒ کے خلیفہ حضرت رحیم اللہ صاحبؒ نے لکھا تھا جو فن خطاطی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شریف ۱۰ رجب المرجب کو مسجد فتحپوری، دہلی میں باقاعدہ ہوتا ہے اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین شاہؒ ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۵۵ھ تک الور شریف میں برابر عرس کراتے رہے، اب کراچی اور لاہور وغیرہ میں آپ کے پوتے اور مریدین و معتقدین عرس کرتے ہیں۔
اعلیٰ حضرتؒ کے وصال کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ آپ کے جانشین ہوئے، جب مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہو گیا تو ۱۳۱۱ھ میں اعلیٰ حضرتؒ کے چوتھے صاحبزادے مولانا عبدالرشید صاحب آپ کے جانشین ہوئے، مسجد فتحپوری کی امامت و خطابت کے شاہی فرائض بھی ادا کرتے رہے، جب اعلیٰ حضرتؒ کے فرزند اکبر مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سن بلوغ کو پہنچے تو امامت کا کچھ بار آپ کو تفویض کر دیا لیکن جب علوم عقلیہ و نقلیہ اور فن تجوید و قرأت اور حفظ قرآن سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا عبدالرشید صاحبؒ گوشہ نشین ہو گئے اور امامت و خطابت اور فتویٰ نویسی کی ساری ذمہ داری کلیتہً حضرت مفتی اعظمؒ کو تفویض کر دی گئیں، آپ نے تقریباً ۵۰ سال تک یہ فرائض بحسن و خوبی ادا فرمائے اور ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ کو دہلی میں وصال فرمایا، آپ کی اولاد امجاد اور اولاد در اولاد ان خوبیوں کی مالک ہے جو ان مناصب جلیلہ کے لئے ضروری ہیں، اس طرح حضرت مفتی اعظمؒ نے نہ صرف یہ کہ آبائی ذمہ داریاں کو باحسن وجوہ پورا فرمایا بلکہ اپنے اخلاف میں لائق افراد کا ایک طویل سلسلہ چھوڑا ہے۔

---

[1] بشیر الدین احمد دہلوی: واقعات دارالحکومت دہلی، جلد سوم، مطبوعہ آگرہ، ص ۵۲۰۔

چھٹا باب
اولاد امجاد

اولادِ امجاد

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی مولانا خیرشاہ خاں خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری، دہلی کی صاحبزادی مخدومہ عائشہ بیگم (علیہا الرحمۃ) سے ہوئی، موصوفہ سے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا اسم گرامی مولانا محمد سعید (رحمۃ اللہ علیہ) تھا، یہ حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کے والد ماجد تھے، دوسری شادی خاندان سادات میں مخدومہ افضل بیگم (علیہا الرحمہ) سے ہوئی، ان سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ مولانا احمد سعید، مولانا عبدالمجید، مولانا عبدالرشید مولانا حبیب اللہ اور محترمہ سعیدالنساء رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

مولانا محمد سعیدؒ

حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرتؒ کے فرزند اکبر تھے، علوم مروجہ کی تحصیل اعلیٰ حضرتؒ سے فرمائی تھی، حضرت ممدوح ہی سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت بھی تھے اور اجازت بھی حاصل تھی، آپ صاحب نسبت بزرگ تھے اور عالم جذب میں ہاکر تھے، طبیعت جلالی پائی تھی، ایک مرتبہ اعلیٰ حضرتؒ کے ایک مرید مولوی حبیب اللہ علیہ الرحمۃ[1] پر غصہ آیا تو فرمایا کہ "تو چھ مہینے تک ننگے پیر پھرے گا" چناں چہ چھ ماہ کے دوران جب کبھی جوتا خریدا، چوری ہوگیا۔ ایک روز اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا کہ "نہ معلوم ہمارے تلوے کیوں جلتے ہیں" ۔ اللہ اللہ مریدین سے تعلق خاطر ہو تو ایسا ہو! ——— عرض کیا گیا کہ چھ ماہ سے حبیب اللہ ننگے پیر پھر رہے ہیں، آپ نے روپے دئے اور فرمایا کہ جوتا خرید کر پہنا دو، چناں چہ پہنا دیا گیا، جب حساب لگایا گیا تو اس روز پورے چھ مہینے ہو چکے تھے۔

حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرتؒ کے خاص مرید اور خلیفہ تھے، ایک روز عالم جذب میں حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ نے ان سے فرمایا۔

"رکن الدین جاؤ ہم نے تم کو اپنا خلیفہ مقرر کیا"

---

[1] اعلیٰ حضرتؒ نے وصال کے وقت مولوی حبیب اللہ رح سے فرمایا تھا کہ اب ہمارے بعد تم کو نسبت پہنچانے والا یہاں نہیں رہے گا، تم عرب چلے جانا اور وہاں بیت اللہ سے نسبت حاصل کرنا" چناں چہ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد مولوی حبیب اللہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور غالباً وہیں وصال فرمایا۔

(بحوالہ مکتوب قاضی احمد رضا خاں محررہ ۲۷ جون ۱۹۷۶ء از احمد آباد (بھارت)

یہ ۱۳۰۸ھ سے قبل کی بات ہے جب حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت نہیں ملی تھی وقت آیا اور ۱۳۰۹ھ میں اعلیٰ حضرتؒ نے خلافت سے نوازا ——— عالم جذب کیف میں جو کچھ فرمایا تھا وہ اسی طرف غمازی کر رہا تھا، اہل اللہ کے اسرار وہی خوب جانتے ہیں،

حضرت مولانا محمد سعیدؒ کا وصال عین جوانی میں ۱۱ شعبان ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء کو دہلی میں ہوا مزار مبارک درگاہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں شمال مغرب کی طرف ایک احاطہ میں اعلیٰ حضرتؒ کے پہلو میں واقع ہے، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مادۂ تاریخ وفات اس آیۂ کریمہ سے کیا خوب نکالا ہے،

"فقد فاز فوزاً عظیماً" (۱۳۰۷ھ)

حضرت مولانا محمد سعیدؒ کے ہاں دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ، قدس سرہ العزیز، آپ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں تولد ہوئے اور مظہر قیوم رحمۃ اللہ علیہ آپ ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں تولد ہوئے، موخر الذکر نو عمری ہی میں وفات پا گئے تھے۔

مولانا احمد سعیدؒ

اعلیٰ حضرتؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ نے بھی علوم مروجہ کی تحصیل اعلیٰ حضرتؒ سے فرمائی، آپ ہی کے بیعت ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں تحصیل علوم میں مصروف تھے اس وقت اعلیٰ حضرتؒ کی خواہش تھی کہ بیعت ہو جائیں، مگر وہاں علم کی لو لگی ہوئی تھی اس طرف توجہ نہ تھی۔ ایک دن اعلیٰ حضرتؒ نے بڑے افسردگی کے عالم میں اپنے خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب سے فرمایا "احمد سعید بیعت نہیں ہوتا"۔ حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ ان کے ہم عمر ہی تھے اور بے تکلفانہ راہ ورسم بھی اس لئے بیعت کی ترغیب دلائی، اس پر حضرت مولانا احمد سعیدؒ نے فرمایا کہ "میاں پڑھائی رہ جائیگی۔ پڑھ لوں تو پھر مرید ہوں"۔ جب حضرت مولانا رکن الدین صاحب نے زیادہ اصرار فرمایا تو بیعت ہونے پر راضی ہو گئے۔ اعلیٰ حضرتؒ کو اطلاع دی گئی تو بہت خوش ہوئے اور بیعت فرما لیا، بیعت کے بعد جب ایک روز مولانا احمد سعید اعلیٰ حضرت سے پڑھنے بیٹھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اس پر اعلیٰ حضرت نے خفگی کا اظہار فرمایا تو بڑی کوفت ہوئی، ایک دن حضرت مولانا رکن الدین صاحب سے بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے نہ کہتے تھے کہ پڑھ لوں تو پھر مرید ہوں، دیکھو تو یہی کچھ سمجھ میں نہیں آتا ——— سب بھول گیا"۔

داغ نے خوب کہا ہے ؎

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے ✿ دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

چند روز تک خود فراموشی اور محویت کی یہی کیفیت رہی اس کے بعد جو علوم روحانی کے چشمے ابلنے

لگنے تو دل سیر ہوگیا۔ اور وہ مقام حاصل کیا کہ بایدوشاید چناں چہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرتؒ کے پیرزادے حضرت مولانا صادق علی شاہ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد مکان شریف سے دہلی تشریف لائے، تو فرمایا :۔

"اگر مولانا احمد سعید کی حیات نے وفا کی تو دہلی کو دوسرا مکان شریف دیکھ لینا"

باوجود اس روحانی عظمت کے عجز و انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت صادق علی شاہؒ مسجد فتحپوری سے فاتحہ خوانی کیلئے درگاہ خواجہ باقی باللہ تشریف لے گئے تو حضرت پیرزادہ صاحب جس بگھی میں سوار تھے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر مسجد فتحپوری سے درگاہ شریف تک آگے آگے چلتے رہے، اللہ اللہ کیا ادب و احترام تھا، اسی ادب نے خاکِ فرسایہ کو ہمدوش ثریا کردیا تھا۔

آداب فرزندی کا یہ بڑا نکتہ ہے کہ والد مرحوم کو جن جن حضرات سے جیسا جیسا تعلق خاطر رہے اس کی اسی طرح دلداریاں کی جائیں، حدیث شریف میں اس کی تائید شدید آئی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کا خاص خیال رکھا ہے۔ حضرت مولانا احمد سعیدؒ کا حضرت صادق علی شاہؒ کے ساتھ اس ادب و احترام کے ساتھ پیش آنا اسی نکتہ کی طرف غمازی کرتا ہے، ایک اور واقعہ ہے جس سے صلہ رحمی کے اس جذبۂ محمود پر مزید روشنی پڑتی ہے،

اعلیٰ حضرتؒ کے وصال کے بعد پہلے عرس میں شرکت کیلئے حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ الور سے دہلی تشریف لے گئے، عرس شریف میں کسی شخص سے گفتگو کے دوران حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ کی دل آزاری ہوئی جس کا حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو شدید احساس تھا چناں چہ رات کو حضرت مولانائے ممدوح، مولانا رکن الدین صاحب کو اپنے مصلّٰی پر لیکر بیٹھے اور صبح صادق تک گفتگو فرماتے رہے، اللہ اللہ اس مخلصانہ گفتگو میں کیا کیف و سرور ہوگا! جب صبح ہونے لگی تو فرمایا :۔

"بھائی تمہارا دل خوش ہے آج ساری رات جاگنا صرف تمہارے لئے کیا گیا ہے"

اللہ اللہ اب یہ دلداریاں کہاں؟ ——— آخر میں فرمایا کہ اب ہم تم کو اجازت دیتے ہیں الور میں عرس کیا کرو" چناں چہ تقریباً تیس چالیس سال تک الور میں عرس ہوتا رہا،

اعلیٰ حضرتؒ کے وصال کے بعد آپ ہی جانشین ہوئے کیوں کہ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعیدؒ کا اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ میں وصال ہوگیا تھا مسجد فتحپوری کی خطابت و امامت کے منصب پر اعلیٰ حضرتؒ کے بعد آپ ہی فائز رہے، لیکن جب زیارت حرمین شریفین اور حج کیلئے تشریف لے گئے تو وہاں مدینہ منورہ میں ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء میں وصال فرما گئے۔

مولانا عبدالمجیدؒ

اعلیٰ حضرت کے تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ اور چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے معاصر

تذکرہ نگاروں نے ان دونوں حضرات کا عزت و احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ مولوی سید احمد نبیرہ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

اس میں (گلی مردھانی) مولوی عبدالرشید امام فتحپوری و مولوی عبدالمجید صاحب کا مکان ہے، دونوں نہایت نیک بخت، خوش اخلاق، ذہین، زکی، تیز طبع ہیں، مولوی رحیم بخش، صاحب مرحوم امام مسجد فتحپوری دہلی کے صاحبزادے ہیں جو بہت بڑے عالم اور درویش تھے نقشبندیہ خاندان میں بیعت کرتے تھے، فتوی نویسی میں مشہور تھے ۔ [۱]

اسی طرح ابو محمد عبدالعزیز سنبھلی نے بھی ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں :۔

اس سے (کمرہ زینت محل) آگے بڑھ کر گلی مردھانی میں جناب مولانا صوفی عبدالرشید صاحب امام مسجد فتحپوری کا مکان ہے آپ بڑے عالم، نہایت متقی، پرہیزگار، اپنے والد ماجد مولانا مفتی رحیم بخش مرحوم نقشبندی کے جانشین و خلیفہ ہیں ۔ [۲]

ناصر نذیر فراق دہلوی نے بھی ان دونوں حضرات کا ذکر کیا ہے ——— حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی مخدومہ جمشید بانو فرماتی ہیں :۔

"آپ بچپن سے ہی ذہین، نہایت منکسر المزاج، حلیم اور بردبار تھے، ہر ایک کی بات درگزر کرنے والے اور رحیم تھے، آپ کی ذہانت کی تعریف یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت دادا صاحب جس وقت طالب علموں کو درس دیتے اور کسی سے سوال فرماتے اس سے پہلے کوئی جواب دے آپ فوراً اس کا جواب پیش فرما دیتے۔ اپنی تعلیم کے زمانے میں کبھی فیل نہیں ہوئے اکثر دادا صاحب (اعلیٰ حضرتؒ) فرماتے "یہ میرا بیٹا مادر زاد ولی ہے" اور کیوں نہ ہوتے جن کے والد ولی کامل اور والدہ حضرت غوث پاک کی اولاد سے نہایت دین دار تھیں"

حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے چند سال بعد اجمیر شریف تشریف لے آئے تھے، حضرت مولانا متبحر عالم اور فن طب میں مہارت تامہ رکھتے تھے، طبیہ کالج دہلی کے پرنسپل حکیم عبدالمجید مرحوم کے تلمیذ رشید تھے انہیں سے سند فراغت حاصل کی تھی، اس فن میں ایسی مہارت بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی پیش نہ چلتی تھی، درگاہ بازار اجمیر شریف میں مطب بھی فرماتے تھے، اس فن میں مہارت

---

[۱] سید احمد : یادگار دہلی، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء، ص - ۱۷۵
[۲] سید عبدالعزیز : آثار دہلی، (۱۹۱۱ء) مطبوعہ دہلی، ص - ۴۷

کے سلسلے میں آپ کی صاحب زادی فرماتی ہیں :-

"آپ اعلیٰ درجہ کے حکیم بھی اور ڈاکٹر طبعی تھے، دونوں میں اتنی مہارت حاصل تھی کہ ڈاکٹر حکیم وغیرہ آپ سے مشورہ لیتے، نباض اتنے تھے کہ آپ نبض دیکھ کر یہاں تک فرما دیتے کہ یہ مریض اگر اتنے روز میں اچھا ہو گیا تو اس کی زندگی ہے ورنہ صحت مشکل ہے، آپ جیسے فرماتے ویسا ہی ہوتا۔"

حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے :-

"صاحب زادہ صاحب مریض کو نسخہ نہیں وہ دوا لکھتے ہیں جو ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوتی ہے۔"

یہ بھی فرمایا کرتے تھے :-

"آپ لوگ نہیں جانتے کہ یہ کیا ہیں، مجھ کو ان کی قدر ہے"

بلاشبہ اہل دل کی حقیقت سے اہل دل ہی واقف ہو سکتا ہے، دماغ والوں کو دل والوں کا حال کیا معلوم!

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب عرصۂ دراز تک مدرسہ معینیہ (درگاہ شریف) میں درس دیتے رہے، اس زمانے میں یہاں کے صدر مدرس مشہور فلسفی اور عالم مولانا معین الدین اجمیری تھے، آپ کے حلقۂ درس سے بہت علماء تربیت پاکر نکلے ہیں۔

حضرت مولانا نے اپنی زندگی بے نیازانہ بسر کی، کسی سے کوئی غرض نہ رکھی اور سب کے دوست رہے۔ ؏

شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کے رفیق

ہمیشہ بے لوث خدمت کی آج کل کے اکثر علماء اور طلباء کی طرح حرص و آز سے ان کا دامن داغدار نہ تھا۔ بے غرضانہ بسر کی، بڑی نرمی کے ساتھ گفتگو فرماتے، چھوٹا ہو یا بڑا، بات کرتے جاتے اور فرماتے جاتے "آیا خیال شریف میں"

پروفیسر عبدالرشید صاحب نے حضرت مولانا کے اخلاق و عادات پر خوب روشنی ڈالی ہے وہ تحریر کرتے ہیں :-

حضرت کے اخلاق و عادات، اخلاق نبوی کا نمونہ تھے حضرت کا مطمح نظر عمر بھر اتباع سنت نبوی تھا، آپ کا ظاہر و باطن سوائے پیروی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور کچھ نہ تھا آپ کی اپنی اولاد کے ساتھ محبت وہ بے پناہ محبت یاد دلاتی تھی جو آقائے دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھی، حضرت کا شاگردوں کے ساتھ برتاؤ، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے تعلقات کی عکاسی کرتا تھا، غرض کہ ہر ہر قدم پر اتباع سنت حضرت کے پیش نظر رہا۔

حضرت قبلہ کے اخلاق جمیلہ کے متعلق تفصیلی جائزہ لینا اس وقت ممکن نہیں البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کے اخلاق کے نمایاں خدوخال آپ کی سادگی، حلم، اولاد کی محبت شاگردوں کے ساتھ انس و شفقت، کسر نفسی، سائل کی حاجت روائی، مخالفین کے ساتھ نرم برتاؤ، میانہ روی، خلوص اور توکل تھے،

حضرت طبیب بھی تھے لیکن اس فن کو حضرت نے کسب معاش کیلئے نہیں بلکہ خدمت خلق کیلئے استعمال کیا، اس کام کیلئے کوئی وقت مقرر نہ تھا، دن میں یا رات میں جب بھی کوئی مریض آتا، اس پر توجہ فرماتے اور اگر اپنے ساتھ مکان پر لیجانا چاہتا تو حضرت فی الفور پاپیادہ اس کے ساتھ تشریف لے جاتے،

آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ سائل مستحق بھی ہے یا نہیں ہر ایک کو اپنے ہی جیسا، نیک اور سچا تصور کرتے اور اس کے کہے ہوئے کو یقین فرماتے، آپ جو نسخہ تحریر فرماتے وہ چند معمولی کم قیمت کی ادویہ پر مشتمل ہوتا، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا۔

مدرسہ سے ریٹائر ہونے کے بعد حضرت نے گزر معاش کے لئے ایک دواخانہ چلانے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی، اور کیسے ہوتی حضرت کو آخرت کی کمائی سے فرصت ہی نہ تھی، یہ کام واقعی ان کے بس کا نہ تھا،

حضرت کی تنخواہ جو مدرسے سے ملتی تھی، بہت قلیل تھی، اور خاندان کے گزر معاش کیلئے ہرگز کافی نہ تھی، مگر واہ رے توکل کیا مجال کہ چہرے سے پریشانی ظاہر ہو، پورے سکون کے ساتھ معمولات کی ادائیگی میں لگے رہتے، لیکن بایں ہمہ وہ کونسا کام تھا جو آمدنی کی تقلیل کے سبب پورا نہ ہوا ہو۔

ع خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

حضرت کے مزاج میں بیحد نرمی تھی، اشتعال انگیز حالات میں بھی حضرت کا ضبط و سکون قابل ستائش تھا، ذاتی معاملات پر تو آپ کو غصہ آتا ہی نہ تھا، البتہ عقائد کے خلاف کوئی صحبت ہوئی اور اشتعال انگیزی بھی ہوئی اس وقت حضرت کسی قدر غصہ فرماتے وہ یہ کہ آواز میں کچھ تیزی ظاہر ہوتی، لیکن اس حالت میں بھی اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات آپ کے زبان مبارک سے کبھی نہ نکلی۔

کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت نے باوجود تبحر علمی کے کبھی فخر نہیں فرمایا، بزرگوں اور

عالموں کی ہمیشہ تکریم فرماتے، چھوٹا ہو یا بڑا اسلام کرنے میں پہل کرتے، مجلسی زندگی کی طرف رغبت نہ تھی، فرصت کے اوقات مطالعہ کتب میں صرف فرماتے، یوں تو آپ کو متفرق علوم و فنون سے دلچسپی تھی لیکن آخر عمر مطالعہ کا بیشتر وقت احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔

وصال سے چند ماہ قبل آپ علیل ہوئے، اپنے مرض کی نوعیت اور مدت دونوں کی پیشین گوئی فرما دی تھی لیکن واہ رے اتباع سنت کا نشہ کہ حالت مرض میں بھی اپنے معمولات پر عمل پیرا رہے اور اسی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات ہیں، من جملہ ان کے ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ فرزند نسبتی سے کسی بات پر تلخی ہو گئی، اور چند روز کے لئے مقاطعہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی، آنا جانا بند ہو گیا، آپ نے اس خیال سے کہ مبادا اس تلخی کا اثر صاحبزادی پر نہ پڑ جائے اور اپنے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر بیٹھیں، ایک نصیحت آمیز مکتوب تحریر فرمایا جس کو پڑھ کر مولانائے مرحوم کے عظمت کردار کا اندازہ ہوتا ہے، فی زمانہ اگر کسی شخص کا داماد اس سے گستاخی کے ساتھ پیش آتا ہے تو وہ ہرگز نہ چاہے گا کہ اس کی بیٹی اپنے خاوند کے ساتھ خدمت گزاری کا حق ادا کرتی رہے لیکن حضرات اہل اللہ شریعت کا پورا پورا پاس رکھتے ہیں، ان کا کوئی عمل حدود شرعیہ سے متجاوز نہیں ہوتا، اس لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی پڑھنے اور سبق حاصل کرنے کے لائق ہے۔

عزیزہ سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد دعائے خیر و عافیت کے معلوم کریں شاید تم کو میرے نہ آنے سے رنج ہوگا، اور یہ خیال کرتی ہو گی کہ اب والدین سے ملنا نصیب نہ ہوگا، ہرگز یہ خیال نہ کرنا، بیٹی داماد ایسی چیز نہیں ہیں کہ ان سے زندگی بھر ملنا ترک ہو جائے، یہ ایک وقتی صورت ہے جو شیطان لعین کے داؤں چل جانے سے پیش آگئی ہے، ہم سب کو لاحول اور استغفار، زیادہ پڑھنی چاہیئے، اور خدا تعالیٰ کی پناہ اس شیطان رجیم سے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس ملعون کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھے، مانگنی چاہیئے، اس وقت تم کو صبر و

---

[1] پروفیسر عبد الرشید: مکتوب محررہ ۳۱ جولائی ۱۹۶۷ء، از کراچی

استقلال سے کام لینا چاہیئے، اور اس بات کا ضرور خیال رہے کہ خاوند کی اطاعت اور فرماں برداری سے قدم باہر نہ ہو جاسے، یہ دنیا چند روزہ ہے اس میں اس قسم کے حوادثات پیش آتے ہی رہتے ہیں، ان کے غم میں نہ پڑنا چاہیئے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ہونے والی باتیں تھی ہیں، جو ہو کر گزر جاتی ہیں اور رفع دفع ہو جاتی ہیں، فکر آخرت کی رکھنی چاہیئے کہ جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ کوئی رنج و غم ہوگا اور نہ کسی قسم کا خرخشہ۔ الحمد للہ میں تو ایسی باتوں کے غم میں نہیں پڑتا، سمجھتا ہوں کہ ایک بدمزگی کی بات ہونیوالی تھی ہو کر رہ گئی اور رفع دفع ہو گئی، اگر ان کے غم میں پڑ جاؤں تو رات دن جو دماغی کام کرنا پڑتا ہے اس سے بالکل بیکار ہو جاؤں ———— بس اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اور تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ صبر و استقلال سے کام لو اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو، والدین کسی کے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتے، یہ چند روز دنیا میں ملنا جلنا ہے آخر ایک دن افتراق کا ضرور آنے والا ہے تو اس دنیا میں ملنے جلنے کا اعتبار ہی کیا، پس خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صاف رکھنا چاہیئے اور وہ اسی صورت میں رکھا جا سکتا ہے کہ خدا و رسول کی اطاعت اور خاوند کی فرماں برداری سے قدم باہر نہ ہو، اگر ان کی اطاعت میں میرا کوئی حق ترک ہو تو میں معاف کرتا ہوں، اور تم اس خیال میں بھی پریشان نہ ہونا کہ مجھکو کوئی رنج ہے، نہیں ہرگز نہیں، میں عورتوں کی طرح سے رنج کو نہیں پالتا ہوں میری طبیعت عجیب قسم کی ہے، اگر کوئی مجھ سے ملتا ہے تو میں اس سے زیادہ خلوص اور محبت کے ساتھ ملتا ہوں اور نہیں ملتا تو مجھکو اس کی کوئی شکایت نہیں ہوتی، میرا مشغلہ اور میرا مونس غم غلط کرنے والا خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا علم ہے چنانچہ جس دن سے یہ بدنما صورت پیش آئی ہے اس کے دوسرے دن سے اسی طرح اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہوں اس کا ابتک کوئی ذکر بھی نہیں آیا گویا کہ کوئی بات ہوئی نہیں تھی۔"

(مکتوب محررہ قبل ۱۹۴۴ء)

حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے بھتیجے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ ممدوح سے اجازت بھی حاصل تھی، حضرت موصوف نے اپنے سامنے دو اشخاص کو مرید کرا کر اجازت کا عملی آغاز فرما دیا تھا مگر چونکہ آپ طبعاً منکسر المزاج واقع ہوئے تھے اس لئے بعد میں شاذ و نادر ہی بیعت کیا ہو تو کیا ہو۔ ساری عمر درس و تدریس

اور معالجۂ امراض میں گزری۔ حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بھتیجے اور شیخ طریقت حضرت مفتی صاحب ممدوح سے بے پناہ انسیت و محبت تھی جب کبھی اجمیر شریف سے دہلی تشریف لاتے تو باوجود اس کے آبائی مکان میں دونوں بھائی حضرت مولانا عبدالرشید صاحب اور مولانا حبیب اللہ صاحب موجود تھے، مگر حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاں ہمیشہ قیام فرماتے، اور حضرت ممدوح کی اولاد سے بھی بے پناہ محبت فرماتے، چناں چہ مولانا منور احمد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مفتی صاحبؒ کے ہونہار صاحبزادے تھے جب ان کا انتقال ہوا اور آپ تعزیت کیلئے دہلی تشریف لے گئے تو وہاں سے واپس آنے کے بعد جو بیمار ہوئے تو پھر نہ اٹھے، آپ کی صاحبزادی فرماتی ہیں:۔

آپ اپنے پوتے کے انتقال میں دہلی تشریف لے گئے، جانے سے پہلے آپ نے فرمایا کہ میاں منور کے بعد ہمارا بھی پیغام ہے، یہ صدمہ بڑا سخت ہے، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ جب دہلی سے واپس تشریف لائے اس کے دو چار روز کے بعد ایک دن آپ عشاء کی نماز کیلئے درگاہ شریف تشریف لے گئے، جاتے وقت آپ کو کوئی مرض یا تکلیف نہ تھی، واپس آئے تو آپ کو بخار ہو گیا تھا، آپ نے اپنی نبض دیکھ کر فرمایا کہ مجھکو یہ بخار دق کا ہوا ہے اگر یہ بخار اٹھارہ روز میں اتر گیا تو سمجھنا کہ اچھا ہو جاؤں گا ورنہ پھر اچھا نہیں ہو سکتا چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ بخار نہیں اترا اور آپ چار مہینے دس دن بیمار رہے، شوال کی گیارہ تاریخ چھتّر سال کی عمر میں انتقال فرمایا"۔

حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی کرامات بھی ظہور میں آئیں، یہ چند کرامات آپ کی صاحبزادی ممدوحہ نے بیان فرمائی ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ کسی مریض کو دیکھنے رات کے ایک بجے تاراگڑھ پر گئے، لے جانے والا، واپسی میں گھر تک تو پہنچانے آیا نہیں راستے میں اندر کوٹ تک چھوڑ کر واپس چلا گیا اور والد صاحب تنہا رات کے وقت قبرستان سے گزر رہے تھے کہ اچانک کسی کی آواز آئی:۔

"اے اللہ کے نیک بندے مجھ پر رحم فرماؤ" انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے، ہر چند تلاش کیا لیکن کوئی کہنے والا نظر نہ آیا، ایک قبر دیکھی کہ اس کے اندر آگ جل رہی ہے اس کے قریب گئے، یہ دیکھ کر پریشان ہوئے اس قبر کے قریب بیٹھ گئے اور اس کی بخشش کیلئے دعا فرمانے لگے اور فرمایا:۔
"اے مولا میری دعا اس کے حق میں قبول فرما اور اس کو اپنے حبیب کے صدقے میں بخش دے"

جب تک اس کی طرف سے اطمینان نہ ہوا گھر واپس تشریف نہ لائے، اطمینان ہونے پر صبح چار بجے گھر تشریف لائے ــــــــــــ والدہ صاحبہ ناراض ہونے لگیں، آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا اگر کبھی میری ذات سے فائدہ ہو تو کیا ہرج ہے، اتنا فرمانے کے بعد اس لئے کہ آپ کی طبیعت نہایت نازک اور لطیف تھی، وہاں کے منظر کی تاب نہ لا سکے آپ کی طبیعت خراب ہو گئی، عطر وغیرہ سنگھایا گیا بڑی دیر کے بعد طبیعت سنبھلی، والدہ صاحبہ نے دریافت کیا تو بتانے سے انکار فرمایا، والدہ صاحبہ کے بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ یہ راز کسی سے نہ کہنا پھر جو کچھ آپ نے دیکھا تھا سب بتا دیا۔

(ب) ایک مرتبہ پھر کسی مریض کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، وہ راستہ بھی قبرستان سے ہی نکلتا تھا، دن کا وقت تھا، مریض کو دیکھ کر واپس تشریف لا رہے تھے، ایک قبر کو دیکھا کہ اس کے اندر ہزاروں مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں اور سخت بدبو آرہی ہے، وہیں تشریف فرما ہوئے اور دعا میں مشغول ہو گئے، جب وہ مکھیاں ختم ہوئیں تب گھر تشریف لائے۔

(ج) آپ کے نواسے محمد احمد کا انتقال ہوا تو اس کی قبر پر روز تشریف لیجاتے، واپسی پر اپنی صاحب زادی کے گھر تشریف لے جاتے، ایک روز انہوں نے عرض کیا کہ آپ قبرستان تشریف لیجاتے ہیں آپ کو تکلیف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتیں اس کے پاس جا کر میرا دل خوش ہوتا ہے، اچانک زبان مبارک سے نکل گیا کہ ہم تو اس سے باتیں کر کے آتے ہیں، جب ہم اس کی قبر پر جاتے ہیں تو وہ قبر سے باہر آکر ہم سے باتیں کرتا ہے، اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، پھر ہر چند پوچھا کہ کیا باتیں کرتا ہے مگر آپ نے نہیں بتایا اور فرمایا کہ نہ معلوم اس وقت کس خیال میں یہ کہہ گیا لیکن یہ بات تم اپنے ہی تک رکھنا۔

(د) علالت کے زمانے میں یہ دیکھا گیا کہ ہر وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بیٹھ رہا ہے اور اٹھ رہا ہے، پلنگ کی حرکت سے آنے جانے والوں کا اندازہ ہوتا، آنیوالوں کا سلام تو سنائی نہ دیتا لیکن جب حضرت ان کے سلام کا جواب دیتے تو وہ اہل خانہ سنتے لیکن آنے والے نظر نہ آتے، واللہ اعلم یہ حضرات قوم اجنہ میں سے تھے یا ملائکہ مقربین تھے۔

اس قسم کی اور بہت سی کرامات ظہور میں آئیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی خود ایک

زندہ کرامت تھی، جو دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے تلمیذ رشید مولانا مفتی محمود صاحب فرماتے تھے کہ مدرسہ معینیہ میں جس وقت وہ پڑھتے تھے تو حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ ہیں دیا کرتے تھے، بہت آہستہ آہستہ نرم لہجے میں مدرسہ کے صدر المدرسین مولانا معین الدین اجمیری نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے مولانا کو برکت کیلئے مدرسہ میں رکھا ہے۔

حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۹۴۴ء / ۱۳۶۴ھ کو اجمیر شریف میں ہوا، تارا گڑھ پہاڑ کے دامن میں اندر کوٹ کے قبرستان میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

آمین۔

آپ کی اولاد امجاد میں تین صاحبزادے مولانا عبدالحمید، حبیب الرحمن اور عبدالودود رحمہم اللہ جوانی ہی میں وفات پا گئے، دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ اور سب اہل وعیال ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے اور حیدرآباد میں مقیم ہو گئے تھے، چھوٹی صاحبزادی حیدرآباد میں مقیم ہیں اور بڑی صاحبزادی جام شورو میں مقیم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مبارک سایہ قائم رکھے آمین دونوں شفقت و ہمدردی کا پیکر ہیں۔ چھوٹی صاحبزادی کی اولاد میں چار لڑکیاں اور ایک لڑکا (عزیزم عبدالباقی سلمہٗ) اور بڑی صاحبزادی کی اولاد میں ایک لڑکا (عزیزم مکرم حسین سلمہٗ) اور ایک لڑکی بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں حضرت مولانا مرحوم کی اہلیہ محترمہ بھی جام شورے میں مقیم تھیں، جون ۱۹۶۴ء میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک ویلیئے سندھ سے تھوڑے فاصلہ میں جام شورو میں ہے۔

مولانا عبدالرشیدؒ مولوی سید احمد ولی اللّٰہی اور سید عبدالعزیز سلہٹی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چوتھے صاحبزادے مولانا عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم و فاضل و اہل دل تھے، ۱۳۱۱ھ میں جب اعلیٰ حضرتؒ کے دوسرے صاحبزادے مولانا احمد سعیدؒ جو مسجد جامع فتحپوری دہلی کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے مدینہ منورہ میں وفات پا گئے تو خانقاہ مسعودیہ کی جانشینی اور مسجد فتحپوری کی امامت و خطابت کے لئے اعلیٰ حضرتؒ کے تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا لیکن مرحوم نے اپنی فطری کسر نفسی اور منکسر المزاجی کی وجہ سے ان ذمہ داریوں کو قبول فرمانے سے اعراض کیا چنانچہ یہ ذمہ داریاں حضرت مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کر دی گئیں۔ آپ نے بحسن و خوبی کئی سال تک ذمہ داریاں پوری

فرمائیں، جب آپ کے بھتیجے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سن بلوغ کو پہنچے تو وہ بھی مسجد فتحپوری میں نماز پنجگانہ میں سے کچھ نمازوں کی امامت فرمانے لگے آخر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رح گوشہ نشین ہوگئے اور ساری ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو تفویض کردی گئیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رح اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حویلی واقعہ گلی مردھانی میں رہتے تھے ایک عرصہ گوشہ نشینی میں گزرا، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت بھی فرماتے تھے اور ہر سال اعلیٰ حضرت کا عرس بھی کرتے تھے جس میں بکثرت مریدین و معتقدین شریک ہوتے تھے آپ نے ۱۹۴۶ء/۱۳۶۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ اور دہلی کے مشہور قبرستان قدم شریف میں مدفون ہوئے۔

آپ کی اولاد امجاد میں صرف ایک صاحبزادے ہیں جن کا اسم گرامی محمد ادریس ہے۔ ایک صاحبزادی بھی تولد ہوئیں تھیں مگر وہ اوائل عمر میں فوت ہوگئیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید علیہ الرحمہ کا کوئی تحریری نمونہ موجود نہیں ایک فتویٰ دست برد زمانہ سے رہ گیا ہے سائل نے سوال کیا ہے کہ کیا کوئی شخص اپنے لئے رب مجازی کا لقب اختیار کرسکتا ہے، یہ فتویٰ اسی سوال کے جواب میں ہے اور اصل سے حضرت مجیب علیہ الرحمہ نے خود ہی مختصر طور پر تحریر کیا ہے وھو ھذا

۷۸۶

واضح رہے کہ درباره رب یہ ہے کہ جو اسمائے صفات بعض ایسے ہیں کہ ان کا مفہوم عام مخلوق میں خاص خدا ہے اور موضوع بھی اس اسم کا خاص خدا ہے تو ایسے غیر اللہ کو نہیں بولنا چاہیئے کیوں کہ وہ اسم جب غیر اللہ کو بولا جائیگا تو معبوداً وخدا مفہوم ہوگا اور یہ کفر ہے اور جہاں کفر عائد ہوتا ہے وہاں مجاز کو بھی دخل نہیں ہوتا، جیسے اسم رب کہ اس کا موضوع خاص خدا ہی مفہوم ہوگا کیوں کہ قاعدہ ہے کہ کثرت سے جو معنی جس اسم و فعل کے ذہن میں ہوتے ہیں وہی معنی اس اسم و فعل کے بولنے سے مفہوم ہوتے ہیں پس جب یہ ہے تو وہ اسم رب اس کے مسمی کو بولنا چاہیئے نہ غیر کو، غیر کے بولنے میں کفر کا احتمال ہوتا ہے اور مسئلہ ہے کہ جہاں کفر کا احتمال ہو وہ متروک و مقطوع سمجھا جائے ہاں اگر یہ اسم رب بتشدید یا مفتوح بمعنی فعل واقع ہو غیر کی طرف منسوب ہوسکتا ہے جیسے ربیانی صغیرا یا مرفوع بتشدید جو مضاف کسی کلمہ کی طرف بحرف لام بمعنی فعل ہو جائز ہے جیسے رب النوع میں رب النوع سے مراد فرشتہ ہے کہ حق تعالیٰ نے واسطے پرورش و حفاظت ہر ایک نوع کے انواع نباتات و حیوانات و جمادات کے مقرر فرمایا ہے علیحدہ علیحدہ مطلق مفرد

اسم رب بہ سکون با غیر کو ناجائز ہے اگر کوئی اپنے آپ کو رب کہلائے اور ساتھ ہی اس کے یہ تعلیم کرے کہ مجھ کو پوجو اور میری بھی تعظیم ظاہراً و باطناً کرو، یہ حرام ہے اور کفر ہے کیوں کہ شرکت باری تعالیٰ ثابت ہوتی ہے، اس پر صاف نص قرآنی سے ممانعت، ثابت ہوتی ہے، مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یہ تکذیب اور رد ہے عیسیٰ علیہ السلام کی اس قوم کا جو عیسیٰ علیہ السلام کو رب کہتے تھے، بعضوں نے کہا کہ جب آیت نازل ہوئی تو ابا رافع القرظی اور سید النجرانی نے کہا یا محمد آپ ارادہ کرتے ہیں کہ عبادت کریں آپ کی اور بنائیں ہم آپ کو رب"؟ آپ نے فرمایا "معاذ اللہ یہ کہ بندگی، کریں ہم غیر اللہ کی اور حکم کریں ہم ساتھ عبادت غیر اللہ کے پس نہ ساتھ اس کے مبعوث کیا ہے مجھ کو اللہ نے اور نہ ساتھ اس بات کے حکم کیا ہے" ——— (وقیل ان ابا رافع القرظی والسید النجرانی قال یا محمد اترید ان نعبدك ونتخذك ربا فقال معاذ الله ان نعبد غیر الله وان نامر بغیر عبادة الله فلذالك بعثنی الله ولا بذالك امرنی) ——— بعض روایات میں یہ ہے کہ کہا ایک شخص نے "یا رسول اللہ سلام کرتے ہیں ہم آپ کو جیسا کہ سلام کرتے ہیں بعض ہمارے اور بعض کے" (یعنی کوئی مخصوص ممتاز بات ہم آپ کے ساتھ نہیں کرتے)۔ "آیا پس سجدہ کریں ہم آپ کو؟" ——— آپ نے فرمایا "نہیں لائق ہے کسی کو یہ کہ سجدہ کرے واسطے کسی کے سوا خدا کے ولکن اعزاز و اکرام کرو تم نبی اپنے کا اور پہچانو تم حق اہل کا نبی کے، (وقیل قال رجل یا رسول نسلم علیکم کما یسلم بعضنا علی بعض افلا نسجد لك قال لا ینبغی ان یسجد لاحد من دون الله ولکن اکرموا نبیکم و اعرفوا الحق لاهله) ——— وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ یہاں یقول مقدر ہے یعنی کہو سے بجائے رب کے ربانیین کیوں کہ تم ربانیین ہو نہ رب اور مفرد اس کا ربانی ہے منسوب الی الرب بزیادة الالف والنون کالحیانی والرقباتی معنی ربانی کے "کامل العلم والعمل" ہے بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ یعنی بہ سبب اس بات کے کہ ہو تم معلمین کتاب کے اور بہ سبب ہونے تمہارے مدرسین واسطے اس کے یعنی آدمی کے تم ربانیین ہو نہ رب اور فائدہ تعلیم و تعلم کا معرفت

حق اور خیر اور اعتقاد اور عمل ہے، (کذا فی التفسیر البیضاوی) ولا یامرکم ان تتخذوا الملآئکۃ والنبیین اربابا۔ یعنی نہیں ہے واسطے آدمی کے یہ کہ بنائے ملائکہ اور نبیین کو رب (یا اپنے کو رب) ارباب جمع ہے رب کی اور حکم کرے بعبادۃ نفسہ یعنی ایسا حکم نہ کرے یا خدا ایسا حکم نہیں کرتا ہے تم کو کہ ایسا کرو۔ یہاں رد ہوتا ہے اس شخص کا جو کہتا ہے کہ پیر کو رب مجازی کہنا جائز ہے کیوں کہ آیت میں مطلق رب کہنے کی غیر اللہ کو جس میں نبیوں کو خطاب ہے، ولکن کونوا ربانیین یعنی ربانیین ہو نہ رب، ممانعت ہے، چہ جائے کہ پیر لوگ یہ کہیں کہ پیر کو رب مجازی کہنا جائز ہے، اگر رب مجازی کہنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ولکن کونوا ربانیین بجائے ربانیین کے رب مجازی فرمایا، یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تصریح فرماتے حالاں کہ کوئی نہیں فرمائی بلکہ قرآن شریف میں رب کا لفظ خاص خدا کے معنی میں ہے اس لئے کہ موضوع اس اسم کا خاص خدا ہی ہے جیسے کہ ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم۔ فللہ الحمد رب السموٰت ورب الارض رب العالمین۔ ہاں اگر اسم صفات ایسا ہے کہ مروج غیر اللہ کو بھی ہے مثلاً جیسے رحیم بندے کو بھی رحیم کہتے ہیں اور اللہ کا نام بھی رحیم ہے، یہ جائز ہے، اس لئے کہ بندے کو رحیم کہنے سے خدا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ یہ معنی مفہوم ہوتے ہیں کہ یہ بندہ بہت رحم کرنے والا ہے برخلاف رب کے کہ اگر کسی کو رب کہیں گے تو خدا مفہوم ہوگا اس لئے کہ عام خلق کے ذہن میں جو اس کے معنی لغوی تربیت اور اصلاح کے ہیں مفہوم نہ ہوں گے بلکہ خدا مفہوم ہوگا ـــــــــ

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ عاصی عبدالرشید عفی عنہ

مولانا حبیب اللہ رح

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں اور آخری صاحبزادے مولوی حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ حافظ و قاری تھے اور علوم دینیہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے، ایک عرصہ دہلی میں قیام فرمایا، ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد اجمیر شریف تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد پاکستان ہجرت فرما کر حیدرآباد تشریف لے آئے اور ایک عرصہ مقیم رہے ـــــــ آپ بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید فرماتے تھے، حیدرآباد میں آپ کے مریدین ہیں، آپ نے ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک

حیدرآباد کے ریلوے اسٹیشن کے اُس طرف نہر پیلی سے قریب ایک قدیم قبرستان میں واقع ہے، آپ کی کوئی اولاد نہیں ۔

محترمہ سعید النساءؒ اعلیٰ حضرت کی صاحبزادی محترمہ سعید النساء ایک عرصہ دہلی میں قیام پذیر رہیں پھر اجمیر شریف تشریف لے آئیں، آپ کے کئی جوان سالہ صاحبزادے فوت ہو گئے، دو صاحبزادے صاحب اولاد ہیں، محترم محمد سعید الدینؒ اور محترم محمد وحید الدینؒ اول الذکر اجمیر شریف میں وصال فرما گئے ان کی اولاد اجمیر شریف کے علاوہ کراچی اور حیدرآباد میں مقیم ہے، دوسرے صاحبزادے مع اہل وعیال اجمیر شریف میں مقیم ہیں ۔

ساتواں باب

خلفاء کبار

خلفاء کبار

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و معتقدین کا سلسلہ پاک و ہند کے دور دراز علاقوں تک پھیلا ہُوا تھا آپ کے کئی خلفاء ہیں جن کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہو سکا صرف چھ خلفاء کے اسماء گرامی معلوم ہوئے ہیں، ان میں چند حضرات کے کچھ حالات معلوم ہو سکے۔

خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں :-

(۱) محبوب یزداں مولانا محمد حمید الدین حیدر شاہ گنوری رحمۃ اللہ علیہ، (سند خلافت ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء)

(۲) حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اجازت خلافت اواخر تیرھویں صدی ہجری)

(۳) حضرت مولانا صاحبزادہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (اجازت نامہ قبل ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء)

(۴) حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب قدس سرہ العزیز (سند خلافت ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)

(۵) حافظ قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سند خلافت ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)

(۶) حضرت امام عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سند خلافت ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)

مولانا محمد حمید الدین حیدر گنوری

حضرت مولانا حمید الدین حیدر شاہ گنوری رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت کے اجل خلفاء میں سے تھے، آپ کو اعلیٰ حضرت نے محبوب یزداں کے لقب سے نواز تھا حضرت ممدوح کی ایک کتاب اشارات عرفاں (۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) حکیم سید وحید الدین نے از سر نو مرتب کر کے مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء میں چھپوائی تھی، اس میں اعلیٰ حضرت کا اجازت نامہ بھی نقل کیا گیا ہے جو آپ نے ۱۰ جمادی الاول ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء کو مولانا حیدر شاہ کو عنایت فرمایا تھا، اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کا ایک فارسی مکتوب گرامی بھی نقل کیا گیا ہے جو آپ نے ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء سے قبل مولانا نے مرحوم کو ارسال فرمایا تھا، اجازت نامے اور مکتوب کے مطالعہ سے مولانا حیدر شاہ کے علو شان کا اندازہ ہوتا ہے، جامع علیہ الرحمۃ نے اس کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا حیدر شاہ بلند پایہ ادیب شاعر، عالم اور صوفی تھے، آپ کی متعدد تصانیف انقلاب ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گئیں، جامع کتاب لکھتے ہیں :-

اکثر کلام شاعری وغیرہ مصنفہ جناب سید و مولانا و مرشدنا، قطب اطوار جہاں وارشاہ سلطان العارفین، شمس العاشقین، چراغ ہند حضرت محبوب یزداں مولوی محمد حمید الدین،

حمید شاہ صاحب نقشبندی مجددی المعروف بہ فقیر محمدی گنوری دام فیضہم کا ایام غدر میں تلف ہو گیا اور باقی کلام بارادہ اور دیگر کلام متعلقہ شریعت و تصوف و شاعری نظم و نثر فارسی و اردو جو بطور متفرق پرچہ پرچہ وقتاً فوقتاً واسطہ حصول فوائد خواص و عوام بفضل ایزد متعال بہ جستجو وسعیٔ کمال علیحدہ علیحدہ سلسلہ وار یعنی مکتوبات فارسی، و مکتوبات اردو، و ملفوظات فارسی تصوف و دیوان فارسی و اردو فن شاعری، و چند رسالہ جات متعلقہ تصوف و فتاوہ متعلقہ شریعت، و خرق عادات مکاشفات و حالات الہامات وغیرہ اس خاکسار ذرہ بے مقدار نے جمع کیا ۱؎

اشارات عرفان کا تعارف کراتے ہوئے جامع علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :-

ایک رسالہ اشارات عرفان مسمّٰی تاریخی من جملہ کلام اقدس متعلقہ تصوف بہ عبارت سلیس اردو در باب سلوک مع نقل اجازت نامہ و کرامت نامہ عطیہ حضرتنا جد امجد پیر مولانا و مخدومنا، متقن قوانین شریعت، و مدلل آئین طریقت، فرد الافراد، حضرت مولوی رحیم بخش ملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب نقشبندی مجددی دہلوی، مفتی و امام مسجد فتحپوری قدس اللہ سرہ العزیز مرقوم ہے ۲؎

پھر اصل کتاب کے مقدمہ میں مولانا حمید الدین حیدر شاہ تحریر فرماتے ہیں :-

بندۂ ہیچ زباں، ژولیدہ بیاں، فقیر محمد حمید الدین حیدر مخاطب بخطاب محبوب بعنوان یہ چند سطور، در منثور متعلق مسائل تصوف و بیان توحید بہ پابندی طریق سیر و سلوک بہ سبیل تعلم و تعلیم و مراقبات و مکاشفات ضروریات من ابتداء تا انتہائے فنا و بقاء، و تشریح مقام و تصریح منزل خاص و عام لکھتا ہے جو کچھ فیض صحبت عالی حضرت فردوس منزلت، مولانا و مرشدنا شاہد ربالودود، مولوی محمد مسعود نقشبندی دہلوی دام فیوضہ نے اس ذرۂ کمینہ کو پہنچایا اور جو کچھ انعام حق اور کشف خواص گوہر نایاب اور مفتوح باب ہوا اور جو علم میرے سینہ میں ودیعت روز ازل رکھا گیا وہ بزبان اردو شیرازہ بند کتاب ہوا۔ ۳؎

۱؎ محمد حمید الدین حیدر شاہ: اشارات عرفان (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء) مرتبہ حکیم سید حمید الدین بن حکیم سید شمس الدین، متوطن قصبہ ریواڑی، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء، ص ۲۔

۲؎ ایضاً، ص ۳۔ ۳؎ ایضاً، ص ۱۰۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حیدر شاہؒ، اعلیٰ حضرتؒ کے خاص تربیت یافتہ تھے اور شعر و سخن اور تصوف و تحقیق میں خاص کمال رکھتے تھے، اعلیٰ حضرتؒ کے اجازت نامے کے مضمون سے مولانا حیدر شاہؒ کے علم و فضل اور علو شان کا اندازہ ہوتا ہے، یہ اجازت نامہ اشارات عرفان سے یہاں نقل کیا جاتا ہے

خلافت نامہ

الحمد لله الذي تنزه عن وهم الاشتراك في الألوهية وتقدس عن النقائص في الصفات السلبية والثبوتية والصلوة والسلام على رسوله مظهر الاحدية وآله واصحابه مخزن فيوض الصمدية اما بعد

بندۂ مسکین شیخ رحیم بخش دہلوی ملقب محمد مسعود نقشبندی مجددی فاروقی بر اولی الابصار، و ذوی الاخیار کہ باطن الیشان باسرار انوار الٰہی پیراستہ و ظاہر ایشان بشریعت غرا مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آراستہ، اظہار نعم منعم حقیقی می نماید کہ ہر گاہ اخی حقائق مآب معارف انتساب میاں محمد حمید الدین در ابتداء حال خود بباعث کشش ازلی و ہدایت سرمدی، اشتیاق تحصیل حقائق و معارف طریقہ اجداد فاسدی دامن گیر شد، رجوع بہ فقیر آوردہ داخل طریقہ انیقہ نقشبندیہ مجددیہ گشت چوں کہ عنایت ازلی شامل حال او بود در اوّل توجہ نسبت نقشبندی در لطیفہ قلب او سرایت نمود و جذبۂ مجددیہ اندرون او جا یافتہ نسبت ارشادی و افرادی ہر دو متحقق گشت و در آخر الامر نسبت افرادی بر ارشادی غالب آمد الحمد للہ کہ روز بروز ترقی رو داد و جمیع لطائف بامداد جذبۂ ایزدی مثل مرأت مصفی شدند و سیر آنہا در فروع و اصول اسماء و صفات و شیونات بچشم عیاں دیدہ، و کشف قبور و قلوب و عالم ناسوت و عالم ملکوت صراحتہً و وضاحتہً نصیب او گردید حتیٰ کہ بشارت ہائے خواجگان ہر چہار سلسلہ و غیرہم در شان او علی التواتر والتوالی شدن گرفت، پس بعد از قطع سیر آفاقی و انفسی و دائرۂ ولایت کبریٰ و ولایت علیا تمامی سیر الی اللہ و فی اللہ بحقائق فنا و مطلق عور رسید و از خوف رجوع دعوہ بے خوف گشتہ بدقائق و معارف بقا مشرف شد، و در اثناء سلوک سیر جمیع مقامات بکشف صریح او را حاصل شد، و در عالم کشف اجازت طریقہ قادریہ از حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ اسرارہ و اجازت طریقہ چشتیہ از حضرت خواجہ قطب الدین و خواجہ سلطان نظام الدین و اجازت طریقہ

سہروردیہ از خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یافتہ من بعد اجازت ہر سہ طریقہ اور اا از حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاصل شد و اجازت طریقہ نقشبندیہ از پیش گاہ خواجگان خواجہ باقی باللہ و خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند قدس اللہ اسرارہما و از حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ میسر شد، و تلطفات و عنایات حضرات خواجگان در حق او بسیار شدہ خصوصًا حضرت خواجہ شمس العارفین قدس اللہ سرہ، پس بلحاظ تمکین بدرجہ تکمیل در طریق علیہ نقشبندیہ او را اجازت دادہ شد تا کہ ارادۂ طریق ہدایت و توجہ و القاء نسبت در بواطن طالبان دریں طریقہ نماید و اگر بکدام مصلحت ذکر و اشغال باقی ہر سہ طریقہ طالب را تلقین نماید این ہم جواز دارد، و تصرفات افرادی نہایتے رسیدہ، کہ مداوی علیلان ظاہری و باطنی تواں کرد، پس امید وار است کہ متوسلین او از فیوضات موہوبہ او تعالیٰ حظ وافر در بواطن خود حاصل نمودہ نہ بحر احدیت مضمحل گشتہ، بہ مقصد اعلیٰ و انہیٰ خواہند رسید، و وصیت کردہ می شود باتباع سنت سنیہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و دوام حضوری و آگاہی بحق سبحانہ و بہ ترک صحبت اغنیاء و حب النسبت بافقراء، و باجتناب عن الجور والبدعۃ و توکل علی اللہ و صبر علی البلاء، اللّٰھم اجعلہ من المتقین، امین، [1]

دہم جمادی الاول ۱۲۸۲ھ ہجری، (دستخط) محمد مسعود نقشبندی مجددی دہلوی۔

اعلیٰ حضرتؒ نے مولانا حیدر شاہؒ کے نام جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا تھا، اشارات عرفاں میں اس کی نقل بھی موجود ہے، یہ مکتوب محبت و مؤدتِ خاص کا آئینہ دار ہے، کتاب مذکور سے اس کی نقل پیش کی جاتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقت مآب طریقت انتساب مصدر فیوض الٰہی، مورد الوار صمدانی، شاکر نعماء رحمانی صابر بر موارد رحیمی، قانع اعطائے معطی، مشرف بطغمائے محبوب یزدانی مجاہد فی سبیل اللہ ہادی الطریق الی اللہ، ماحی نقش ماسوا اللہ میاں حمید الدین بارک اللہ فیوضہٗ۔ بعد از سلام سنت الاسلام و استدعا استقامت شریعت و طریقت و ادعار ترقی فیوضات وحدانیہ و توجہ دائمی الی احدیت و نسیان ماسواء ذات صمدیت، امر فوع آں کہ چند خطوط آں

---

[1] ایضًا ص ۔ ہوتا ہے

حقیقت مآب علی التواتر والتوالی موصول گشتہ کاشف حالات گردیدند از مطالعہ صدمات درد قولنج بمصداق حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اشد البلاء علی الانبیاء ثم الامثل فالامثل برآں صابر بلاء دعاء خیر خواندہ کہ رفع ضرر است امید از او تعالیٰ کہ از محض فضل و کرم خود شفائے کلی عطا کند آمین ثم آمین ! امید از آں طریقت انتساب کہ بفحوائے حدیث شریف من سعادۃ ابن آدم رضاہ بما قضی اللہ لہٗ متوقع سعادت دارین باشید و رضاء مولیٰ از ہمہ اولیٰ پیش نظر دارند و ترقی درجات و خیریت معاملات بمنطوق حدیث علیہ الصلوٰۃ والسلام وان اصابہ ضراء وصبر فکان خیراً لہٗ در صبر بلا دانید و بسوئے قرب الی اللہ او را وسیلہ خود تصور نمایند و مبشر معیت او تعالیٰ حسب قولہ جل جلالہٗ ان اللہ مع الصابرین[1] باشند و فتح مسروریہ و بشارت را توقع داشتہ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا خواندہ باشند کہ او تعالیٰ یسر را بعد العسر چنداں بیاں نمودہ است، البتہ فقیر را حضرت ارشاد پناہ قطب عالم قدس سرہ[1] العزیز بوقت رخصت وصیت صبر و تنگی معیشت و مصائب نمودہ نظر بما فی حدود اللہ بود فرمودند کما قال صلی اللہ علیہ وسلم الزھادۃ فی الدنیا لیست بتحریم المال ولکن الزھادۃ فی الدنیا ان لا تکون بما فی بینک اوثق بما فی ید اللہ۔ و تنگی و معیشت را سپرد رزاق نمودہ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین[2] نقش کالحجر نمایند پس فتوحات و رزق بلا حساب امیدوار باشند کہ ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب فرمودہ او تعالیٰ است فقیر نیز تمام رمضان المبارک بدرد قولنج مبتلا ماندہ کہ یک روزہ نصیب گشتہ سواء صبر و رضا چہ کردہ آید بعد ازاں از روز عید الفطر برخوردار احمد سعید[2] را بخار لاحق حال شدہ حتی کہ بہ مسہل شدند بفضل الٰہی الحال صحت کامل، عطا گردیدہ بحمد و تعالیٰ بجا آوردہ شد فقیر را ایں قدر فرصت دست ندادہ کہ بجواب متوجہ شود الحال نیز بریں چند کلمات قلیلہ اکتفا نمودہ دعاء خیر خواہد شد[3]

(دستخط) محمد معصوم نقشبندی مجددی دہلوی

---

[1] حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہے جو اعلیٰ حضرتؒ کے پیر و مرشد تھے۔

[2] اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں دہلی میں وصال فرمایا۔

[3] محمد حمید الدین حمید شاہ : اشارات عرفان، ص ۔ ۱۰۸

حضرت مولانا حمید الدین حیدر شاہ کے خلفا میں حضرت مولانا غلام ابراہیم نقشبندی مجددی کا نام ملتا ہے آپ گنوز شریف (تحصیل سونی پت ضلع رہتک) کے رہنے والے تھے، آپ نے اپنے شیخ طریقت کا شجرہ طریقت ترتیب دیا ہے جو روز بازار الیکٹرک پریس امرتسر (بھارت) سے شائع ہوا تھا، اس کے آخر میں اپنے شیخ کا وہ اجازت نامہ بھی نقل کیا ہے جو ۱۳۱۵ھ میں ان کو عطا کیا گیا تھا، چونکہ یہ مولانا حمید الدین علیہ الرحمہ کی نشانی ہے اس لئے تیمناً یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی تنزہ عن وھم الاشتراک فی الالوھیۃ تقدس عن النقائص فی الصفات السلبیۃ والثبوتیۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ مظہر الاحدیۃ وآلہ الاطہار واصحابہ مخزن الاسرار فیوض لقمتک

امّا بعد بندہ مسکین واحقر محمد حمید الدین حیدر گنوزی ملقب بہ محبوب یزداں معروف فقیر محمدی فاروقی نسباً حنفی مذہباً نقشبندی مجددی علیٰ طریق محمدی مشرباً برادلی الابصار وذوی الاخیار کہ باطن ایشان باسرار وانوار الٰہی پیراستہ وظاہر ایں بشریعت غرا مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آراستہ اظہار نعم منعم حقیقی می نماید، ہر گاہ کہ اخی حقائق آب معارف انتساب غلام ابراہیم را در ابتدائے حال خود بباعث کشش ازلی وہدایت سرمدی، اشتیاق تحصیل حقائق ومعارف طریقہ انیقہ نقشبندیہ مجددیہ دامن گیر شد بتاریخ ۲ صفر ۱۳۱۰ھ مقدسہ رجوع بفقیر آوردہ داخل طریقہ انیقہ نقشبندیہ مجددیہ گشت، چونکہ عنایت ایزدی شامل حال او بود در اول توجہ نسبت نقشبندیہ در لطیفہ قلب او معہ لطائف دیگر سرایت نمود وجذبہ مجددیہ احمدیہ اندرون او جا یافتہ دامن کش جانب ترقی عروج گشت، الحمد للہ کہ روز بروز ترقی روداد وجمیع لطائف بامداد جذبہ ایزدی محل مرات مصفا شدند وسیر آنہا در فروع واصول اسما وصفات وشیونات بچشم عیان دیدہ وکشف قبور وقلوب وعالم ناسوت وعالم ملکوت صراحتہً ووضاحتہً نصیب او گردید، پس بعد انقطاع سیر آفاقی وانفسی ودائرہ ولایت صغریٰ وکبریٰ ودائرہ ولایت علیا وتمام ظاہر وباطن وتمامی سیر الی اللہ وفی اللہ بحقائق فنا الفنا رسید وازخوف رجوع وعود بے خوف گشتہ بہ حقائق ومعارف مشرف شد ودر اثنا سلوک سیر جمیع مقامات، مجملاً منکشفاً او را حاصل شد۔ پس بلحاظ تمکین بدرجہ تکمیل در طریقہ انیقہ نقشبندیہ او را

عکس تحریر حضرت شاہ رحیم اللہ قدس سرہ العزیز ، مکتوبہ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء

اجازت دادہ شد تا کہ اجراء طریقۂ ہدایت و توجہ و القاء نسبت در باطن طالبان این طریقہ نماید مترصد آن کہ امید از جناب ایزدی کہ متوسلین او از فیوضات و تصرفات موہوبہ او تعالیٰ حظ وافر باطن خود حاصل نمودہ و بہ بحر احدیت مضمحل گشتہ بمقصد اعلیٰ خواہد رسید و وصیت کردہ می شود باتباع سنت سنیہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و دوام حضوری و آگاہی بحق سبحانہ و تعالیٰ و ترک صحبت اغنیاء، حب انس بفقراء، و اجتناب عن الجور و بدعۃ و توکل علی اللہ و صبر علی اللہ اللّٰھم اجعلہ من المتقین آمین یارب العالمین فقط ۔

تحریر تاریخ چہارم شہر ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ ہجری، العبد محمد حمید الدین حمید نقشبندی مجددی محمدی گنوری بقلم خود

حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؒ

اعلیٰ حضرتؒ کے دوسرے خلیفہ حضرت رحیم اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ بلند پایہ بزرگ فارسی کے ادا شناس اور زبردست خطاط تھے، شاہان دہلی کی طرف سے آپ کو خاص خلعت ملا کرتی تھی، آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات دہلی، الور، بھاول پور، خیرہ کے عجائب خانوں میں موجود ہیں حسن خط کی کیا تعریف کی جائے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھ میں دست قدرت کی کار فرمائیاں ہیں، موصوف سے اراکین سلطنت خوشنویسی کی اصلاح لیا کرتے تھے، حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ممدوح کے تلمیذ رشید تھے، فن خطاطی موصوف ہی سے سیکھا تھا اور حق یہ ہے کہ وہ کمال حاصل کیا کہ جس کی نظیر نہیں، مولوی رحیم اللہ صاحبؒ کی عظمت شان کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بقول ان کے نواسے بشیر احمد صاحب [۱] ۔

"مولانا رکن الدین صاحبؒ رحیم اللہ صاحب کے سامنے مؤدب بیٹھتے تھے"

رحیم اللہ صاحب کا دہلی میں دریبہ کلاں میں مکان تھا جو چاندنی چوک میں واقع ہے، آپ نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، دہلی سے آپ الور تشریف لے گئے اور وہیں مستقل طور پر رہائش اختیار کی، چوں کہ آپ مشہور و معروف خطاط اور مرجع کار تھے مہاراجہ الور نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی بڑی قدر و منزلت کی، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ جب کبھی الور تشریف لے جاتے آپ کے ہاں قیام فرماتے، رحیم اللہ صاحب کی صاحبزادی بھی آپ سے بیعت تھیں یعنی بشیر احمد صاحب موصوف کی والدہ مرحومہ ان کے ہاں بھی تشریف لیجاتے بعد میں جب حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب کو بیعت و خلافت سے نوازا تو ان کے دولت کدے پر بھی قیام فرماتے تھے، الور شریف ہی میں تھا۔ رحیم اللہ صاحب کی اولاد میں چار صاحب نیا دیے تھے، محمد یعقوب، ضیاء الحسن اور

[۱] بشیر احمد صاحب آجکل بھاول پور میں مقیم ہیں، رحیم اللہ صاحب کے نواسے ہیں اور ریاست الور کے مشہور شمشیر ساز ہیں، مہاراجگان الور کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اس وقت ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال ہے (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

حضرت مولانا محمد سعیدؒ

اعلیٰ حضرتؒ کے تیسرے خلیفہ حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ اعلیٰ حضرت کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے آپ کے اجمالی حالات اولاد و امجاد کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں، آپ کی ذات گرامی سے خانوادۂ مسعودیہ کو بہت فروغ حاصل ہُوا، اعلیٰ حضرتؒ کے باقی چاروں صاحبزادوں کی کوئی نرینہ اولاد اپنے آبائی علم و فضل اور روحانیت کے ساتھ موجود نہیں حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات کی بدولت اعلیٰ حضرتؒ کا روحانی اور نسبی سلسلہ قائم رہا، آپ کے صاحبزادے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سے خاندان مسعودیہ خوب پھولا پھلا کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی سے ایک مکتوب گرامی تحریر کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مولانا محمد سعیدؒ سفر میں تھے اس مکتوب میں اعلیٰ حضرتؒ نے بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور طریقۂ بیعت کی بھی وضاحت فرما دی ہے، یہ مکتوب اردو میں تحریر فرمایا ہے اعلیٰ حضرتؒ کے چند مکاتیب گرامی حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجموعہ کی شکل میں نقل کر کے محفوظ کروا لئے تھے، یہ مجموعہ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی کے پاس محفوظ تھا، ہے، مکتوب گرامی کی نقل اسی قلمی مجموعے سے پیش کی جا رہی ہے :-

برخوردار، ساطع الاطوار، لامع الانوار، محمد سعید طول عمرہٗ

بعد دعوات مزیدہ کے معلوم ہو کہ پوسٹ کارڈ تمہارا آیا، حالات سے آگہی ہوئی، ہم کو فقیر کی طرف سے اجازت ہے تلقین طریقۂ نقشبندیہ کی جیسے کہ حضرت مخدومنا ارشاد پناہی سے فقیر کو پہنچی ہے قدس سرہ العزیز، جو کوئی طالب رجوع تمہاری طرف کرے اس کو اپنے سامنے دو زانو بٹھا کر اور آپ دو زانو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو، بعدہ سیدھا ہاتھ اس کا اپنے سیدھے ہاتھ میں اور بائیں ہاتھ اس کا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کے اول یہ کلمہ مع معنی تلقین کرو۔ اللھم انی اعوذ بک من ان اشرک بک شیئا وانا اعلم بہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بچپن میں زیارت کی ہے اس وقت ان کی عمر آٹھ دس سال تھی، خاندان مسعودیہ سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے اگرچہ بیعت حضرت شاہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں جو حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ (دہلی) کے خلیفہ تھے،

۲؎ حضرت ممدوح اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، آپ کا تفصیلی ذکر آگے آئیگا۔

واستغفرك لما لا اعلم به تبت عنه وتبرأت عن الكفر والشرك والمعاصي كلها اسلمت وامنت واقول لا اله الا الله محمد رسول الله

معنی یہ ہیں :- اے بارخدایا! پناہ مانگتا ہوں میں شرک سے اور کفر سے جو جانتا ہوں اور مغفرت چاہتا ہوں میں تجھ سے اس گناہ سے جس کو نہیں جانتا میں توبہ کی میں نے اس سے اور بیزار ہوا میں کفر اور شرک سے اور تمام گناہوں سے، اسلام لایا میں اور ایمان لایا میں اور کہتا ہوں میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ قبول کیا میں نے طریقہ نقشبندیہ،

بعدہٗ اول اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کے طالب قلب کے اندر خیال جماؤ کہ جو نسبت میرے قلب میں ہے وہ طالب کے قلب میں پہنچ رہی ہے اور طالب سے کہا جاوے کہ آنکھ بند کر کے اپنے قلب کے اندر خیال کرے، دوسری طرف خیال نہ لیجاوے اور اپنا خیال بھی اور طرف نہ لیجانا چاہیئے، اگر شاید آ بھی جائے اس کو ذکر اسم ذات سے یا ذکر کلمہ سے دور کرنا چاہیئے، اور جب طبیعت الگ ہو جاوے ہاتھ چھوڑ دینا چاہیئے، مگر تم کو مناسب ہے کہ زیادہ دم اپنے قلب پر زور نہ دینا کیوں کہ قلب تمہارا بہت ہی ضعیف ہے، اور اپنے حال سے مفصل اطلاع دو اور یہاں سب خیریت سے ہیں اور دعا کہتے ہیں، احمد سعید عبد المجید عبد الرشید آداب کہتے ہیں، اور سب دوستوں کو سلام علیک کہدینا اور حافظ قمر الدین[1]، امام جی[2] کے سوا دوسروں کو اس سے اطلاع نہ کرنا اور جواب اس کا سکندر آباد بھیجنا

فقط الداعی بالخیر محمد مسعود نقشبندی دہلوی[3] (از دہلی)

نوٹ :- حضرت مولانا محمد سعیدؒ کا وصال ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں ہوا اس لئے یہ مکتوب گرامی سنہ مذکور سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔

حضرت مولانا رکن الدین شاہؒ

حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اعلیٰ حضرتؒ کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں، آپ کی ذات گرامی عظمتِ مرشد کی آئینہ دار ہے مولوی ہدایت علی جے پوری نے خوب تحریر فرمایا ہے :-

---

۱۔ حافظ قمر الدینؒ کو اعلیٰ حضرت نے ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء میں سند خلافت عطا فرمائی تھی،

۲۔ امام جی عبد الغفورؒ کو بھی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں سند خلافت عطا کی۔

۳۔ محمد مسعود شاہ : مکتوب شریف (قلمی)، ص - ۱۸۸ - ۱۸۹

حضرت مولوی مسعود صاحب کی کیا تعریف کی جائے کہ جن کے مرشد سید صاحب (امام علی شاہ) جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین صاحب جیسے ہوں ۱؎

حقیقت یہ ہے مطلوب کی عظمت کا اندازہ طالب سے ہوتا ہے، طالب ہو تو ایسا اور مطلوب ہو تو ایسا۔

حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحبؒ جب طلب صادق لے کر الور سے دہلی پہنچے تو عرصۂ دراز تک اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہے اس زمانہ میں فقیرانہ بسر کرتے تھے کہ شاہی لینے آئے تھے جب مرشد کامل نے طلب و شوق کا اندازہ فرمالیا تو ایک روز فرمایا :- "آؤ آج تم کو بیعت کریں گے" چناں چہ بیعت فرمالیا اور جلد ہی تمام منازل روحانی طے کرا کے بام عروج پر پہنچا دیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آپ پر خاص نظر کرم تھی، جب کبھی الور تشریف لیجاتے آپ کے ہاں ہی قیام فرماتے، ایک روز حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ کے ہاں قیام پذیر تھے، بڑی خوشی میں فرمایا :-

"رکن الدین تمہاری تو پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں جو چاہے لکھدیا کرو"

اعلیٰ حضرتؒ نے حضرت مرحوم کے مخفی جواہر کا مشاہدہ فرمالیا تھا، اسی لئے فرمایا کرتے تھے :-

"جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے اسی طرح مولوی رکن الدین صاحب سے ہمارے سلسلے کو فروغ ہو گا"

چناں چہ آپ کی ذات گرامی سے سلسلۂ نقشبندیہ مسعودیہ کی اشاعت ہوئی کہ دوسرے خلفاء سے اس کا عشر عشیر بھی دیکھنے میں نہیں آیا، پاک ہند میں سینکڑوں مریدین ہیں، بیشمار ہنود نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا، اور نہ صرف قبول کیا بلکہ بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو گئے ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

حضرت مرحوم کے تفصیلی حالات آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی نے مصباح السالکین فی احوال رکن الملت والدین میں تحریر فرمائے ہیں جو عرصہ ہوا ۱۳۵۵ھ کے قریب دہلی سے شائع ہوئی تھی، ہم کتاب مذکور سے حضرت مرحوم کے مختصر حالات زندگی بیان کرتے ہیں :-

حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحبؒ کا سلسلہ نسب میزبان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شیخ عبداللہ انصاری مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے آپ کی ولادت موضع کھیڑلہ ضلع گڑگانوہ

۱؎ محمد ہدایت علی: معیار السلوک دوافع الاوہام والشکوک، مطبوعہ کراچی، ص ۲۰۱

میں ہوئی جو دہلی سے قریب ایک قصبہ ہے، آپ ابھی چھ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا چناں چہ آپ اپنے ماموں شیخ فریدالدین مرحوم کے پاس ریاست الور میں آ گئے شیخ صاحب مرحوم فارسی کے استاد کامل تھے مرزا اسداللہ خاں غالب سے بھی آپ کی مراسلت تھی، کتب خانے میں بہت سے خطوط محفوظ تھے افسوس وہ سب ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی نذر ہو گئے۔

حضرت مرحوم نے فارسی کی تکمیل الور ہی میں کی، فن خطاطی میں مشہور خطاط اور بزرگ حضرت رحیم اللہ صاحب (جو اعلیٰ حضرتؒ کے خلفاء میں سے تھے) تحصیل کی اور کمال حاصل کیا، فن تجوید اور علوم عربیہ کی تحصیل کے بعد شیخ کامل کی لگن لگ گئی چناں چہ اعلیٰ حضرتؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، صاحب مصباح السالکین تحریر فرماتے ہیں

الحمد للہ ایسے ہی مرشد کامل حضرت کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا جن کی ذات گرامی ان تمام انوار الٰہی سے روشن تھی، جو علم ظاہر اور علم باطن میں بلند پایہ رکھتے تھے، وہ کون ؟ —— سید الاصفیا، برہان الاتقیاء، امام العارفین، قدوۃ المحققین، حضرت مولانا شاہ رحیم بخش صاحب الملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب مفتی شہر دہلی وخطیب مسجد شاہی جامع فتحپوری دہلی ہیں الور میں آپ کی آمد آمد کا شاہانہ غلغلہ بلند ہوا، حضرت زیارت کے لئے حاضر ہوئے، انوار الٰہی سے متاثر ہوا، بیعت ہو گئے [۱]

بیعت سے قبل حضرت مرحوم کی ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی، آپ نے اعلیٰ حضرتؒ سے بیعت ہونے کے متعلق اس سے دریافت کیا :-

اس وقت وہ اپنی دھن میں بیٹھا مٹی اِدھر اُدھر کر رہا تھا، اس کو چھوڑ دیا اور کہا - ہو جا ہو جا —— الف کو مد کے ساتھ کھینچتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا

ایک اور مجذوب سے ملاقات ہوئی، اس سے جب حضرت مرحوم نے دریافت فرمایا تو اس نے کہا :-

یہ وہ ہیں کہ اگر نقاب رخ سے اٹھا دیں تو بارہ کوس تک دنیا سجدہ کرے (یعنی انوار الٰہی کو)

جس زمانے میں حضرت مرحوم بیعت ہوئے اسی زمانے میں اعلیٰ حضرتؒ کے ایک قوی الاستعداد مرید کا انتقال ہو گیا تھا جس کے فراق میں اعلیٰ حضرتؒ بہت غمگین تھے، جب حضرت مرحوم کو بیعت فرما لیا تو ارشاد فرمایا :-

الحمد للہ جو رنج تھا، دور ہو گیا وہ تمام نسبت اور فیض منتقل ہو گیا حق تعالیٰ نے نعم البدل عطا فرمایا

---

[۱] مفتی محمد محمود : مصباح السالکین فی احوال رکن الدنیا والدین، مطبوعہ دہلی، ص ۔ ۲

بیعت کے پانچ سال بعد اعلیٰ حضرتؒ کا وصال ہو گیا گویا یہ بیعت ۱۳۰۴ھ کے اوائل میں ہوئی کیوں کہ ۱۳۰۹ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا تھا۔

وصال سے چند ماہ قبل اعلیٰ حضرت نے سند اجازہ و خلافت سے نوازا، سند کا مضمون اعلیٰ حضرت نے خود تحریر فرمایا اور اس کی کتابت حضرت صاحب مرحوم نے کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سالک سروار پیر صاحب مرحوم نے اپنے دست مبارک سے دو اور خلفاء کی سندات تحریر فرمائیں یعنی حافظ قمر الدین صاحب آپ کے استاد گرامی رحیم اللہ صاحبؒ کے بھائی تھے اور امام عبد الغفور صاحب۔ حضرت صاحب مرحوم کی سند خلافت چوں کہ دیکھنے دکھانے کی چیز ہے اس لئے اس کا فوٹو بھی پیش کیا جا رہا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اس کی نقل بھی تحریر کی جاتی ہے:-

محمد مسعود نقشبندی دہلوی ۱۳۰۱
(مہر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی سید الطائفۃ الصوفیۃ الصافیۃ الکرام البررۃ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد پس می گوید فقیر شیخ رحیم بخش ملقب بہ محمد مسعود نقشبندی دہلوی درنیتے کہ بجذبۂ الٰہی وداعیہ سرمدی مسمی شیخ رکن الدین الوری جامع ... در صحبت خود رجوع بفقیر آوردہ داخل طریقہ انیقہ علیہ نقشبندیہ شد، وتا عرصۂ پنج سال مجاہدہ و ریاضات کشید، دریں ضمن نسبت قلبیہ لطائف ستہ باحسن وجہ نصیب او گردیدہ حتی کہ بجذبۂ ایں طریقہ بمقام صحو و سکر رسید و بفنا و بقا واصل گردید، و تصرف قوتیہ ایں قدر حاصل گشتہ کہ در صحبت او ہر کہ آمد بہدایت ابدی آمدہ و بسا ہدایت یافتند، ناچار او را بنظر انتشار فیضان محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے ہدایت طالبین اجازت دادہ شد تا کہ بسعی تمام برآں تصرف توجہ نمودہ، بوصل خدائے تعالیٰ رسانند و ثواب عظیم و اجر عظیم حاصل کنند بمنہ و فضلہ تعالیٰ۔ وصیت کردہ می شود بحسن سعی بطالبین خدا و محبت با فقرا و انسیت و شفقت با غربا و تنفر بہ صحبت اغنیا واہل دنیا واتفاق و محبت با یاران طریقت و اتحاد و محبت با اہل طریقت و حقیقت وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔ فقط تحریر فی التاریخ دہم جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ ہجرۃ النبویۃ المقدسہ۔

نسبت نقشبندیہ اعلیٰ حضرتؒ سے حاصل فرمائی اور نسبت چشتیہ اجمیر شریف جا کر بذریعہ کشف براہ راست حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، پھر حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف

نقشبند امامی
محمد مسعود دہلوی

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی و نسلم علی سید الطائفة الصوفیة الصافیة اکرام البریة محمد و آله و اصحابه اجمعین

اما بعد پس میگوید فقیر شیخ رحیم بخش ملقب محمد مسعود نقشبندی دهلوی عفی عنه که بنده

الهی داعی سرمدی مسمی شیخ رکن الدین الوری بشوق و رغبت خود رجوع بفقیر آورده

داخل طریقه علیه نقشبندیه شد تا عرصه پنج سال کما حقه با فقیر آشنا شد و در ضمن نسبت سلسله

عالیه بطریق احسن و وجه اغلب واکرده دید حتی که بجذبه الهی لایقه مقام محو و سکر رسید و بفنا

و بقا واصل گردید و تصرف این فقیر را حاصل شده که در صحبت او هر که آید بهدایت ابدی آید

و بسا هدایت یافتند ناچار او را بنظر اشارات غیبیه محمدی علیه الصلوة والسلام برای هدایت الطالبین

اجازت داده شد تا که سعی تمام برای تصرف و توجه نموده بوصول خدای تعالی رسانند و ثواب عظیم اجر جزیل حاصل کنند

بمنه و فضله تعالی و وصیت کرده میشود که حسن سلوک با طالبین خدا و محبت با فقرا و نسبت و شفقت با غربا

و تنفر بصحبت اغنیا و اهل دنیا و اتفاق محبت با ارباب طریقت نماید و صحبت با اهل طریقت و حقیقت و صلی الله علی خیر خلقه

محمد و آله و اصحابه و سلم فقط تحریر فی التاریخ دهم جمادی الثانی سنه الهجرة النبویة المقدسه

عکس خلافت نامہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ جو اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ کو عنایت فرمایا۔ خود حضرت شاہ صاحب الوری رح نے اس کی کتابت فرمائی

لے گئے تو وہاں حضرت خواجہ ضیا معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور اویسیہ چاروں نسبتوں سے سرفراز فرمایا اور اجازت نامہ عنایت فرمایا۔

حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و معتقدین پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ کا وصال ۱۲ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ کو رات ۲ بجکر دس منٹ پر ہوا جس کی آپ نے پہلے ہی پیشین گوئی فرما دی تھی، آپ کے آخری وقت کے حالات ایسے پُرکیف ہیں کہ اس طرح دنیا سے جانے کو جی چاہتا ہے ؎

دل تو جاتا ہے اس کے کوچہ میں
جا مری جاں، جا خدا حافظ

ان حضرات کا جانا حقیقت میں جانا نہیں ان کی راتیں طلوع سحر کی تمہید ہیں ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

خلفاء و سفراء حضرت مرحوم، اعلیٰ حضرت سے فیض پانے کے بعد نصف صدی تک (۱۳۰۴ھ تا ۱۳۵۵ھ) مخلوق الٰہی کو فیض پہنچاتے رہے اور جن چراغوں کو روشن فرمایا وہ ابتک فیض کے دریا بہا رہے ہیں آپ کے خلفاء اور سفراء میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:-

۱- حضرت مولانا ارشاد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ اعلیٰ حضرت سے بیعت تھے لیکن سند خلافت حضرت صاحب مرحوم سے حاصل تھی)

۲- حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری، دہلی قدس اللہ سرہ العزیز (آپ اعلیٰ حضرت مرحوم کے پیرو مرشد کے صاحبزادے حضرت صادق علی شاہ سے بیعت تھے لیکن خلافت، حضرت صاحب مرحوم سے ملی تھی)

۳- حضرت مولانا الحاج مفتی محمد محمود صاحب، مدظلہ العالی (آپ حضرت صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں آپ کو حضرت مفتی صاحب سے بھی خلافت حاصل ہے)

۴- مولانا صوفی اخلاق احمد رام پوری (آپ ایک عرصہ جھالاواڑ رہے آجکل احمد آباد میں مقیم ہیں)

۵- قاضی علی اکبر صاحب (آپ جھالاواڑ میں مقیم رہے)

۶- حافظ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ بھٹنڈہ میں مقیم رہے)

مصاحب خاں، قاضی شجاع الدین، حاجی بشیر وغیرہ کو سفارتاً اجازت حاصل تھی۔

تصانیف

حضرت مولانا رکن الدین شاہ علیہ الرحمہ کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں :-

۱- **رسالہ رکن الدین** — یہ رسالہ سوالاً وجواباً نماز کے مسائل کے بارے میں ہے، فقہ کا مقبول عام رسالہ ہے، نہ صرف پاک و ہند بلکہ بیرونِ ہند میں بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔

۲- **روح الصلوٰۃ** — اس رسالے میں نماز کے طریقوں سے بحث کی ہے اور اس کی حقیقت کو واشگاف کیا ہے، حق یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بغیر نماز کی حقیقت نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہے ۔

۳- **توضیح العقائد** — اس رسالے میں عقائد اہلِ سُنت والجماعت کو نہایت تحقیق و کاوش کے بعد سوالاً وجواباً مفصل بیان فرمایا ہے، غیر مذاہب کی کتابوں سے استفادہ کر کے اسلام کی حقانیت کو ظاہر فرمایا ہے ۔

۴- **مولود محمود** — میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مستند احادیث و روایات کو جمع کر کے سلکِ مروارید کی طرح جمع کر دیا ہے، بڑی جامع تصنیف ہے

یہ تمام رسالے دہلی سے عرصہ ہوا شائع ہو چکے ہیں ۔

۵- **رسالہ دافع طاعون** — احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں طاعون کے متعلق احکامات تحریر فرمائے ہیں اس کے بعد ادعیات وادویات تحریر فرمائی ہیں ۔ یہ رسالہ لکھنؤ سے شائع ہوا تھا ۔

اولادِ امجاد

حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے اوائل عمر میں وفات پا گئے، دوسرے صاحبزادے بقید حیات ہیں، یعنی حضرت العلامہ مولانا مفتی الحاج محمد محمود شاہ دامت برکاتہم العالی، آپ کی ولادت باسعادت ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء، شب جمعۃ المبارک الور میں ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر والد محترم حضرت مولانا رکن الدین شاہ اور جد امجد حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، فارسی میں گلستان اور بوستان اور عربی میں ہدایۃ النحو تک پڑھا، اس کے بعد اجمیر شریف تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں قطبی، شرح جامی، اور شافیہ وغیرہ کتب عربیہ پڑھیں پھر دہلی تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں مولانا ابو الکرامات محمد

ٹونکی کے تلمیذ رشید مولانا عبدالرحمٰنؒ سے منطق کی کتابیں صغریٰ، کبریٰ، مرقات، شرح تہذیب اور قطبی وغیرہ پڑھیں اور فلسفہ میں ہدیہ سعدیہ تک پڑھا، اس کے علاوہ شرح جامی و شرح وقایہ اور مختصر المعانی وغیرہ بھی پڑھیں، دہلی سے حضرت مفتی صاحب بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ احمدیہ میں مولانا محمد حسن صاحب سے کتب احادیث مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، بخاری شریف اور مسلم شریف وغیرہ پڑھیں پھر بھوپال سے واپس اجمیر شریف تشریف لائے اور یہاں اصول فقہ میں نورالانوار، حسامی، تلویح علی التوضیح، علم کلام میں شرح عقائد مع خیالی، ادب میں سبعہ معلقہ، مقامات حریری اور دیوان متنبی، تفسیر میں تفسیر مدارک اور تفسیر جلالین، احادیث میں ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، بخاری شریف اور مسلم شریف دوبارہ پڑھیں، منطق میں رسالہ میر زاہد، ملا جلال، ملا حسن، حمداللہ اور قاضی، ریاضی میں اقلیدس پڑھی ــــ حضرت مفتی صاحب نے مدرسہ معینیہ عثمانیہ سے سند تکمیل حاصل کی، اس طرح تعلیم کا آغاز حضرت مولانا شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا اور تکمیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں ہوئی نقشبندیہ اور چشتیہ نسبتوں کے سایہ میں جس نے علم حاصل کیا، اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔

حضرت مفتی صاحب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم رہا، اساتذہ ملے تو اپنے وقت کے جلیل القدر علماء مثلاً اجمیر شریف میں مولانا معین الدینؒ جو مولانا برکات احمد ٹونکی کے تلمیذ رشید تھے اور فلسفہ و منطق کے مانے ہوئے استاد تھے، مولانا امجد علی صاحبؒ جن کو فقہ اور اصول فقہ وغیرہ پر کامل عبور تھا اور جن کی، مشہور و معروف تصنیف بہار شریعت کئی مجلدات میں ہے مسائل فقہیہ کی ایک میسطو انسائیکلوپیڈیا ہے مولانا عبداللہ صاحب بھی مانے ہوئے اساتذہ میں تھے، ان کے علاوہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحبؒ متبحر عالم تھے آپ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ نواب قطب الدین خاں صاحب مظاہر حق) کے فرزند ارجمند اور تلمیذ رشید ــــ بھوپال میں مولانا محمد حسن صاحبؒ سے پڑھا جو مولانا رشید احمد گنگوہی کے تلمیذ رشید تھے، دہلی میں مولانا برکات احمد کے شاگرد مولانا عبدالرحمٰنؒ سے پڑھا، ان کے علاوہ علم الفرائض میں سراجی حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی (علیہ الرحمہ) سے پڑھی، ایک عرصہ بعد آپ ہی سے علم توقیت کی بھی تحصیل کی، چناں چہ حضرت مفتی اعظمؒ کے خطوط جو آپ نے حضرت مفتی صاحب کو ارسال فرمائے اس سے اس کا پتا چلتا ہے، ۲۳ اپریل ۱۹۵۵ء کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میری تمنا یہ ہے کہ میری زندگی میں آپ حضرات اس فن (علم توقیت) میں مہارت پیدا فرمالیں۔"

پھر ۱۶ مئی ۱۹۶۳ء کو موصول شدہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"میں کب تک بیمار رہوں گا، طبیعت چاہتی ہے کہ اپنی زندگی میں اس میں (علم توقیت) میں مہارت پاکر یہ خوشی میسر آجاتی"

حضرت مفتی اعظم پاک و ہند میں علم الفرائض اور علم توقیت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، قدس سرہ العزیز —

علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد آپ پھر دہلی تشریف لے گئے اور حکیم جمیل الدین صاحب[1] سے طب میں شرح موجز، کلیات نفیسی، شرح وحمیات القانون للشیخ الرئیس بو علی سینا، وغیرہ پڑھیں اور سند تکمیل حاصل کی، حکیم جمیل الدین صاحب مشہور و معروف طبیب حکیم اجمل خاں کے استاد اور بانی طبیہ کالج، دہلی حکیم عبدالمجید کے تلمیذ رشید تھے،

فن طب میں سند حاصل کرنے کے بعد حکیم عبدالمجید صاحب کے صاحبزادے اور حکیم اجمل خان کے جانشین حکیم محمد ظفر خاں دہلوی کے مطب میں عملی تجربہ کیا اور سند تجربہ بھی حاصل کی، الغرض حضرت مفتی صاحب نے بیس پچیس سال تحصیل علوم و فنون میں گزارے پھر واپس اپنے دولت خانے الور تشریف لائے یہاں جامع مسجد میں تقریباً چھ سات سال تفسیر قرآن کا درس دیا اور قرآن پاک ختم فرمایا —— اسی زمانے میں تفسیر کبیر علامہ رازی کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔

حضرت مفتی صاحب دوران تعلیم میں اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو گئے تھے لیکن طلب علم اور شوق مطالعہ نے حضرت مرحوم کی روحانی مجالس میں شرکت کا موقع نہ دیا —— تحصیل علم سے فراغت کے بعد بھی یہی حال رہا، چناں چہ ایک مرتبہ حضرت مرحوم نے آپ سے فرمایا :-

"علم دو قسم کے ہوتے ہیں، علم سفینہ اور علم سینہ، تم نے علم سفینہ (کتابی علم) تو حاصل کیا مگر یاد رکھو کہ علم سینہ کتابوں سے نہیں ملتا، صحبت اہل اللہ سے حاصل ہوتا ہے"

ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے —— چناں چہ اس پُر تاثیر نصیحت کا حضرت مفتی صاحب پر پورا پورا اثر ہوا، خود تحریر فرماتے ہیں :-

"قلب پر اثر ہوا کہ کتابیں تو ہر وقت موجود ہیں، جب چاہا مطالعہ کر لیا، لیکن صحبت کہاں ! —— مجلس اقدس میں حاضر ہونے لگا، پھر تو حضرت کے فیضان قلبی نے دل کو پکڑ لیا، مکتوبات امام ربانی حضرت سے پڑھنا شروع کر دیا، وہ فیض ربانی اور نسبت

---

[1] حکیم صاحب کے متعلق دستور الاطباء، جلد اول، ص ۱۳۰ پر حکیم محمد حسن صاحب قرشی نے لکھا ہے کہ حکیم اجمل خاں مرحوم آپ کے

کا غلبہ ہوا کہ پڑھنے پر قادر نہ ہوتا، آنکھیں بند ہوتی چلی جاتیں، اب مراقبوں کا ذوق بڑھنے لگا، مطالعہ مؤخر ہو گیا، دل سے نقوش ماسوی محو ہونے لگے —— یہاں نہ کسی علم کی رسائی ہے اور نہ کسی فن کی، محویت بڑھتی گئی یہاں تک کہ خود سے بھی بیخودی ہو گئی، دوسرا اعلان پہنچ گیا :۔

تو اصلا مباش کمال این است و بس

اب کچھ بھی نہ رہا، ایک فانی ہستی کا کیا ذکر، انا للہ وانا الیہ راجعون، نہ مرشد کامل ایسے ملتے نہ یہ ذوق حاصل ہوتا اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فضل فرمایا کہ اساتذہ کامل عطا فرمائے وہاں مرشد بھی کامل عطا کیا، فالحمد للہ علیٰ ذالک"۔

روحانی تربیت کے بعد حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ہر چہار سلاسل میں اجازت مرحمت فرمائی اور ۸ر شوال المکرم ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء کو سند خلافت وجانشینی سے سرفراز فرمایا، الحمد للہ کہ آپ کے فیض روحانی سے ہزاروں انسان مستفیض ہو چکے ہیں اور یہ ابر جود برس رہے ہیں، مولیٰ تعالیٰ اس فیض کو جاری وساری رکھے، آمین، حضرت مولانا رکن الدین شاہؒ نے جو خلافت نامہ عنایت فرمایا تھا یہاں اس کی نقل پیش کی جاتی ہے :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین حمدًا یوافی نعمہ ویکافی مزید کرمہ والصلوۃ والسلام علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فقیر حقیر مسکین شیخ محمد رکن الدین انصاری مجددی الوری می گوید ہر گاہ بدامیہ سرمدی وجاذبہ ابدی فرزندی حکیم مولوی محمد محمود سلمہ الودود بشوق ورغبت خود رجوع بفقیر آوردہ داخل خاندان عالی شان نقشبندیہ شد و تا عرصہ دہ سال مجاہدات وریاضات کشید الحمد للہ والمنہ کہ درین ضمن نسبت قلبیہ لطائف ستہ بآحسن وجوہ نصیب او گشت و از مرتبہ ظل تا بہ اصل رسیدند دریں اثنا از نسبت شریفہ قادریہ چشتیہ ہم فیض یاب گردیدند، عزیز گرامی وجود را بنظر انتشار فیضان محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے اجازت طالبین اجازہ دادہ شد، این فقیر را ایں ہر سہ نسبت، ظاہری وباطنی کاشف اسرار جلی وخفی حضرت مولنا مولوی مفتی رحیم بخش صاحب الملقب لمولنا مسعود شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ حاصل شد، حق تعالیٰ نسبت طریقہ عالیہ قادریہ چشتیہ شریفہ بواسطہ حضرت خواجہ کامل اکمل شیخ محمد ضیاء معصوم در مقام مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً از

کما افضل وکرم خود از ہر دو نسبت مشرف ساخت، پس این فقیر این ہر سہ نسبت بکسوخود بمولوی
حکیم محمد محمود سلمہ الودود رسانیدم وبرجائے خود نشاندم، اللہ تعالیٰ بطفیل حبیب پاک صلی اللہ علیہ
وسلم وبرکت پیران کبار علیہم الرضوان از وجود نیک مسعود برخوردار موصوف این جانشینی
را مبارک وآباد فرمایدو برخوردار بسعی تمام تصرف بر طالبان کردہ بوصل الہٰی رسانند و
ازیں ہمت وتصرف ثواب عظیم واجر عظیم حاصل کنند، بمنہ وفضلہ،

بتاریخ سیزدہ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ ہجری۔

فقیر حقیر محمد رکن الدین نقشبندی الوری

(مصباح السالکین، ص-۴۵)

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے وقت راجپوتانہ میں زبردست فسادات پھوٹ پڑے تھے چناں چہ
طوعاً وکرہاً آپ نے الور سے ہجرت فرمائی اور دہلی تشریف لائے، آپ کا عظیم کتب خانہ جو علمی نوادرات
سے معمور تھا، فسادات کی نذر ہوگیا، وہ حویلی جو کبھی علم ودانش اور روحانیت کا مرکز تھی آج اس کو
بصد حسرت ویاس الوداع کہہ رہے تھے ؎

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

دہلی میں قیام کئے ہوئے کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ سرزمین بھی فسادات کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئی
اور یہاں کی وسیع وعریض فضائیں مسلمانوں کیلئے تنگ ہوگئیں چناں چہ آپ نے یہاں سے بھی ہجرت کی
اور پاکستان تشریف لے آئے اور حیدر آباد میں مستقل قیام فرمایا، شروع شروع یہاں کی فضا
کچھ بیگانہ سی تھی مگر آپ کے حسن خلق کی کرشمہ سازیوں اور سحر انگیزیوں نے جلد ہی اس بیگانہ ماحول
کو سازگار بنالیا اور عمائدین شہر اور عوام الناس آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور دیکھتے ہی
دیکھتے مقبولیت عام حاصل ہوگئی ؎

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانہ میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

آپ نے حیدر آباد میں محلہ ہیرا باد میں قیام فرمایا، مکان سے قریب آزاد میدان کے نام سے
زمین کا ایک وسیع وعریض قطعہ تھا، آپ نے بسم اللہ کہہ کر اس میدان میں نماز باجماعت ادا کی،
ان سجدوں کی معجز نما تاثیر تھی کہ کچھ عرصہ کے بعد یہاں عارضی مسجد بن گئی پھر ایک نیک دل انسان

حاجی محبوب الٰہی صاحب جو آپ کے معتقدین میں سے ہیں انہوں نے زر کثیر صرف کر کے شاندار مسجد تعمیر کرا دی جو اب جامع مسجد آزاد میدان کے نام سے مشہور ہے ؎

بزمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

حضرت مفتی صاحب ۱۹۴۷ء سے برابر اس مسجد میں نماز جمعہ سے قبل فاضلانہ تقریر فرماتے ہیں جو پر تاثیر ہوتی ہے آپ نے ایک عرصہ حیدر آباد کی مرکزی مساجد، مسجد بائی خیری اور مدنیہ مسجد وغیرہ میں درس قرآن کریم دیا جس نے قبول عام کا شرف حاصل کیا۔ عرصہ ہوا جامع مسجد آزاد میدان میں رکن الاسلام جامعہ مجددیہ کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم کیا ہے جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم کے علاوہ فن تجوید و قرأت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے بیسیوں طلبہ مستفید ہو چکے ہیں اور ملک کے مختلف گوشوں کے بہت سے طلبہ اس وقت زیر تعلیم ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی بے نیازانہ گزاری ہے، مخلوق خدا کی بے لوث خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، اپنے علم و فضل سے اپنی روحانیت سے اور اپنے کمال طبابت سے جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے خدمت فرماتے ہیں، فی زماننا ایسے علماء و صوفیہ عنقا ہو چکے ہیں، اکثر و بیشتر علماء و صوفیہ گو بظاہر کتنے ہی بے نیاز نظر آتے ہوں مگر نیازمندی ان کے قلب میں جاگزیں ہے ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

یہی وجہ ہے کہ آپ کی مجلس میں امراء و غرباء سب ہی آتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں، آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع ہے، مغربی پاکستان کے بیشتر شہروں میں آپ کے مریدین و معتقدین موجود ہیں، ۱۴ شوال المکرم کو ہر سال اپنے والد ماجد قدس سرہٗ العزیز کا عرس کرتے ہیں جس میں اتباع سنت کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے، ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ شریک ہوتے ہیں، اور علمی اور روحانی مجالس سے مستفیض ہوتے ہیں،

حضرت مفتی صاحب کو اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے علاوہ اپنے خسر اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نامور پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہے، حضرت مفتی اعظمؒ آپ سے بے پناہ انسیت و محبت فرماتے تھے، ایسی محبت جس میں اولاد بھی حریف نہیں حضرت مفتی اعظمؒ کے مکاتیب گرامی سے جو حضرت مفتی صاحب کو تحریر کئے ہیں کمال محبت و الفت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مکاتیب گرامی کے متون سے قطع نظر اگر القاب ہی کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے ایک خاص تعلق کی بو آرہی ہے چوں کہ یہ القاب ادبی حیثیت سے بھی اہم ہیں اس لئے چند منتخبہ القاب نقل کئے جاتے ہیں اس کے بعد مکاتیب سے اقتباسات پیش کیے جائیں گے :-

۱- ربیع فؤادی ومنتہائے مرادی، سندی ومعتمدی ادام اللہ حیاتکم (۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)
۲- الزکی المخلص العزیز الشہیر سلمہم الرّب لقدیر وہوّن علیہ کل امر عسیر۔
۳- صاحب الفضائل العلمیۃ والمناقب المرضیۃ لازالت شموس ہدایتکم (مئی ۱۹۵۳ء)
۴- قرۃ العیون وفرحۃ القلوب المحزون سلمہ اللہ تعالیٰ (جولائی ۱۹۵۹ء)
۵- حبی وشریکی فی الحزن والسرور سلمہم الولی الشکور
۶- الکہف الشامخ الحریز والزکی المخلص العزیز ادام اللہ تعالیٰ علیہ سوابغ النعم
۷- عزیز الوجود المولینا الاحمد الحمید المحمود رفع قدرہ الودود (جون ۱۹۶۰ء)
۸- الی حضرت المجد الباہر والطالع السعید الزاہر سلمہم اللہ تعالیٰ (۲۴ر فروری ۱۹۶۰ء)
۹- فرید الذات والصفات رفع اللہ منہم منار السلام
۱۰- البحر الراسخ النقی سلمہم اللہ للفظ النخی۔ (۳۱ر اگست ۱۹۶۱ء)

حضرت مفتی صاحب کے نام حضرت قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز کے چالیس مکاتیب گرامی محفوظ ہیں، بعض مکاتیب کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

"العزیز کی علالت کا حال معلوم کر کے سخت فکر لاحق ہو گیا ہے شافی مطلق شفائے کاملہ عاجلہ سے سرفراز فرما کر اس فکر کو دور فرمائے، تمہاری علالت کی خبر کیا ہوتی ہے کہ قلب ضعیف سے رہی سہی قوت بھی کھو دیتی ہے جس کی وجہ سے کسی عضو میں بھی قوت نہیں رہتی ہر عضو میں درد پیدا ہو جاتا ہے اب شاید صحت کی خبر کچھ مداوا کر سکے۔"

(۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

(۲)

میرے عزیز تم نے کتابوں[1] کے متعلق بعض ایسے جملے لکھ دئے جن کی وجہ سے جواب میں

---

[1] حضرت مفتی صاحب کا اور بین عظیم کتب خانہ تھا جس میں نوادر کا بڑا ذخیرہ تھا، ہنگامہ ۱۹۴۷ء میں یہ علمی سرمایہ (بقیہ صفحہ ۱۱۳پر)

تاخیر ہوئی جب بھی جواب کا ارادہ کرتا ہوں اور ان کلمات پر نظر پڑتی ہے دل بھر آتا ہے اور قابو میں نہیں رہتا ——— میرا کتب خانہ تمہارا ہی ہے اگر آپ آجائیں تو اپنی پسند کی کتابیں لے جائیں بلکہ جو کتاب کتب خانہ میں نہ ہوگی اس کو خرید دیا جائیگا آپ ہرگز فکر نہ کریں "

(۳)

نامہ العزیز باعث سکون ہوا مگر نہ معلوم کیا وجہ کہ جب تمہارا خیال آتا ہے قلب میں درد محسوس کرتا ہوں، ترجمہ کی کیفیت[ل] نے نہایت درجہ مسرور کیا لیکن پھر بھی قلب کا وہی حال ہے ان آنکھوں سے دیکھنے کو بہت طبیعت لوٹتی ہے مگر اسے سمجھایا جاتا ہے کہ مرضی مولیٰ میں تجھے کچھ چون و چرا کی گنجائش نہیں، (۸ نومبر ۱۹۵۱ء)

(۴)

فقیر بخیریت ہے البتہ تمہاری فرقت باعث وحشت ہے، امید ہے کہ تقریب شادی[ل] سے فراغت پالی ہوگی، اس میں شرکت سے محرومی پر جہاں تک افسوس کروں بجا ہے لیکن مشیت کے سامنے یہ بھی موجب عدم رضا ہے پس سوائے صبر کے چارہ نہیں، وہ تعالیٰ آپ کے اور ہم سب کے لئے مبارک کرے، افسوس کہ جبر کیا جاتا ہے لیکن طبیعت نہیں مانتی اور گریہ کا دامن تھامتی ہے وہ تعالیٰ اپنے مرضی پر رضا کی توفیق عطا فرمائے ——— میں آپ کو بار بار لکھتا ہوں کہ یہ کتابیں سب تمہاری ہیں جو کتاب چاہیں شوق سے منگالیں لیکن آپ اس میں تامل کرتے ہیں تمہارے پاس ان کتابوں کا ہونا میرے لئے خوشی کا باعث ہے، بالکل یقین کریں یہاں تک کہ اگر کسی، کتاب کا میرے پاس ایک ہی نسخہ ہو تب بھی طلب کریں ———

(موصولہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۲ء)

(بقیہ صفحہ ۱۱۲) تباہ و برباد ہو گیا، حضرت مفتی صاحب نے اس محرومی پر اظہار غم والم کیا ہوگا جس نے حضرت کو بھی مبتلائے غم

ل حضرت مفتی صاحب مسجد خیری (حیدرآباد) میں عرصہ تک قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر بیان فرماتے رہے یہاں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ل حضرت مفتی صاحب کی بڑی صاحبزادی کی شادی کی طرف اشارہ ہے جن سے حضرت کو بیحد محبت تھی۔

(۵)

میرے معلم عبدالرحمٰن مکی تھے، مجھ کو انہوں نے بہت آرام دیا تھا، سرکار ابد قرار کی حضوری میں دعا کرنے کو ممنوع سمجھتے ہوئے وہ قبلہ مسجد شریف کے کونے میں دعا کراتے ہیں اس لئے میں نے آپ کو لکھا تھا کہ آپ کو اس بارگاہ سے رخ پھیرنے کی ضرورت نہیں ——— میں کیا بتلاؤں کہ میری طرف سے اس سرکار میں آپ کیا عرض کریں، آپ تو کچھ عرض کر بھی دیں گے، میری زبان نے تو بوقت حضوری یاری دی نہ اب دیتی ہے۔ ؎[۱] (موصولہ یکم مئی ۱۹۵۲ء)

(۶)

اس مرتبہ تو آپ نے بہت ہی ترسایا، روزانہ ڈاک میں آپ کے خط کو تلاش کرتا تھا، لیکن ناکام، آخر کل یوم دوشنبہ یہ مبارک گھڑی لایا، علالت کی خبر نے مضمحل کیا، وہ قائم وقیوم (عمر) طویل عطا فرمائے مگر مع الخیر والعافیہ اور مخلوق کو فیض یاب فرمائے میرے عزیز ملاقات کی جو تڑپ آپ اپنے قلب میں پاتے ہیں وہ میری تڑپ کی ہی جھلک ہے، (موصولہ ۶ فروری ۱۹۵۴ء)

(۷)

فقیر بخیریت ——— مجھے نہ آپ کا خط موصول ہوا نہ حکیم صاحب کا، میں تو ہمیشہ انتظار ہی میں رہتا ہوں، بکثرت خطوط آتے ہیں جن کا جواب پریشان کن ہوتا ہے اور جس کی طرف ہر وقت نظر لگی رہتی ہے اس طرف سے آخر شب کو نظر محروم پھرتی ہے کس بچہ کی نام کی فرمائش ہے! کیا میں اپنی دعا میں کامیاب ہو گیا ہوں ——— اگر میرا مقصود بر آگیا ہے تو اس کا نام تو محمد مقصود ہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور آپ نے کوئی تجویز کر لیا ہو تو پھر وہ بہتر ہے ؎[۲] (موصولہ ۲۵ اپریل ۱۹۵۴ء)

---

[۱] حضرت مفتی صاحب ۱۹۵۱ء میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے گئے تھے، یہ مکتوب گرامی اسی موقع پر لکھا گیا ہے۔

[۲] حضرت مفتی صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، عرصہ دراز کے بعد فرزند ارجمند تولد ہوئے جن کا نام، محمد زبیر رکھا گیا، کنیت حضرت قبلہ نے ابو الخیر تجویز فرمائی اس مکتوب گرامی میں اسی طرف اشارہ ہے

(۸)

پاسپورٹ مل جانے پر شکر ادا کیا، اب ویزا کے لئے دعا ہے کہ زندگی میں تمہاری زیارت میسر ہو جائے، اگر ممکن ہو تو عزیزہ بھی اگر ساتھ ہوں تو وہ زیادہ بہتر ہے کہ ننھے میاں کے دیکھنے کو دل چاہتا ہے گو مخلوق کی طرف سے اب التفات قلب میں نہیں پاتا لیکن باایں ہمہ جب عزیز یاد آجاتا ہے تو اس کی ملاقات کی دل میں خواہش پاتا ہے، —— حسنِ خاتمہ کیلئے دعا کرتے رہیں ——

(۹)

خدا جانے دل کیوں چاہا لیکن مزاج کیفیت مشاہدہ پر موقوف ہے میں نے دونوں، عرضیوں کا جواب دے دیا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ موصی اولی تم ہو، بہتر سے بہتر کتابیں، اپنے حصے کی پوری لیجانا کہ مجھے اس سے زیادہ فائدہ پہنچے گا [۱]

(موصولہ ۵ جنوری ۱۹۶۶ء)

(۱۰)

فقیر ابھی علیل ہے آپ کی علالت کی خبروں نے نہایت ہی مضمحل کر رکھا تھا، کل جب سے آپ کا خط مطالعہ کیا ہے یکدم فرق محسوس کرنے لگا چناں چہ کل بارہویں کیلئے مسجد میں گیا تو بہت دشواری سے پہنچا لیکن جب آپ کا خط دیکھنے کے بعد واپس ہوا تو بلا سہارے اور بے تکلف گھر پہنچ گیا، وہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ سے سرفراز فرمائے کہ وہ میرے لئے باعث صحت ہے۔

(۱۱)

نامۂ گرامی نے قلب مضطر میں وہ تلاطم پیدا کر دیا جس نے جواب کی تحریر کے قابل نہیں رکھا، لیکن کچھ نہ کچھ تو جواب دینا ضروری ہے اس لئے چند کلمے لکھنے ہی پڑے، یہ صحیح ہے کہ اس شوق سے آگے کسی دوسرے ذوق کی نہیں چاہتی، وہ تعالیٰ کما حقہ اس کے برکات سے مستفیض فرماتے —— اول تو ایسی کوئی غلطی نہیں ہوئی اور ہوئی بھی ہو تو میں نے معاف کی امید ہے کہ تم بھی میری غلطیاں معاف کرو گے، میں جو لکھنا چاہتا

---

[۱] یہ مکتوب گرامی اسی سال تحریر فرمایا ہے جس سال حضرت کا وصال ہوا —— اس سے بھی حضرت کے وصال کا اشارہ ملتا ہے۔

ہوں، لکھا نہیں جاتا جب لکھنے کا خیال کرتا ہوں گریہ دامن گیر ہو جاتا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ سب سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا لکھنا چاہتا ہوں اور کیا تم سے تمنا رکھتا ہوں ہر مقام پر دعائی ـــــــ

(۱۲)

آپ تو سرگرم محفلوں میں مسرور رہتے ہیں، آپ کو کیا خبر کہ محبت کا مارا مر رہا ہے، میں وصیت نامہ موصی الیہ جناب کو لکھ رہا ہوں، اپنے حصّے کی کتابیں کوئی نہ چھوڑیں سب لے لیں، زبیر سلمہ مع الخیر کے کام آئیں گی۔ [۱] (۱۹۶۶ء)

حضرت مفتی صاحب کا بیشتر وقت چوں کہ خدمت خلق خدا میں گزرتا ہے اس لئے تصنیف و تالیف کیلئے بہت کم وقت ملتا ہے، عرصہ ہوا ۱۳۵۵ھ کے قریب دہلی سے آپ کی تصنیف "مصباح السالکین فی احوال رکن الملّت والدین" شائع ہوئی تھی، ـــــ آپ کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی مشہور تصنیف رسالہ رکن دین کے باقی حصوں کی تکمیل آپ کریں، چناں چہ پاکستان آنے کے بعد آپ نے رسالہ رکن دین کا دوسرا حصہ جو روزوں سے متعلق ہے مدوّن کیا، اور اس خشک مضمون کو ایسے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا، آپ نے اس میں روزہ کے روحانی اور جسمانی فوائد، ان کی قسمیں، ان کے فضائل وغیرہ پر تقریباً ڈھائی سو عنوانات کے تحت بطریق سوال وجواب بحث کی ہے اور جا بجا آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سینکڑوں دیگر مستند کتب سے استناد فرمایا ہے فی الحقیقت یہ کتاب حضرت مفتی صاحب کی علمی تحقیق کا شاہکار ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کے فیض قلم کو جاری رکھے آمین، آجکل تیسرے حصّہ کی تدوین میں مصروف ہیں جو حج سے متعلق ہے خدا کرے کہ وہ مدوّن ہو کر ہمارے لئے قرۃ العین ہو۔ آمین!

حضرت مفتی صاحب کی دو صاحبزادیاں ہیں اور ایک صاحبزادے، صاحبزادے کا اسم گرامی ابوالخیر محمد زبیر ہے، ابھی نو عمر ہیں لیکن آثار سعادت چہرے سے نمایاں ہیں، حضرت مفتی صاحب نے دور جدید کے اس سیلاب عظیم میں صاحبزادہ عالی قدر کو اسلاف کے نقش قدم پر چلایا ہے، مولیٰ،

---

[۱] یہ مکتوب گرامی ۱۹۶۶ء میں ارسال فرمایا ہے، اس میں وصال حق کی صاف صاف خبر دی ہے اسی سال کے آخر میں حضرت کا وصال ہوا۔

تعالیٰ ان کا سچا جانشین بنائے، آمین۔ ماشاءاللہ صاحبزادہ صاحب فن تقریر اور فن تجوید میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، چودہ پندرہ سال کی عمر میں ایک ایک گھنٹے دل نشین انداز سے تقریر کرنا کوئی آسان کام نہیں، خوب تقریر کرتے ہیں، فرسٹ ڈویژن میں "مولوی" کا امتحان پاس کیا ہے، آجکل "مولوی عالم" اور ساتھ ہی ساتھ میٹرک کی تیاری کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو ترقیات دارین سے سرفراز فرمائے، آمین۔

اس چھوٹی سی عمر میں آپ کے نانا حضرت شاہ مفتی محمد مظہر اللہ قدس سرہٗ نے ۱۹۶۱ء میں حیدرآباد میں بیعت فرمایا اور اسی وقت خلافت و اجازت سے بھی نوازا، اہل دل ہی مخفی جواہر کو پا سکتے ہیں، حضرت ممدوح نے اپنے مکاتیب گرامی میں صاحبزادہ موصوف کو بڑی محبت والفت اور عزت واحترام کے ساتھ یاد فرمایا ہے، یہاں چند مکاتیب گرامی سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :۔

حضرت مفتی صاحب کے نام ایک مکتوب گرامی (محررہ ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء) میں صاحبزادہ عالی قدر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ننھے شاہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے عرض کریں کہ مریدین اولاد کا درجہ رکھتے ہیں، اور اولاد ہمیشہ ستاتی ہے، اس پر ان کو نکالا نہیں جا سکتا سب پر پوری توجہ رکھیں، اس میں آپ کے سلسلے کی ترقی بھی مضمر ہے، آپ کی قوت باطنی ایسی نہیں کہ تعلیم اس میں حارج ہو گی۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو دینی اور دنیوی علوم (کے) اوج اعلیٰ پر پہنچائے۔"

۲۴ جولائی ۱۹۶۳ء کے ایک مکتوب گرامی میں صاحبزادہ صاحب کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

"عزیز القدر، حافظ عدیم المثل، واعظ بے بدل سلمہم المولیٰ منعم الاول

وعلیکم السلام ورحمۃ رحیم المنعام۔ تمہارا خط کل دیکھ کر اتنی مسرت ہوئی جو قابل تحریر نہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ بارہویں شریف کے جلسہ میں تمہاری اور والد صاحب کی تقریر نہ ہو سکی، اس زمانہ میں تمہارے مریدین اور سامعین کو بھی تمہارا گرویدہ ہونا تھا، آپ کی میرے دیکھنے کو تو طبیعت چاہتی ہے لیکن آپ نے اس کی چاہت پوری نہیں کی، یہ تو آپ سے ظلم ہوا، اب آپ خط لکھنے لگے ہیں اور ماشاءاللہ بہت بہتر لکھتے ہیں، تو اب تو برابر لکھتے رہو۔"

۱۹۶۴ء کے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں :۔

سعادت و توفیق آثار، ابوالخیر میاں محمد زبیر سلمہم بالخیر

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعام۔ تمہارے نامہ مسرت افزا نے عید میلاد کی مسرت کا اعادہ کر دیا، مولیٰ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ مسرور اور اپنے حفظ وضامن میں کامیاب رکھے اور تم بھی عزیزین دنیا کو اپنے افکار سے رلاؤ، تمہاری مسرت نے اس غمگین پر بھی وہ اثر کیا کہ باید وشاید۔ تمہاری مجالس میں خود گورنر حاضری دے اور تمہارے فیض سے مستفیض ہو کر راہ آخرت پکڑے" ؎

ایک اور مکتوب گرامی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

" ربیع فوادی ومنتہائے مرادی، ابوالخیر محمد زبیر سلمہم الخیر

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعام۔ تمہارا نامۂ محبت شمامہ موصول ہو کر کمال فرحت و انبساط کا سبب ہوا، مولیٰ تعالیٰ اسی طرح تاحیات میرے لئے دعاؤں میں مصروف رکھے، تمہاری ذات والا صفات میرے لئے وجہ حیات ہے، ورنہ اب تک میری زندگی کی کوئی وجہ نہ تھی، تمہیں اندازہ ہوگا کہ صحیح ہوتا تو خدا جانے کیا کیا لکھتا، اب اس ہی کو اپنے خیال میں لا کر تسلی دیا کرو"۔

حضرت مولانا شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، بڑی صاحبزادی حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں وصال فرما گئیں چھوٹی صاحبزادی بفضلہ حیات ہیں، موصوفہ کے شوہر محترم ومکرم حکیم احمد حسین صاحب حیدرآباد ہی میں مقیم ہیں، بڑے پایہ کے طبیب ہیں اور اہل دل ہیں، سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے خسر علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور غالباً اپنے برادر نسبتی حضرت شاہ محمد محمود صاحب سے خلافت حاصل ہے، مولیٰ تعالیٰ بایں حذاقت ومہارت اور بایں فضل وکمال مخلوق کیلئے فیض رساں رکھے۔ آمین، آپ کی دو صاحبزادیاں ہیں اور بڑی ذہین وفطین، مولیٰ تعالیٰ ان بچوں کو دارین کی ترقی سے نوازے، آمین۔

؎ حیدرآباد میں گورنر مغربی پاکستان کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا تھا اس میں صاحبزادہ موصوف نے تلاوت قرآن فرمائی تھی، اس وقت صرف دس گیارہ سال کی عمر تھی، اس کا ذکر نانا جان علیہ الرحمہ کے خط میں کیا ہوگا، جس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ اہل باطن کا اصل کمال یہ ہے کہ خود گورنران کے دربار میں حاضر ہو ؎ دربار شہنشہی سے خوش تر ٭ مردان خدا کا آستانہ

(مؤلف)

آٹھواں باب

تصانیف

تصانیف

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بکثرت تصانیف ہیں زیادہ تر تصوف اور فقہ کے موضوعات پر ہیں بیشتر قلمی ہیں، صرف ایک دو شائع ہوئی ہیں ۔ حضرت مولا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مفتی الحاج محمد محمود صاحب مد ظلہ العالی کے پاس ایک قلمی مجموعہ ہے جس میں ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء اور ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء کے درمیان محمد عظیم گوپاموی نے متعدد رسائل نقل کئے ہیں، یہ مجموعہ نادر ہے اس میں یہ رسائل موجود ہیں :- فیوض محمدی و سلوک مسعودی (۱۲۸۰ھ)، رسالہ وجدیہ (منقولہ ۱۳۱۱ھ)، رسالہ سماع و غنا (منقولہ ۱۳۱۱ھ) رسالہ سماع سوتی (منقولہ ۱۳۱۰ھ)، رسالہ آداب السلوک (منقولہ ۱۳۱۱ھ) اور مکتوبات مسعودی (۱۲۹۰ھ تا ۱۳۰۰ھ) رسالہ فیوض محمدی اور مکتوبات مسعودی کے سنین تالیف کا علم ہو سکا، باقی رسائل کے متعلق صرف یہی بات اہم ہے کہ وہ مصنف علیہ الرحمہ کے وصال سے ایک دو سال بعد نقل کئے گئے ہیں ،

اعلیٰ حضرتؒ کے پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ کے کتب خانے میں اعلیٰ حضرتؒ کے فتاوے کا قلمی مجموعہ تھا جو حضرت مفتی اعظمؒ نے اس احقر کو از راہ شفقت عنایت فرمایا، اس مجموعہ میں ۱۲۹۷ھ اور ۱۳۰۳ھ کے درمیان فتاوے نقل کئے گئے ہیں، یعنی مصنف علیہ الرحمہ کے وصال سے پانچ سال قبل یہ مجموعہ مکمل ہو گیا تھا یہ مجموعہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں بعض فتوے خود مصنف علیہ الرحمہ نے نقل کئے ہیں ۔

دو مطبوعہ رسائل درۃ الیتیم فی قرآن العظیم (مؤلفہ ۱۲۸۵ھ مطبوعہ ۱۲۹۹ھ، دہلی) اور دُرِّ شانیہ (مطبوعہ دہلی)۔ اعلیٰ حضرتؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں دستیاب ہوئے ایک مطبوعہ رسالہ آداب سالک (مطبوعہ دہلی) دہلی سے ملا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ نامعلوم ذخیرہ تحقیق و جستجو کے بعد منظر عام پر آ رہا ہے ۔

اب ہم تمام تصانیف کا فرداً فرداً مختصر تعارف کراتے ہیں ۔ ترتیب میں تقدیم زمانی کا لحاظ رکھا ہے خواہ وہ بحیثیت تالیف ہو یا کتابت و طباعت ۔

(۱) **فیوض محمدی و سلوک مسعودی** سائز ۸ × ۷، صفحات ۸۰ مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی، شعبان المعظم ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء (مؤلفہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء)

اس رسالہ کا تاریخی نام تحفۃ السالکین مسعودی (۱۲۸۰ھ) ہے اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

الحمد للہ الذی ھدانا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق وجاء خاتم النبوۃ والرسالۃ بالصدق وارتند علم التوحید والعرفان وشرف الصدیقین بالصدق والایقان والصلوٰۃ والسلام علیٰ بدر الدجیٰ نور الھدیٰ صاحب اسرار قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ المجتبیٰ المقتدیٰ اما بعد الخ (ص-۱)

مقدمہ کے آخر میں اس رسالہ کے اغراض و مقاصد کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

در مقدمہ عنان توجہ را باثبات طریقہ عالیہ صافیہ صوفیہ باصفا از آیات و احادیث مائل کرد تاکہ بر ہر کس و ناکس لائح و واضح گردد و از سوء اعتقاد باز شوند تاکہ بموجب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والسوء الظن وزر عظیم لاحق حال آں نابینایان قلوب شود و از تحصیل عرفان محروم نگردند کہ باموریہ اند۔ بعد ازاں حسب خواہش بعض یاران سہ باب دیگر بانشراح مقامات سلوک نیز بقلم آمدہ کہ باعث تشفی طالبین گردد ـــــ باب اول در ذکر اعیان ثابتہ و مقامات اربعہ۔ باب دوم در لطائف عشرہ مذکور گردیدہ، باب سیوم در ذکر دوائر، خاتمہ در فنا و بقاء و ما یتعلق بہ مرقوم گردیدہ، و ایں رسالہ را موسوم بہ فیوض محمدی و سلوک مسعودی ساختہ [1] (ص-۳)

اس رسالہ کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی اللہ یعنی فکر کنید در اسماء و صفات و افعال او تعالیٰ و فکر نکنید در ذات صرف او تعالیٰ ہم چنیں است در حدیث کہ اگر پردہ حجاب اگر منکشف شوند می سوزاند نور وجہ او تعالیٰ سالک را۔ البتہ علم و معرفت اجمالی حاصل می شود و علم تفصیل گنجائش نمی دارد، ھذا مما القانی ربی والتحقیق عندی وعلم الصواب عند ربی وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ وسلم۔ تمت بالخیر۔ (ص-۸۰)

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں مصنف علیہ الرحمہ نے اس رسالہ کا نام نور العرفان رکھا تھا جیسا کہ اس مخطوطہ سے معلوم ہوتا ہے جو کتب خانہ مظہریہ دہلی سے ملا ہے، اس کے متوسط سائز کے ۸۴ صفحات ہیں صفحہ ۹ پر لکھا ہے "وایں رسالہ موسوم بہ نور العرفان نمودہ شد"

(۲) **درۃ الیتیم فی قرآن العظیم** سائز ۸×۴، ۴۰ صفحات، ۳۰ تالیف جمادی الآخر ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء، مطبوعہ مجموع المطابع، دہلی، یکم رمضان المبارک ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء، اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی فتح لنا بمفاتیح فواتح القرآن العظیم وافتح ببسم اللہ فاتحۃ الکتاب کلامہ القدیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ من انزل علیہ ام القرآن وعلیٰ الہ واصحابہ الذی کان ھم الاقتران اما بعد۔ خاکسار محمد مسعود نقشبندی مجددی شیخ رحیم بخش صدیقی دہلوی بر طبق سوال سائل کہ سورۂ فاتحہ خلف امام چہ حکم وارد واین چند سطور تحریر آوردہ منقسم بدو باب نمودہ، یکے آں کہ قرأۃ فاتحہ در نماز واجب است، دوم آں کہ خلف امام فاتحہ۔ اچہ حکم است ودریں باب سہ فصل نہادہ شد فصل اول در اثبات از کلام الٰہی فصل دوم در اثبات آں از احادیث نبوی، فصل سوم اثبات آں از آثار صحابہ و بالدرۃ الیتیم فی القرآن العظیم موسوم ساختہ فاسئل اللہ التوفیق علیٰ اتمامہ واطلب الثواب منہ علیٰ ھدایتہ فللہ الفضل والمنۃ ومنہ الھدایۃ فی البدایۃ والنہایۃ۔ (ص-۲)

آخر میں خاتمۃ الکتاب ہے، اس کا مضمون اس طرح ہے :-

واضح باد کہ مدار تحقیق مسئلہ ہذا بر آیات قرآنی و احادیث صحیحہ مثل حدیث انصاف و حدیث ما تیسر من القرآن و حدیث جابر بخیر ہم کردہ شدہ است و دیگر احادیث و آثار کہ بعض ازاں مثل احادیث صحیحہ نیستند برائے تقویت و شواہد آمدہ اند چناں چہ دأب محدثین متقدمین است وایں ہم ظاہر کنانیدہ کہ حدیث جابر بچہ قدر رتبہ صحت دارد مثل حدیث لا صلوٰۃ و بقدر طاقت بشری خود جوابہائے سوالات نیز دادہ، امید از و تعالیٰ کہ کدام سوال بیروں ازیں رسالہ وارد نخواہد شد کہ جواب آں ترک نمودہ تا کہ خوالت رسالہ نہ گردد و امید از اولی الفضل و ذو العدل ہمیں است کہ بنظر انصاف دیدہ از عیوب کہ ازاں کدام بشر خالی نیست درگذشتہ بحق فقیر دعائے خیر کردہ باشند و بخدمت نکتہ چیناں معروض است کہ در حدیث جابر بر امام صاحب زبان طعن نہ کشایند ورنہ امام بخاری خالی از طعن نیستند فافہم ولا تکن من الغافلین المراکفیہ الاشارۃ۔ تمت ھٰذہ الرسالۃ فی جمادی الآخر سنہ الف ومأتین وخمس وثمانین من ہجرۃ۔ (ص-۴۰)

بتاریخ یکم رمضان المبارک ۱۲۹۹ھ ہجری
بقلم محمد محمود حسن طبع گردید۔

(۴) **دُرّرِ ثمانیہ** سائز ۱۰" × ۶"، صفحات ۲۴، مطبوعہ دہلی (زمانۂ تالیف قریب ۱۲۸۵ھ)
اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون وھو الذی سلط علماء الحق علی من یریدون لیطفئوا نور اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ہ ھو الذی بعث مجدداً علیٰ کل راس مائۃ سنۃ لینفی تحریف الغالین ویطرد انتحال المبطلین ویبطل تاویل الجاھلین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ خاتم النبیین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین، اما بعد چون کہ فی زماننا بجہت ظہور فتن مضلین اور بروز ملحدین فی الدین کے ایک سوال مشتمل بر مسائل ثمانیہ وارد ہوا، پس بنظر اظہار حق فقیر شیخ رحیم بخش صدیقی ملقب بہ محمد مسعود نقشبندی دہلوی تحریر جوابات بدلائل محدثانہ بلا مبحث فقہا امید وار نفع آخرت خود اور برادران دینی کا احکم الحاکمین سے ہے اور نام اس کا دُرّر ثمانیہ رکھا، اسی جوامن اللہ ان ینفعنی وجمیع المومنین فی الدنیا والاخرۃ ویرزقنی وجمیع المسلمین بفضلہ وکرمہ خیر الخاتمۃ واللہ الموفق منہ الاعتصام بحبل المتین۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء ربانیین رحمہم اللہ علیہم ان مسائل میں جو شخص کہ :۔

۱۔ عقیدہ رکھے ساتھ عمل رخصت مذاہب کے اور حرام کہے تقلید امام معیّن کو اور
۲۔ پاک بتاوے بول طفل شیر خوار اور
۳۔ پانی قلیل لو قوع نجاست اور
۴۔ انسان کی منی کو اور
۵۔ قیام رمضان یعنی تراویح کی آٹھ رکعت سنت بتاوے اور وتر ایک ہی کا پڑھتا ہو، اور

۶۔ تعامل صحابہ سے انکار یعنی روس الاشہاد کہے کہ عمر کو میں نہیں مانتا اور

۷۔ قرأت میں حرف 'ض' کو مخرج 'ظ' سے ادا کرتا ہے اور

۸۔ بعد گزرنے چار برس کے تفریق زن شوہر مفقود الخبر کی کرا دیتا ہو

آیا ایسے شخص کا امام بنانا ہم حنفیوں کا جائز ہے یا نہیں، جواب مفصل مدلل کتب حنفیہ سے عنایت ہو،

بیّنوا و توجروا۔

اعلیٰ حضرتؒ نے تقلید کے سلسلے میں جو سوال کیا گیا تھا اس کا یہ جواب عنایت فرمایا ہے :۔

واسطے اثبات تقلید شخصی کے ماسوائے دیگر دلائل کے ایک ہی آیت ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، کافی، وافی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماسوائے دیگر انبیاء علیہم السلام کے خاص اتباع ملت ابراہیم علیہ السلام کا حکم فرمایا، پس ثابت ہوا کہ ہم پر مسائل مجتہد فیہا میں تقلید شخصی واجب ہے، چناں چہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تقلید شخصی ابراہیمی فرض تھی (ص۔۳)

اس رسالے کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :۔

پس ثابت ہوا کہ تفریق زن مفقود کی بعد چار سال کے عند الشرع ناجائز اور نادرست ہے کہ اس میں بہت سے حرج واقع ہوتے ہیں پس شخص مندرج سوال کو امام ـــــ

ھٰذا ما وفقنی اللہ بہ من التوفیق والتحقیق ومنہ الھدایۃ والارشاد والتوفیق ـــــ وھو ملھم الصواب والمرجع والمآب۔

حررہٗ شیخ رحیم بخش الملقب بہ محمد مسعود نقشبندی مجددی۔

تمت

(۴) **مکتوبات مسعودی** سائز ۱۴/۲۲×۷ صفحات ۱۶۷ تا م ۷ او م ۸ ا تا ۸۹ ا زمانہ تالیف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء تا ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی، ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء۔

اس مجموعہ میں اعلیٰ حضرتؒ کے مختلف مکاتیب گرامی جمع کیے گئے ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے خلفاء اور مریدین کے نام ارسال فرمائے ہیں، مندرجہ ذیل حضرات کے نام مکاتیب تحریر فرمائے :۔

۱۔ جناب حافظ قمر الدین صاحبؒ خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ـــــ بزبان فارسی

۲- جناب میاں عبدالغفور صاحبؒ۔	خلیفۂ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ	سوم صفر ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء	بزبان فارسی
۳- جناب میاں عبدالغفور صاحبؒ	"	۵ صفر ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء	"
۵- جناب محمد عظیم گوپاموی	مرید اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ	۲۴ جون ۱۸۸۵ء	"
۶- جناب محمد عظیم گوپاموی	"	۱۸ اگست ۱۸۸۵ء	بزبان اردو
۷- جناب محمد عظیم گوپاموی	"	۲ ستمبر ۱۸۸۵ء	"
۸- جناب محمد عظیم گوپاموی	"	۱۳ جنوری ۱۸۸۶ء	"
۹- جناب سید برکت علی صاحبؒ	"		بزبان فارسی
۱۰- میاں افضال الحق صاحبؒ	"		"
۱۱- حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ، فرزند اکبر و خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ			بزبان اردو

اعلیٰ حضرتؒ کے مکاتیب ادب انشاء کا اعلیٰ نمونہ ہیں پند و نصائح کے ساتھ ساتھ مکاتیب گرامی کی ادبیت و معنویت قابل مطالعہ ہے، یہاں تیمناً ایک مکتوب نقل کیا جاتا ہے :-

مورد الطاف الٰہی، مصدر افضال سرمدی میاں افضال الحق دام الطاف اللہ

بعد از سلام سنت الاسلام و استدعاء استقامت بر شریعت غرہ و ادعاء انقطاع ما سواء اللہ مرفوع آں کہ عرصہ دراز کشید کہ از حالات خود اطلاع نداده اند، طبیعت باں صوب متوجہ ماند، حبیبا! صوفیہ کرام وقائع و تلوینات احوال را کہ می آیند و می روند چنداں اعتبار نداشتہ اند، مقصد طلب بیچونی و بیچگونگی است، و مقید بودن باین تلوینات احوالات موجب خسارت و رخسارت است، مقصود ذات بحت است کہ از دید و شہود و گفت و شنود مبرا است، ایں وقائع برائے طفلاں مبتدیان مثل جوز و مویز تسلی می دہند و صوفیان بلند ہمت وقائع و تلوینات را باعث سدّ راہ دانستہ اند، عالبتہ ایں وقائع علامت قبولیت می دارند، ما سوا ایں حاصلے نیست، والوالعزم صوفی خصوصاً نقشبندی از شریعۃ غرا سر مو مفارقت نہ ورزند، جمیع ترقیات و ورود و فیوضات و انوار الٰہی مربوط باتباع شریعت و بمداومت سنت رسالت مآب است علیہ الصلوٰۃ والسلام، و متبع سنت رافیض آں حضرت بلا واسطہ می آید و انحلال و فنا جلالی و جمالی ازیں اتباع حاصل گردد، صاحب اتباع را پر انوار و قبولیت دانند من یطع الرسول فقد اطاع اللہ رمزیست باریک فہم من فہم و باین اتباع طریقہ عالیہ نقشبندیہ فوق علی الطرق گشتہ

وعلامت صحت ولایت اتباع نبی واسد و وقائع وکشوف وا حوالات کہ خلاف شریعت باشند آں را تلبیس ابلیس دانند، حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرمودہ اند کہ طریقۂ ما از نوادر وعروۃ الوثقیٰ بمتابعت سنت حضرت مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام واقتدا بآثار صحابہ کرام آمدہ است، درین راہ بفضل خدا آوردہ اند از اول تا آخر بہ فضل او مشاہدہ کردہ ام اگرچہ عمل قلیل دریں طریقہ فتوح بسیار و روا ما رعایت سنت بزرگ نعم است، وایں ہم فرمودہ اند "ہر کہ از طریقۂ ما روئے گرداند خطر دریں راہ دارد"، پرسیدند کہ طریقۂ شما بچہ توان یافت! فرمودند، "بتشرع ومتابعت سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام"۔ واتباع شریعت صوفیہ را بمرتبہ صدیقیت کہ اعلیٰ مراتب ولایت است می رساند، وفناء فی الرسول ازیں اتباع حاصل می شود، زیراکہ قول وفعل محبوب مرغوب محبوب می باشد وہمیں اتباع صراط المستقیم آمدہ، ھٰذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ قَوْا، و باطن متمم ظاہر است وکمل کہ از فنا الفناء فارغ گشتہ بقا ما آمدہ است، انہ اتباع سنت یک سر مو مخالفت نہ ورزند، و فرائض وغیرہ بمنطوق حدیث شریف واعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک، باخلاص نیت وحضور قلب ادا نمایند، خصوصاً صلوٰۃ را کہ قرۃ عینی آمدہ است، وراحت وطبیب دلست کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ارحنا یا بلال! ومعراج المومنین درشان اوست پس درادا، نماز تساہل وکاسل را راہ ندہند و اگر از بعض احوال واردہ مثل سکر ومحویت وغیرہ معذور شوند قضا آں لابدی است، وہمراقربیت ومعیت مع اللہ وابستہ باداء صلوٰۃ بوقتہا است حتی کہ سمع وبصر ولسان وقلب وید وغیرہ سالک سمع وبصر ولسان وقلب وید او تعالیٰ بوساطت نماز می شوند کما نطق علیہ الحدیث، دریغ مر کسیے اکہ ایں نعمت عظمیٰ را ترک سازد، و در اداء آں تہاون را بکار برد و نماز باخشوع وخضوع حضوری بعالم الغیب می دہد۔ وما علینا الا البلاغ بجہت محبت قلبی باآں عزیز در دل فقیر ریختند کہ چند کلمہ نصائح کہ بکار آیند بہ نوک قلم آرد بمنطوق الدال علی الخیر کفاعلہ ثواب حاصل نماید۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (ص-۱۸۷-۱۸۸)

(۵) **فتاویٰ مسعودی** | سائز ۱۰×۱۶، صفحات ۱۶۶، تالیف ۲ ذلقعدہ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء اس مجموعہ میں ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء اور ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء کے درمیان

پیش آنے والے مسائل کے بارے میں فتوے جمع کئے گئے ہیں یہ فتوے مختلف موضوعات پر ہیں مثلاً وراثت، نکاح وطلاق، سماع وغنا، استمداد لغیر اللہ، اہل تشیع سے مخالطت، تعزیہ داری، بدعات سیات رؤیت ہلال، وقف مساجد، ذکر جہری وخفی، حقہ کشی وغیرہ

فتاویٰ مسعودی مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے :-

۱ - سوالات کے جوابات تین زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی میں دئیے گئے ہیں جس سے مصنف کی علمی استعداد اور مختلف زبانوں پر کامل عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲ - جوابات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں پہلے آیات قرآنی سے استدلال واستناد کیا گیا ہے پھر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد فقہاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال سے استناد کیا ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ذہن میں آیات قرآنی اور متعلقہ احادیث نبوی جس طرح مستحضر ہیں اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کیوں نہ ہو سلسلۂ حدیث صرف ایک واسطے سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

۳ - اردو نہایت سادہ استعمال کی ہے خواہ مخواہ عربی اور فارسی الفاظ داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اسی زمانے میں سرسید احمد خان کی تحریک کے زیر اثر اردو میں علمی مضامین سامنے آئے اور یہ سمجھا گیا کہ سادہ اردو نگاری کی بنیاد سرسید نے ہی رکھی ہے حالاں کہ ان سے کہیں پہلے علماء کرام کی مساعی بار آور ہو چکی تھیں ان کی نگارشات منظر عام پر نہیں آئیں تو علمی دنیا میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی،

۴ - جوابات میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اجتہادی رنگ نظر آتا ہے وہ براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں، اپنی محققانہ طرز نگارش کی وجہ سے ان کے فتوے امتیازی شان رکھتے ہیں

۵ - جوابات میں مخالفین کی دل شکنی نہیں کی گئی، ایسے مواقع پر نہایت سنجیدگی اور متانت سے قلم اٹھایا ہے، جو ایک عالم کے شایان شان ہے کہیں تکبر وغرور کی جھلک نہیں، بلکہ انتہاء درجہ کی عجز وانکساری نظر آتی ہے جو عظمت کردار کی دلیل ہے، جوابات کے آخر میں اپنے نام سے پہلے "خاک رہ" تحریر فرماتے ہیں، اللہ اللہ جن کی خاک رہ نے مس خام کو کندن بنایا ان کا یہ عجز وانکسار۔

اب ہم فتاویٰ مسعودی سے مختلف موضوعات پر چند فتوے پیش کرتے ہیں جس سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تبحر علمی کا اندازہ ہوگا ۔ چند جوابات کے صرف چیدہ چیدہ مقامات پیش کئے گئے ہیں،

(۱)

قرآنیات کا یہ معرکۃ آراء مسئلہ رہا ہے کہ قرآن عظیم مخلوق ہے یا غیر مخلوق —— اس سلسلہ میں ایک سوال کیا گیا ہے جو عربی زبان میں ہے، جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے سوال وجواب من وعن پیش کیا جاتا ہے

سوال

القرآن المؤلف من الحروف والاصوات، اهو مخلوق ام غير مخلوق؟ بيّنوا توجروا واخير اكم الله تعالى والدارين۔

الجواب

الحمد لوليه والصلوٰة والسلام على خير خلقه وآله واصحابه اما بعد فيقول العبد الضعيف الراجي الى رحمة ربه الودود الشيخ محمد مسعود نقشبندی دهلوی ان القرآن مشترك قد يطلق عن الكلام الازلى الذى هو صفة الله تعالى كما جاء فى الحديث الذى رواه ابى سعيد قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرب تبارك وتعالى من شغله القرآن من ذكرى ومسئلتى اعطيه افضل ما اعطى السائلين وفضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه" (رواه الترمذی) فالقرآن بهذا الاطلاق كلام الله تعالى غير مخلوق فهو صفة قديمة منافية الآفة والنقص لا هو من جنس الحروف والاصوات كالعلم والقدرة كما فى شرح العقائد، "القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق"۔ وعقب القرآن بكلام الله تعالى لما ذكر المشائخ من انه يقال القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق ولا يقال القرآن غير مخلوق، لئلا يسبق الى الفهم ان المؤلف من الاصوات والحروف قديم كما ذهب اليه الحنابلة جهلًا وعنادًا انتهى ما فيه۔ وقد يطلق على المكتوب فى المصاحف اى ما بين الدفتين وهو اسم الالفاظ والمعنى جميعًا التى دالة على الكلام القدسى القديم الذى ليس بمخلوق، والالفاظ والمعنى مخلوقة لانها معتبرة عن قصة فرعون وغرقه وعن

قصة موسیٰ و یوسف وغیرہا مثلاً وکل ذٰلک حادث لان کلام اللفظی مؤلف من الاصوات والحروف وکل مؤلف منہا فہو حادث ولان الالفاظ والاصوات من لسان العرب کما جاء فی القرآن العظیم قرآناً عربیاً وکل لسان العرب حادث مخلوق، ولان الحروف والالفاظ متوالیة وکل متوالیة فہو حادث لان اذا کانت الحروف متوالیة فاذا جاء الثانی انفصل الاول فتحقق عدمہ وکل ما تحقق عدمہ امتنع قدمہ فثبت ان الاول حادث والثانی من الحروف ایضاً حادث لان وجودہ متاخر من وجود الاول وکل شیء وجودہ متاخر عن وجود غیرہ فہو حادث وقس علی ھذا ما بقی من الحروف وھکذا فی شرح العقائد ویتکلم لا ککلامنا ونحن نتکلم بالآلات ای من الحلق واللسان والشفة والاسنان والحروف ای الاصوات المعتمدة علی المخارج المبہوات بالہیات المعروفات والیہ یتکلم بلا آلة وحروف ای کمالات الذات والصفات والحروف مخلوقة ای کالآلات وکلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق بل قدیم بالذات انتہیٰ۔ فان القرآن کلام اللہ تعالیٰ الذی بلا صوت والالفاظ قدیم بالذات غیر مخلوق والالفاظ والاصوات التی نقرء بہا فہی مخلوقة اللہ تعالیٰ لا غیر فہو تحریر بتمامہ — واللہ اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب۔ ۷ صفر ۱۳۰۳ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقط

(ص ۔ ۱۱۱)

(۲)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک مذہبی تحریک نے ہندوستان کی علمی اور معاشرتی و تمدنی فضا کو بہت متاثر کیا تھا، مختلف مسائل پیدا ہو رہے تھے مثلاً یہ کہ خیر و برکت کی غرض سے اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب قبر بنوانا، غیر اللہ سے استمداد چاہنا، شفاعت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص، کھانے پر فاتحہ پڑھانا وغیرہ وغیرہ۔

پہلے مسئلے کے بارے میں استفسار پر اعلیٰ حضرتؒ نے یہ جواب مرحمت فرمایا :-

نبی یا ولی یا صلحاء کی قبر کے نزدیک قبر کسی مسلمان کی بنانی افضل ہے کہ موجب برکت ہے۔

(ص ۔ ۱۴۰) ۲ رجب المرجب ۱۲۹۷ھ

(۳)

ایک فتوے میں یہ تین سوالات کئے گئے ہیں :-

۱۔ یارسول اللہ کہنا جائز ہے یا ناجائز ؟

۲۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنا کیسا ہے ؟

۳۔ "قدمی علی رقبۃ کل ولی اللہ" کیا یہ قول حضرت غوث اعظمؒ کا ہے ؟

اعلیٰ حضرتؒ نے ان سوالات کے یہ جوابات تحریر فرمائے ہیں :-

۱۔ یارسول اللہ ہمراہی درود شریف یا بوقت کسی موقع کے اوپر مزار شریف وغیرہ کے درست ہے اور ہر وقت مثل نشست برخاست کے کہنا ناجائز ہے۔

۲۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنا ممنوع ہے اور قائل کو توبہ کرنی اور تجدید نکاح چاہئے

۳۔ "اور قدمی ہٰذا الخ" کو کتب میں لکھا ہے کہ قول حضرت غوث پاک کا ہے (رحمۃ اللہ علیہ) اور مطلب اس قول کا یہ ہے کہ مرتبہ حضرت محبوب سبحانیؒ کا اپنے زمانے کے اولیاء سے زیادہ ہے نہ کہ متقدمین اور متاخرین اولیاء سے کیوں کہ اس صورت میں خلاف احادیث کا آتا ہے۔ (ص ۔ ۱۳۰)

۲۴ رمضان المبارک [illegible]ھ

(۴)

ایک فتوے میں یہ استفسار کیا گیا ہے کہ زید کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان حشر میں شفاعت کرنے میں کچھ فوقیت نہیں رکھتے بلکہ شفاعت کے باب میں دیگر صلحاء کے برابر ہیں، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں :-

اور یہ کہنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درباب شفاعت کچھ فوقیت نہیں ہے یہ غلط ہے اور خلاف ہے احادیث صحیحہ کے اور یہ شخص فاسق ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔ مقام محمود مقام شفاعت ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ پانچ فضیلتیں میرے لئے ہیں کہ پہلے انبیاء میں نہیں پایا کیا ان میں سے شفاعت ہے ــــــ اور بہت احادیث ہیں کہ اول باب شفاعت کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلے گا ــــــ پس اول شفاعت کرنے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوقیت اور خصوصیت اور فضیلت ہے۔ (ص ۔ ۱۴۱) ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۱۰ھ

ایک فتوے میں استفسار کیا گیا ہے کہ کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر، بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں۔ یہ سوال فارسی میں ہے اس لئے جواب بھی فارسی میں دیا گیا ہے :-

اصل ختم مروج فی زماننا از شارع یافتہ نمی شود ــــــــــــــــ بعد فراغت طعام دعا کردن بحق صاحب طعام یا خواندن این کلمات اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَ اَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْہُ کما رواہ الترمذی عن ابن عباسؓ یا رسانیدن ثواب طعام برائے میت از دل یا از زبان ــــــــ ثابت است۔ ایں ہر سہ امر شستہ ادا کردہ شوند۔

(ص۔ ۱۶۶) ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ

(۵)

ہندوستان میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو بزرگانِ دین اور صوفیہ کرام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اولیاء اللہ کے تذکار کو مذموم جانتا تھا، چناں چہ انہیں مسائل کے متعلق، ایک صاحب نے اس طرح سوال کیا ہے :-

جو شخص صوفیہ کرام کو اہل سنت وجماعت کا مخالف کہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و عبدالکریم جیلی صاحبِ انسان کامل کو برا کہے وہ شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اور جو شخص ایک کہنہ مسجد جو قریب دو صد سال سے ویران پڑی تھی اور اس میں آبادی کی گئی اور وعظ میں حضرت رسالت پناہ کے اور صوفیہ کرام کی بزرگی بیان ہوتی ہے اس کی مدد کرنے کو کفر کہے اس کے واسطے کیا حکم ہے ؟

الجواب

واضح ہو کہ شیخ عبدالحق و شیخ اکبر و شیخ عبدالکریم تمام صوفیہ مسلمان تھے اور برگزیدہ، اب جو شخص ان کو برا کہے گا وہ خود برا ہے اور جو ان کو کافر کہے گا وہ خود کفر میں واقع ہو گا عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک رواہ البخاری اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ موتا کو نیکیوں کے ساتھ یاد کرو برائیوں کے ساتھ یاد نہ کرو فقط اور تعمیر مسجد کی علامت ایمان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ

اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ جب کہ تعمیر مسجد اور آبادی اس کی موجب ایمان اور خیر کا ہے پس منع کرنیوالا اور نسبت کفر کی کرنیوالا مناع خیر میں سے ہے کہ اخلاق کفار سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ صفت کفار میں فرماتا ہے مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی جو کہ آباد مسجد ویران کی موجب برّ اور تقویٰ کے ہے پس منع کرنیوالا مخالف ہے آیہ کریمہ موصوفہ کا پس ایسا شخص مفسد فی الدین ہے ایسے شخص سے مخالطت نہ چاہیئے اور علیحدگی لازم ہے کیونکہ دین میں فساد ڈالنے والا ہے، وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ فقط واللہ اعلم بالصواب

(ص ۔ ۱۵۲) ۲ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ

(۶)

ذکر خفی اور ذکر جہری صوفیہ کرام کے مختلف سلاسل کے درمیان ایک معرکہ آراء مسئلہ رہا ہے اس کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں :-

واضح ہو کہ ذکر جہر کرنا قطعاً حرام نہیں جیسا کہ احادیث اور آیات قرآنی سے ثابت ہے اگرچہ اولیٰ ذکر خفیہ ہے عن ابن عباس اخبرہ ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (رواہ البخاری) پس ذکر جہر کو حرام کہنا خلاف ہے احادیث اور قرآن کے ۔۔۔ اور اولیت ذکر خفیہ پر آیۃ قرآنی دال ہے وَاذْکُرْ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً پس اصل تحقیق یہ ہے کہ ذکر جہر جائز اور ذکر خفی اولیٰ ۔۔۔۔۔ (ص ۔ ۶۷) ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ

(۷)

صوفیہ کرام کے درمیان دوسرا معرکہ آراء مسئلہ "سماع و غنا" ہے اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرتؒ نے بہت مدلل و مشرح جواب دیا ہے جو بجائے خود ایک مبسوط رسالہ ہے یہاں بتمامہ نقل کرنا مشکل ہے چند سطور پیش کی جاتی ہیں جس سے مسئلہ کے متعلق اعلیٰ حضرتؒ کے نظریہ کی تشریح ہو جاتی ہے

جواب

مخفی و محتجب نماند کہ مابین سماع و سرود فرق است، سماع بالاتفاق حلال و مباح است کہ در لہو و لعب داخل نیست، و تعریف سماع کہ در اہل صوفیہ کرام منقول بود این است اشعار متضمن، بتوحید و توصیف و مدحت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لہجہ آواز مطربانہ کہ بعلم موسیقی آمیختہ

نباشد بخوش آواز غنا نه کند و در سماع آں با ذوق و شوق الٰہی و توجہ الی اللہ پیدا شود و نفس اماره بالسوء از ماسوی اللہ تنفر پذیرد پس ایں قسم غنا مباح است ـــــــــ

ولیکن غنائیکہ فی زماننا کہ در متصوفہ مروج است باستار و طبلہ و نے و سارنگی حرام است قال فی الجوھرۃ وما یفعلہ متصوفۃ زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیہ ومن قبلہم لم یفعل کذالک انتھٰی ـــــــــ (ص ـ ۱۲۲ و ۱۲۳)

۱۸ رجمادی الثانی ۱۳۰۴ھ

ایک سوال سماع محض کے بارے میں بھی کیا گیا ہے یعنی مجالس منعقد کر کے نعت خوانوں سے ایسے اشعار پڑھوانا یا خود پڑھنا جن میں قرآن و حدیث کے مطابق مضامین ہوں اور کفر و شرک کا رد کیا گیا ہو ـ اس کا جواب اعلیٰ حضرتؒ نے نہایت جامع دیا ہے فرماتے ہیں :-

اس قسم کے اشعار جو کہ مضمون مندرج سوال ہوں سننا اور سنانا ان کا اور موزوں کرنا ان کا موجب ثواب کا ہے اس قسم کے اشعار کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "حکمت" فرمایا ہے جیسا کہ بخاری میں ابی ابن کعب سے حدیث آئی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشعر لحکمۃ (رواہ البخاری) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اشعار کو سنا ہے چنانچہ ایک بار سو بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنیں ـــــــــ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض شعر کی تعریف بھی کی ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصدق کلمۃ قالہا الشاعر لبید الا کل شئ ما خلا اللہ باطل متفق علیہ اور بعض اشعار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پڑھے چنانچہ یوم خندق میں یہ اشعار پڑھے ـــــــــ ـــــــــ اور حسان شاعر کے جس نے کفار کی ہجو کی ہے، تعریف فرمائی اور فرمایا جبرئیل تائید میں حسان کے تھا عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لحسان ان روح القدس لا یزال یؤیدک ما نافحت عن اللہ ورسولہ (رواہ مسلم) (ص ـ ۶۸)

۹ شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ

(۸)

ہندوستان میں ہنود کے ساتھ معاشرتی مخالطت کی وجہ سے بہت کافرانہ رسوم مسلمانوں

میں غیر شعوری طور پر داخل ہو گئی ہیں مثلاً شادی بیاہ کے موقعوں پر مسلمانوں میں سرود و موسیقی وغیرہ کا استعمال عام بلکہ واجبات سے سمجھا جاتا ہے اُس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں :-

پس واضح باد کہ ایں چنیں لہو و لعب کہ بسرود و علم موسیقی و دراں کلام فحش و رباطیل باشد و بسوئے فواحش و فجور و فسق و تشبیب جمال شوق نماید و زنان مغنیات می سرایند حرام و مذموم است چناں چہ در حدیث شریف منع آمدہ است ولیستنا بمغنیین کہ در حدیث بخاری واقع شدہ یعنی لیس الغناء عادۃ لہما ای لیستا ممن یغنی بعادۃ المغنیات من التشویق والتعریض بالفواحش والتشبیب بالجمال کما قیل الغناء رقیۃ الزنا ولا ممن یغنی بغناء فیہ تمطیط وتکسیر وعمل یحرک الساکن و یبعث الکامن ولا ممن اتخذہ کسبا (مجمع البحار) و ہم چنیں گفتہ وما احدثہ المتصوفۃ من السماع بالآلات فلا خلاف فی تحریمہ حتی ظہرت علی کثیر منہم افعال المجانین فیرقصون بحرکات مطابقۃ وتقطیعا متلائمۃ وزعموا ان تلک الامور من البر وسیئات الاحوال فہذا زندقۃ - انتہی ما فی مجمع البحار

(ص - ۱۱۲) ۱۷ جمادی الاوّل ۱۳۰۳ھ

(۹)

ہندوستان پر انگریزی اقتدار کے بعد جدید سائنسی آلات نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے مثلاً یہ کہ چلتی ہوئی ریل گاڑی میں نماز جائز ہے یا نہیں، ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرتؒ نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سے نتائج کا استنباط کرتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا ہے :-

جواب

بر ماہران فقہ و حدیث مخفی نہ ہو کہ نماز فرض ریل پر بحالت روانگی ریل بلا عذر جائز نہیں ہے جیسے کہ نماز فرض دابہ پر جائز نہیں ہے کما فی الحدیث عن ابن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی السفر علی راحلتہ حیث توجہت بہ یومی ایماء صلوٰۃ اللیل الا الفرائض و یوتر علی راحلتہ متفق علیہ - اس حدیث سے ثابت ہوا کہ علت عدم جواز صلوٰۃ فرض کی دابہ پر حرکت ہے جیسا کہ ثابت ہوتا ہے کتب فقہ سے ولو صلی علی دابۃ فی شق محمل وھو یقدر علی النزول بنفسہ لا یجوز الصلوٰۃ علیہا اذا کانت واقفۃ وکذا الوسائرۃ بالاولی الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض

بان سکن تحت خشبۃ (درمختار)۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اگرچہ دابہ قائم بھی رکھتا ہو اس وقت بھی اس پر نماز فرض ناجائز ہے تاوقتیکہ کجاوا زمین پر قائم نہ ہو اور دابہ سے کسی طرح کجاوے کو تعلق نہ ہو کیونکہ دابہ کو ہمیشہ حرکت ہے، پس یہ امر نہ سمجھنا چاہیے کہ رفتار دابہ کی بالخصوص مانع جواز صلوٰۃ کو ہے بلکہ مطلق حرکت مخل نماز کی مانع جواز صلوٰۃ کو ہے اگرچہ کسی وجہ سے ہو ______ بعد نصف گھنٹہ کم و بیش اس کو (ریل) قیام کامل ہوتا ہے کم از کم قریب پانچ منٹ کے کہ اس عرصہ میں دو رکعت فرض یا سہ رکعت بخوبی ہوسکتی ہیں اگر وضو ہو ورنہ بحالت فوت وقت اور نہ ہونے پانی کے تیمم کرکے پڑھ لے اور نوافل و سنن میں مختار ہے خواہ چلتی ریل میں پڑھے یا نہ پڑھے۔ (ص-۱۲۵ و ۱۳۶)

۱۸ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ

(۱۰)

اسی زمانے میں جب سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کالج قائم کیا تو ہندوستان کے مسلمانوں میں انگریزی علوم کا بڑا چرچا ہوا اور انگریزی تعلیم کی بڑی مخالفتیں ہوئیں، یہاں تک اس کو حرام قرار دے دیا گیا چنانچہ اسی ضمن میں یہ سوال پیش کیا گیا:-

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پڑھنا علم انگریزی کا ہنر اور پیشہ تصور کرکے بہ نیت روزگار جیسا کہ علم فارسی و اردو پڑھتے ہیں واسطے روزگار کے، ایسے ہی پڑھنا انگریزی کا بھی شرع میں جائز ہے یا نہیں اور یہ بات جو عوام الناس نے مشہور کر رکھی ہے کہ اس کا پڑھنا حرام ہے اور جو ایک حرف بھی مرتے وقت زبان پر آگیا تو بخشش نہیں، آیا یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا غلط؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ علم انگریزی کا پڑھنا واسطے پیشہ اور نوکری کے جائز ہے حرام نہیں البتہ مرتے وقت زبان پر کوئی لفظ انگریزی کا آ گیا اس صورت میں خوف مغفرت کا رہے گا، کیوں کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آخیر وقت میں زبان و دل میں کلمہ ہونا چاہیے تاکہ مغفرت ہو اور جب کہ زبان پر آخری وقت میں بجائے کلمہ کے انگریزی عبارت جاری ہوئی بلا ریب خوف زوال،

ایمان کا ہے اور چونکہ عادت کسی شئے کی باعث اجراء کے بوقت مرگ کے ہوتی ہے پس کیا تعجب ہے کہ بسبب ملکہ زبان انگریزی کے بوقت مرگ انگریزی الفاظ جاری ہوں کہ موجب نقصان ایمان ہو۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ واجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دھلوی۔ ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (ص-۱۴۳)

(۱۱)

ہندوستان انگریزوں کے تسلط کے بعد یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ یہ ملک شرعی حیثیت سے دارالحرب ہے یا دارالاسلام، چناں چہ ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

بر ماہران فقہ مخفی نہ رہے کہ یہ ملک دارالحرب نہیں ہے کیوں کہ جو ملک اہل اسلام کا ہوا اور اس پر کفار غلبہ کر کے اپنے تحت میں کرلیں وہ دارالاسلام بشرائط سہ دار الحرب ہوتا ہے یعنی جب کہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو دارالحرب ہوگا اور اگر ایک بھی معدوم ہوگی اس وقت دارالحرب نہیں ہوگا ——— ایک شرط یہ ہے کہ جاری ہونا قانون کفار کا بطریق شہرت اور کوئی حکم شریعت کا جاری نہ ہو اور اگر کوئی بھی شریعت کا جاری رہے گا، دارالحرب نہ ہوگا حالاں کہ اس دیار میں حکم شریعت کے جاری ہیں وظاہرہ انہ لو اجریت احکام المسلمین واحکام اھل الشرک لا تکون دار الحرب (طحطاوی وعلیہ الشامی) اور دوسری شرط یہ ہے کہ اتصال ان کا کسی دارالحرب سے سے نہ ہو، یہ بھی شرط اس ملک میں بجہت فاصلہ ہونے ملک کابل کے مفقود ہے اور تیسری یہ ہے کہ کوئی مومن یا ذمی، بامان سابق نہ رہے یہ بھی شرط مفقود ہے پس یہ ملک دارالحرب قطعی نہ ہوا ———

(ص - ۱۱۷) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ

(حواشی صفحہ ۱۳۶) لہ مرتے وقت انگریزی الفاظ کے زبان پر جاری ہونے سے خوف مغفرت کے متعلق جو فرمایا ہے نہ بظاہر عصری تاثرات کا نتیجہ سمجھا جاسکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فی زماننا ہندا تعلیم یافتہ مسلمان بالعموم قرآن و حدیث سے بیگانہ ہو چکے ہیں، مرتے وقت بعض لوگوں کے حالات سننے گئے اور دیکھنے میں آئے اس سے مرد مسلمان کی شان نظر نہیں آتی، اقبال نے خوب کہا ہے :-

کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقام مرگ و عشق ۔۔۔ عشق ہے مرگ باشرف مرگ حیات بے شرف

(۱۲)

ایک مسئلہ جو آج بھی مابہ النزاع ہے یہ تھا کہ خطوط کے ذریعہ رویت ہلال متحقق ہو سکتی ہے یا نہیں اس سلسلے میں ایک سوال کیا گیا ہے جس کا جواب اعلیٰ حضرتؒ نے مفصل و مدلل دیا ہے یہاں اس کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

الجواب

واضح ہو کہ خطوط حجۃ شرعیہ سے نہیں ہیں تاکہ ثبوت رویت ہلال کو کافی ہوں، اگرچہ مرسل ان کا تاجر ہو یا شخص معتبر ہو، زیرا کہ خط ایک شخص کا مشابہ دوسرے کے ہوتا ہے لا یحکم القاضی بسجل لاستحقاق بشہادۃ انہ کتاب قاضی کذا، لان الخط یشبہ الخط فلم یجز الاعتماد علی نفس السجل بل لابد من الشہادۃ علی مضمونہ کذا الحکم فیما سوی نقل الشہادۃ والوکالۃ من محاضر سجلات وصکوک" درمختار اور شامی میں لکھا ہے ذکر فی الخانیۃ والاسعاف ادعی علی رجل فی یدہ ضیعۃ انہا وقف واحضر صکا فیہ خطوط العدل والقضاۃ ——— یطلب من القاضی القضاۃ بذٰلک الصک قالوا لیس للقاضی ذٰلک لان القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ انما ہی البینۃ او الاقرار - اما الصک فلا یصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط انہ ما ——— وفی الاشباہ لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی خطوط القضاۃ الماضیین . (شامی)،

پس ثابت ہوا کہ مجرد خط کا کہ ڈاک انگریزی میں آتا ہے اعتبار نہیں اور حجۃ شرعیہ نہیں ہے تاکہ اثبات کسی کا ہو ولیکن چند شرائط میں قابل اعتبار کے ہوگا۔ اول یہ کہ خط مندرج رویت ہلال رمضان کو بدست ایک آدم معتبر عادل کے بھیجا جاوے اور بدست دو آدم معتبر عادلین کے بیچ ثبوت ماہ فطر کے بھیجا جاوے اور مضمون خط کا شخص کہ سنا بھی دیا ہو تاکہ جس کی طرف بھیجا ہے اس کو مضمون خط کا مطابق مضمون خط سناوے وے اور خط میں رویت یقینی و عینی ہو یا حکم مفتی کا رویت ہلال میں ہو اور خط معنون ہو اور مہر بھی کاتب اپنے روبرو قاصد کے اس کو دیدے وسے وکذا ما یکتب الناس فیما یجب ان یکون حجۃ للمعرف وھو ما اذا کان علی رسم الرسالۃ مصدرا معنونا وھو ان یکتب فی صدرہ من فلان الی فلان علی ما

جرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة كما فى الملتقى شامی۔
اور بھیجنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطوط کو طرف کسریٰ و قیصر وغیرہما کے حجۃ نہیں ہو سکتا کہ کتابت بمنزلہ شہادۃ کے ہو اوّل یہ کہ بھیجنا خطوط کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ساتھ رسالت کے ہوتا تھا یعنی کوئی آدمی معتبر لے کے جاتا تھا، اس وقت ڈاک نہ تھی جیسا کہ قیصر روم کی طرف دحیۃ الکلبی لے گئے تھے، اور کسریٰ کی طرف عبداللہ ابن حذافہ السہمی لے گئے تھے پس مجرد کتابت حجۃ نہ ہوئی بلکہ اخبار شخص مرسل قابل اعتبار کے ہوئے چنانچہ خبر واحد، عادل کی دیانات میں معتبر ہے خبر الواحد يقبل فى الديانات كالحل والحرمة والطهارة والنجاسة اذا كان مسلما عدلا ذكرا او انثى حرا او عبدا محدودا اولا ولا يشترط لفظ الشهادة والعدالة كذا فى الوجيز للكردرى و هكذا فى الهداية وفى المحيط الرخسى۔ اور اسی طرح سے معاملات میں خبر واحد کی مقبول ہوتی ہے مثل رسالت اور قاصد کے يقبل قول الواحد فى المعاملات عدلا كان او فاسقا، حرا كان او عبدا، ذكرا كان او انثى، مسلما كان او كافرا، دفعا للحرج والضرورة من المعاملات الوكالات والمضاربات و الرسالات فى الهدايا والاذن فى التجارات، كذا فى الكافى۔ اسی طرح سے رویتِ ہلال رمضان میں کہ ابر ہو خبر واحد عادل کی مقبول ہوگی کہ امر دینی ہے وقبل بلا دعوى وبلا لفظ اشهد للصوم مع علة ______ اور ماہ عید الفطر میں گواہی کا ہونا چاہیے بہ حالت ابر ______ کیوں کہ اس میں نفع بندوں کا ہے مثل تمام حقوق کے لتعلق نفع العبد علة الاشتراط ما ذكر فى الشهادة على هلال الصوم لان الصوم امر دينى يشترط فيه ذلك اما الفطر فهو نفع دنيوى للعباد فاشبه سائر حقوقهم فيشترط فيه ما يشترط فيها (شامی) پس چناں چہ تمام حقوق، عباد میں اسلئے اثبات حق عباد کے خط کا اعتبار نہیں۔ پہلے اسی طرح سے ماہ عید الفطر میں خط کا اعتبار نہ ہوگا اور جس طرح سے معاملات یا دیانات میں سوا خبر واحد کے خط کا اعتبار نہیں اسی طرح ماہ صوم میں خط کا اعتبار نہ ہوگا اگرچہ فرستندہ معتبر ہو اور چند خطوط اور خبر واحد عدم قبول میں برابر ہیں خصوصًا فی زماننا تجربہ میں آیا ہے کہ اکثر خط در باب رویتِ ہلال، آئے اور جب کوئی آدمی اس جانب سے آئے تو خلاف مضمون کے معلوم ہوا واللہ اعلم بالصواب

(۶) **رسالہ سماع موتیٰ** سائز ۱۴ × ۷، صفحات ۱۴۸-۱۵۶، تالیف ۱۲۹۲ھ، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی ۱۳۱۱ھ

یہ رسالہ چند سوالات کے جوابات میں تحریر فرمایا ہے، جو ابتدا میں اس طرح لکھے گئے ہیں :۔

سوالات

چہ می فرمایند ائمہ دین کہ موتیٰ مسلم در قبر خود قدرت سماعت دارد یا نہ ؟ و بر قبر ش السلام علیکم گفتن باید یا نہ ؟ و خواص و عوام از ارواح اولیاء کرام مستفیض می شوند یا نہ ؟ و بر قبور اوشان چہ باید کرد ؟ و بر قبور عامۂ مومنین چہ باید کرد ؟

اعلیٰ حضرتؒ نے ان سوالات کا احادیث صحیحہ کی روشنی میں بڑا مدلل جواب دیا ہے اور آخر میں اپنے نظریات کا خلاصہ اس طرح پیش کر دیا ہے :۔

پس نزد فقیر سوائے ایں چہ گفتہ شود کہ زائرین چہ خواص باشند و چہ عوام بر قبور اہل اللہ وغیرہ بطور مسنون نزد قبر رسیدہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ اَسْئَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ وَیَرْحَمُنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ بگوید و قبر پیش ایستادہ برائے اموات دعاء مغفرت از حق تعالیٰ طلب نماید و از حال بے اختیاری ایشان و عدم قدرت بر عبادت عبرت گیرد و از دار دنیا بے رغبتی کند و آخرت را یاد کند و ترساں و ہراساں انجام قیام کند و از خندہ و قہقہہ و کلام دنیاوی بے فائدہ در آں جا احتراز نماید و دست بر قبر نہد و مسح نکند آں را و نہ تابوت را و نہ دیوار حظیرہ را و بوسہ دہد و نہ منحنی شود و نہ روئے خود بخاک مالد و نہ چیزے خورد و نہ آشامد و نہ خسپد و نہ سوئے قبر نماز گزارد و نہ چراغاں روشن نماید و نہ آتش بسوزد و نہ غلاف بر قبر پوشاند و غنا ہم در مقبرہ نہ کند چہ آلات باشد و چہ بغیر آں، و نہ از صاحب قبر حاجات طلبد بغیر وسیلہ و صورت وسیلہ پیش از یں بیان کردہ شد و نہ بسوئے قبر سجدہ کند کہ موجب شرک و کفر است، و طواف نیز نکند کہ مخصوص بہ بیت اللہ است، افضل ایام زیارت چہار یوم ہستند، دوشنبہ، پنج شنبہ، جمعہ و شنبہ، و زیارت والدین در ہفتہ بسیار مستحب وارد و ہذا ما عندی و فقنی اللہ من

تحقیق ہذا المقام الحمد للّٰہ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واللّٰہ اعلم وعلمہ احکم اجابہ وحررہ خاکرہ محمد مسعود نقشبندی دہلوی - ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۲ھ - کتبہ احقر محمد عظیم مسعودی نقشبندی - ۱۵ ربیع الآخر سنہ ۱۳۱۱ھ -

(۷) **رسالہ وجدیہ** سائز ۱۴×۷، صفحات ۱۸ - ۱۱۲، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۸۹۳ء

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

اَلحمدُ للّٰہِ الّذی تجلّی للجبلِ جعلہ دکًّا وّخرّ موسیٰ صعقًا والّذی تشرف الیوسف بحسنِ العظیم حتّی لمّا رائینہٗ اکبرنہٗ وقطعن ایدیہنّ وقلن حاشا للّٰہ ماھٰذا بشرًا - وتفضل حبیبہٗ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بقولہ انّک لعلٰی خلقٍ عظیمٍ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم

(ص - ۱)

خطبہ کے بعد رسالہ کی تالیف و ترتیب کے اسباب و علل پر اس طرح روشنی ڈالی ہے :-

اما بعد می گوید مسکین محمد مسعود نقشبندی مجددی صدیقی دہلوی ہر گاہ کہ بعض اشخاص را دیدہ کہ از گریستن و بیخودی و بیہوشی کہ بوقت یاد الٰہی و قرأت قرآن و مجلس وعظ و بوقت توجہ الی اللہ پیدا می آید انکار می کنند، لہٰذا اثبات آں ہا از آیات قرآنی و احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام و از آثار صحابہ کرام رضی اللّٰہ تعالیٰ علیہم اجمعین کردہ و مسمّٰی بہ رسالہ وجدیہ نمودہ - بریک مقدمہ و دو باب منقسم کردہ، مقدمہ در تحقیق وجد، باب اوّل در اثبات وجد و محویت در تجلی ذات الٰہی از آیات و احادیث، باب دوم در اثبات گریہ، و خاتمہ (ص - ۲)

اس رسالہ کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے :-

زیرا کہ انتہائے سلوک باعتبار عروج فناء مطلق و فناء الفناء است و بعد از نزول واقع می شود کہ تعبیر بہ بقا کردہ اند و در فناء الفناء علم فنا نیز نمی ماند چہ جا کہ کنہ او تعالیٰ را یافت کند کہ دراں سوائے گمنامی دیگر بدست نمی آید و در دیگر فنا ہائے کہ ماتحت آں ہستند علم ما سوا باقی می ماند حتی کہ بعد از زوال علم جمیع اشیاء، علم خود و علم فنا می ماند پس ایں علم نیز مانع در یافت کنہ او تعالیٰ است، لہٰذا مہما علمنی ربّی وعلم الصّواب عند ربّی وصلی اللّٰہ

تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّدٍ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔ تمت بالخیر۔

ترقیمہ کی عبارت اس طرح ہیں :-

بتاریخ بست وپنجم ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مطابق ششم اکتوبر ۱۸۹۳ء صورت اختتام پذیرفت، بقلم بدرقم مسکین خادم الفقراء السالکین اضعف الرحیم محمد عظیم مسعودی نقشبندی قادری مجددی۔ (ص ـــ ۱۱۳)

(۸) رسالہ سماع و غنا۔ سائز ۱۴×۷، صفحات ۱۱۴ ـــ ۱۲۷، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۲ء بمقام ہردوئی۔

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

اللّٰہمّ انتَ تقضی یوم القیامۃ بین عبادک الصّالحین، فاما الحق اختلف فیہ بین الفقہاء والسالکین، اللّٰہم صل وسلم علی رسولہ خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، امّا بعد پس می گوید مسکین فقیر شیخ رحیم بخش دہلوی الملقب بہ محمد مسعود نقشبندی کہ دریں ایام از اماکن مختلفہ سوالات چند مضمون واحد اعنی در باب حرمت و اباحت غنا و سماع کہ صوفیہ کرام می شوند بریں فقیر وارد شدند (ص ـــ ۱۱۴)

اور اختتام اس عبارت پہ ہوتا ہے :-

ولا یظن المشائخ انہم فعلوا مثل ما یفعل اہل زماننا من اہل الفسق والباحین والذین لا علم لہم باحکام الشرع وانما یتمسّک با فعال اہل الدین، کذا فی الجواہر الفتاوی۔ ہٰذا ممّا علمنی ربّی وعلم الصواب عند ربّی۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمّدٍ وآلہ وسلم تمت بالخیر۔ (ص ـــ ۱۲۷)

ترقیمے کی عبارت اس طرح ہے :-

بتاریخ ہشتم ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ یوم پنجشنبہ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۲ء بمقام ہردوئی اختتام یافت۔ کتبہ اضعف الرحیم محمد عظیم مسعودی نقشبندی عفی عنہ۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند ✻ کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت ✻ کند در کار ایں مسکیں دعائے
(ص ـــ ۱۲۷)

(۹) **رسالہ آداب سالک** سائز ۱۴×۷، صفحات ۱۵۷ – ۱۶۵، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی، ۱۳۱۱ھ بمقام ہردوئی۔

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

الحمد للہ الذی خلق الانسان من طین وجعلہ من اشرف المخلوقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین اما بعدُ حمد وصلوٰۃ کے فقیر حقیر محمد مسعود نے یہ چند آداب اور نصائح جو سالکان طریقت وحقیقت کو بکار آمد ہیں، بحسب خواہش بعض یاران اپنے کے دو فصلوں میں تحریر کئے فصل اوّل میں وہ طریقہ جو کہ سالک کو ابتداء میں بکار ہیں اور فصل دوسری میں وہ آداب جو کہ مرید کو بہ نسبت پیر برتنے چاہیئے واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین

(ص - ۱۵۷)

فصل اوّل میں جن نصائح کا ذکر کیا ہے ان کو "طریقہ" سے تعبیر کیا ہے اور دوسری فصل میں "آداب" سے تعبیر کیا ہے، اول الذکر کی تعداد ۳۸ ہے اور ثانی الذکر کی تعداد ۲۷ ہے، فصل اوّل سے چند نصائح پیش کی جاتی ہیں :-

۱۔ طریقہ ۸ — متقدمین اہل طریقت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے چناں چہ حدیث شریف میں اذکروا الاموات بحسن الظن وارد ہے۔

۲۔ طریقہ ۹ — سُننے راگ اور باجے اور گانے سے بچتا رہے اور فقط دل کو کلام الٰہی سے یا اشعار توحیدیہ کے سُننے کی طرف لگاوے کہ اس سے روح خوش ہوتی ہے اور اس کے باعث سے وجد حقیقی پیدا ہوتا ہے،

۳۔ طریقہ ۱۱ — خلقت کی تعریف کرنے سے اور نیک کہنے سے خوش اور مغرور نہ ہو کہ ریا ہے اور شرک اخفا ہے، جیسا کہ شانِ نزول اس آیت کا دلالت کرتا ہے ۔

ولا تشرک بعبادۃ ربہ احدا۔

۴۔ طریقہ ۱۶ — ظلم ظالم کے سے صبر کرے اور اس کے بدلہ لینے میں کوشش نہ کرے اور دشمنوں کو دوست جانے۔

۵۔ طریقہ ۲۱ — سالک کو لازم ہے کہ اپنی بزرگی فقراء کی صحبت میں سمجھے اور دولت مندوں سے دور رہے۔

۶۔ طریقہ ۲۶ تمام خصلتوں سے خُلقِ نیک کو بہتر جانے حلم اور تواضع بہت کرتا رہے۔

۷۔ طریقہ ۲۷ جو دیکھے اور سُنے سوائے قدرتِ حق کے اور کچھ نہ جانے کہ سب اشیا میں اسی کی قدرت جلوہ گر ہے۔

۸۔ طریقہ ۳۱ سالک کو لازم ہے کہ اوّل لقمہ حرام سے بچے اور بہت پکار کر کلام نہ کرے اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

۹۔ طریقہ ۳۲ کسی بندے کو کسی طرح کی ایذا نہ دے۔

۱۰۔ طریقہ ۳۶ سالک کو چاہیئے کہ جھوٹ نہ بولے، سوائے صدق کے کلام نہ کرے اور دل کو خطرات ماسوا سے بچائے۔

۱۱۔ طریقہ ۳۷ سالک کو لازم ہے کہ سوال کرنے سے بہت بچے، کسی طرح کا کسی سے سوال نہ کرے، اشارۃً ہو یا کنایۃً، سب کار کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے فقر کو اپنا فخر سمجھے۔

۱۲۔ طریقہ ۳۹ کینہ اور بغض اور رشک سے اپنے دل کو صاف رکھے، کسی کی نعمت کا زوال نہ چاہے اپنے مومن بھائی سے دوستی اور محبت سے پیش آوے خصوصاً یارانِ طریقت سے۔

۱۳۔ طریقہ ۴۰ امانت میں خیانت نہ کرے اور بے فائدہ اور بیہودہ کلام نہ کرے اور خود بینی اور عیب جوئی کو اپنے میں دخل نہ دیوے۔ (ص ۱۵۸-۱۶۰)

اس رسالہ کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے:۔

آداب ۴۷ جب کہ مرشد حقیقی اس دارِ فنا سے دارِ بقاء کو رحلت فرماوے تو بعد اس کے ہدیہ اور صدقہ اور ثواب تلاوت وغیرہ کا روح پر فتوح اس کی کو پہنچاتا رہے تاکہ درخت اخلاص اور محبت کا قطع نہ ہو اور تعلق روحانی باقی رہے ھذا ممّا علمنی ربّی وعلم الصواب عند ربّی وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔ تمت بالخیر۔

اور ترقیمے کی عبارت اس طرح ہے:۔

کتبہ احقر العباد، اصغر الافراد عبد محمد عظیم مسعودی نقشبندی عفی عنہ بتاریخ ہفدہم ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۳ء یوم شنبہ بمقام ہردوئی صورت اتمام پذیرفت۔

آداب سالک دو بار دہلی سے شائع ہو چکا ہے، دوسرا اڈیشن تقریباً نصف صدی قبل مطبع علیمی دہلی (صفحات ۲۰) سے شائع ہوا تھا جو حسنِ اتفاق سے دستیاب ہو گیا ہے اس میں اعلیٰ حضرتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین قدس سرہٗ نے ضمیمہ بھی شامل فرمایا ہے، سرورق کی عبارت اس طرح ہے :-

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

آدابِ سالک

از تصنیف

لطیف سلطان الاولیاء، برہان الاصفیاء، رئیس المحققین، امام الاکملین اعنی اعلیٰ حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد رحیم بخش صاحب الملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب دہلوی نور اللہ مضجعہٗ

مع ضمیمہ

از تصنیف انیف قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حضرت مرشدنا و مولٰنا حاجی محمد شاہ رکن الدین صاحب مسعودی الوری مدظلہ العالی۔

جس کو قاضی حکیم مشتاق احمد صاحب نے باہتمام سید عبد العلیم خلف الرشید مولٰنا عبد الاحد صاحب مرحوم مدیر مطبع مجتبائی دہلی کے مطبع علیمی واقع دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا۔

حصّہ دوم

پہلا باب

مفتیٔ اعظم الحاج شاہ محمد مظہر اللہ قدس اللہ سرہ العزیز

عالم و فاضل، فقیہہ و مقتدائے عارفاں
شیخ دوراں مظہر اللہ، مفتیٔ ہندوستاں
ضیا بدایونی

حضرت مفتیٔ اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز آسمانِ علم وعرفان پر آفتاب و ماہتاب بن کر درخشاں ہوئے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ ایک جلیل القدر عالم اور فقید المثال ولی کامل پیدا فرمایا، جس نے اپنے علم و فضل، ورزہد و تقویٰ سے دل و دماغ روشن کئے اور لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت دکھائی ؎

ذرّہ خورشید آشنا از سایہ اش ٭ قیمت ہستی گراں از مایہ اش

ایسی عظیم ہستیوں کا وجود مسعود نعائم الٰہیہ میں سے ہے، وہ تعالیٰ جب چاہتا ہے نوازتا ہے اور جب چاہتا ہے محروم فرما دیتا ہے محرومی کے وقت شدید احساس ہوتا ہے کہ کیا پایا تھا اور کیا کھو بیٹھے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کے فضل سے نوازے گئے اور جنہوں نے اہل اللہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے جینے کا صحیح لطف اٹھایا ؎

از غم امروز و فردا رستہ ایم ٭ باکسے عہد محبت بستہ ایم

ولادت

حضرت مفتیٔ اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز، اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے نامور پوتے اور حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، والدہ محترمہ کا اسم گرامی امراؤ بیگم تھا (علیہا الرحمہ) آپ کی ولادت باسعادت آبائی حویلی واقع بازار فراش خانہ، گلی مردھانی دہلی میں ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوئی ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت قبلہؒ کی ولادت سے قبل ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء میں آپ کے ایک اور بھائی تولد ہوئے تھے جن کا اسم گرامی مظہر قیوم تھا۔ مگر وہ نوعمری میں وصال فرما گئے۔

علامہ اخلاق حسین دہلوی نے اپنے مقالے "مفتیٔ اعظم" مطبوعہ ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۴ء میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے سراپا کا دلکش انداز میں نقشہ کھینچا ہے ہم وہیں سے متعلقہ اقتباس پیش کرتے ہیں :-

آپ نہایت شائستہ مزاج، متحمل طبیعت، سیر چشم، نکو سیر، حق آگاہ، متبع شریعت بے لوث، ملنسار، کم آمیز، وضعدار، اور پسندیدہ خصائل کے مالک و وارث ہیں آج دلی کے قدیم عالمانہ اور درویشانہ تہذیب کی جیتی جاگتی یادگار ہیں، گندمی رنگ، میانہ قد، چھریرا بدن، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، موزوں آنکھیں، متوسط دہانہ دانت چمکیلے، انگلیاں درمیانی، نازک اور گاؤدم، سینہ فراخ، داڑھی بھراں رفتار ہیں میانہ روی اور استقامت نمایاں رہتی ہے، جوانی میں جسم کسی قدر گداز اور سجیلا تھا رخسار بھرے بھرے تھے، مگر اب ضعیفی کے باعث جسم لاغر اور نحیف ہے، جیسے کوئی سے ہڈیوں کی مالا، سنجیدگی اور متانت، ذہانت اور نورانیت روز افزوں ہے بلکہ اب تو یہ عالم ہے کہ گویا کہ نور کی خیالی تصویر ہے، مادیت نام کو بھی نہیں،

آواز ہلکی پھلکی اور نہایت نازک اور لطیف، قرأت قرآن فرماتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ نور کی پھوار پڑ رہی ہے، لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ، نہ بہت قیمتی اور نہ بہت ارزاں تکلف اور تصنع نام کو نہیں، نیچا کرتہ، شرعی پاجامہ، کبھی عمامہ اور کبھی دلی کی گول کشیدہ کاری کی ٹوپی زیب سر فرماتے ہیں، امامت و خطابت کے موقع پر جبہ بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن مجالس میں عموماً شیروانی پہن کر تشریف لے جاتے ہیں، سخت گرمی ہو تو شیروانی کی بھی پابندی نہیں غرض کہ آپ عموماً سادہ وضع میں رہتے ہیں۔ (ص-۲۸)

ابتدائی حالات

حضرت قبلہؒ ابھی چار سال کے ہی تھے کہ والد ماجد وصال فرما گئے اور یہ مبارک سایہ جو حیات انسانی کی متاع عزیز ہے جلد ہی اٹھ گیا، اس حادثہ جانکاہ کے ایک دو سال بعد والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں، اس وقت حضرت کی عمر شریف تقریباً چھ سال ہوگی، والدین کے وصال کے بعد حضرت کے جد امجد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کفالت میں لے لیا لیکن دو سال نہ گزرے تھے کہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں حضرت ممدوح بھی وصال فرما گئے، جو بچہ بچپن ہی میں والدین کی شفقتوں سے محروم ہوا تھا اب دادا کی شفقت سے بھی محروم ہو گیا، اللہ اللہ محرومی سی محرومی ہے — عادت الٰہی ہے کہ جب وہ اپنا محبوب بناتے ہیں تو لے آسرا کر دیتے ہیں شان محبوبیت اسی وقت نمایاں ہوتی ہے جب تمام آسرے ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ دست گیری فرماتا ہے اور اس شان سے کہ دیکھنے والی آنکھیں حیران رہ جاتی ہیں ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں ٭ ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

جد امجد علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کی نانی صاحبہ افضل بیگم علیہا الرحمہ (م ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) نے اپنی کفالت میں لے لیا لیکن دو تین سال بعد یہ آسرا بھی نہ رہا اور ان کا وصال ہو گیا، اس وقت حضرت کی عمر شریف تقریباً ۱۴ سال تھی، اب حضرت کی خالہ مخدومہ مجیدالنساء (م ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء) اور عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء) نے اپنی کفالت میں لے لیا اور جوانی تک آپ ہی کی کفالت میں رہے۔

کچھ سنتیں اختیاری ہیں اور کچھ اختیاری نہیں، ان کی تکمیل مولیٰ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے حضرت قبلہ کی حیات طیبہ میں پیروئ سنت کی شان ابتدا ہی سے نظر آرہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی میں والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے اتباع سنت میں یہ محرومی حضرت کو بھی عطا کی گئی والدین کے وصال کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپ کے جد امجد نے کی، حضرت قبلہؒ کی کفالت بھی جد امجد نے کی، جب جد امجد کا وصال ہو گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم نے آپ کی کفالت کی حضرت قبلہ کو جد امجد کی وفات کے بعد عم محترم نے اپنی کفالت میں لیا ——— یہ وہ سنتیں تھیں جن کی تکمیل رب تبارک و تعالیٰ نے خود فرمائی، یتیمی و بیسری کبھی کبھی عظمت و شوکت کی تمہید ہوتی ہے، کسی کو کیا معلوم کہ جو بے آسرا بنائے جارہے ہیں ان کو اس طرح سربلند کیا جائے گا کہ دیکھنے والے حیران رہ جائیں گے۔

ننھیال

حضرت قبلہؒ کی جد امجد علیہ الرحمہ اور ددھیال کے متعلق پچھلے باب میں تفصیل کیساتھ عرض کیا جاچکا ہے حضرت کی ننھیال ریاست جھجر سے تعلق رکھتی تھی، حضرت کے نانا حافظ عبدالعزیز خاں مرحوم ریاست جھجر کے مشہور و معروف خاندان حافظان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں ولادت ہوئی، شہر جھجر کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ سانولہ رنگ فراخ پیشانی، کشادہ ابرو، سیاہ چشم، متوسط قد،

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد اہل علم و فضل کی جمعیت پریشان ہو چکی تھی، ہر شخص تلاش معاش میں سرگرداں تھا، اسی زمانے میں حافظ عبدالعزیز صاحب ریاست پاٹودی میں نواب صاحب کے دربار سے متعلق ہو گئے۔

ریاست مذکور کے مجسٹریٹ درجۂ اوّل عبدالرشید خاں صاحب لائق مرحوم جو حافظ صاحب ممدوح کے نواسے اور حضرت قبلہؒ کے عم زاد بھائی تھے اپنے دیوان غزلیات کے دیباچے میں یوں لکھتے ہیں:-

اس خاکسار کے نانا حافظ عبدالعزیز خاں بعد مفسدہ غدر ۱۸۵۷ء، نواب محمد اکبر علی خاں

بہادر والیٔ ریاست پاٹودی کے چار صاحبزادوں، محمد تقی علی خاں، محمد جعفر علی خاں،
محمد صادق علی خاں اور محمد حسین کے اتالیق مقرر ہوئے، اور پھر نواب محمد مختار حسین بہادر پسر
نواب محمد تقی علی خاں بہادر کے زمانے میں ان کے میر منشی مقرر ہوئے، نواب صاحب بہادر
مذکور کی وفات پر وہ پنشن پر ریٹائر ہو گئے، ایک مہینے کی پنشن بھی نہ لی تھی کہ ان کا
انتقال ہو گیا۔ (ص ـ ۵)

حافظ عبدالعزیز خاں کے جد اعلیٰ ملک شہاب خاں افغانی النسل یوسف زئی عمر خیل سے تعلق رکھتے
تھے، افغانوں میں یہ قبیلہ نہایت معزز و مکرم شمار کیا جاتا ہے، شاہ افغانستان اور والیٔ ریاست سوات
وغیرہ یوسف زئی افغان ہیں ــــــ خان ملک شہاب خاں علاقہ سوات و بنیر کے رہنے والے تھے جو
اس وقت حدود کابل میں شمار ہوتا تھا، خان موصوف کے چار صاحبزادے محمد حیات خاں، غلام رسول خاں
ملک عالم خاں اور عبدالرسول خاں، ہندوستان آئے اور قصبہ و تحصیل آنولہ (ضلع بانس بریلی ـ بھارت) میں
مستقل سکونت اختیار کی، کچھ عرصہ بعد محمد حیات خاں کے علاوہ تینوں بھائی آنولہ سے جھجر آکر آباد ہو گئے
ان بھائیوں کی اولاد خاندان حافظان کے نام سے یاد کی جاتی ہے، ان کی زیادہ تر آبادی محلہ غازی خاں
شہر جھجر میں تھی۔

خان ملک شہاب خاں کے فرزند عبدالرسول خاں کے صاحبزادے نور محمد خاں اور ان کے
صاحبزادے عبدالوہاب خاں کے فرزند ارجمند حافظ عبدالعزیز خاں تھے، حافظ صاحب کا خاندان انقلاب
۱۸۵۷ء سے پہلے بڑا معزز اور متمول خاندان تھا چنانچہ عبدالرشید خاں لائق موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"یہ ہیچمدان شہر جھجر ضلع رہتک کے ایسے خاندان کا فرد ہے کہ جس کے علم و فضل کا
شہرہ خاص شہر ہی میں نہیں بلکہ اطراف و اکناف میں شہرت لئے ہوئے تھا، اس گھرانے کا
ہر ایک مرد اور عورت صاحب علم ہونے کے باوجود حافظ قرآن بھی تھا[۱]، اسی وجہ سے یہ
گھرانا خاندان حافظاں کے نام سے مشہور ہے ــــــ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ گزرا وہ

---

[۱] حفظ قرآن کریم کا یہ سلسلہ اب بھی موجود ہے، یہ فیض حضرت کی اولاد امجاد میں حضرت کی ننھیال سے
پہنچا ہے، حضرت قبلہؒ خود حافظ قرآن تھے، تین صاحبزادے بفضلہ تعالیٰ حافظ ہیں پھر ماشاء اللہ چار پوتے
بھی حافظ قرآن ہیں، علوم جدیدہ اور علوم عربیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علم تجوید و قرأت پر عبور رکھتے ہیں،
حضرتؒ کے فیضان روحانی کا اعجاز ہے۔

بزرگ خوب ہی جانتے ہیں جن پر گزری لیکن اس خاندان پر یہ اثر پڑا کہ ۳۰۰۰ (تین ہزار) بیگہ اراضی علاوہ سکنی جائداد اور عہدۂ قضا سے ہاتھ دھونے پڑے اور بادلِ ناخواستہ معاش کیلئے ملازمت اختیار کرلی پڑی۔" (ص-۴)

تحصیلِ علم

حضرت قبلہؒ نے اسی زمانے میں جب کہ عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ کی کفالت میں تھے، حافظ حبیب اللہ مرحوم سے قرآن کریم حفظ فرمایا اور اسی کے ساتھ فن تجوید و قرأت میں کمال حاصل کیا، حضرتؒ کی آواز اتنی شیریں اور دل نشیں تھی کہ تیرونشتر بن کر جگر کے پار ہوتی تھی، سامعین پر رقت کا عالم طاری ہوتا ؎

دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی　　　دونوں کو ایک ادا میں رضامند کر گئی

کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں ایک انجینیر صاحب سے اقم کی ملاقات ہوئی جو کسی زمانے میں حضرتؒ کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے، برسوں گزر گئے تھے مگر وہ آواز بھلائے نہ بھولی، جب حضرت کا ذکر آیا تو بیساختہ پکار اُٹھے "Golden Voice Golden Voice"۔ اس نوائے شیریں کی ترجمانی اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ مولانائے ممدوح کا سلسلۂ حدیث تین واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے، ان کے علاوہ مولانا عبدالکریم صاحب اور مولوی عبدالرشید صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی استفادہ کیا، تکمیل درسیات کے بعد ذاتی مطالعہ سے معقولات و منقولات میں وہ تبحر حاصل کیا کہ بایدوشاید، تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے عہد کے معتدر علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا — حضرت قبلہؒ مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں مثلاً تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، ادب، علم توقیت، علم الفرائض، صرف و نحو، خطاطی وغیرہ وغیرہ۔

بیعت

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) نے اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعودؒ

لہ حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ کا پایہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں اس قدر بلند تھا جہاں علماء و عرفاء زمانہ کی نگاہوں کا پہنچنا متعذر تھا، صاحب نسبت قویہ ایسے کہ جس پر نظر ڈالدی اس کو پروانۂ ذاتِ احدیت بنادیا، آپ کے (بقیہ ص۱۵۴ پر)

کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) کو مکان شریف سے اور تحریر فرمایا کہ

"نہیں معلوم اس سال فقیر کی عمر وفا کرے یا نہ کرے، آپ دہلی سے مولوی محمد مظہر اللہ سلمہٗ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت قبلہؒ اپنی نانی مرحومہ کے زیر کفالت تھے، اور وہ کسی قیمت پر بھی جدائی گوارہ نہ کر سکتی تھیں، کیوں کہ حضرت کی عمر شریف صرف تیرہ سال تھی، چناں چہ حضرت صاحبؒ بالا ہی بالا اپنے ساتھ لے کر مکان شریف پہنچے، یہاں حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ کو اپنے دست مبارک پر بیعت فرمایا، اور قلب مبارک پر توجہ ڈالی تو آپ بیہوش ہو گئے، کافی دیر بعد افاقہ ہوا، روحانی تربیت کا آغاز ہو رہا تھا اور مسِ خام کو کندن بنایا جا رہا تھا۔ ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

اس نو عمری کے زمانے میں حضرت قبلہؒ فیضان الٰہی سے نوازے گئے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔ چوں کہ بیعت کے دوسرے ہی سال شیخ طریقت علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا اس لئے حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منازل سلوک کی تکمیل کرائی، اور سچ یہ ہے کہ تربیت کا حق ادا کر دیا، حضرت کی ذات گرامی ایک طرف حضرت صادق علی شاہؒ نگاہِ معجز اثر کا اعجاز تھی، تو دوسری طرف حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ کی صحبت کیمیا اثر کی زندہ کرامت۔

علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی نے حضرت قبلہؒ کی بیعت و تربیت کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

آپ کو اگرچہ بیعت سلطان العارفین، برہان الواصلین، صاحب اشرف الملی، قطب عالم حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ سے حاصل ہے لیکن چوں کہ ایک سال ہی کے بعد حضرت سید صاحب وصال فرما گئے تھے اس لئے آپ کی آخر میں تکمیل حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ہوئی، اور حضرت صاحبؒ ہی نے آپ کو تینوں سلاسل کا مجاز فرما کر رونق آستانۂ شیخ بنایا اور تحریری اجازت مع صافہ عطا فرما کر مسند رشد و ہدایت پر متمکن فرمایا۔ الحمد للہ آپ مسند ہدایت پر متمکن ہیں، فیضانِ

(بقیہ حواشی ص۱۵۳) بعض فضائل و مناقب کا تذکرہ رسالہ ذکر مبارک میں ملے گا جو عنقریب طبع ہو کر شائع ہونے والا ہے۔ اس کا پہلا حصہ جس میں آپ کے اوراد کا ذکر ہے طبع ہو چکا ہے۔" (مصباح السالکین، ص ۵۰)

الٰہی سے لوگ مستفیض ہو رہے ہیں، اس کے علاوہ افتائے آبائی بھی آپ سے آباد ہے اور آپ کے جد امجد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منصب امامت بھی آپ ہی کو تفویض فرمایا، چناں چہ اس وقت حضرت کی جگہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری بھی آپ ہی ہیں، حق تعالیٰ ان فیوضات ظاہری اور باطنی کے ساتھ آپ کو سلامت باکرامت رکھے۔ (ص - ۵۰)

اگرچہ چودہ سال کی عمر سے لیکر عنفوان شباب تک حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت فرمائی لیکن چوں کہ حضرت ممدوح آپ کے جد امجد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس روحانی نسبت کی وجہ سے حضرت قبلہؒ کا کمال ادب احترام فرماتے تھے، اور حضرتؒ نے بھی احترام کا حق ادا کر دیا اسی نسبت سے آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمود صاحب کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے، ان دونوں حضرات علیہما الرحمہ کے باہمی ادب احترام کو دیکھ کر حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے باہمی عزت و تکریم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جس کا ذکر خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے زبدۃ المقامات میں کیا ہے۔

شیخ طریقت حضرت صادق علی شاہؒ کے گھرانے میں جس قدر و منزلت کی نگاہ سے حضرتؒ کو دیکھا جاتا ہے اس کا اندازہ اس مکتوب شریف سے لگایا جا سکتا ہے جو ۱۹۶۱ء میں آپ کے پیرزادے حضرت علامہ مولانا منظور احمد دامت برکاتہم العالی نے ساہیوال سے لاہور ارسال فرمایا تھا جب کہ آپ پہلی بار پاکستان تشریف لائے تھے، یہ صحیفہ گرامی چوں کہ شان ادبیت اور نسبت خاص کی وجہ سے قابل مطالعہ ہے اس لئے ضروری اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

مکتوب حضرت مولانا منظور احمد صاحب

نور حدقة الشريعة، نور حديقة الطريقة، لازالت شموس افاضته ساطعة وانهار افاداته زاهرة، تحية من عند الله مباركة طيبة

چہ لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت — حقوق خدمت ما عرض کرد بر کرمت
بنوک خامہ رقم کردۂ سلام را — کہ کارخانۂ دوراں مبادبے رقمت
نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد — کہ در حساب خرد نیست سہو بر قلمت
زحال ما دولت آگہ شود مگر و قتے
کہ لالہ بر دمد از خاک کشتگان غمت

اپنے جاناء اور سقوط مکان شریف کو چودہ برس بیت گئے، مگر اس جنت در آغوش فضا کا تصور، ویرانۂ دل میں آج بھی کعبۂ شوق تعمیر کر رہا ہے، ایک ایسی فضا جو دلوں کا سرور اور آنکھوں کا نور تھی!

آں سینیست کہ سر منزل جاناں بود ست ‫ ‫ مطرح نور رخ آں مہ تاباں بود ست

آں سینیست کہ ہر شیب و فرازے کہ در وست ‫ ‫ جائے آمد شد آں سرو خراماں بود ست

آں سینیست کہ ہر جا خس و خارے بینی

پیش ازیں جایش گل و ریحاں بود ست

اس مدت میں شاذ ہی کوئی لمحہ گزرا ہو کہ یاد مکان شریف نے بغیر آپ کی یاد کے قلب ناشاد کو شاد کیا ہو :-

اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو ‫ ‫ کاے سر ناحق شناساں گوئے چوگان شما

گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست ‫ ‫ بندۂ شاہ شمائیم و ثناخوان شما

نواح دلی سے جب کوئی ادھر آتا ہے تو آرزو سماع مجسم بن جاتی ہے ؎

بجستجوئے خبر جانم از دریچۂ گوش

زماں زماں بسر راہ کارواں آید

محمد عمر صاحب مکے آنے سے پہلے مولانا صاحب زادہ مظفر احمد صاحب سے کراچی میں دو دفعہ ملاقات ہوئی، جنوری ۱۹۵۲ء اور جون ۱۹۵۹ء میں ——— جنوری ۱۹۵۲ء میں تو ایک اور صاحب بھی ملے تھے، ملے گھر لے گئے اور مہر و وفا کی ساری بے تکلفیوں کے ساتھ خوانِ نعمت سجا سجا کر قسما قسم کے پر تکلف کھانے کھلائے، پھر نامۂ نضارت فزا کی زیارت کرائی، جو اُن ہی دنوں ان کے نام شرف آور ہوا ؏

دواں گرفتم و بوسیدم و نمودم باز

نام یاد نہیں کام صرف لئے کا کرتے تھے ؏ ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش -

پھر اگست ۱۹۵۹ء میں مولانا حضرت محمود صاحب یہاں تشریف لائے، اچانک آئے صرف ایک رات ٹھہرے اور چلے گئے ؎

چنداں نہ نشستی کہ شود غنچۂ دل باز ‫ ‫ چوں بوئے گل و باد صبا آمدہ رفتی

ما ناکہ اس آنے جانے میں بوئے گل و باد صبا کی سی کیفیت تھی، مگر مشام جاں کو عطا ہونے

والی کھتیں تو روح و ریحاں و جنت نعیم کی کیفیت لئے ہوئے تھیں ؎

قلیل منك یکفینی ولاکن   قلیلك لایقال لہٗ قلیل

بوئے گل بھی تو گل ہی کا لطف عام ہے اس لئے صفات اور افعال صفات، ذات ہی کے مظاہر ہیں ع

ترا ہی عکس ہے ان اجنبی بہاروں میں

بلکہ ان گلوں کی رنگ برنگ خوش طراز قبائیں اور سیمیں بدن غنچوں میں رچی بسی خوشبوئیں سب اسی سدا بہار گل خنداں کے حسن کی زکوٰۃ ہیں ؎

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد   کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

دیکھئے شوق جنوں مزاج کی دل فریبیوں نے بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا ؎

چلی ہی آتی ہیں شوق میں یاں زباں پہ بے اختیار باتیں
سکوت نخوت بھی مسکرا دے سنے جو دیوانہ وار باتیں

ذکر تو مولانا محمود صاحب کی آمد کا تھا، مولانا کے ہمراہ وہم نشیں چند ایسے مردان خدا تھے جو اذا رأوا ذکر اللہ کے مصداق اور التصوف کلہ ادب کے پیکر، سبحان اللہ کیوں نہ ہوں حضرت مولانا رکن الدین سے نسبت رکھتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ ؎

آں قدوۂ زمانہ وآں زبدۂ جہاں   آں شبلی زماں و جنید زمانیاں
آں صدر چار بالش ایوان اصفیا   واں شمع جاں فروز شبستان اتقیا

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل صاحب المسک وکیر الحداد، لا یعدمك من صاحب المسك اما ان تشتریه او تجد ریحه وکیر الحداد یحرق بدنك او ثوبك او تجد منه ریحا خبیثة

صحبت نیکاں بہ از کار نیک   صحبت بداں بدتر از کار بد

ان میں سے بعض ۱۳ شوال کو عرس پر بھی یہاں آئے تھے، عرس اب بھی ہوتا ہے، اہل نسبت شرکت کرتے ہیں اور علی قدر مراتب بہرہ اندوز ہوتے ہیں مگر ان انوار و برکات خاصہ کا جو روضۂ مطہرہ کی خاک پاک میں ودیعت ہیں، کہاں سے لائیں ؟

واں سے جل تک بے شر فراغت ہوئی نصیب   آسودگی کی جان اسی انجمن میں تھی

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی ٭ جو روشنی کہ شام سواد وطن میں تھی

آپ نے تحریر فرمایا عرس مکان شریف میں ہو تو بہتر ہے، واقعی بہتر ہے مگر بظاہر اس کی کوئی صورت نہیں :-

پایم بگل ز حسرت گشت کنار جو ٭ خارم بدل ز یاد ہم آہنگی ہزار
از خون دیدہ ہر مژہ ام شاخ ارغوان ٭ وز سوز سینہ در نفسم تاب لالہ زار

نارووال سے شکر گڑھ جاتے ہوئے ریل گاڑی جب جسڑ اسٹیشن پر رکتی ہے تو دریائے راوی کے اس پار، روضہ مطہرہ کا رفیع الشان گنبد، مسجد کے اونچے اونچے مینار اور سوختہ پیکر محل کے اداس اداس سقف و بام، ہم میں سے ہر ایک کو بلاتے ہیں لیکن ہم اپنی محرومیوں کا مداوا کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں :-

یکے بلبل بے پر و بال باشم ٭ کہ محرومی از طوف گل زار دارم
دریں خستہ آباد نے جائے ماندن ٭ نہ نیروئے رفتار یک گام دارم

ذکر مبارک جلد دوم جس کی طباعت کی آپ کو فکر ہے وہ اب کہاں؟ اصل مسودہ ہی ۱۹۴۷ء کی زد و خورد میں تلف ہو گیا تھا، نہ صرف وہی ـــ آیات القیومیہ بھی جو معارف حقائق کا خزینہ، تاریخ مکان شریف کی اصل اور ذکر مبارک کی ماخذ تھی، دونوں مخطوطے ـــ ذکر مبارک کے مصنف قاضی قائم الدین کے پاس امرتسر میں تھے، وہ ترک وطن کے وقت شب خوابی کے لباس میں تھے، انہیں اتنی فرصت نہ ملی کہ اس عزیز از جاں سرمایہ کو حرز جاں بنا لیتے، سر و پا برہنہ چل کھڑے ہوئے یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ۔

لاہور پہنچنے پر کسی کو لکھا کہ گھر جا کر دونوں کتابیں تلاش کر کے بھیج دو، اس نے مدت کے بعد لکھا کہ اس قسم کی تمام چیزیں اگنی دیوی کی بھینٹ چڑھا دی گئی تھیں ؎

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں ٭ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

ذکر مبارک کی دوسری جلد کا آغاز حضرت قیوم العالم سید امام علی قدس سرہ کی حیات طیبہ سے ہوا تھا جو دو صد صفحات پر مشتمل تھا پھر حضرت اقدس سید صادق علی رحمۃ اللہ علیہ کے مآثر کا مذکور تھا، جو مزید ڈیڑھ سو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا، قاضی صاحب

نے یہ حصہ کتاب بڑی کاوش سے تالیف کیا، پہلی جلد کی طباعت پر جیسا کہ انہیں بعض ، فروگزاشتوں کی نشان دہی کرائی گئی، تو وہ محتاط ہو گئے اور جلد ثانی کی تدوین کے وقت یکسو ہو کر اس کام میں لگ گئے ، وہ امرتسر سے ہر ہفتہ مکان شریف پہنچتے ، تین روز ٹھہرتے اور درویش دل ریش کے پاس بیٹھ کر آیات القیومیہ اور دوسری ثقہ تحریری شہادتوں کی روشنی میں مبیضہ تیار کرتے ، یہ کام عین زمانۂ آشوب میں تین مہینوں کے اندر انہوں نے سرانجام دیا تھا ، جب کتاب مکمل ہو گئی تو اواخر جولائی ۱۹۴۷ء کو رمضان سے چند روز پہلے آخری مرتبہ آیات القیومیہ کا نسخہ بھی ساتھ لے گئے کہ نظر ثانی پوری احتیاط کے ساتھ ہو سکے ۔

آیات القیومیہ جیسا کہ آپ کو علم ہے حضرت قیوم العالم کے سلسلۂ طریقت ، طریق ارشاد ، حالات خلفاء و مسترشدین کی کیفیات خاصہ کا پر مغز تاریخی اور عرفانی جائزہ تھا جسے حضرت مبرور کے خلیفۂ اکمل اور فاضل اجل سید محمد علی شہدی دھرم کوٹی نے شستہ و رفتہ فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا ، سید صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں کم و بیش تیس برس ملازم استفادہ رہے ، یہاں تک کہ پس از وفات بھی روضہ کے باہر جنوب رویہ آپ کے قدموں میں ہی آسودۂ خواب ہیں ؎

یہی آرزو ہے کہ جان جاں جو مروں تو تیرا ہی نام لوں
ترے کوچہ میں نہ سہی مگر تری رہ گزر میں مزار ہو

قاضی قیام الدین امرتسر سے لاہور پہنچ کر صرف اکتوبر ۱۹۴۹ء تک جئے اور تادم آخر اس لٹی ہوئی دولت کی بازیابی میں ساعی رہے اور جب ملتے یہی کہتے کہ جوں ہی سر چھپانے کو جگہ مل گئی لوح و قلم لے کر بیٹھ جاؤں گا ۔

تجری الریاح بما لا تشتھی السّفن اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ دارًا خیرًا من دارہ ؎

اے ہم نفسانِ محفلِ ما ۔ ۔ رفتید ولے نہ از دل ما

ناسازیٔ مزاج کی خبر موجب اضطراب ہے خدا کرے کہ اب رو باعتدال ہو ؎

بقیت بقاء الدھر یا کھف اھلہ ۔ ۔ وھذا دعاءٌ للبریّۃ شاملٌ

دیدہ و دل نہ صرف دونوں بلکہ نیستی ہست نما کا ہر جزو اپنی اپنی آرزومندی بزبانِ

قلم عرض کر رہا ہے ؎

یس الفواد محل شوقك وحدهٗ کل الجوارح فی ھواك فوٰادهٗ

امانی! یہ جذبہ گستاخ ہر چند کہ مستوجب لن ترانی ہے اس لئے کہ ؎

دیدن روئے ترا دیدۂ جاں می باید وین کجا مرتبہ چشم جہاں بین من است

مگر بعض تبرکات کی زیارت کا داعیہ اگر باعث عزم سفر بن جائے تو عاصیوں کی جنت نگہی کا ساماں از خود ہو جائے گا ؎

تسخیر چشم شوق انہیں ڈھونڈتی رہی وہ عمر بھر جو دل میں مرے میہماں رہے

فقیر حقیر منظور احمد کہ بندۂ درویشان است واز سر دیدہ خاک قدم ایشان۔

۹ر صفر المظفر ۱۳۸۱ھ

۱۲۰۔ سول لائنز، منٹگمری

بلمس الصالح فیض ینابیع حضرت مخدومی مولانا المفتی اعظم الحاج محمد مظہر اللہ صاحب امام جامع فتحپوری، دہلی۔ مقرون احسن قبول و تلقی باد

شوم خود قائد و خود قاصد خویش

سید منظور احمد

امامت وخطابت

۱۰ر رجب المرجب ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وصال فرمایا، آپ کے وصال کے بعد مسجد جامع فتحپوری کی امامت وخطابت کے فرائض آپ کے دوسرے فرزند حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کر دیئے گئے کیونکہ فرزند اکبر حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی حیات ہی میں وصال فرما چکے تھے، ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء میں مولانا احمد سعید زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، الحمد مبارک سفر میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا ؎

آستاں پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو پھر تو اے جان جہاں تو بھی تماشائی ہو

شاید یہی آرزو لے کر گئے تھے جو پوری ہوئی ع آرزو دارم کہ میرم در حجاز۔

محبت کا تقاضا یہی ہے کہ در محبوب پہ جان نچھاور کر دی جائے، عشاق کی عید یہی ہے ع

مسجد جامع فتحپوری کے اندرونی مناظر
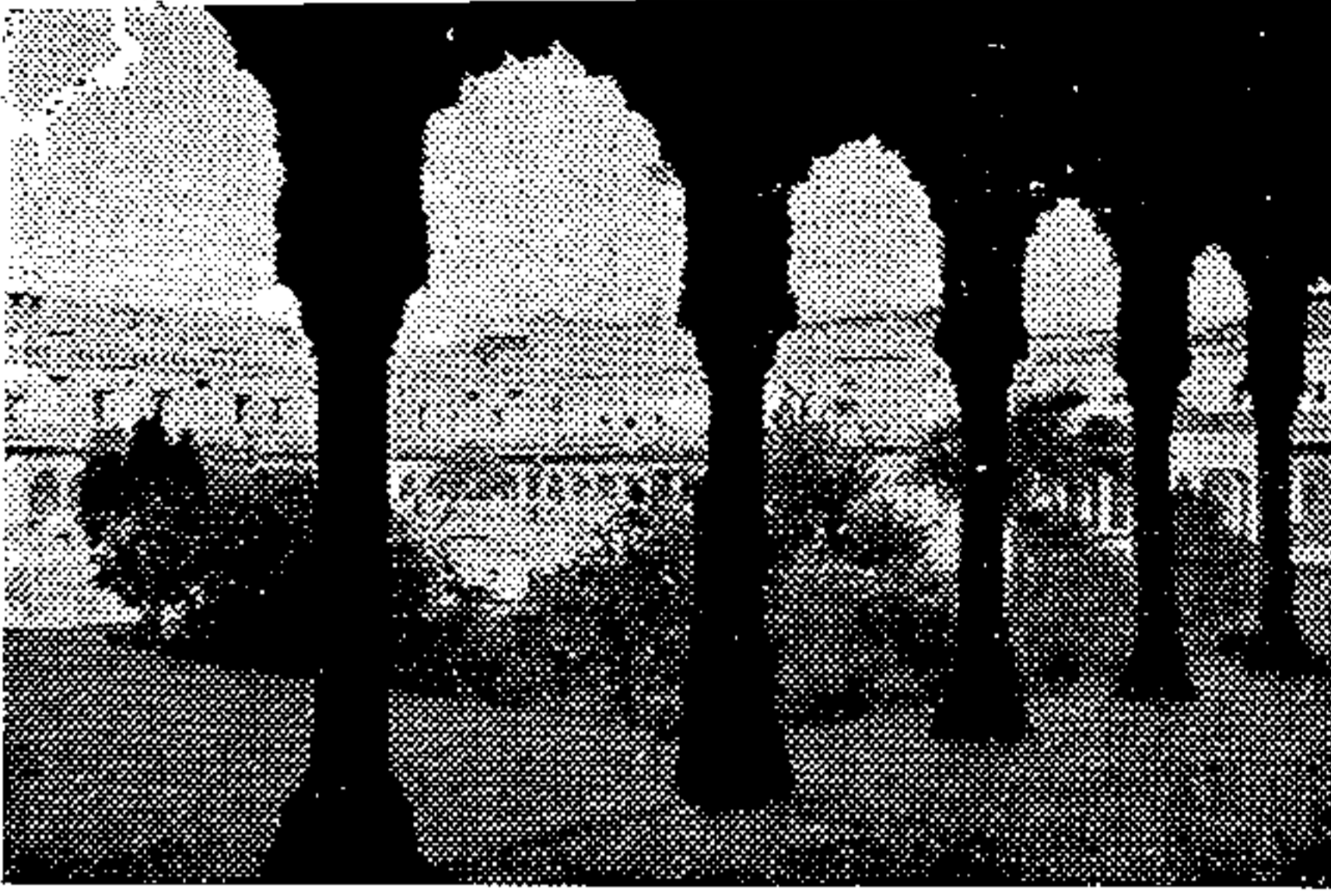
جنوبی دالان سے شمال مشرقی سمت کا ایک منظر - پس منظر میں داهنی طرف وه درگاه بهی نظر آرهی هے جہاں حضرت شاه محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا مزار مبارک زیارت‌گاه خلائق هے

→
جنوبی دالان سے شمال مغربی سمت کا ایک منظر - مسجد کے بڑے دالان ، محراب و مکبر وغیره صاف نظر آرهے هیں
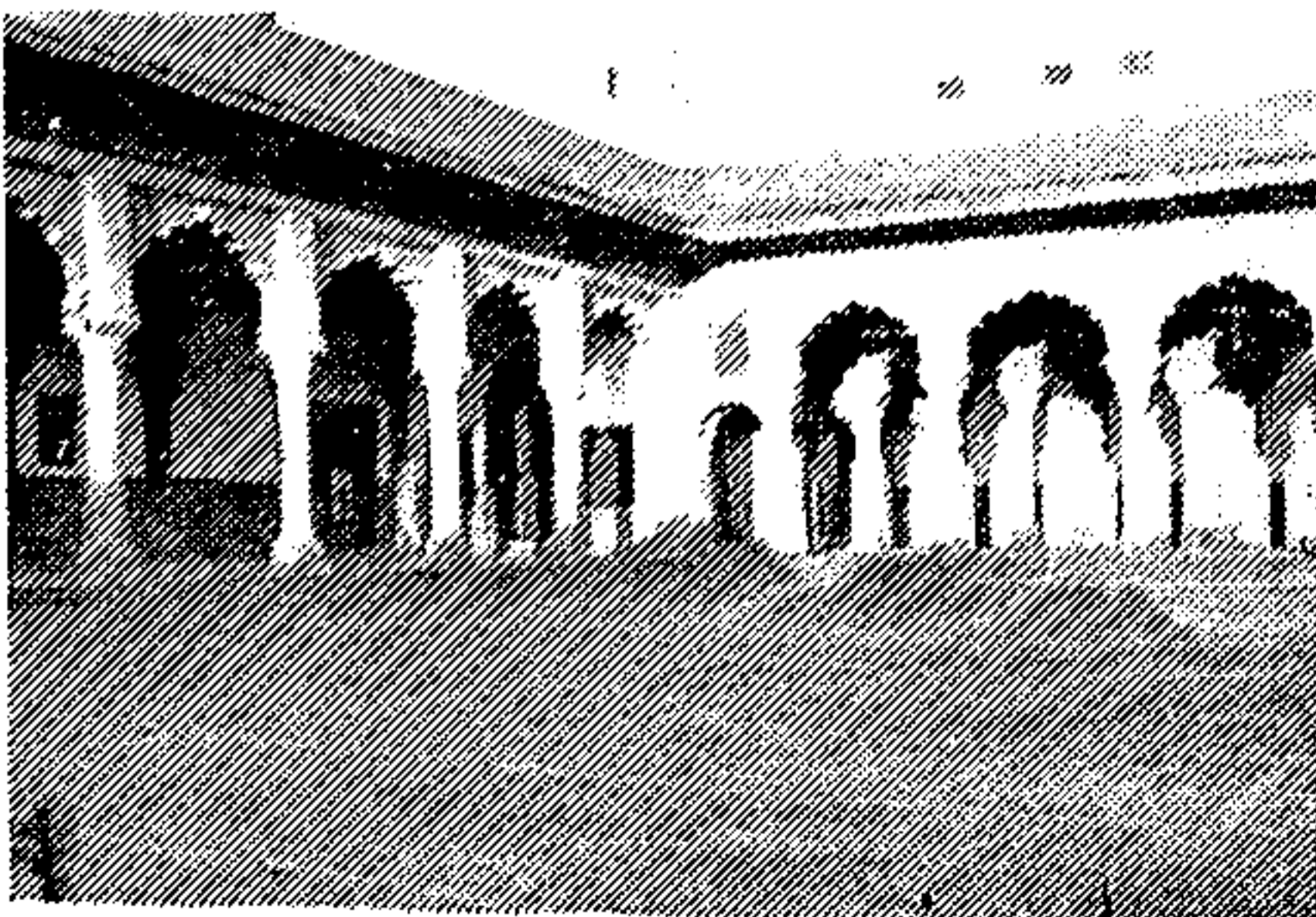
←
جنوب مغربی سمت چهوٹے دالانوں کا ایک منظر - وسط میں حضرت شاه محمد مظہر اللہ قدس سره کا حجره شریف اور کتب خانے کے دروازے بهی نظر آرهے هیں جہاں تقریبا نصف صدی حضرت رح کا علمی اور روحانی فیض جاری رها

خندخنداں جاں نثار راہ جاناں داشتن

حضرت مولانا احمد سعیدؒ کی خبر وصال احباب کے لئے برق ناگاہ ثابت ہوئی، اعلیٰ حضرتؒ کے وصال کا غم کچھ کم نہ تھا کہ دوسرے ہی سال یہ حادثۂ جاں پیش آیا، مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا، اعلیٰ حضرتؒ کے تیسرے فرزند حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا مگر چونکہ موصوف منکسر المزاج تھے اور ظاہری وجاہت سے طبعاً اعراض فرماتے تھے، اس لئے اس منصب جلیلہ کو منظور نہ فرمایا۔ چناں چہ اعلیٰ حضرتؒ کے چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء) کو فرائض امامت وخطابت تفویض کئے گئے ——

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ قدس سرہ کیلئے جانشینی کی وصیت فرمائی تھی لیکن چوں کہ حضرت قبلہ نو عمر تھے اس لئے حضرت مولانا احمد سعید اور حضرت عبدالرشید علیہما الرحمہ نے بالترتیب فرائض امامت وخطابت انجام دیئے، جب حضرت سن بلوغ کو پہنچے اور علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ وپیراستہ ہو گئے تو حضرت مولانا عبدالرشید صاحب سبکدوش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، اور حضرت قبلہ قدس سرہ مسند ارشاد و امامت پر متمکن ہوئے ——— اور بفضلہ تعالیٰ ساٹھ ستر سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے، مسند مسعودیہ کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ وہ فروغ بخشا کہ باید وشاید۔

عقد مسنونہ حضرت قبلہ قدس سرہ کی پہلی شادی ۱۳۲۱ھ کے لگ بھگ خاندان سادات کی چشم وچراغ مخدومہ النور جہاں بیگم (علیہا الرحمہ) سے انیس سال کی عمر میں ہوئی[1] موصوفہ سے حضرت کے ہاں دو صاحبزادے حضرت مولانا مظفر احمد صاحب، حضرت مولانا مشرف احمد صاحب اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں جو بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں، ۱۳۲۴ھ کے قریب پہلی اہلیہ کا وصال،

---

[1] حضرت قبلہؒ نے اپنے معتقد خاص محترم سلطان احمد صاحب جاپان والوں سے فرمایا کہ جب پہلی شادی ہوئی تو نذرانۂ امامت وخطابت صرف بیس روپے ملتا تھا، چناں چہ شادی کیلئے عبدالغنی مرحوم (مجسٹریٹ) سے پچاس روپے قرض لئے اور بڑی کفایت شعاری کے ساتھ خرچ پورا کیا بعد میں یہ رقم ادا کر دی گئی، یہ ۱۹۰۳ء کی بات ہے۔ بعض اعزہ کی جفاشعاریوں کی وجہ سے یہ وقت سخت گزرا، حضرت کو وراثتاً جائداد و زمینات وغیرہ میں حق پہنچتا تھا مگر فطری بے نیازی کی وجہ سے ہمیشہ ان امور سے الگ تھلگ رہے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذت آشنائی

حضرت کا عقد مسنونہ سادگی کے لحاظ سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عقد مسنونہ کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

ہوگیا تو دو ڈھائی سال بعد تقریباً ۱۳۲۷ھ میں خاندان مغلیہ کی چشم و چراغ نور جہاں بیگم (علیہا الرحمہ) سے نکاح کیا، موصوفہ سے صرف دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں، جو بفضلہ موجود ہیں، حضرت قبلہؒ کی یہ دوسری اہلیہ علمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، موصوفہ کے والد کا اسم گرامی ولی اللہ بیگ تھا جو مولانا نثار اللہؒ کے صاحبزادے اور علامہ مفتی عبدالرزاقؒ کے پوتے تھے، علامہ موصوف کے بھائی علامہ مفتی عبدالخالق رحمتہ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی ام صفیۃ النساء، شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلویؒ سے منسوب تھیں

حضرت قبلہ کی دوسری اہلیہ تقریباً ۱۳۳۱ھ کے قریب وفات پاگئیں، ان کے وصال کے بعد حضرت قبلہ نے خاندان سادات کی چشم و چراغ مخدومہ عائشہ بیگم (علیہا الرحمہ) سے عقد کیا، موصوفہ سے ۵ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں تولد ہوئیں، جن میں سے تین صاحبزادے حضرت مولانا محمد احمد صاحب راقم السطور، اور ڈاکٹر سعید احمد اور تین صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، تیسری اہلیہ ۱۹۴۷ء میں وصال فرماگئیں، اس کے بعد حضرت نے شادی نہیں کی اور حیات مبارکہ کے آخری انیس ۱۹ سال مخلوق سے قطع تعلق کرتے ہوئے عبادت و ریاضت میں گزار دیئے۔

دوسرا باب

اتباع شریعت

اتباعِ شریعت

حضرت قبلہ قدس سرہ کی حیاتِ طیبہ پر عشقِ الٰہی اور محبتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محیط تھی، خلوتوں اور جلوتوں میں اسی کی جلوہ گری تھی، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو نورِ عشق سے منور نہ ہو ؎

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق　　کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر　　کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

عشق ہی وہ نقطۂ معروج ہے جہاں پہنچ کر سیرتیں چمکا کرتی ہیں، جہاں سب کچھ کھو کر وہ دولت ملتی ہے جس کو کبھی زوال نہیں یہ من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں —— یہی وہ مقصد عظیم ہے جس کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے :-

مقصدے مثل سحر تابندۂ　　ماسوائے را آتش سوزندۂ
مقصدے از آسماں بالاترے　　دلربائے، دل ستانے، دلبرے
باطلِ دیرینہ را غارت گرے　　فتنہ در جیبے سراپا محشرے
طبع مسلم از محبت قاہر است　　مسلم ار عاشق نباشد کافر است

یہی وہ عشق ہے جو شخصیت کو قرآن وحدیث کے سانچوں میں ڈھال دیتا ہے اور پھر اس کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، بولنا چالنا، ہنسنا رونا —— تابع شریعت ہو جاتا ہے ؎

تابع حق دیدنش نادیدنش　　خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش

اس عشق و محبت میں حضرت قبلہ قدس سرہ کی سیرتِ مبارکہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے گلہائے رنگ برنگ سے آراستہ و پیراستہ ہے بلکہ جیتا جاگتا قرآن ہے ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن　　قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

پچھلے باب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یتیمی و یسیری اور تدریجی کفالت یہ وہ سنتیں تھیں جن کی تکمیل خود حق تبارک و تعالیٰ نے کرائی، لیکن جب نظر حسن قامت کی طرف جاتی ہے تو وہاں بھی قامت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آتی ہے :-

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم احسن الناس وجهًا واحسن خلقًا ليس بالطويل الذاهب ولا بالقصير　(خطبات نبوی، ص ۲۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوبصورت ترین اور پیکر نازنین حسین ترین تھا، نہ دراز قامت اور نہ کوتاہ قد۔

جن حضرات نے حضرت قبلہ" کا سراپا دیکھا ہے ان کو معلوم ہے کہ حضرت حسن صورت اور حسن قامت میں فیض یافتۂ مصطفٰے تھے صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت کا حسن خرام آئینہ دار قرآن تھا :-

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ (پارہ ۲۱ - سورۃ لقمان)

"اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو"

یہاں فراعین عالم کی اکڑ نہ تھی، کہ یہ مغرورانہ ادا محبوب کی نظر میں مردود ہے :-

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (پارہ ۲۱ - لقمان)

"زمین پر اکڑ کر مت چل، اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا"

جب اس تعالٰی کے محبوب زمین پر چلتے ہیں تو اس انداز کے ساتھ کہ خود محبوب حقیقی دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتا ہے اور اس ادائے خاص کا اس انداز سے ذکر فرماتا ہے :-

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

"اور خدا کے بندے تو وہ ہیں کہ جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور (پارہ ۱۹ - الفرقان) جب جاہل ان سے (جہالت) کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے (الگ ہو جائیں)"

حسن صوت کا عالم بھی یہی تھا، یہاں جدید تہذیب کے متوالوں کا دھاڑیں مارنے والا انداز نہ تھا بلکہ متین و سنجیدہ جس سے دانش و حکمت کی بو آتی تھی، :-

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (پارہ ۲۱ - لقمان)

"آہستہ بولو کیوں کہ آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہوتی ہے"۔

تیز آواز سے گفتگو کرنا مولٰی تعالٰی کے نزدیک حماقت و نادانی کی دلیل ہے، اسی لئے محبوبان خدا کی ادائے دل نوازی یہی ہے کہ وہ ع نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرہ)

"ہر انسان سے اچھی اور نرم گفتگو کرو"

یہ آداب تو معاشرے کے عام افراد کیلئے ہیں، لیکن اہل دل کے حضور حاضری ہو تو پھر ادب و احترام کا اور عالم ہوتا ہے :-

وَلَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الخ

"اپنی آوازیں نبی کریم کی آواز سے بلند نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ (اس بے ادبی سے)
تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔"

یہی قرآنی آداب ہیں جو اس پیکر قدسی کی سیرت میں جھلکتے نظر آتے ہیں، جس نے اپنی وجود کو عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا کر دیا تھا۔

حضرت قبلہؒ کی شرم و حیا میں حیاء مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے تھے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذراء فی خدرھا وکان اذا کرہ شیئا عرفناہ فی وجھہ۔ (خطبات نبوی۔ص۔۳۵۰)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری دوشیزہ جو اپنے گوشۂ نقاب میں محجوب ہو اس سے بھی زیادہ شدید حیادار تھے اور جب آپ کسی چیز کو ناپسند و ناگوار فرماتے تو ہم آپ کے چہرے سے پہچان لیتے۔"

جن حضرات نے حضرت قبلہؒ کی زیارت کی ہے ان کو معلوم ہے کہ مجالس و محافل میں حضرت حیاء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دار تھے، ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے، کراچی کے زمانۂ قیام میں جامع میمن مسجد میں نماز جمعہ کیلئے تشریف لے گئے، ہزاروں انسان دیدار کیلئے بے چین تھے، چناں چہ دیدار عام کیلئے حضرت ممبر پہ تشریف فرما ہوئے، بڑا دل نواز منظر تھا بجائے عجب و غرور کے چہرۂ انور سے شرم و حیاء ٹپک رہی تھی اور نور کے فوارے پھوٹ رہے تھے، دیکھنے والی آنکھیں اس دل نشیں منظر کو کبھی نہ بھلا سکیں گی۔

یہ بھی مولی تعالیٰ کا کرم خاص تھا کہ ابھی ہوش سنبھالا ہی تھا کہ قلب مبارک پر انوار الٰہیہ کی بارش ہونے لگی اور بیعت سے نواز اگیا، روش زمانہ ہے کہ 'زیرکی' کی منزل سے 'حیرانی' کی منزل کی طرف جاتے ہیں مگر حضرتؒ نے روز اوّل ہی 'حیرانی' کی منزل کو طے کر لیا ؎

زیرکی بفروش و حیرانی بخر — زیرکی ظن است، حیرانی نظر

اور یہ 'حیرانی' صحبت اہل اللہ میں ملتی ہے ؎

بندۂ یک مرد روشن دل شوی — بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی

حضرت صادق علی شاہؒ نے ایک ہی نگاہ سے دل کا فیصلہ کر دیا ع فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
اور حضرت مولانا رکن الدینؒ کی تربیت خاص نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

جو علم 'حیرانی' کے بعد حاصل کیا گیا ہو، اس کی بات ہی کچھ اور ہے، وہ مار آستین نہیں، یار غار ہے۔

علم را بر تن زنی مارے بود ٭ علم را بر دل زنی یارے بود

اور علم کی یہ رفاقت خاصہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص ہے جس کو یہ مل گئی اس کو بہت کچھ مل گیا :-

یُؤتی الحکمۃ من یشاء، فمن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب

"جس کو چاہتا ہے بات کی سمجھ دیتا ہے اور جس کو بات کی سمجھ دی گئی تو (پارہ ۳-البقرہ)
بے شک اس نے بڑی دولت پائی، اور نصیحت وہی ملتے ہیں جو سمجھدار ہیں" ؎

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد ٭ فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

اسی علم خداداد کا یہ اعجاز تھا کہ تقریباً ستر سال تک قلم ہاتھ میں رہا اور دین کی وہ خدمت کی کہ باید و شاید اللہ اللہ قلم کا قدر داں ہو تو ایسا ہو — وہ قلم جس کی عظمت کا اس طرح اظہار فرمایا گیا عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ——— یہ چشمۂ علم و دانش وصال سے صرف ایک گھنٹہ قبل بند ہوا -

عبادات و ریاضات

حضرت قبلہؒ نے بچپن ہی سے پابندی وقت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی تھی، اور مواظبت و مداومت اس کمال کی تھی کہ اس عمر کے بچوں میں ملنا مشکل ہے، یہی زمانہ محبوبیت کا زمانہ ہے، پھر جوانی کا زمانہ سرمستی و سرشاری کا زمانہ ہے، لیکن حضرت نے جب عنفوان شباب میں قدم رکھا تو ہزاروں انسانوں کی امامت فرما رہے تھے، وہ جوانی و رعنائی کتنی مبارک ہے جو عبادت الٰہی میں صرف ہو، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انّ احبّ الخلائق الی اللہ تعالیٰ شاب حدث السّن فی صورۃ حسنۃ جعل شبابہ وجمالہ للہ وفی طاعۃ اللہ ذلک الذی یباھی بہ الرحمٰن ملئکتہ یقول ھٰذا عبدی حقًا۔ (ابن عساکر و الاتحاف، ۸۳)

"مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ نوجوان ہے جو خوبصورت ہو اور اس نے اپنی جوانی اور خوبصورتی کو اللہ تعالیٰ کیلئے اور اس کی اطاعت میں صرف کیا ہو، یہی وہ نوجوان ہے جس پر اللہ تعالیٰ فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے کہ "میرا اچھا بندہ تو یہ ہے"۔

عالم شباب ہی میں مسجد جامع فتحپوری کی شاہی امامت و خطابت آپ کو تفویض کر دی گئی، اس جوانی میں خانۂ خدا کی آبادانی کا سہرا بھی آپ کے سر بندھا :-

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ (پارہ ۱۰ ۔ التوبہ)

اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد رکھتا ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان لایا، اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا رہا اور جس نے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا تو ایسے لوگوں کی نسبت توقع کی جا سکتی ہے کہ ان لوگوں میں ہوں گے جو منزل مقصود پر پہنچے۔

پھر نماز کا اہتمام بھی قرآنی آداب کے ساتھ فرماتے، صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے، اور جمعہ و عیدین کے موقع پر خوشبو کا استعمال بھی فرماتے، ہر نماز کیلئے تازہ وضوء فرماتے اور خاص اہتمام سے نماز کے لئے تشریف لے جاتے :۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (پارہ ۸ ۔ الاعراف)

اے بنی آدم ! ہر ایک نماز کے وقت (لباس وغیرہ سے) خود کو آراستہ کر لیا کرو ؎

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام — کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

پابندئ وقت کا خاص خیال رکھتے، کیوں کہ :۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (پارہ ۵ ۔ النساء)

بے شک مومنین پر نماز پابندئ وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

ایک دو واقعات ایسے سامنے آئے جس سے حضرتؒ کے اہتمام وقت کا اندازہ ہوتا ہے —

ایک مرتبہ دہلی کے سٹی مجسٹریٹ کنور مہندر سنگھ بیدی اس وقت حاضر خدمت ہوئے جب حضرت اپنے کمرہ شریف میں نماز عصر کیلئے اٹھ چکے تھے، حضرت نے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تشریف رکھیں میں نماز کیلئے جا رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں مزاج پرسی اور سلام کیلئے حاضر ہوا تھا چناں چہ الٹے پاؤں چلے گئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر معلوم ہوا کہ وزیر تعلیم مولانا ابو الکلام آزاد نماز عید کیلئے مسجد جامع فتحپوری تشریف لا رہے ہیں —— نماز عید برادر محترم مولانا محمد احمد صاحب پڑھانیوالے تھے، آجکل اعیان مملکت بلکہ معمولی افسروں کیلئے بھی نماز عیدین میں تاخیر ہو جانا تعجبات سے نہیں — اس لئے حضرت نے خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ نماز عید میں ذرا تاخیر نہ ہو، اور وقت پر ہو۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ مولانا ابو الکلام آزاد تاخیر سے پہنچے، مسجد کے صدر دروازے کے قریب جگہ ملی، وہیں سے نماز پڑھ کر لوٹ گئے۔

شب بیداری

نمازِ پنجگانہ کے اہتمام کے علاوہ حضرت نو عمری سے نماز تہجد ادا فرماتے رہے اور دمِ واپسیں تک اس سنت کی پیروی فرمائی ہے ــــ راولپنڈی میں حضرت کے ایک مرید خاص حاجی رفیق الدین صاحب ہیں، انہوں نے تحریر فرمایا کہ جب حضرت ۱۹۶۴ء میں دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو کراچی سے حیدر آباد جاتے ہوئے کار میں وہ بھی حضرت کے ہمرکاب تھے، راستہ میں حضرت نے تحدیث نعمت کے طور پر یہ انکشاف فرمایا :-

"چودہ سال کی عمر سے ابتک الحمدللہ تہجد کی نماز پڑھتا ہوں، یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں بجلی کے کھمبے لگائے جا رہے تھے"۔ (مکتوب محررہ ۲۱ فروری ۱۹۶۶ء)

حضرت کی ولادت باسعادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی اس لحاظ سے ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۸۶ھ تک تقریباً ستّر سال پابندئ وقت کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمائی، اللہ اکبر اتباعِ سُنّتِ نبوی کا جذبہ ہو تو ایسا ہو ؎

مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

نماز تہجد کی کمال پابندی کا ایک واقعہ خود راقم کا چشم دید ہے، ۱۹۶۴ء میں احقر گورنمنٹ کالج میرپورخاص (مغربی پاکستان) میں تھا، جب حضرت حیدر آباد تشریف لائے تو ازراہ شفقت و ذرہ نوازی احقر کے غریب خانے پر میرپورخاص بھی جلوہ افروز ہوئے ــــ صرف ایک رات قیام فرمایا ــــ اسی رات کو اچانک حضرت کی طبیعت ناساز ہو گئی جس کے متعلق حضرت نے پہلے ہی فرما دیا تھا، رات بارہ بجے استفراغ کی شکایت ہو گئی، دو گھنٹے مسلسل تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد قے ہوتی رہی جس نے حضرت کو بیحد نڈھال کر دیا، رات دو بجے تھے کچھ افاقہ ہوا تو احقر کی آنکھ لگ گئی، اچانک آہستہ آہستہ تلاوت کلام پاک کی آواز سنائی دی، کمرہ شریف میں جھانک کر دیکھا تو حضرت نہایت ہشاش بشاش کھڑے ہوئے نماز تہجد ادا فرما رہے تھے ؎

واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُر اسرار

مواظبت صیام

ماہ رمضان المبارک میں باوجود بے انتہا ضعف و نقاہت کے مداومت کے ساتھ روزے رکھتے تھے، عمر شریف کے آخری حصہ میں جب کہ سن شریف اسّی سال سے متجاوز تھا، غذا مفقود ہوتی جا رہی تھی اور بیحد کمزوری تھی کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی تکلف ہوتا تھا، لیکن باین ہمہ روزہ کبھی ترک نہیں فرمایا، رمضان المبارک میں عجیب حالی تھے مشاہدے میں

آتی، جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، ایک مرتبہ راقم دہلی حاضر ہوا، اس زمانے میں حضرت علیل تھے اور بیحد نقاہت تھی، اتنی بھی سکت نہ تھی کہ مکان شریف سے باہر تشریف لا سکیں لیکن جونہی رمضان المبارک کا چاند نظر آیا بر گ گ میں ایک غیبی قوت سما گئی، حضرت قبلہ دولت کدے سے پا پیادہ مسجد فتحپوری تشریف لائے اور نماز عشاء کے ساتھ ساتھ بیس رکعت تراویح کھڑے ہو کر بڑی مستعدی سے ادا فرمائیں نہ صرف ایک دن بلکہ پورے تیس دن۔ اور جب عید کا چاند نظر آیا تو لوگوں کے ہاں عید ہوا کرے مگر حضرت رمضان المبارک کے فراق و ہجر میں نڈھال ہوتے، چہرے پر وہ بشاشت کے آثار نظر نہ آتے جس سے دل کی کلیاں کھل جایا کرتی تھیں، رمضان المبارک سے قبل جو ضعف و نقاہت دیکھی گئی تھی، وہی عود کر آتی اور اب اس قابل بھی نہ ہوتے کہ مسجد تک تشریف لائیں، خدا جانے وہ قوت کہاں سے آتی اور کہاں چلی جاتی، اس موقع پر وہ حدیث پاک یاد آ رہی ہے ایکم مثلی یطعمنی ویسقینی ربی۔ بلاشبہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیب سے فیض پاتے ہیں۔

مجالس جمعۃ المبارک

جمعۃ الوداع کے موقع پر حسب معمول حجرہ شریف میں مجلس ہوتی ختم شریف کے بعد جس وقت نعت خواں رمضان المبارک کا الوداعی نغمہ الاپتا تو ایک عجیب رقت انگیز سماں ہوتا، ہر شخص اشکبار و سینہ فگار نظر آتا، حضرت کی روتے روتے ہچکیاں بند ہو جاتیں، آج تک وہ دلگداز منظر سامنے ہے، اور اس الوداعی نغمے کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے ؎

الوداع الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

حضرت قبلہ ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد مجلس فرماتے، پہلے ختم شریف ہوتا اس کے بعد تلاوت قرآن مجید کے بعد نعت خوانی ہوتی، پھر حضرت ارشادات گرامی سے نوازتے، یہ محفل مشکل سے ڈیڑھ گھنٹے ہوتی تھی، پیروی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ نے ان مجالس کو ہمیشہ مختصر ہی رکھا، ان محافل میں آجکل کے سے خانقاہی رسمی انداز نہ تھے بلکہ یہ مجالس روحانیت سے بھرپور تھیں، شریعت مطہرہ کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا اور کوئی ایسی بات نہ ہوتی جو کسی طرح بھی آئین شریعت کے خلاف ہو ــــــ عام طور پر قرآن کریم رسمی افتتاح کیلئے پڑھا جاتا ہے مگر جب حضرت کی مجلس میں تلاوت قرآن پاک ہوتی تو کچھ اور ہی لطف آتا، معلوم ہوتا کہ آیات قرآنی سینوں پر نازل ہو رہی ہیں، ایک مرتبہ قاری تلاوت کرتے تھے اس آیت پر پہنچا وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا الخ تو شان نزول کے تصور نے اہل بیت کی یاد تازہ کر دی اور اس وقت عشق و محبت میں جو اضطراب و بیقراری دیکھنے میں آئی اس نے

پوری مجلس کو مضطرب کر دیا ــــــ قاری آیت پڑھ چکتا تو پھر فرماتے، وہ مکرر سہ کرر پڑھتا گیا مجلس کا سوز دوبالا ہوتا گیا ــــــ اس روز حاضرین مجلس نے قرآن سے عجیب فیض پایا، بیشک قرآن پاک کا حقیقی کیف وسرور اہل اللہ کی صحبت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

تلاوت قرآن پاک کے بعد نعت خوانی کا سلسلہ ہوتا، کوئی نعت خواں عامیانہ کلام نہیں پڑھ سکتا تھا اس سنجیدہ، ومتین مجلس کے شایان شان یہی تھا کہ بلند پایہ کلام پڑھا جائے، خود حضرت بھی سخن سخن کے باکمال نباض تھے، گاہے گاہے خود بھی شعر فرماتے ــــــ نعت خوانی کے دوران جب کوئی چبھتا ہوا شعر آتا تو حضرت بیقرار ہو جاتے لیکن اس بیقراری میں آج کل کے نام نہاد مشائخ کی طرح داد وتحسین نہیں دیتے بلکہ خاموشی سے لطف سخن اٹھاتے، ساری محفل پر سناٹے کا عالم طاری ہوتا۔ تقریباً پچیس تیس برس ہوتے ہیں قمر سلیمانی نے جو آج کل کانپور میں مقیم ہیں شارق دہلوی کا سلام پڑھا، بڑا دل گداز آواز بھی دلگداز اور کلام بھی دل گداز۔ سلام کیا ہے عشق ومحبت کی سچی تصویر ہے، دو تین بند آج بھی ذہن میں محفوظ ہیں، پیش کرتا ہوں :-

ساحل پہ آتے آتے موجوں کو چوم لینا ۔۔۔ موجوں کے بعد دلکش ذروں کو چوم لینا

اس پاک سرزمین کی راہوں کو چوم لینا ۔۔۔ پھولوں کو چوم لینا کانٹوں کو چوم لینا

پھر نور حق لقا سے میرا سلام کہنا

روضہ کی جالیوں کے بے حد قریب جانا ۔۔۔ رو رو کے حال مسلم سرکار کو سنانا

بیساختہ لپٹنا جوش جنوں دکھانا ۔۔۔ سینہ سے بھی لگانا آنکھوں سے بھی لگانا

عالم کے دل ربا سے میرا سلام کہنا

راہ طلب کی لذت جب قلب کو مزا دے ۔۔۔ عشق نبی مرسل جب روح کو جلا دے

جب سوز عاشقانہ جذبات کو جگا دے ۔۔۔ ہستی کا ذرہ ذرہ جب آہ کی صدا دے

والشمس کی ضیا سے میرا سلام کہنا

سلام پڑھا گیا تو پوری محفل پر رقت کا عالم طاری تھا، معلوم ہوتا تھا کہ کاروان حیات منزل جاناں کے قریب آ گیا ہے، سب اس کے حضور حاضر ہیں، دستہ بستہ سلام عرض کر رہے ہیں، نگاہیں نہیں اٹھ سکتیں، دل بیقرار ہیں ــــــ ڈاکٹر رضوان اللہ (استاد شعبہ دینیات، علی گڑھ یونیورسٹی) اپنی نوعمری کے زمانے میں کبھی کبھی غزل پڑھا کرتے تھے، آواز میں بلا کا سوز تھا، ایک مرتبہ حضرت کی محفل میں ایک نعت پڑھی جس کا مطلع ہے ؎

نہ پوچھو کہ کیا ہیں مدینہ کی گلیاں ۔۔۔ کسی کا پتا ہیں مدینہ کی گلیاں

حکیم محمد تقی صاحب (مالک مشہور آفسٹ پریس۔ کراچی) ہر سال فراش خانہ، دہلی کے باہر جلسۂ عید میلاد النبی مسلسل تین روز کرایا کرتے تھے، ہزاروں انسان شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ حضرت قبلہ قدس سرہٗ کی صدارت میں جلسہ ہو رہا تھا، علماء کرام کے علاوہ شعراء بھی شریک محفل تھے، جگر مراد آبادی، شکیل بدایونی، حفیظ جالندھری، ضیاء القادری وغیرہ سب ہی موجود تھے، جب جگر مراد آبادی نے اپنے خاص پُرسوز لہجہ میں نعت پڑھی تو ابھی مطلع ہی پڑھا تھا کہ حضرت پر ایک عجیب عالم کیف و سرور طاری ہو گیا، بیخودی و سرمستی میں گریہ طاری ہو گیا، پوری محفل عشق و محبت کی فضاؤں میں جھوم رہی تھی، اس واقعہ کو تقریباً پچیس سال ہوئے لیکن آج بھی جگر مرحوم کی دل کش آواز کانوں میں گونج رہی ہے اور نعت دل پر مرتسم ہے، آیئے آج پھر ان فضاؤں میں کھو جائیں :۔

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ	ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ
تو صبح ازل آئینۂ حسن ازل بھی	اے صلی علیٰ صورتِ سلطانِ مدینہ
دامانِ نظر تنگ و فراوانیٔ جلوہ	اے طلعتِ حق طلعتِ سلطانِ مدینہ
اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق	تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ
اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت	دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ
اک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید	صدقے ترے اے صورتِ سلطانِ مدینہ
کونین غم، یادِ خدا اور شفاعت	دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ
اے عالمِ تکوین ترے اسرارِ حقیقت	من جملۂ یک آیتِ سلطانِ مدینہ
ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم	شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ
اے جانِ بلب آمدہ ہشیار خبردار	وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ

ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

جمعۃ المبارک کی مجالس کا ذکر کرتے ہوئے کہاں سے کہاں نکل گیا، جمعہ کی محفلوں میں حضرت کے ایک شاگرد رشید حافظ عبدالسمیع صاحب مرحوم جو حضرت کے سچے عاشق تھے، کبھی کبھی مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی مرحوم کی یہ نظم پڑھا کرتے تھے جس کا مطلع ہے :۔

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حسرت زدہ تکتا کیا ہے

یہ نظم بڑی دل سوزی کے ساتھ پڑھتے اس میں میدانِ حشر کا خیالی نقشہ پیش کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا کہ حاضرین مجلس رب تبارک تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہیں، رقت کا عجب عالم ہوتا جو ناقابل بیان ہے ایک اور نعت خواں محمد حسین صاحب تشنہ کی ہندی آمیز غزل پڑھا کرتے تھے جو حضرت کو بہت مرغوب و پسندیدہ تھی، اکثر پڑھوایا کرتے تھے، یہ غزل ذہن میں محفوظ ہے پیش کرتا ہوں :-

اے ماہ عرب سلطان جہاں بچپن ہوں تورے دیکھن کو — اے مورے دھنی تی مدنی میں اَرپچکی ہوں تن من کو
بیشک ہے حرم کی بات یہی آئے نا نظر پھر اور کوئی — ہر گل میں دیکھے شان تری گر صاف رکھے اپنے من کو
ساجن ہے مرا میں ساجن کی پھر اس کو تکے کیوں اور کوئی — چاہت ہے جیا اری اے ری سکھی نینن میں چھپاؤں ساجن کو
دکھ درد کے حامی شاہ زمن مجھے بھاوت نا ہے سرچمن — جا دن سے لگی ہے تو سے لگن جیتی ہوں تہاری سمرن کو

تشنہ ہی جی میں سمائی ہے آئی ہے تو بس یہی آئی ہے
مل جائے دھنی کی مدنی چھوڑوں گی نہ وا کے دامن کو

حضرت کے عزیز ترین فرزند ارجمند حضرت مولانا منور احمد رحمۃ اللہ علیہ عالم جوانی میں رحلت فرما گئے، قلب حزین کا کیا عالم ہوگا ؟ وہی خوب جان سکتا ہے جس نے یہ داغ دل پہ لیا ہو — انہیں ایام میں محمد حسین نعت خواں نے ایک غزل پڑھی جس نے داغہائے دل کو ہرا کر دیا، پوری مجلس پر گریہ کا عالم طاری تھا، چند اشعار یاد ہیں پیش کرتا ہوں :-

بت کہیں یا صفت حسن خداداد کریں — ہجر کی رات میں کیا کہہ کے تمہیں یاد کریں
غم رسیدہ ہے جو تڑپے گا، تو مر جائے گا — آپ اتنا تو خیالِ دلِ ناشاد کریں
اپنا ہوتا تو شریک غم ہجران ہوتا — بیوفا دل تھا، گیا، جانے دو کیا یاد کریں
آشیانہ نہ جلا، رہنے دے، ناراض نہ ہو — باغباں لے لے قسم اب کے جو فریاد کریں

ایک اور نعت خواں ننھے میاں مرحوم تھے، یہ پابندی سے جمعہ کی مجالس میں حاضر ہوا کرتے تھے، اکثر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی غزلیں پڑھا کرتے تھے، ایک نعت کا مطلع یاد ہے

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں — جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ایک نعت خواں عبدالوہاب تھے جو اکثر مجلسوں میں حاضر ہوتے، تقسیم ہند کے بعد بھی برابر حاضر ہوتے رہے، یہ اکثر فارسی شعرا کی غزلیں پڑھا کرتے تھے، ایک غزل کا مطلع یاد ہے

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

مولانا احمد رضا خان مرحوم کی ایک غزل پڑھا کرتے تھے، جس کے دو شعر یاد رہ گئے ہیں ؎

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو — پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

آستاں پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو — پھر تو اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

محمد صالحین نامی ایک نعت خواں تھے، وہ اکثر آیا کرتے تھے، ان کی ایک نظم کا مطلع یاد آتا ہے ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

اوپر جن شعراء اور نعت خوانوں کا ذکر کیا یہ تقسیم ہند سے قبل کی محافل میں برابر شریک ہوتے رہے، راقم ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگیا تھا اس لئے پابندی کے ساتھ شرکت کا موقع نہ ملا، تقریباً ہر دوسرے سال حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا تو ان مجلسوں میں مستفیض ہونیکا موقع ملتا نئے نئے نعت خواں دیکھے جن کے نہ نام محفوظ رہ سکے اور نہ اشعار، برادرم ڈاکٹر محمد سعید صاحب بھی کبھی تلاوت کلام پاک کے بعد اپنی پُر تاثیر آواز میں غزلیں سناتے، دو تین غزلیں محفوظ رہ گئی ہیں وہ پیش کرتا ہوں :-

جگر مرحوم کی ایک غزل پڑھا کرتے تھے جس کے چند اشعار محفوظ رہ گئے ہیں :-

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے — اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے

یہ سمجھ کر غم عشق کی تکمیل ہوئی — ہوش میں آکے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے

کس قدر حسن بھی مجبور کشاکش ہے کہ آہ — منہ چھپائے نہ بنے، سامنے آئے نہ بنے

ہائے وہ عالم پُر شوق کہ جس وقت جگر — اس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے

ایک غزل داغ دہلوی کی پڑھتے تھے، اس کے چند اشعار یاد رہ گئے ہیں :-

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے — دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے — شغل ایسا بتا دیا تو نے

کس خوشی کی خبر سنا کے مجھے — غم کا پتلا بنا دیا تو نے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے — دل بے مدعا دیا تو نے

کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے — کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا — جو دیا اے خدا دیا تو نے

جمعۃ المبارک کی مجالس میں (جن کا اوپر ذکر کیا گیا) نعت خوانی کے بعد حضرت نصف گھنٹہ ارشادات

گرامی سے نوازتے تھے، افسوس یہ ملفوظات قلم بند نہ کیے جا سکے، ورنہ کئی مجلدات مرتب ہو سکتی تھیں، سالہا سال مستفیض فرمایا ہے، اس محرومی کا ہمیشہ افسوس رہے گا ـــــــ حضرت قبلہ کے تلقین وارشاد کا انداز واعظانہ نہ تھا بلکہ چند نکات کی آہستہ آہستہ دل نشین انداز میں وضاحت فرماتے جاتے، جو پوری پوری تاثیر دکھاتے، ہر شخص سراپا گوش نظر آتا، وصال سے چند سال پہلے نقاہت کی وجہ سے حضرت نے تلقین وارشاد کا یہ سلسلہ ختم کر دیا تھا حضرت کے صاحبزادے مولانا مشرف احمد صاحب تقریر فرماتے اور کبھی کبھی جب یہ احقر دہلی حاضر ہوتا تو تعمیل ارشاد میں کھڑا ہو جاتا۔ حیف صد حیف اب یہ حیات آفریں صحبتیں کہاں، یہاں چشم سر کی حیرانیاں نہ تھیں، چشم دل کی سرشاریاں تھیں۔

مجالس عید میلاد النبی ﷺ جمعۃ المبارک کی محافل کے علاوہ ماہ ربیع الاول میں جشن ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا تھا ـــــــ اور کیوں نہ منایا جاتا کہ رب تبارک وتعالیٰ نے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہارِ مسرت وشادمانی کا حکم فرمایا ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (پارہ ۱۱- یونس)

(" مومنین سے) فرمادیں کہ (آپ کی تشریف آوری) اللہ کے فضل وکرم اور رحمت خاصّہ سے ہے، پس اس (فضل وکرم) پر خوش وخرم ہوں، یہ (نعمت) ان نعمتوں سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کرتے ہیں"

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مجلس حضرت قبلہ قدس سرہ کے اس عشق ومحبت کی جھلک تھی جو آپ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، مسجد جامع فتحپوری میں نماز عشاء کے بعد جلسہ کا آغاز ہوتا، ہندوستان کے چیدہ اور سنجیدہ علماء کرام شرکت فرماتے، مقررین کو خاص ہدایت تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد ومحاسن کے علاوہ کوئی بات بیان نہ کریں نہ کوئی بے راہ روی اختیار کریں، حقیقت یہ ہے کہ ایسی سنجیدہ اور رنگین محفل شاید ہندوستان کے کسی گوشہ میں منعقد نہ ہوتی ہوگی، یہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے چاہنے والے شریک ہوتے پھر دل آزاری کے کیا معنی؟ ؎

نخچیرِ محبت کا قصہ نہیں طولانی لطفِ خلش پیکاں آسودگیٔ فتراک

جب تقاریر کا آغاز ہوتا تو پوری مجلس پر سکوت طاری ہوتا، ساری رات یہ سلسلہ جاری رہتا، نماز فجر کی اذان سے قبل حاضرین مجلس جو تقریباً بیس پچیس ہزار کے قریب ہوتے تھے، صلوٰۃ وسلام کیلئے کھڑے ہو جاتے اور چار نعت خواں ساتھ مل کر سلام پڑھتے، کیا سہانا وقت ہوتا، ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آن فضاؤں کی جھلک نظر آنے لگتی جو کبھی مکہ مکرمہ کے خوش قسمت مکینوں نے دیکھی ہوں گی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نعت خوانوں کے آواز پر قدسیان عرش بھی جھوم رہے ہیں اور یہ وہ وقت ہے

جب محبوب حقیقی بھی اپنے محبوب فرشتوں اور محبوب بندوں کو ہمنوائی کا شرف عطا فرما رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

آیئے اس حیات آفریں فضا کی سیر کریں :۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام ۔۔۔ شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یار ارم تاجدار حرم ۔۔۔ نوبہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا ۔۔۔ اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے ۔۔۔ اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں ۔۔۔ ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا ۔۔۔ چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سمت اٹھا بس غنی کر دیا ۔۔۔ موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

جس کو بار دو عالم کی پرواہ نہیں ۔۔۔ ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود ۔۔۔ بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

الیٰ اخرہٖ

صلوٰۃ وسلام کے بعد دعا ہوتی پھر فوراً ہی بعد نماز فجر کی اذان ہو جاتی، حاضرین مجلس نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے، جب نماز ہوتی تو معلوم ہوتا کہ آج یوم عید ہے، درحقیقت یوم عید تو یہی ہے کہ اس کے طفیل ہزار عیدیں نصیب ہوئی ہیں، اس کو فراموش کر دینا بڑی محرومی اور احسان فراموشی ہے ـــــ نماز کے فوراً ہی بعد صفوں کے درمیاں شیرینی تقسیم کر دی جاتی ـــــ تقریباً دس من شیرینی تیار کی جاتی تھی اس طرح بغیر کسی شور و غوغا کے آسانی کے ساتھ ہزاروں حاضرین مجلس میں مٹھائی تقسیم ہو جاتی اس کے بعد مجلس ختم ہو جاتی ـــــ صبح نو بجے سے غربا و امراء سب کو ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھلایا جاتا، تقریباً چالیس من کھانا تیار ہوتا، کھانے کا سلسلہ صبح ۱۰ بجے سے شام تین بجے تک تقریباً چھ گھنٹے جاری رہتا، ہزاروں انسان اس خوان یغما سے مستفیض ہوتے۔ نماز ظہر کے بعد قرآن خوانی کا سلسلہ ہوتا، اس کے بعد کسی عالم کی تقریر ہوتی اور دعا پر یہ مختصر مجلس بھی ختم ہو جاتی۔

حج بیت اللہ شریف

۱۹۴۵ء میں حضرت قبلہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے گئے، دہلی سے روانگی کے وقت بے پناہ ہجوم مشایعت کے لئے موجود تھا، سب نے چاہا کہ حضرت جلوس کی شکل میں مسجد جامع فتحپوری سے اسٹیشن تک

تشریف لے چلیں مگر چونکہ حضرت اس قسم کی ظاہر داریوں سے سخت نفرت فرماتے تھے، اس درخواست کو منظور نہ فرمایا اور کار میں چند رفقاء کے ساتھ تنہا تشریف لے گئے بعد میں سب لوگ پہنچتے رہے، اس سفر میں حضرت کے دیرینہ رفیق دریا خاں مرحوم ہمرکاب تھے، گاڑی کی روانگی کا وقت قریب آیا کہ جدائی کی سخت گھڑی آپہنچی اور سب نے باچشم پرنم حضرت کو الوداع کہا، مخلوق سے یہ ہجر و فراق اس وصال کی تمہید تھا جس کیلئے نہ معلوم کب سے حضرت کا دل بیقرار آرزو مند تھا، تمنا تو یہ تھی ؎

آستاں پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو

پھر تو اے جان جہان تو بھی تماشائی ہو

لیکن احباب کے اصرار پر ہجرت کا ارادہ ترک فرمادیا۔

حضرت لاہور (مغربی پاکستان) کے راستہ کراچی تشریف لائے، راستے میں ہر جگہ مخلصین و محبین کا ہجوم حضرت کو الوداع کہنے کیلئے موجود ہوتا تھا، کراچی پہنچنے کے بعد ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کے ایک گرامی نامے میں جو حضرت نے اپنے عزیز ترین چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد سلمہٗ کو تحریر فرمایا تھا، مولیٰ تعالیٰ کے اس انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے، حسن اتفاق سے یہ صحیفۂ گرامی محفوظ رہ گیا۔ پیش کیا جاتا ہے:-

عزیز القدر خجستہ سیر نیک کردار سعادت آثار میاں سعید احمد حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام و دعائے ترقیٔ درجات مطالعہ کریں کہ فقیر حقیر بخیریت تمام کراچی پہنچ گیا یہاں زمیندار ہوٹل میں مقیم ہے، اور نہایت آرام سے ہے، اس وقت تک جو کرم خداوندی رہا اور ہر مقام پر عزت افزائی فرمائی جاتی رہی اس کے بیان سے زبان عاجز ہے ہاں اس کی حسرت ہے کہ یہ سماں تمہارے ساتھ ہوتا تو کیا خوب ہوتا، اس میں بھی کچھ مصلحت خداوندی ہوگی، مولیٰ تعالیٰ تم لوگوں کو بھی یہ دن میسر فرمائے، اور ہمیشہ عافیت کے ساتھ اپنی جانب متوجہ رکھے اور دارین کی سعادتوں سے مالامال فرمائے اپنی والدہ اور دوسرے سب عزیزوں اور دوستوں کو میری جانب سے سلام پہنچادیں خصوصًا اپنے بھائی، بہنوں، نانی وخالاؤں اور جمعہ کے حاضرین کو۔

فقط والسلام مع الدعا۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ الامام۔

نہ صرف یہ کہ دہلی سے کراچی تک تمام راستہ مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی کے سامان فراہم ہوئے بلکہ کراچی سے حرمین شریفین تک عزت افزائی کا یہی سلسلہ رہا، حضرت ماہ شوال المکرم میں بحری

THE HAJ LINE

عزیز القدر خجستہ سیر میاں سعید احمد السعود ادام ایام حیاتہم

بعد سلام و دعائے سعادت دارین ملاحظہ کریں کہ یہ فقیر بصحت و آرام و عزت و احترام سے
کامران پہنچ گیا اور انشاء اللہ تعالیٰ پرسوں یوم شنبہ کو جدہ جہاز پر سے اتر
جائینگا اگر موقع ملا تو وہاں سے بھی خط تحریر کرونگا الحمد للہ ثم الحمد للہ گزشتہ ایام
نہایت خیر و خوبی کے ساتھ گزرے ہیں اور حسن مقام پر اوقات ادا ہوتے ہیں لوگوں
نے نہایت آرام دیا کارکنان جہاز القدر مہربان ہیں جیسا تحریر میں لانا
دشوار ہے مجھ جیسے ناکس پر اس قدر لحاظ رکھتے ہیں کہ انکی نسبت
کہ کبھی قلب پر میں نے تنہائی کا موقعہ نہ آیا دعا کرو کہ آئندہ بھی کوئی دشواری
پیش نہ آئے اپنی والدہ اور سب بھائیوں اور احباب کی خدمت میں
بعد سلام یہ تحریر پیش کر دینا کہ انکو تسکین ہو بعض واقعے برائے خصوصیت
کے ساتھ یاد رکھے ہیں تمہاری نسبت اگرچہ ہدایت کر آیا ہوں کہ کوئی تم سے
بد سلوکی کے ساتھ پیش نہ آئے اور تمہاری ہر ایک دلبندی کا خاص خیال رکھے
لیکن پھر مکرر انکو یاد دہانی کراتا ہوں اور تمکو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ انکی
فرمانبرداری میں فروگذاشت نہ کرنا فقط والسلام

محمد مظہر غفرلہ
یوم پنجشنبہ بتاریخ

جہاز سے جدہ روانہ ہوئے، ۲۶ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ کو جہاز سے ایک صحیفۂ گرامی ارسال فرمایا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاز پر عزت افزائیوں کا کیا عالم تھا،

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (پارہ ۷- انعام)

"ہم جسکو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کرتے ہیں، بیشک آپکا پروردگار علیم و حکیم ہے"

یہ مکتوب گرامی ساحل کامران سے اپنے صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد سلمہٗ کو ارسال فرمایا ہے، حسن اتفاق سے یہ بھی محفوظ رہ گیا ہے، پیش کیا جاتا ہے :-

عزیز القدر نخستہ سیر میاں سعید احمد اسعد اللہ ایام حیاتکم۔

بعد سلام و دعائے سعادت دارین مطالعہ کریں کہ فقیر بصحت و آرام و عزت و احترام آج کامران پہنچ گیا اور انشاء اللہ پرسوں یوم شنبہ کو جدہ جہاز پر سے اتر جائیگا، اگر موقع ملا تو وہاں سے بھی خط تحریر کروں گا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ گزشتہ ایام نہایت خیر و خوبی کے ساتھ گزرے اور جس مقام پر اترا وہاں کے لوگوں نے نہایت آرام دیا کارکنان جہاز اس قدر مہربان ہیں جس کا تحریر میں لانا دشوار ہے، مجھ جیسے نازک مزاج کا وہ اسقدر لحاظ رکھتے ہیں کہ اس وقت تک کبھی قلب پر میل آنیکا بھی موقعہ نہ آیا، دعا کرو کہ آیندہ بھی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اپنی والدہ اور سب بہن بھائیوں کو اور احباب کی خدمت میں بعد سلام یہ تحریر پیش کر دینا تاکہ ان کو تسکین ہو۔ بعض مواقع پر تم خصوصیت کیساتھ یاد آتے رہے، میں تمہاری نسبت اگرچہ ہدایت کر آیا ہوں کہ کوئی تم سے بدسلوکی کیساتھ پیش نہ آئے اور تمہاری ہر ایک دل نوازی کا خاص خیال رکھے لیکن پھر بھی مکرر ان کو یاد دہانی کراتا ہوں اور تمکو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ ان کی فرمانبرداری میں فروگذاشت نہ کرنا۔ فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفر لہ الامام

یوم پنجشنبہ تاریخ ۲۶ شوال

حضرت کا کاروان حیات بڑی تیاریوں کیساتھ دیار مقدس کی طرف جادہ پیما ہوا :-

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (پارہ ۲- البقرہ)

"(حج پر جانے سے پہلے) زادراہ ہم پہنچاؤ اور بہترین زادراہ تقویٰ ہے"

جب حریم ناز میں قدم مبارک رکھا تو ماسوا اللہ کے سارے نقوش لوح دل سے اس طرح محو

ہوگئے، کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں، محویت واستغراق کا یہ عالم تھا کہ اولاد کے نام بھی یاد نہ رہے،
سبحان اللہ، سبحان اللہ عشق و محبت ہو تو ایسی ہو ؎

ہمہ بادہ، ہمہ ساغر، ہمہ جام است ایں جا
آں کہ دارد خبر از خویش، کدام است ایں جا؟

حضرت کے رفقاء سفر کا بیان ہے کہ حضرت نے تمام صاحبزادگان کی طرف سے عمرہ کرایا تھا اس سلسلے میں حضرت کے معلم عبدالرحمٰن نے سب کے نام دریافت کئے تو حضرت ذہن پر زور دینے کے باوجود کسی صاحبزادے کا نام نہیں بتا سکے، اس محویت کو دیکھ کر سب متحیر رہ گئے، فی الحقیقت محبت الٰہی اسی شان کی ہونی چاہیئے کہ اپنے بھی بیگانے نظر آنے لگیں بلکہ نظر آنا تو ہوش کی بات ہے سچ تو یہ ہے کہ اس تعالیٰ کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہی وہ کمالِ عشق و محبت ہے جس کا مولیٰ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے طلب گار ہے:-

قل ان كان اٰبآؤكم و ابنآؤكم و اخوانكم و ازواجكم و عشيرتكم و اموال ن اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها و مسٰكن ترضونها احب اليكم من الله و رسوله و جهاد في سبيله فتربصوا حتى يأتي الله بامره (سورہ توبہ ۳)

آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور اہل و عیال اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے تمکو زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) بھیجے"

مولیٰ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جب اس کے اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو جائے تو ہوش و خرد کو خیر باد کہہ دیا جائے، اس کی لگن کے سوا دل لگی ذرا نہیں نہ میرا کوئی محبوب نظر و دل میں نہ سمایا ہوا ہو، بس وہی وہ ہو اور اس کا محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) ؎

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب مقام شوق میں ہیں سب دل کے رقیب

اس موقع پر حضرت مولانا شاہ رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ کے وہ اشعار یاد آ رہے ہیں جو آپ نے زیارت حرمین شریفین کے موقع پر دفور شوق میں عالم از خود رفتگی میں فی البدیہہ فرمائے تھے ــــ

ان اشعار میں غضب کا درد وسوز ہے :-

کوئی بھی دل لگی نہیں دل کی ‏ کس طرح سے بجھے لگی دل کی

کیا سبب ہے، بلا سبب تو نہیں ؟ ‏ آگ جو بھڑکی ہے دبی دل کی

کوئی تو پوچھے کیوں گئی کھلا ‏ کل تو اچھی تھی، یہ کلی دل کی

(ثقافت، نومبر ۱۹۶۷ء، ص-۴۴)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے بعد حجاج وہاں کے حالات بڑی تفصیل کیساتھ بتاتے ہیں، لیکن جب حضرت سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مکہ معظمہ میں حرم مقدس کے علاوہ کسی چیز کا پتا نہیں اور دیارِ حبیب میں سوائے درِ حبیب کے کسی کی خبر نہیں، اللہ اللہ توجہ ہو تو ایسی ہو ع کافی ہے بس اک نسبت سلطانِ مدینہ -

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپسی کے وقت جس کار میں حضرت اور چند رفیق سوار تھے وہ اچانک الٹ گئی۔ سب لوگوں کے کافی شدید زخم آئے مگر حضرت کے معمولی چوٹیں آئیں، اس حادثہ پر اور لوگ واویلا کر رہے تھے لیکن حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ زخم تو دیارِ محبوب کی یادگار ہیں یہ رونے کا مقام نہیں، شکر کا مقام ہے، ہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ ان مٹ نشانیاں دی ہیں ع

یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں

اس حادثہ کی جب مکہ معظمہ خبر پہنچی تو وہاں سب لوگ پریشان ہو گئے، لیکن جب حضرت وہاں پہنچے تو سب کی جان میں جان آئی -

ایام حج میں یہ شاہی دستور ہے کہ مختلف ممالک سے جو علماء اور برگزیدہ لوگ آتے ہیں ان کو شاہ سعود خاص طور پر دعوت دیتے ہیں، اور سب مہمان شاہی دسترخوان پر شاہ کیساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اس قسم کا شاہی دعوت نامہ حضرت قبلہؒ کے پاس بھی آیا مگر حضرت نے اس طرف ذرا توجہ نہیں فرمائی اور تشریف نہیں لے گئے، وفا شعاری کا تقاضا یہی تھا کہ شہنشاہِ مطلق کا مہمان کسی کا مہمان نہ ہو ے

نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطاں

محبت ہے آزادی و بے نیازی

محرم الحرام ۱۳۸۸ھ میں حضرت زیارت حرمین شریفین سے واپس وطن عزیز دہلی تشریف لائے گاڑی کافی تاخیر سے رات کے دو بجے پہنچی مگر عوام اور شائقین شہر کا سیلاب تھا کہ امنڈا چلا آرہا تھا

حضرت کی آمد کے سلسلے میں بہت کچھ انتظامات کئے گئے، ان تمام انتظامات کو حضرت نے سخت ناپسند فرمایا اور ناراضگی و خفگی کا اظہار فرمایا، بیشک جو عاشق خجستہ جگر اپنے محبوب سے جدا ہوکر آیا ہو اس کیلئے بہار وطن، خزاں سے کم نہ تھی، حج کے بعد حضرت کی رقت اور دل سوزی شدید تر ہوگئی، اب جب کبھی جمعتہ المبارک کے مجالس میں نعت خوانی ہوتی تو دیار حبیب کا نقشہ آنکھوں میں سماجاتا، یاد تازہ ہوجاتی؛ آنکھوں سے بیساختہ آنسو نکل پڑتے۔

اب راز راز رہ نہ سکے گا کہ اُن کی یاد
پلکوں تک آگئی ہے چراغاں کئے ہوئے

حضرت کی حیات مبارکہ عشق و محبت سے عبارت ہے —— وہ عشق و محبت جو اضطراب مسلسل کا آئینہ دار ہے ؎

اک اضطراب مسلسل عنیاب ہو کہ حضور

تیسرا باب

عزیمت پسندی

عزیمت پسندی

حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے کبھی اہلِ دنیا سے دولت و وجاہت کی طلب نہیں کی، بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ؏ مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی ——— ان کا دامنِ طلب صرف اس بارگاہِ جبروت میں پھیلا جہاں بے طلب بہت کچھ مل جایا کرتا ہے ؎

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

پھر سوال اور طلب بھی اہلِ عزیمت کے شایانِ شان نہیں، یہاں تو یہ عالم تھا ؎

دعا میں کیوں ذکر ہو مدّعا کا
کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا

(۱)

عرصہ ہوا ایک مرتبہ نواب حیدر آباد میر عثمان علی خاں[۱] مرحوم نے خواجہ حسن نظامی مرحوم کی وساطت سے حضرت قبلہ قدس سرہٗ کو اپنے ہاں مدعو کیا، خواجہ صاحب حضرت کے پاس تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقم حضرت سے ابتدائی عربی کتابیں پڑھ رہا تھا، خواجہ صاحب اقم کے سامنے تشریف لائے اور حضرت سے عرض کیا کہ "نواب صاحب نے مدعو کیا ہے آپ کو چلنا ہوگا" ——— فرمایا کیوں؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ "میں وعدہ کر آیا ہوں" ——— حضرت نے فرمایا کہ "آپ سے کس نے کہا تھا کہ وعدہ کر کے آئیں؟"

---

[۱] نظام حیدر آباد ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۱ء میں سلطنت آصفیہ کے ساتویں نظام کی حیثیت سے تخت نشین ہوئے، یہ سلطنت ۱۷۱۲ء میں قائم ہوئی تھی، ۱۹۴۸ء میں بھارت نے حملہ کر کے ریاست پر قبضہ کر لیا اور نظام کو معزول کر دیا۔ بعد میں ۵۰ لاکھ روپے سالانہ پنشن دینا منظور کیا۔ ریاست حیدر آباد کے تین ٹکڑے کر کے مختلف ریاستوں میں مدغم کر دیئے، نظام نے حسرت و یاس کی زندگی گزاری اور بالآخر ۲۴ فروری ۱۹۶۷ء مطابق ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ بروز جمعہ بعد دوپہر قلیل علالت کے بعد انتقال کیا۔ رئیس امروہوی نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا تھا ؎

نظام الملک آصف جاہ سابع ہو گئے رخصت ٭ دریغا آصف! اس صدمے کو تاریخِ جہاں نکلی
۱۳۸۶ھ
نہ جانے کیسی کیسی حسرتیں تھیں دفن سینے میں ٭ بہت مشکل سے بیچارے کی جانِ ناتواں نکلی

(روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶ فروری ۱۹۶۷ء، ص ۳، ک ۳ و ۴)

پھر فرمایا کہ "فقیر کو ملاقات کی ضرورت نہیں اگر نواب صاحب کو ضرورت ہو تو فقیر کے غریب خانے پر تشریف لے آئیں" ——— اللہ اللہ کیا خودداری و خداشناسی ہے ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

حقیقت یہ ہے کہ جب مولیٰ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دیا تو پھر اغیار کے در پر جبہ سائی کیا معنی؟

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات | تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن
من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق | تن کی دنیا! تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

(۲)

ایک اور موقع پر نواب حیدر آباد دہلی تشریف لائے، نئی دہلی میں حیدر آباد ہاؤس میں قیام تھا بعض شرعی مسائل پر تبادلہ خیالات کیلئے حضرت قبلہ قدس سرہٗ کو یاد فرمایا، اس موقع پر بھی حضرت تشریف نہیں لے گئے اور صاف جواب دیدیا کہ ان کو استفسار کرنا ہے تو غریب خانے پر تشریف لے آئیں، اس واقعہ کا ذکر پاک و ہند کے بعض علمی رسائل میں کیا گیا ہے، چنانچہ ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) جولائی و اگست ۱۹۶۴ء کے شمارے میں علامہ اخلاق حسین دہلوی تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت قبلہ کے حسن اخلاق کا وصف اگرچہ عام ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق فیض پاتا ہے لیکن ایسا بھی ہے کہ ہر کوئی آپ کی شفقت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتا ہے مگر جن امراء میں تمکنت کا شائبہ بھی ہوتا ہے ان سے ملاقات میں خودداری کا وصف جلوہ گر رہتا ہے۔ ایک بار نواب عثمان علی خان سابق والیٔ حیدر آباد دکن نے پیغام بھیجا کہ "فلاں وقت آپ تشریف لے آئیں۔ مجھے بعض مسائل کے متعلق گفتگو کرنی ہے"۔ آپ نے قاصد سے فرمایا

"ضرورت انہیں ہے ان کو ہی آنا چاہیئے"

ارتضیٰ حسین ملا واحدی نے بھی ماہنامہ ہمارا ادب کراچی کے مارچ ۱۹۶۶ء کے شمارے میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے :-

تیس برس قبل (۱۹۳۶ء) ہز اکزالٹڈ ہائی نس میر عثمان علی خان، آصف جاہ ہفتم نظام حیدر آباد دلی آئے تھے اور خواجہ حسن نظامی ان سے دلی کے عمائد کو ملوا رہے تھے ایک دن خواجہ صاحب نے علماء و مشائخ کے واسطے مخصوص کیا، مفتی مظہر اللہ (صاحب) کے

پاس بھی بلاوا آگیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا :۔

مجھے تو ملنے کی خواہش نہیں ہے، نظام مجھ سے ملنا چاہیں تو میرے ہاں تشریف لے آئیں (ص - ۸۷)

حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے فتوی رویت ہلال مطبوعہ دہلی ۱۹۵۹ء میں ضمناً جو اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے —— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات مقصود نہ تھی بلکہ بعض علمی مسائل پر تبادلۂ خیال مقصود تھا۔ حضرت نے نہایت عجز و انکساری کیساتھ اپنے نہ جانے کا ذکر فرمایا ہے جس سے عظمت کردار کا اندازہ ہوتا ہے، تحریر فرماتے ہیں :۔

نواب حیدرآباد ہمیشہ چاند ہونے کا تار بھیجتے رہے، نہیں مانا گیا، آخر نواب صاحب موصوف دہلی آئے اور مفتی صاحب کو (مفتی کفایت اللہ مرحوم) اور مجھ کو بلایا، مفتی صاحب تشریف لے گئے لیکن میں نہیں گیا (کہ اپنے میں اس کی قابلیت نہ پائی) جب مفتی صاحب مل کر تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ کیوں بلایا تھا، فرمایا کہ تار کے متعلق پوچھتے تھے میں نے کہدیا کہ شرعاً یہ معتبر نہیں، ۔ (ص - ۷ و ۸)

جو علماء و عمائدین نواب صاحب مرحوم سے ملنے ان کے دربار میں جاتے تھے، ان کی وہ گت بنتی تھی کہ اللّٰھم حفظنا۔ حسن عزیز جاوید نے نواب صاحب کے حالات میں ایک مضمون بعنوان "پھٹے کمبل میں سرمایاں گزار دیا" لکھا ہے جو اخبار جنگ (کراچی) مورخہ ۴ مارچ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں مولینا سید احمد صاحب مرحوم امام شاہی مسجد جامع، دہلی کی ایک ملاقات کا چشم دید حال اسطرح لکھا ہے :۔

—— ابھی بات ختم ہونے نہ پائی تھی کہ چوبدار نے عرض کیا مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد دہلی، باریاب ہونا چاہتے ہیں، حکم ہوا بلا لو، امام صاحب دربار میں مغلئی لباس میں آئے، شیروانی، کمر میں پٹکہ (چوڑا کمر بند) نظام کی درباری ٹوپی سر پر، پاؤں میں سلیم شاہی جوتا، کیونکہ بجز اس لباس کے کوئی شخص شہزادگان بھی نظام کے روبرو نہیں جا سکتے تھے، امام صاحب کے دونوں ہاتھوں میں، چار تہہ کیا ہوا ریشمی رومال تھا اور اس پر پانچ اشرفیاں رکھی تھیں اور وہ جھک جھک کر سلام کرکے جھکے ہوئے گزران رہے تھے، نظام نے خفیف تبسم کیساتھ رومال چھوا، پھر وہ اشرفیاں مع رومال ایک میز پر رکھدی گئیں، نظام کی آواز بہت گرجدار، انتہائی بلند تھی، امام صاحب سے خیر و عافیت پوچھنے کے بعد باآواز بلند سوال کیا، کیسے تشریف لائے؟ —— امام صاحب نے

جھک کر کہا۔ حضور! آپ کے بزرگوں کی تعمیر کردہ جامع مسجد کے صحن کا چوتھائی حصہ سنگین فرش ادھڑ گیا ہے، بجائے عوام سے چندہ وصول کرنے کے میں سیدھا سرکار کی خدمت میں چلا آیا ہوں کہ اس کی مرمت کرا دی جائے۔ (ص ۲۰-۲ ک-۲)

غور فرمایئے کہ ایک غیور بندۂ خدا بندگی کے ان طریقوں کو کیسے گوارا کر سکتا ہے ؎

یہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

امام صاحب مرحوم بہت سادہ لوح تھے، راقم نے ان کو قریب سے دیکھا ہے، میرے خیال میں نواب صاحب کے دربار میں ان کی حاضری سادہ لوحی کا کرشمہ ہے وہ ایک مخلص انسان تھے، انہوں نے اپنے وسیع تعلقات سے مسلمانوں کو بہت فائدے پہنچائے ہیں ۔۔۔۔ اگر وہ اہل عزیمت کے حالات سے واقف ہوتے تو کبھی اس طرح حاضری کو گوارا نہ کرتے۔ سرگروہ احرار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار جہاں گیری میں حاضری کے وقت شاہی آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سجدۂ تعظیمی سے اعراض فرما کر اہل عزیمت کیلئے ایک مینارۂ نور قائم کر دیا جو رہتی دنیا تک رہبری کرتا رہے گا، ڈاکٹر اقبال نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

(۳)

حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے نازک ترین موقعوں پر بھی اپنی خوددارانہ روش کو قائم رکھا اور کبھی پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی، چنانچہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد جب کہ ابھی دہلی کی فضا مکدر تھی اور مسلمانوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ تھا، جون ۱۹۴۸ء میں گورنر جنرل حکومت بھارت لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے عہدے سے سبکدوش ہو رہے تھے، ان کی جگہ راج گوپال اچاریہ کا تقرر ہونے والا تھا، اس سلسلے میں رات ۱۲ بجے ۔۔۔ راشٹر پتی بھون میں ایک الوداعی تقریب ہونے والی تھی، حضرت کے نام بھی دعوت نامہ آیا، مگر معلوم ہوتا تھا کہ حضرت تشریف نہیں لے جائیں گے، راقم نے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ موقع اچھا ہے وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران مسلمانوں کے مسائل پر تبادلۂ خیالات کا موقعہ مل جائیگا، شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آئے ادباً خود تو عرض نہیں کر سکا، ایک مخلص سے کہا کہ وہ اپنی طرف سے حضرت سے عرض کر دیں کہ اگر تشریف لے جائیں تو مناسب ہے۔ حضرت نے قدرے ترشی کے ساتھ ان کو جواب دیا۔

"نہ فقیر کے اسلاف اہل دول کے سامنے جھکے اور نہ فقیر جھکنا چاہتا ہے"
فی الحقیقت اہل اللہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اہل دنیا کے پاس دنیاوی اغراض کیلئے حاضر ہوں بلکہ یہ حضرات تو وہ ہیں جن کے ہاں حاضری دینا بادشاہوں اور شہزادوں کیلئے باعث افتخار تھا ؎

امین رازہے مردان حُر کی درویشی

اسی طرح بلدیہ دہلی کیطرف سے گورنر جنرل کو عصرانہ دیا گیا تو وہاں سے بھی دعوت نامہ آیا لیکن حضرت تشریف نہیں لے گئے اور معذرت نامہ ارسال فرمادیا ——— یہ تشریف نہ لیجانا کسی اختلاف کے باعث نہ تھا بلکہ بات یہ ہے کہ جو پیکر قدسی معیت الٰہی کے سرور کیف میں سرشار رہے وہ دنیاوی وجاہتوں کی تلاش میں سرگرداں نہیں رہتا،

مست صہبائے شوق ہے حسرت
ہم نشین ساغر شراب اٹھا

آج کل کے بعض علماء و صوفیہ بادشاہوں اور وزیروں سے کسی قسم کی بھی وابستگی کو اپنے لئے سعادت و خوش بختی خیال کرتے ہیں اور ان کی صحبتوں میں خوش و خرم نظر آتے ہیں، حالاں کہ ان حضرات کو وہ کمال حاصل کرنا چاہیئے تھا کہ خود وزراء ان کی صحبت کو اپنی سعادت سمجھتے اور روحانی طور پر مستفیض ہوتے ——— یہ نہیں کہ علماء و صوفیہ شاہان عالم کے قریب نہیں گئے، گئے ہیں لیکن تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اُن کی اس بے نفسی نے بہت سے کرشمے دکھائے ہیں، اب یہ بات عنقا ہوگئی ہے

(۴)

۱۹۵۵ء میں راقم دہلی حاضر ہوا، انہیں ایام میں ایک روز عوامی جمہوریہ چین کے سفارت خانے سے ایک دعوت نامہ آیا جس میں ۲ ستمبر کو سفارت خانے میں ایک دعوت پر مدعو کیا گیا تھا، وہ دعوت نامہ حضرت نے راقم کو دے کر فرمایا "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ" ——— بھلا جب حضرت خود تشریف نہیں لے گئے تو احقر کی کیا مجال تھی، یہ نصیحت و تربیت کا ایک انداز تھا، اصل میں دل کی آزمائش مقصود تھی کہ اغیار کی طرف کہاں تک مائل ہے، بفضلہ تعالیٰ حضرت کی صحبت میں خودداری و خودشناسی کا احساس پیدا ہوا ہے ورنہ نہیں معلوم علم ظاہر کی سحرانگیزیاں کہاں سے کہاں لیجاتیں۔

برطانوی دور حکومت میں بھی حضرت کے پاس سرکاری دعوت نامے آتے رہتے تھے، محترم محمد رفیع مرزا صاحب (سب ڈویژنل آفیسر کوئٹہ) فرماتے تھے کہ جب کبھی وہ حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے تو اکثر ایسا ہوا ہے کہ حضرت نے ان سے سرکاری دعوت نامہ پڑھوائے ہیں کیوں کہ شہ

انگریزی میں ہوتے تھے، پڑھوانیکے بعد طاقِ نسیاں پر رکھدئے جاتے تھے، حقیقت میں اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے، جس نسبت سے ان کی عظمت قائم ہے اس کے سامنے ساری عارضی نسبتیں ہیچ ہیں، فی زمانہ امت مسلمہ اغیار کی نسبتوں کے دام میں گرفتار ہے، اصل آزادی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب انسان اللہ کا ہو کر جئے اور اسی کا ہو کر مرے ؎

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(۵)

حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے زندگی کے کٹھن مرحلوں میں عزیمت پر عمل کیا ہے، ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران دہلی میں جو کچھ ہوا وہی خوب جانتے ہیں جن آنکھوں نے یہ خونچکاں مناظر دیکھے ہیں، ہم آج پھر ان جگر سوز و جاں گداز واقعات کی تلخ یادیں تازہ کر رہے ہیں ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
اندک اندک باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

فسادات سے پہلے مشرقی پنجاب اور دیگر علاقوں سے غیر مسلم پناہ گزیں برابر دہلی پہنچ رہے تھے۔ جب غیر مسلموں کی آتش مقاومت نے مسلمانوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو وہ میوات وغیرہ سے دہلی آنا شروع ہو گئے، دلّی کی فضائیں غم رسیدہ اور آفت زدہ انسانوں کی آتش انتقام سے آتش فشاں ہونیوالی تھیں جن کو ہوا دینے کیلئے انسانیت کے دشمن نہ معلوم کب سے تیار بیٹھے تھے، ستمبر کی پانچ تاریخ جمعہ کا مبارک دن تھا، نماز جمعہ ہو چکی تھی، مسجد جامع فتحپوری کے شمالی دالان میں مولانا صابری تقریر کر رہے تھے، جنوبی دالان کے ایک گوشہ میں حضرت قبلہ اپنی مخصوص مجلس میں تشریف فرما تھے، کسی کو نہیں معلوم تھا کہ آن کی آن میں کیا کچھ ہونیوالا ہے، سب لوگ اطمینان و سکون کیساتھ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے کہ مسجد کے شمالی دالان کی بالائی عمارت سے اچانک ایک دستی بم صحن مسجد میں گر کر پھٹا جس نے آن واحد میں ایک قیامت برپا کر دی، اسی کے ساتھ ساتھ دشمنوں نے تلواروں، بندوقوں اور پستولوں سے مسلح ہو کر شمالی دروازے سے نیا حملہ شروع کر دیا، نعرۂ تکبیر کی صداؤں سے فضائیں گونج اٹھیں، نہتے اور سراسیمہ مسلمان جو اس وقت مسجد میں موجود تھے، خداداد جرأت و حوصلے کے ساتھ مدافعت کیلئے میدان میں آئے اور کافی دیر تک دست بدست جنگ ہوتی رہی، بالآخر دشمن کو شکست دیکر باہر نکال دیا گیا اور مسجد کے دروازے بند کر دیئے گئے دروازے بند ہوئے ہی تھے کہ شمالی دروازے کے پیچھے سے اچانک فوج نے گولی چلادی جو شاہی دروازے کو پار کرتی ہوئی صحن میں ایک ملازم حافظ عبدالحمید صاحب کی ٹانگ میں لگی، وہ اچانک گر پڑے

بم سے زخمی ہونیوالے الگ کراہ رہے تھے ، ایک شخص تو بالکل چھلنی ہوچکا تھا ، اس کا اضطراب دیکھا نہ جاتا تھا ـــــــ معرکہ آرائی میں زخمی ہونیوالے لہولہان ہورہے تھے ، صحن مسجد گویا تھا میدان محشر تھا ، سب زخمیوں کو حضرت کے کمرے میں لایا گیا ، سارا فرش خون خون ہوگیا ، حضرت ہر ایک زخمی کو دلاسا اور تسلی دے رہے ہیں ، مگر دل ہے کہ ان کی تکلیف سے مضطرب بےچین ہے ۔ تھوڑی دیر بعد پولیس کے افسران آگئے ان کی معیت میں زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا ، وہاں ان پر جو کچھ گزری وہ ایک الگ داستانِ غم ہے ـــــــ شام کے چار بج چکے تھے اچانک معلوم ہوا کہ ۴۸ گھنٹے کا مسلسل کرفیو لگا دیا گیا ہے ، ہر شخص اپنے اپنے گھر کی طرف دوڑ پڑا مگر وہ مردِ خدا جس نے اپنے عزم و یقین سے طوفانوں کے منہ موڑ دیئے خانۂ خدا کی حفاظت کیلئے تن تنہا مسجد ہی میں رہا (قدس سرہ العزیز) جان کو جان نہ سمجھا کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس حادثے کے بعد غم نصیب دہلی پر جو کچھ گزری اس کے بیان کیلئے دفتر کے دفتر درکار ہیں ۔
مولانا سید محمد میاں نے اپنی کتاب علمائے حق (جلد دوم) میں تفصیل کیساتھ ان خونچکاں حادثات کا ذکر کیا ہے ہم انہیں کی کتاب سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں :۔

مختصر یہ کہ چند روز کے ہنگاموں نے قرول باغ ، پہاڑ گنج ، سبزی منڈی کے مسلمانوں کو یا شہید کردیا یا خانہ بدوش ، ویران و تباہ ـــــــ جو عورتیں ہاتھ لگیں ان کی عصمت دری کی گئی ، اغوا کیا گیا ، بچوں کو ذبح کیا گیا اور اس گنبد نیلی کے نیچے زمین کے سخت جگر پر وہ سب کچھ ہوا جو دہلی کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھا تھا ، اور جس کے خونی دھبے تاریخ کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ بن گئے ـــــــ قرول باغ ، سبزی منڈی اور پہاڑ گنج ہر ایک محلہ ایک شہر ہے ـــــــ ان محلوں میں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ مسلمان آباد تھے بہت سے بڑے بڑے دولت مند ، خوش پوش اور پشتینی امیر جن کی خواتین نے ہمیشہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کی تھی ، اس دورِ پرآشوب میں ان آنکھوں نے وہ سب کچھ دیکھا جو خونی انقلاب کی فطرت ہے جس کے سننے کیلئے پتھر کا کلیجہ چاہیئے ،

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○

جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں (یعنی انقلاب برپا ہوتا ہے) تو اس بستی کو برباد کردیتے ہیں اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کردیتے ہیں اور ایسا ہی کیا کرتے ہیں ۔ (ص ۱۴۸-۱۴۹)

ایک غیر مسلم وکیل کے ذریعہ یہاں تک معلوم ہوا کہ فسادات کے زمانے میں سبزی منڈی کی طرف ایک عظیم الاؤ روشن کیا گیا اور اس میں مسلمانوں کو ان کے بچوں سمیت آگ میں جھونک دیا گیا ہے، سن کے رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے، ظلم وستم کا کونسا وار تھا جو ستم رسیدہ مسلمانوں پر نہ چلایا گیا،

حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمن واصف نے دہلی کے ان خونچکاں ہنگاموں سے متاثر ہو کر ایک غم انگیز شہر آشوب کہا ہے جس کو پڑھ کر دل خون خون ہوا جاتا ہے یہاں اس کے چند بند پیش کئے جاتے ہیں :-

یہ خاک خطۂ دہلی کہ جس کا چشمۂ فیض — رسید تا بہ بخارا و کابل و بغداد
پھر آج خون مسلماں سے ہو گئی رنگیں — کہ خوب تر ہے یہی غازۂ عروس بلاد
لٹی ہے عزت و ناموس نازنین حرم — چلا ہے گردن طفلاں پہ خنجر جلاد
نہ جان کو ہے اماں اور نہ تیری آبرو محفوظ — ز چیرہ دستی و بیداد ضدیاں فریاد
ہزار سالہ تمدن کی یادگار لٹی
کہو ظفر سے کی دلی کی پھر بہار لٹی

شریک کار جو آزادئ وطن میں ہوئے — اب ان پہ تنگ زمین وطن کا داماں ہے
ہوئے ہیں دشمن جاں گھر کے ہی در و دیوار — وطن میں آج غریب الوطن مسلماں ہے
وہاں دوش ہے بار حیات اپنے یہاں — کسے خیال ضیاع متاع و ساماں ہے
یہ جوش نفرت و بیگانگی معاذ اللہ — کہ ذرہ ذرہ یہاں آبرو کا خواہاں ہے
پھر اپنے چاہنے والوں سے چھٹ گئی دلی
صبا یہ ذوق سے کہنا کہ لٹ گئی دلی

نشان بہار گزشتہ کا پا نہیں سکتے — جو مٹ چکے ہیں وہ اب ہاتھ آ نہیں سکتے
انہیں تو صفحۂ ہستی سے تم نے محو کیا — مگر یہ داغ فضیحت مٹا نہیں سکتے
سنائیں کیا کہ کلیجہ ہی منہ کو آتا ہے — کسی کو چیر کے سینہ دکھا نہیں سکتے
یہ حکم ہے کہ نہ ہو امن عامہ میں خلل! — کسی کو اپنی کہانی سنا نہیں سکتے
حذر کہ دست قضا سست ہو نہیں سکتا
حذر کہ کاتب تقدیر سو نہیں سکتا

۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء

(علمائے حق، جلد دوم، ص ۲۶۴-۲۶۷)

اس پُر آشوب دور میں حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے خانۂ خدا کی حفاظت کیلئے مستقل طور پر مسجد ہی میں قیام فرمایا، راقم السطور، برادران مکرم مولوی منظور احمد صاحب مرحوم اور مولٰینا محمد احمد صاحب اور مسجد کے دیگر ملازمین و چند طلبہ (جو بعد میں چلے گئے تھے) مسجد ہی میں مقیم تھے — ہم لوگوں کیلئے مسجد میں محاصرے کے سے حالات تھے، مسجد کے چاروں طرف دوکانوں پر حتیٰ کہ شمالی اور مغربی سمت کی بالائی عمارتوں پر غیر مسلم آباد تھے، کسی بھی وقت حملہ کر کے ساکنین مسجد کو ختم کیا جا سکتا تھا —— فضا کی ہولناکیاں دہشت انگیز تاریکیاں، برین گن اور اسٹین گنوں کی مسلسل دل دہلانے والی آوازیں، زخمیوں کی آہ و بکا —— یہ سب کچھ تھا اور مسجد کے اندر ایک اہل دل کی معیّت میں چھوٹی سی جماعت مولیٰ تعالیٰ کے آسرے پر مجبور و محصور تھی۔

بیس برس کا طویل زمانہ بیت چکا ہے مگر آج بھی چند واقعات اس طرح تازہ ہیں جیسے ابھی گزرے ہوں۔

رات کا سنّاٹا ہے، ہو کا عالم ہے، ساکنین مسجد، دبے دبے، سہمے سہمے، لیٹے ہیں، کچھ ہشیار بیٹھے پہرہ دے رہے ہیں، کسے آرام، کیسی نیند؟ —— اچانک فضائے بسیط میں ایک غم رسیدہ کی آواز گونجی —— یہ کون ہے؟ —— یہ کبھی رونق خانہ تھی، آج وطن میں بے وطن سرگردان پھر رہی ہے، لخت جگر کی شہادت نے دیوانہ بنا دیا ہے، روتی جاتی ہے، ایک لخت چیختی ہے اور اپنے جگر گوشہ کو آواز دیتی ہے —— موت کا کھٹکا نہیں کہ آج وہ خود موت کی تلاش میں نکلی ہے —— سننے والے اپنے گوشوں میں اس کی دل دوز آہوں کو سُن رہے ہیں، ایسے مجبور و بیکس ہیں کہ اس کی غمخواری کیلئے زبان سے آواز نہیں نکال سکتے، اس کو سہارا نہیں دے سکتے —
ہاں یہ سب کچھ اس چرخ نیلی فام کے نیچے ہوتا رہا، اللہ اللہ زندگی کے حادثات کتنے تلخ، کتنے روح فرسا اور کتنے جاں گداز ہیں!

جب پہاڑ گنج پر قیامت آئی تو ایک لٹا ہوا قافلہ، بیل گاڑیوں میں سوار، جس میں چالیس عورتوں کے ساتھ صرف ایک ضعیف مگر باحوصلہ مرد تھا —— یہ قافلہ کرفیو کے سنّاٹے میں نہ معلوم کس منزل کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا تھا ؎

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے   نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

جب یہ قافلہ مسجد فتحپوری کے جنوبی دروازے سے باغ دیوار کی طرف آگے بڑھا، تو دشمن کمین گاہ سے نکل کر اچانک حملہ آور ہوا، ایک کہرام مچ گیا، پولیس موجود تھی انسپکٹر بھی مسلمان تھا، مگر سب بے دست و پا

عزیزوں کو صرف مولیٰ کا سہارا تھا ـــــــ تمام مجروحین زخموں سے چور چور آہ و بکا کرتی مسجد کے مشرقی دروازے کی طرف دوڑیں، فوراً دروازہ کھولا گیا، ان کے نالہ و شیون سے صحن مسجد صحن محشر بنا ہوا تھا، اس دلگداز منظر کو دیکھ کر حضرت قبلہ قدس سرہٗ پر بھی رقت کا عالم تھا ـــــــ راقم کے رفیق ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم مسجد ہی میں مقیم تھے، فرسٹ ایڈ کا سامان تیار رکھا تھا فوراً زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی، اس کے بعد اس زخمی لٹے ہوئے کارواں کو فوج کی معیت میں جامع مسجد کے محفوظ کیمپوں میں منتقل کر دیا گیا،

یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر حضرت قبلہ مسجد شریف سے امن و عافیت کی تلاش میں کسی محفوظ جگہ تشریف نہیں لے گئے کہ خانۂ خدا سے محفوظ جگہ اور کیا ہوگی، جہاں معیت الٰہی کے احساس نے دلوں کو وہ قوت بخشی ہے جس کا اندازہ اہل دل ہی کر سکتے ہیں۔

ایک وحشت انگیز رات تو خوب یاد رہے گی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس رات سب لوگ زندگی سے محروم کر دیئے جائیں گے اس محرومی کے احساس نے اور دہشت زدہ کر دیا، رات ڈراؤنی، دن اداس ـــ ہر شخص زندگی سے مایوس نظر آ رہا تھا ـــــــ اس مایوس کن ماحول میں گوشۂ مسجد میں ایک مرد درویش نے معیت حق کے چراغ روشن کر رکھے ہیں لا تحزن ان اللہ معنا کی جھلک دیکھنی ہو تو یہاں آئیے ؎

آلام روزگار کو آساں بنا دیا جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا

اس روز مولوی حفظ الرحمٰن مرحوم (ناظم جمعیۃ العلماء ہند و ممبر پارلیمنٹ) فوج کی معیت میں اچانک مسجد کے مشرقی دروازے پر تشریف لائے، دروازہ کھولا گیا فرمایا کہ اگر آپ لوگ محفوظ مقام پر منتقل ہونا چاہتے ہیں تو فوج کی حفاظت میں جامع مسجد کے مسلم علاقے میں پہنچا دیا جائے، مایوسوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ـــــــ سب نے خیال کیا کہ موقع غنیمت ہے نکل چلیں، چند لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے کس کی ہمت کہ عرض حال کرے، آخر مفتی مراد آباد کے صاحبزادے مولانا کمال فاہم صاحب نے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے، حضرت سے عرض کیا کہ آج حالات نہایت نازک ہیں، زندگی کا کوئی آسرا نہیں، مناسب ہے کہ مسجد کو مقفل کر کے کسی محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں، ـــــــ حضرت نے تھوڑی دیر توقف فرمایا، پھر جو کچھ فرمایا وہ تاریخ عزیمت میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، فرمایا :-

آپ لوگوں کو اجازت ہے، جا سکتے ہیں، لیکن فقیر نہیں جائیگا، کل قیامت کے روز اگر مولیٰ تعالیٰ نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا اسکو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا، تو میں کیا جواب دوں گا ؟

حضرت کا یہ ارشاد گرامی سن کر حاضرین پر رقت طاری ہو گئی، ایک ضعیف العمر ملازم عبد اللطیف مرحوم نے روتے ہوئے چلا کر کہا "حضور! میری قبر مسجد کے اس مینار کے نیچے بنے گی" حضرت کے عزم و حیرت انگیز استقامت نے حوصلے بلند کر دیئے اور ہر ایک نے اپنے جسموں میں ایک نئی روح محسوس کی ۔ فی الحقیقت تعلق الی اللہ کا کمال یہی ہے کہ دو عالم کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر اسی بے نیاز کی طرف انسان متوجہ ہو جاتا ہے ؎

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہائے گوناگوں!

یہی وہ منزل ہے جہاں معیت حق جل مجدہ کے شدید احساس سے خود خوف و دہشت گریزاں معلوم ہوتے ہیں ؎

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقیں   اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

اہل دل آج بھی وادی فاراں میں گونجنے والی آواز "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" کی صدائے بازگشت سن رہے ہیں آج اس شمع بزم قدس کا اجالا دلوں کو منور کر رہا ہے، اور یقین کی وہ روشنی عطا کر رہا ہے کہ جس کے سامنے ظلمتیں کافور ہوتی نظر آ رہی ہیں، آج بھی وہ عاشق رسول (قدس سرہ العزیز) گوشۂ مسجد میں بیٹھا محبت الٰہی کی روشنی سے دلوں کو روشن کر رہا ہے، اور ایمان کی ناقابل تسخیر قوت سے مایوس دلوں کو گرما رہا ہے

ع   قوت قلب و جگر گردد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ واقعہ ستمبر ۱۹۴۷ء کا ہے، مولیٰ تعالیٰ کو یہ ادائے خاص پسند آئی چنانچہ انیس سال بعد جب نومبر ۱۹۶۶ء کو حضرت کا وصال ہوا تو باوجود اس کے کہ تدفین کا انتظام درگاہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں کیا گیا تھا، مگر اچانک ایک غیبی قوت نے سب کے دلوں کو پھیر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد فتحپوری کے شاہی قبرستان میں تدفین کا انتظام ہو گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی، مناسب موقع پر اس کا مفصل ذکر کیا جائیگا ـــ بات یہ تھی کہ حضرت نے خوف و دہشت کے زمانے میں اپنے مولا کو نہ چھوڑا اور جان کو جان نثار سمجھ کر مولا کے گھر کی حفاظت کی آج مولا تعالیٰ نے بھی گوارا نہ فرمایا کہ اس مہمان ازلی کو اپنے گھر سے جدا کر دے، آغوش رحمت میں لیکر کوششوں کا پورا پورا صلہ عطا فرمایا گیا، ثم یجزاہ الجزاء الاوفی، وان الی ربک المنتہیٰ ـ

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ ملے جائے سبھی کچھ
سو سوالوں سے یہی اک سوال اچھا ہے

ان ایام میں حضرت معمول کے مطابق عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے، ادھر کتب بینی اور دیگر علمی مشاغل بھی کمال سکون و اطمینان کیساتھ جاری تھے۔ نماز باجماعت کا پورا پورا اہتمام تھا۔ جن حضرات نے مسجد فتحپوری کو دیکھا ہے ان کو معلوم ہے کہ فسادات کے زمانے میں صحن مسجد یا محراب مسجد میں داخل ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، مگر معیت حق کی صہبائے عشق انگیز نے اتنا وارفتہ کر دیا تھا کہ ہر خوف سے بے نیاز ہو کر اس مولا کے آگے سربسجود ہوتے، حقیقت میں سجدہ تو یہی سجدہ تھا ؎

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

یہی وہ آزمائشیں ہیں کہ جن کا ذکر حق جل مجدہٗ نے قرآن عظیم میں اسطرح فرمایا ہے :۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

عنقریب ہم تمہاری آزمائش کریں گے، خوف سے، بھوک سے، جان و مال و پھلوں کو ضائع کر کے جن لوگوں پر مصیبت آتی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمکو جانا ہے ان کو بشارت دے دیجئے کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے ہزار ہزار سلام ہیں، بیشک یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

آج خوف کی آزمائش تھی، آج بھوک کی آزمائش تھی، آج نقص اموال و نقص الفس و ثمرات کی آزمائش تھی ع جہاں ہم ہیں واں دار و رسن کی آزمائش ہے ــــــ کونسی آزمائش تھی جو آج نہ تھی؟ ــــــ مگر اللہ اللہ استقامت قلب مطمئنہ کہ خندہ پیشانی کیساتھ ان تمام آزمائشوں کو برداشت کیا جو یکبارگی نازل ہوئیں، تاج ہدایت سر پر رکھا گیا :۔

اولٰئك هم المهتدون

جو مرد کامل خانۂ خدا اور دین کی حفاظت میں جان کو جان نہ سمجھے اس کو اس کا پروردگار کیسے بھلا سکتا تھا :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (پارہ ۲۶ محمد)

مسلمانوں اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، (اور دشمنوں کے مقابلے میں) تمہارے قدم جمائے رکھے گا ؎

اللہ کو پامردئ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

دہلی سے مسلمانوں کے ہمہ گیر انخلا کو روکنے کیلئے اور امن و امان قائم رکھنے کیلئے قوم پرور ہندوؤں اور مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ تو کیا ہی مگر مردان خدا نے جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ دہلی میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں، مولانا سید محمد میاں نے اپنی کتاب علمائے حق میں ان حضرات کی خاموش کوششوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے :-

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تخلیہ کی جد و جہد کو ناکام کرنے میں ان خاموش بزرگوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جن کا عقیدہ تھا کہ مصائب و خطرات کے اس طوفان کو برداشت کرنا جہاد ہے (حصہ دوم ص ۲۷۷)

فسادات کے زمانہ میں حضرت کی بے مثال استقامت نے اکھڑے ہوئے قدم جما دیئے غریب و بیکس مسلمانوں کیلئے حضرت نے مستقل طور پر دہلی میں رہنے کا فیصلہ فرمایا، اس سے زیادہ ملت کیلئے اور کیا ایثار ہو سکتا تھا، ۱۹۶۴ء میں جب حضرت پاکستان تشریف لائے تو مریدین و معتقدین نے پاکستان میں مستقل قیام پر اصرار کیا، حضرت نے جواب دیا :-

"دہلی کے بیکس و غریب مسلمانوں کو اس فقیر کی ضرورت ہے"

اللہ اللہ یہ حضرات اپنے لئے نہیں غیروں کے لئے جیتے ہیں ؎

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

(۶)

فسادات کا سلسلہ ستمبر ۱۹۴۷ء سے لیکر جنوری ۱۹۴۸ء تک قائم رہا، ویسے برسوں تک دہلی کے مسلمانوں کی زندگی خود ان کے علاقوں میں محفوظ نہ تھی، اور اغیار کے کوچہ میں جانا تو شہادت کو دعوت دینا تھا ـــــــ فسادات کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو غیر مسلم شرنارتھیوں کے سیلاب نے غم نصیب مسلمانوں کو وطن ہی میں غریب الوطن کر دیا، حضرت قبلہؒ کے دولت کدہ پر کئی بار قبضہ کرنیکی کوشش کی ایک مرتبہ تو مکمل طور پر قبضہ کر لیا، حضرت اس وقت مسجد شریف میں تھے، اہل و عیال مسلم علاقوں میں منتقل کر دیئے گئے تھے، جب حضرت کو اطلاع دی گئی تو فوراً تشریف لائے، دروازے پر ہندوؤں اور سکھوں کا ہجوم تھا، حضرت نے مکان شریف میں جانا چاہا، ہندوؤں نے روکا، پیچھے کھڑے ہوئے دو سکھوں نے تلوار نیام سے نکالنا چاہی مگر دست قدرت نے ان کے ہاتھوں کو کیل دیا، حالات نے نازک صورت اختیار کر لی -

اس لئے حضرت سے عرض کیا گیا کہ تشریف لے چلیں، جو لوگ وہاں موجود تھے، (راقم بھی وہیں تھا) انہوں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرۂ اقدس پر تلوار نکالے جانے کا ذرا خوف وہراس نہ تھا ع

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست

بے خوف ہونا کیا معنی یہاں تو یہ عالم ہوتا ہے ع عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

(۷)

اسی طرح ایک دن خود پولیس والے کسی بہانے سے گھر میں داخل ہو گئے اور مکان شریف پر قبضۂ غاصبانہ جمالیا، حضرت کو علم ہوا تو تشریف لائے، انسپکٹر پولیس (جو غاصبین کا سرگروہ تھا) نے کہا "مفتی صاحب آپ کو یہ مکان چھوڑنا پڑے گا" حضرت نے نہایت نرمی سے اس کے جوابات دیئے اسی اثناء میں اس واقعہ کی خبر چیف کمشنر کو پہنچ گئی، وہاں سے پولیس کی ایک جمعیت آئی اور ان غاصبین کو پکڑ کرلے گئی، یہ بھی اس لئے ہوا کہ حضرت شہر دہلی میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے ورنہ اس زمانہ میں ناموس مسلم کی اتنی ارزانی تھی، جو ناقابل بیان ہے، تھوڑی دیر بعد حضرت کو بھی بلایا گیا، جب حضرت تشریف لے گئے تو چیف کمشنر نے ان غاصبین کے بیلٹ کھلواکر حضرت کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا آپ جو سزا تجویز کریں وہی سزا دی جائے گی، حضرت نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ "مکان کی ضرورت تھی مکان مل گیا" ——— چناں چہ وہ لوگ چھوڑ دیئے گئے۔ عفو درگزر کا کمال تو یہ ہے کہ دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جائے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان مروت با دشمنان مدارا

(۸)

مسجد فتحپوری میں پہلا بم ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پھینکا گیا تھا، اس کے بعد ۱۹۵۸ء تک تقریباً سات بم گرائے گئے، ——— حضرت کے دولت کدے کو بھی بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی تھی مگر بم پہلے ہی دریافت کر لیا اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ آستانہ محفوظ رہا ——— ایک بم مسجد کے جنوبی دالان کے قریب حضرت کے حجرہ شریف سے ذرا آگے باغیچہ میں گر کر پھٹا، مگر اللہ نے محفوظ و مصئون رکھا ——— ایک مرتبہ حضرت نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مکان شریف تشریف لیجا رہے تھے، مسجد سے کچھ فاصلہ پر پہنچے ہوں گے کہ اچانک مسجد کے جنوبی دالان کے آگے ایک بم پھٹا کہرام

مچ گیا، حضرت بم کی آواز سن کر فوراً واپس مسجد تشریف لائے اور زخمیوں کی عیادت فرمائی پھر واپس تشریف لے گئے، اب یہ بے خوفی کہاں ؟ یہ ہمدردی و جاں سوزی کہاں ؟ ———

(۹)

جس زمانے میں دہلی میں فسادات جاری تھے، اور دہلی کی سڑکیں مسلمانوں کی بے گور و کفن لاشوں سے پٹی پڑی تھیں، نارِ نمرود میں اولادِ ابراہیم کو ڈالا جا رہا تھا، اسی زمانے میں حکومت ہند نے چاہا کہ شہر دہلی کے مشاہیر سے آل انڈیا ریڈیو پہ یہ بیان دلوایا جائے کہ دہلی میں مستقل امن و امان ہے اور مسلمان عافیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں، حضرت کے پاس بھی حکومت کی طرف سے آدمی آیا، حضرت نے اس کو صاف جواب دیدیا، فرمایا :-

"حکومت حالات ٹھیک کر دے تو فقیر کو کہنے میں عذر نہیں"

پھر غضبناک ہو کر فرمایا :-

"جو کچھ ہو رہا ہے حکومت کے ایماء پر ہو رہا ہے، یہ سب حکومت کی شرارت ہے"

اللہ اللہ ان نازک حالات میں جب کہ جان حزیں کا محافظ خدا کے سوا کوئی اور نہ تھا اتنے سخت جملے کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی، اس سے حضرت کے کمالِ ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق   یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حضرت نے جو کچھ فرمایا یہ حکومت ہند پر الزام نہ تھا بلکہ ایک حقیقت کو واشگاف فرمایا تھا چنانچہ بعد میں جب مولانا ابو الکلام آزاد کی کتاب "India wins freedom" شائع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان تمام ہنگاموں اور خوں ریزیوں کی ذمہ دار وزارت داخلہ تھی جس کے سربراہ آں جہانی سردار ولبھ بھائی پٹیل تھے۔

(۱۰)

حضرت کی عزیمت پسندی کی بیشمار مثالیں ہیں من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں، حضرت کے جواں سال صاحبزادے مولانا منور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو فضل و دانش، حسن و جمال اور نیکی و پارسائی میں اپنی مثال آپ تھے، رحلت فرما گئے، تجہیز و تکفین کے بعد جب پیکر نازنیں کو تخت پر لٹایا گیا، تو ان کا حسن و جمال دیدنی تھا، حاضرین کی آنکھیں اشکبار اور سینے چاک چاک تھے، عقیدتمندوں نے بے تابانہ ہاتھوں کو چوما اور پیشانی کو بوسہ دیا جس سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس صبر آزما گھڑی میں حضرت قبلہ قدس سرہ فرزند دلبند کے سرہانے کھڑے چہرۂ پُر نور کو محبت بھری نظروں سے

سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے ہیں، مسکراہٹیں نچھاور کی جا رہی ہیں۔ ؎

حریف نالۂ پر درد ہو تو ہو، پھر بھی ہے اک تبسم پنہاں تا بہائے چمن

حضرت مسکراتے جاتے اور فرماتے جاتے :۔

"اے مولا اس کو زیادہ حسین و جمیل بنا کر اپنے بندے کو آزمانا چاہتا ہے، تیرا بندہ ہرگز مضطرب نہ ہو گا، وہ تیری رضا پر راضی ہے، جو امانت تو نے اس کے سپرد کی تھی آج اس امانت کو اسی طرح تیرے سپرد کر رہا ہے"۔ ؎

از رضا مسلم مثال کوکب است در رہِ ہستی تبسم بر لب است

یہ اسی صبر و استقامت کی ایک جھلک تھی جس کا مظاہرہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شیر خوار صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات پر اس وقت فرمایا جب وہ آپ کی گود میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر رہے تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

آنکھ روتی ہے، دل مغموم ہے، اے ابراہیم تیری جدائی میں ہم محزون ہیں لیکن زبان سے وہی کہتے ہیں جس میں ہمارے پروردگار کی رضا ہو۔ ؎

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے خلش درد کی بن آئی ہے

فی الحقیقت جن حضرات نے میدان عشق و محبت میں قدم رکھا ہے، ان کو ہزار آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، ان کی زندگی سراپا آزمائش ہے، ؏ شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام جس کی زندگی سراپا عمل ہوتی وہ شام و سحر گردش دوراں سے دوچار رہتا ہے۔ ؎

ہزار گردش شام و سحر سے گزرے ہیں وہ قافلے جو تری رہ گزر سے گزرے ہیں

صاحبزادہ مرحوم مولانا منور احمد صاحب کو جب قبر میں اتار اجارہا تھا تو اس وقت بھی حضرت کی استقامت دیدنی تھی ــــــ آفتاب غروب ہو رہا تھا، تاریکیاں پھیل رہی تھیں۔ ؎

پردۂ خاک میں سو سوئے ہے جا کر افسوس

پردۂ رخسار پہ کیا کیا مہ تاباں لے کر

لیکن حضرت نے عشق الٰہی کے چراغوں سے فضا کو منور کر دیا تھا قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۱۱)

حضرت کے دوسرے جواں سال صاحبزادے مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۲ء میں صرف ۲۱ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے تھے، بڑے ذہین و فطین تھے، خرابی صحت

کی بنا پر ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لائے لیکن یہاں آ کر علالت شدید تر ہوگئی، علاج کرایا گیا مگر

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔

حضرت کو اطلاع دی گئی، حضرت محض اس وجہ سے تشریف نہ لائے کہ پاسپورٹ کیلئے فوٹو کی ضرورت ہوتی ہے اور فوٹو کا کھنچوانا حضرت کی نظر میں شرعاً ناجائز تھا، گو ایسے نازک موقعوں پر شریعت نے رخصت دی ہے مگر حضرت نے عزیمت پر عمل کر کے علماء عاملین میں ایک بے نظیر مثال قائم کر دی حضرت تشریف نہ لائے اور صاحبزادہ مرحوم کی حالت نازک ہو گئی تھی کہ زندگی کا آسرا بھی نہ رہا، جان کنی کا عالم طاری ہوگیا ع

آن پہنچے ہیں مگر منزل جاناں کے قریب

جب حضرت کو اطلاع دی گئی تو تحریر فرمایا :-

"مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں کہ ایک یہی دوا تریاق کا حکم رکھتی ہے"

پھر جب ۴ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ کو وصال ہوگیا تو اس سانحہ ارتحال کا تار دیا گیا، قلب حزیں پر کیا کچھ نہ گزری ہوگی، عالم ہجر و فراق میں عزیز ترین متاع کا لٹ جانا زندگی کا ایک عظیم سانحہ ہے، مگر الحمد للہ صبر و استقامت کا اف تک نہ کی، اور اس طرح تعزیت نامہ ارسال فرمایا جیسے دوسروں پر کوہِ غم ٹوٹا ہو ——— صحیفہ گرامی کی پیشانی پر تحریر تھا :-

للہ ما اعطی ولہ ما اخذ وعندہ اجل مسمّیٰ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ عطا فرمائے اور اسی کا ہے جو کچھ واپس لے لے، اور اس کے پاس ہر شخص کی موت نام بہ نام لکھی ہوئی ہے ۔

اس تحریر کے بعد دل نشین انداز سے تلقین صبر فرمائی ——— جس کا قلب حزیں خود داغ دار ہو وہ دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہے، دل داری ہو تو ایسی ہو، غمخواری ہو ایسی ہو، !

۱۹۶۱ء میں جب حضرت پاکستان تشریف لائے تو حیدر آباد کے زمانۂ قیام میں ایک روز فرزند مرحوم مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر لے جایا گیا جو نہر پھلیلی کے کنارے واقع ہے جس فرزند دلبند کو ۱۹۴۷ء میں دہلی سے آخری بار آغوش رحمت میں لیکر الوداع فرمایا تھا آج چودہ برس بعد اس کی تربت حزیں پر فاتحہ خوانی فرما رہے تھے، اس موقعہ پر جذبات قلبی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جس نے اس متاع عزیز کو پاکر کھو دیا ہو وہی خوب جان سکتا ہے ——— حضرت فاتحہ پڑھ رہے تھے کیا جان کہ ایک آنسو بھی ٹپکے، ضبط غم اتنا کیا کہ پورا بدن لرز اٹھا مگر زبان سے آہ نہ نکلی، آنکھ سے

آنسو نہ نکلا ـــــ حضرت کی اس استقامت نے رفقاء کو حیرت میں ڈال دیا۔

(۱۴)

اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں حضرت نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا، حضرت کے دست حق پرست پر ساٹھ ستر سال کے طویل عرصہ میں ہزارہا عیسائی، یہودی اور ہندو مشرف باسلام ہوئے، حضرت کی روحانی کشش کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے کھنچ کھنچ خود چلے آتے تھے، اور مشرف باسلام ہوتے تھے ـــــ نو مسلموں میں تعلیم یافتہ لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے جوتشی اور پنڈت بھی تھے ـــــ افسوس ریکارڈ سامنے نہیں ورنہ تفصیل کیساتھ عرض کیا جاتا۔

دوسرے مذاہب کے مبلغین کی طرح حضرت نے کبھی نو مسلموں کو کسی قسم کا لالچ نہیں دیا، بلکہ جو خلوص سے مسلمان ہونا چاہتا تو اس کو مسلمان فرماتے۔ تقسیم ہند کے بعد تبلیغ دین کا کام بہت دشوار تھا اس ماحول میں جہاں خون مسلم کی ندیاں بہہ چکی تھیں، جہاں ناموس ملت مرحومہ کو لوٹا گیا تھا، وہاں رہ کر تبلیغ دین کا کام کوئی آسان نہ تھا، بے پناہ ہمت و استقامت کی ضرورت تھی، حضرت کی استقامت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی اس ماحول میں بھی بیسیوں غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا ؂

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

اس جرأت مندانہ اشاعت دین سے ایک طرف تو حضرت کی عزیمت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے دوسری طرف خود مذہب اسلام کی جذب و کشش کا علم ہوتا ہے۔

اس بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ تبلیغ اسلام حکومت ہند کی نظروں میں کھٹکنے لگی چنانچہ حکومت کی طرف سے حضرت سے استفسار کیا گیا کہ آپ کے ذمہ خطابت و امامت کے فرائض ہیں، آپ غیر مسلموں کو مسلمان کیوں کرتے ہیں؟ ـــــ اس پر حضرت نے جو جواب مرحمت فرمایا وہ تاریخ عزیمت میں سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فرمایا :-

"فقیر سے نہ پوچھو کہ کیوں مسلمان کرتا ہے، ان سے پوچھو کہ وہ کیوں آتے ہیں"

اتنے سخت جواب کیلئے بڑی قوت ایمانی کی ضرورت ہے، حضرت کے اس جواب پر حکومت خاموش ہو گئی، حضرت کی سیرت مبارک کا یہ اعجاز تھا کہ ہندو اور سکھ سب ہی گرویدہ تھے اور حاضری کو سعادت سمجھتے تھے، راقم نے خود دیکھا ہے کہ حضرت کے مکان شریف کے چوکھٹ کی خاک غیر مسلم اپنے ماتھوں پر ملا کرتے تھے ـــــ جب حضرت کا وصال ہوا تو بیشمار مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی بڑی تعداد میں شریک تھے، جو شریک ہو سکے وہ اپنی دوکانوں میں ادباً اور احتراماً کھڑے تھے

عرض کیا گیا کہ ہندو اور سکھ دونوں حضرت کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے، یہاں ایک نظیر پیش کی جاتی ہے ـــــــ شعبۂ السنہ، مشرقی پنجاب (بھارت) کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جناب جوگندر سنگھ کو حضرتؒ سے کمال عقیدت تھی، جس کا اندازہ اس مکتوب سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء کو پٹیالہ سے قبلہ حضرت کی خدمت میں ارسال کیا، وھو ھذا

پٹیالہ

۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء

بخدمت جناب تقدس مآب حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب مدظلہٗ

حضور انور!

آج جناب کا کارڈ ملا۔ دل کو اتنی مسرت حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے پھر آپ کے اقوالِ زریں پڑھ کر بہت محظوظ ہوا اور اطمینانِ قلبی حاصل ہوا، آپ نے کتنا بہترین وعظ فرمایا ہے کہ خواب اگر اچھا ہو تو شکر خدا بجا لاؤ اور اگر خواب قبیحہ ہو تو صدقہ دیجئے، میں ان الفاظ کو سر ماتھے پر رکھتا ہوں جس سے "چشم ما روشن دل ما شاد" ہوا۔

جناب کی روحانی نوازشات کا کہاں تک بیان کروں جس رات آپ خواب میں آ کر مجھے یہ فرما گئے کہ تمہارے پیر نے تو تمہاری امداد نہیں کی کل رات سے کشائش شروع ہوگی، اسی روز سے میرے روحانی منازل میں ترقی ہوئی ہے آپ صحیح معنوں میں نورِ خدا اور خدا کو پہنچے ہوئے انسان ہیں نہیں انسان کے لباس میں فرشتہ ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر یہ الفاظ کفر نہ ہوں تو ذاتِ باری اور آپ کی ذاتِ بابرکات میں مرتبہ جمع الجمع ہے۔

اس کے بعد پچھلے اتوار کو آپ اس حقیر العباد کا فرنشرا د بندے کو تین مرتبہ خواب میں نیم خوابی کی حالت میں ملے ایک رات میں تین دفعہ شرفِ ملاقات حاصل ہوا، اللہ اللہ میری قسمت کہ آپ جیسی بزرگ ہستی میری روحانی مساعدت فرما رہے ہیں ـــــــ

چوں کہ آپ سے ملاقات کے یہ چار خواب بہت عمدہ ہیں اس لئے حسبِ ارشاد دل سے اللہ جل شانہٗ کا شکرگزار ہوں کہ اس نے آپ کی ذات کے ذریعے

اپنا فیضان مجھ تک عام کیا، امید کامل ہے کہ جناب پھر بھی صحیح راہنمائی فرماتے رہا کریں گے،
اس کا صلہ اللہ ہی آپ کو دے سکتا ہے ع
چیست دیگر کہ ایں گدا دارد

اب بھی ورد کے دوران کی باتیں جب میں اللہ ہو کا ورد کرتا ہوں اور دورانِ ورد میں اس کی شبیہ مبارک کا تصور پیش نظر لاتا ہوں تو خوب دل لگتا ہے اور جسم میں ایک قسم کی سنسنی پیدا ہوتی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں کہ روح کی بالیدگی کا سماں ہے، حضورؒ اسی طرح شفقت فرماتے رہا کریں۔

حضور کی صحت، طوالت عمر اور عاقبت کی بہتری کیلئے حسب ارشاد دعا کرتا رہتا ہوں، دعایں برکت دینے والے اب اللہ میاں ہیں وہ ضرور صدق دل سے کی گئی دعا کو قبول فرمائیں گے، آمین ثم آمین
زیادہ شوق ملاقات ———

آپ کا ادنیٰ خادم
جوگندر سنگھ

مذکورۃ الصدر مکتوب منہ جناب جوگندر سنگھ نے اپنے مکتوب محررہ ۲۵ اپریل ۱۹۶۹ء میں ایک اور صاحب کی عقیدت مندی کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

ایک شخص حکیم دیا سنگھ سنا صوبیں انہوں نے مجھے ایک خواب بتایا تھا جس میں حضورؒ ان کو ملے تھے، خواب کیا تھا، عالم بیداری یا نیم بیداری میں حضورؒ ان سے ملاقی ہوئے تھے ——— حکیم صاحب بتاتے تھے کہ حضورؒ کو میں نے نیم بیداری میں بالکل صحیح صورت میں دیکھا تھا چوں کہ حضورؒ مفتی مقبول الرحمٰنؒ کے پیر تھے اس لئے تخت علیحدہ پر ایک طرف مفتی مقبول الرحمٰنؒ دوسری جانب حضورؒ تھے حکیم صاحب کہتے تھے میرے جسدِ ہیولانی نے جسم سے نکل کر حضورؒ کو سلام کیا تھا۔

(۱۳)

شروع شروع میں حضرت کی جوانی کا زمانہ تھا مسجد فتحپوری کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ سوال اٹھایا چوں کہ امام مسجد کمیٹی کا تنخواہ دار ہے اس لئے تنخواہ لینے کیلئے اس کو خود دفتر آنا چاہئے ——— حضرت نے صاف انکار فرما دیا۔ حضرت کی نظر میں امام مسجد اجیر نہیں اس لئے اس کے شایان نہیں کہ وہ

تنخواہ لینے کمیٹی کے دفتر جائے، حضرت فرماتے تھے کہ امام مسجد کو جو مشاہرہ ملتا ہے وہ دراصل نذرانہ ہے جو شاہان مغلیہ کے عہد سے برابر ملتا چلا آرہا ہے، چناں چہ اسی طرح ملنا چاہئے، کمیٹی اپنی ضد پر اڑی رہی مگر حضرت نے بھی پوری پوری استقامت کا ثبوت دیا، چھ مہینے تک مشاہرہ نہیں لیا ؂

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

بالآخر کمیٹی کو جھکنا پڑا اور ہر ماہ کمیٹی کی طرف سے ایک منشی نذرانہ لیکر آتا، اور ادب و احترام سے پیش کرتا، اسی طرح عید کے موقعہ پر بھی شاہی زمانے کے دستور کے مطابق نذرانہ پیش کیا جاتا تھا حضرت نے خود کبھی طلب نہیں فرمایا ؂

مزا تو جب ہے کہ اے آہِ نارسا ہم سے
وہ خود کہے کہ بتا تیری آرزو کیا ہے

(۱۴)

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اچانک برصغیر پاک و ہند پر خوفناک جنگ کے بادل منڈلانے لگے، ہر شخص سراسیمہ نظر آتا تھا، لیکن جن کو اللہ نے یقین و ایمان کی دولت سے نوازا تھا وہ اس پُر آشوب دور میں بھی مطمئن اور پُر سکون تھے، انہیں ایام میں دہلی کے تاریک فضاؤں پر خوف و دہشت کے عفریت منڈلا رہے تھے، سب خوف زدہ نظر آتے تھے لیکن گوشۂ عافیت میں ایک مرد خدا آگاہ سارے خطرات سے بے نیاز ہو کر متوجہ الی اللہ تھا، (رحمۃ اللہ علیہ) — الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

جنگ سے کچھ قبل جو لوگ پاکستان سے ہندوستان گئے یا وہاں سے یہاں آئے، مجبور و بیکس ہو کر ہر شخص اپنے اپنے عزیزوں کیلئے پریشان نظر آتا تھا، مگر کچھ نہ کر سکتا تھا کہ خیریت طلبی کے سارے راستے بند ہو چکے تھے، انہیں ایام میں حضرت کے فرزند نسبتی اور صاحبزادی ملاقات کیلئے تشریف لے گئی تھیں، بچے سب پاکستان ہی میں تھے، جب جنگ کا آغاز ہوا تو وہ لوگ بہت مضطرب و پریشان ہو گئے، عالم بیقراری میں جب حضرت کے پاس جاتے تو حضرت تشفی و تسلی دیتے اور فرماتے "فکر نہ کرو سب بخیریت ہیں" - جو بھی بیقرار گیا وہ سکون کی دولت لیکر آیا خواہ یہاں کا رہنے والا ہو یا وہاں کا -

پاکستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں حضرت کے احباب و مریدین اور معتقدین پھیلے ہوئے ہیں، کراچی، لاہور، اور حیدرآباد وغیرہ کے علاقوں میں کافی عزیز و اقارب اور مریدین

ہیں ——— خبر پھیلی کہ لاہور پر ہندوستانی افواج کا قبضہ ہو گیا، کراچی کے ایک حصہ کو بمباری سے نابود کر دیا گیا، افواج ہند نے کھوکھرا پار کی سرحد عبور کر کے حیدر آباد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ——— یہ خبریں عزیز و اقارب کی خانماں بربادی اور شہادت کے تصور سے بڑی وحشت ناک ہو سکتی تھیں مگر ہر مرحلہ پر یہی فرمایا کہ "فکر نہ کرو سب بخیریت ہیں" لوگ حیران تھے کہ کیا ریڈیو اور اخبارات کی خبریں غلط ہو سکتی ہیں ——— لیکن کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اہل اللہ کی نظریں لوحِ محفوظ پر ہوتی ہیں۔ چناں چہ جب جنگ کے بادل چھٹے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ بے حقیقت تھا ——— ہندوستانی کمانڈر انچیف نے صحیح کہا "نہیں معلوم کہ کون جیتا، کون ہارا لیکن جو کچھ ہوا سخت حیران کن تھا" ۵

اک دانش نورانی اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

چوتھا باب

پاکستان میں آمد

پاکستان میں آمد

پاکستان میں حضرت قبلہ قدس سرہ کے تمام مریدین و معتقدین اور محبین عرصہ دراز سے حضرت کی تشریف آوری کے منتظر تھے، پاسپورٹ کیلئے فوٹو لازمی تھا، اور حضرت کے نزدیک فوٹو کھچوانا شرعی حیثیت سے ناجائز تھا، اس لئے کئی سال تک حضرت پاکستان تشریف نہ لا سکے حتی کہ اس وقت بھی تشریف نہ لائے، جب آپ کے فرزند دلبند جاں کنی کے عالم میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر رہے تھے یہ حضرت کی عزیمت پسندی کی زندہ مثال ہے۔

۱۹۶۰ء میں حضرت کے فرزند نسبتی علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ ملاقات کیلئے دہلی تشریف لے گئے، موصوف کے پرجوش اور پرخلوص اصرار سے حضرت نے پاکستان تشریف لانیکا وعدہ فرمالیا، انہیں ایام میں کسی مجلس میں حضرت کی لاعلمی میں فوٹو کھینچ لیا گیا تھا اسی کو پاسپورٹ کیلئے استعمال کیا گیا اگر یہ فوٹو نہ ہوتا تو حضرت ہرگز وعدہ نہ فرماتے کیونکہ حضرت نے رخصت پر کبھی عمل نہیں فرمایا۔ حضرت کی زندگی سراپا عزیمت تھی۔

۸ر اکتوبر ۱۹۶۱ء میں تاسیس پاکستان کے چودہ برس بعد حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے حضرت کی تشریف آوری علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ کی مساعی جمیلہ کی مرہون منت ہے، سچ تو یہ ہے کہ حضرت صاحب نے پاکستان کے تمام محبین پر احسان عظیم فرمایا ـــــــ حضرت قبلہ دہلی سے بذریعہ طیارہ کراچی تشریف لائے، کراچی کی طیران گاہ پر محبین و معتقدین کا بے پناہ ہجوم تھا، ہر شخص خوشی و مسرت سے اشکبار نظر آتا تھا، جب حضرت طیارے سے باہر تشریف لائے تو تکبیر کے نعروں سے فضائے آسمانی گونج اٹھی، ہر شخص پروانہ وار مصافحہ کیلئے آگے بڑھ رہا تھا، پھولوں کے ہاروں سے چہرۂ مبارک ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چاند بدلی سے نکل رہا ہو ـــــــ حضرت خراماں خراماں، طیران گاہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے ایک مخلص و معتقد سلطان احمد صاحب جاپان والے کی کار میں تشریف فرما ہوئے، حضرت کی کار آگے آگے تھی اور تمام مریدین و معتقدین کی کاریں پیچھے پیچھے ایک جلوس کی شکل میں روانہ ہوئیں۔ تا آں کہ حضرت نازلی ہوٹل (لارنس روڈ) رونق افروز ہوئے نازلی ہوٹل سلطان احمد صاحب جاپان والوں کی ملکیت ہے۔ حضرت کے دوران قیام سارا ہوٹل بالکل خالی رہا، کوئی اجنبی آدمی ہوٹل میں موجود نہ تھا، باہر سے آنیوالے محبین و مریدین

کیلئے رہائش وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔ فی الحقیقت سلطان صاحب نے حضرت کی اور تمام مہمانوں کی جس خلوص و محبت سے خدمت کی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ حضرت کو ان سے خاص تعلق خاطر تھا۔ کراچی میں بیسیوں اعزاء و احباب اور سینکڑوں مریدین و معتقدین موجود ہیں مگر حضرت نے قیام کیلئے انہیں کا ہوٹل پسند فرمایا ـــــ ہوٹل کے نیچے ہال میں روزانہ نماز عصر باجماعت ہوتی جس میں بکثرت لوگ شریک ہوتے، نماز کے بعد محفل ہوتی ـــــ یوں تو ملاقات کیلئے ہر وقت حضرت کا دربار کھلا تھا مگر نماز عصر کے بعد ملاقات اور روحانی تربیت کیلئے خاص اجتماع ہوتا ـــــ یہاں امیر فقیر کا کوئی امتیاز نہ تھا جس کو جہاں جگہ مل گئی بیٹھ گیا، پہلے نعت خوانی ہوتی اس کے بعد نماز مغرب کی تیاریاں شروع ہو جاتیں، نماز کے بعد حضرت مراقبہ فرماتے اس وقت طالبین کو بیعت بھی فرماتے ـــــ نماز عشاء سے پہلے یہ مجلس برخواست ہو جاتی۔

کراچی میں احباب کی اتنی کثرت ہے کہ حضرت باوجود بے انتہا ضعف و نقاہت کے دلداری کی خاطر روزانہ دو تین بار مختلف محبین و مریدین کے ہاں تشریف لیجاتے اور اپنی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ فرماتے، کراچی کے احباب نے حضرت قبلہؒ کی شاندار دعوتیں کیں، قسم قسم کے کھانے پکوائے مگر حضرت مسور کی پتلی دال اور خشکا ابلے ہوئے چاول کے علاوہ کچھ تناول نہ فرماتے، البتہ جو مخلصین ہمرکاب ہوتے وہ خوب مستفیض ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کو عشق الٰہی کی لذت حاصل ہو چکی ان کے سامنے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں، مرغن اور مرغوب غذاؤں کی ان کو حاجت ہو جنہوں نے محبت الٰہی کا کیف حاصل نہ کیا ہو ـــــ کبھی کبھی دعوتوں میں حضرت کے ہمرکاب سو سو آدمی ہوتے، چنانچہ حضرت کے دیرینہ مخلصین شیخ محمد سعید صاحب (ایس۔ اے متین اینڈ کمپنی) شیخ محمد عثمان (کے۔بی۔ بکار) شیخ محمد تقی (داسٹینڈرڈ پینٹ ہاؤس) منشی محمد حسن صاحب اور شیخ محمد فاروق وغیرہ کے ہاں اسی شان سے دعوتیں ہوئیں ـــــ مگر حضرت نے ہر جگہ وہی مسور کی دال اور خشکا تناول فرمایا جو ہر صورت میں خصوصی طور پر تیار کیا جاتا تھا ـــــ حضرت نے ہمیشہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سادہ کھانوں کو پسند فرمایا اور مرغن غذاؤں سے نفرت فرمائی اس کے ساتھ ظاہری شان و شوکت سے بھی ہمیشہ اعراض فرمایا۔ چنانچہ کراچی ہی کے زمانہ قیام میں ایک معتقد خاص نے دعوت دی، حضرت نے منظور فرمالی، لیکن جب ان سے معلوم ہوا کہ انہوں نے سفراء وغیرہ کو بھی بلایا ہے تو حضرت نے صاف انکار فرمایا کیونکہ اب خلوص سے زیادہ نمود ظاہرداری کا پہلو اجاگر تھا، اور حضرت اس کو ہمیشہ ناپسند فرماتے رہے۔

کراچی کے دورانِ قیام شان و شوکت سے بچنے کیلئے حضرت ہمیشہ دولتخانے سے قریبی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرماتے، دو بار احباب کے اصرار کی وجہ سے بڑی مساجد میں تشریف لے گئے، ایک مرتبہ جامع مسجد آرام باغ میں نماز جمعہ ادا کی اور دوسری بار جامع میمن مسجد (بندر روڈ) میں نماز جمعہ ادا کی اس موقعہ پر راقم بھی موجود تھا، جب میمن مسجد میں حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا تو نماز کے بعد حضرت کے دیدار کیلئے ایک مخلوق ٹوٹ پڑی، محراب مسجد سے صدر دروازہ تک آنے میں تقریباً نصف گھنٹہ لگا ہوگا، وہ سماں ابتک آنکھوں کے سامنے ہے ——— اللہ اللہ کیا پُر کیف منظر تھا۔

(۲)

کراچی کے زمانۂ قیام میں ۵ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہ العالی نے اپنے دولتکدے پر حضرت کے اعزاز میں عصرانہ دیا جس میں کراچی کے علماء و مشائخ اور عمائدین شریک تھے، اس موقع پر مختلف حضرات نے منقبتیں پیش کیں جو کتاب کے حصۂ مناقب میں شامل کر دی گئی ہیں، حضرت مولانا موصوف نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں حضرت کی دینی خدمات کو خلوص دل سے سراہا گیا تھا ——— مناسب ہے کہ سپاسنامہ کی نقل یہاں پیش کر دی جائے۔

سپاس نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سپاس نامہ

بخدمت گرامی درجت، عظیم المرتبت، شیخ طریقت امام اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ امام شاہی مسجد فتحپوری

دہلی

حضرت والا!

پاکستان بننے کے بعد سے ابتک کراچی کے علماء و مشائخ نیز حضرت کے متوسلین و معتقدین کی یہ تمنا و خواہش تھی کہ حضرت کراچی تشریف لا کر سب کو اپنے دیدار سے مستفید فرمائیں، چودہ سال کے بعد پہلی مرتبہ جناب مولانا مفتی محمد محمود صاحب الوری مدظلہ کی خصوصی مساعی کی بدولت حضرت نے یہ شرف بخشا کہ کراچی تشریف لائے۔

مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام کراچی حضرت کے ورود مسعود پر صمیم قلب کے ساتھ

ہدیۂ عقیدت پیش کرتی ہے، یہ انجمن خالص مذہبی تبلیغی جماعت ہے جو اپنی بساط کیمطابق خدمت دین و مذہب کررہی ہے، ہر سال تبلیغی کتابچے اور رسائل شائع کئے جاتے ہیں، وقتاً فوقتاً پاک و ہند اور عالم اسلامی میں تبلیغی وفود جاتے رہتے ہیں، گزشتہ سال حج کے بعد بھی انجمن کا ایک وفد حجاز مقدس ہوتا ہوا، بیت المقدس، لبنان، عمان، شام، بیروت دمشق، مصر، عراق، اور ایران گیا، اور بقیع شریف اور جنت المعلیٰ کی منہدم قبور شریفہ کے تحفظ و تعمیر کی تحریک کو ان مقامات پر پیش کیا اور ایک فتویٰ پر عالم عرب کے علماء کے دستخط حاصل کئے، اور فتویٰ کی شکل میں ایک کتاب چہ اردو عربی میں شائع کیا گیا، حضرت دعائے خصوصی فرمائیں کہ اس سلسلے میں خدائے قدوس انجمن کو کامیاب فرمائے۔

مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام، کراچی میں ایک ایسا معیاری تبلیغی کالج قائم کرنا چاہتی ہے جس میں دینیات، درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کیساتھ دنیائے مذاہب اور اقوام عالم کی زبانوں کی مہارت پیدا کی جائے، تبلیغی کالج کے طلباء پاک و ہند اور ممالک یورپ اور بلاد اسلامیہ میں جاکر ملک کی زبان میں اسلام مقدس کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرسکیں، حضرت دعا فرمائیں کہ رب العزت تبارک و تعالیٰ ہمیں اس تخیل میں کامیاب فرمائے۔

حضرت والا!

ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ آں جناب اپنی قیام گاہ پر رہتے ہوئے بھی بدنصیب اور پریشان حال مسلمانان ہند کی علمی روحانی گرانقدر خدمات انجام دیتے ہیں بلاشبہ آپ کا وجود گرامی ہند و پاک کے مسلمانوں کیلئے قابل فخر و ناز ہے، خدائے بزرگ آپ کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رکھے۔

حضرت محترم!

ہمیں دلی مسرت ہے کہ کراچی میں آپ کے صاحبزادۂ گرامیقدر مولانا مفتی مظفر احمد صاحب ماشاءاللہ فتویٰ نویسی، قضاۃ اور دیگر علمی و فقہی اہم خدمات انجام دیکر حضرت کی یاد تازہ فرماتے رہتے ہیں جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ فیض عرصۂ دراز تک جاری رہے۔

ہمارا مسعر تمنا ہے کہ حضرت اقدس اعلیٰ اگر سال میں ایک بار کراچی تشریف لایا کریں تو پاکستان مسلمانوں کیلئے حضرت کا قیام ہر طرح مفید اور نتیجہ خیز ہو گا۔

ہم ہیں آپ کے مخلصین

(مولانا) عبدالحامد القادری البدایونی — صدر مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام
(حاجی) ممتاز الدین دہلوی
(مولانا) محمد شفیع اکاڑوی — ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام
آزاد بن حیدر ایم۔ اے — ناظم نشرواشاعت

وارکین مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام ہیر کالونی ۲۱۴ کراچی

۵ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ — مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

(۳)

کراچی کے زمانۂ قیام میں مریدین و معتقدین کے مابین یک جہتی و یگانگت اور روحانی ترقی کیلئے حضرت نے بزم ارباب طریقت کے نام سے ایک انجمن کی تشکیل فرمائی تھی، جس کے سرپرست خود حضرت تھے، صدر اعلیٰ علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہٗ ۔ صدر حضرت مولانا مفتی منظر احمد صاحب مدظلہٗ ۔ نائب صدر حکیم مشتاق احمد صاحب سکریٹری، قاضی محمد حمایت اللہ صاحب اور خزانچی شیخ محمد سعید صاحب ۔ دہلی تشریف لیجانے کے بعد حضرت اپنے خصوصی پند و نصائح سے اہل طریقت اور ارباب بزم کو نوازتے رہتے تھے، چناں چہ جناب شیخ محمد سعید صاحب کی خواہش پر حضرت نے اگست ۱۹۶۳ء کو دہلی سے جو نصیحت نامہ ارسال فرمایا وہ نہ صرف اہل نسبت کیلئے عامۃ المسلمین کیلئے بھی افادیت سے خالی نہیں اس لئے یہاں پیش کیا جاتا ہے :-

مکتوبِ حضرت قبلہ

بعزیزانِ بزم سلمہم المولی المکرم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

عزیزانِ بزم ! رفع اللہ قدرکم وعظم امرکم و شرح صدرکم بفضلہٖ تعالیٰ فقیر بعافیت ہے، اور العزیزوں کی عافیتِ دارین اپنے کریم سے بحرمتہ سید عالم مطلوب ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ۔

باصرار الحاج شیخ محمد سعید صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ کچھ نصائح عرض کرتا ہے اور اپنے مولیٰ سے امید رکھتا ہے کہ آپ حضرات کیلئے فائدہ مند ہوا ور جس راہ آپ لگے ہیں اس

میری امداد کرے۔

(۱) تصوف اصلاح خیال کا نام ہے جو کلمہ طیبہ کے پہلے جز میں بیان فرمایا گیا ہے لا الٰہ الا اللہ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں، معبود اسے کہتے ہیں جس کی طرف ہمیشہ نظر رہے اور ہر امر میں اس کے احکام کو بجا لایا جائے۔ اور اس کے مخالف کی سختی کیساتھ مخالفت کیجائے اصل مخالفت کرنیوالا شیطان اور آدمی کا نفس ہے، شیطان جو قسم کھا کر آیا ہے کہ میں ان کے دائیں بائیں، آگے پیچھے، ہر طرف سے بہکاؤں گا، اور بہت کم تیرے شکر گزار بندے ہوں گے چناں چہ فبما اغویتنی الآیۃ میں اس کا بیان ہے، تو وہ کیسے اس میں چوک سکتا ہے؟ چناں چہ اس نے بڑے بڑے عابدوں کو جو اس کے داؤں میں آ گیا اس کو تباہ کر کے چھوڑا، آدمی کے جسم میں خون کی طرح دوڑ جاتا ہے اور نہایت درجہ برے وسوسے ڈالتا ہے، مولیٰ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ اس کی عداوت سے ڈرایا ہے، چناں چہ فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا۔ الآیۃ یہ ہماری بدبختی ہے کہ اپنے مولیٰ کو جس نے ہمیں ہستی عطا فرما کر بے شمار عطیات سے سرفراز فرمایا، اس کے مقابلہ میں اس کے مخالف کی عبادت کر رہے ہیں، پس اس سے بچنا ہمارا پہلا فرض ہے۔ یونہی نفس امارہ ہمارا دشمن ہے، یہ حب جاہ و ریاست پر پیدا کیا گیا ہے، اس کا مقصود ہمہ تن سب پر برتری حاصل کرنا ہے، اور چاہتا ہے کہ تمام مخلوق میری محتاج اور میری فرماں بردار رہے، میرے مقابل اپنے مولیٰ کی فرماں برداری نہ کرے حدیث میں آیا ہے۔ عاد نفسک فانہا انتصبت بمعاداتی، یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھ کہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے ——— تو قلب کی خواہشات پر ہمیشہ غور کرنا چاہیئے کہ یہ مرضی مولیٰ کے موافق ہے یا نہیں، اگر موافق ہے تو تعمیل کرے ورنہ بچے اور لاحول پڑھے، اس امر میں بہت کچھ بیان کرنا تھا لیکن میں صرف اتنے ہی بیان کو کافی سمجھتا ہوں، صدر صاحب یا ناظم صاحب اس کی تفصیل کر دیں گے اور عقل اس کی پیروی کرے گی۔

(۲) المرء مع من احبہ یعنی آدمی اس کیساتھ ہے جس سے محبت کرے، تو آدمی جس وقت تصوف میں قدم رکھتا ہے تو اس کی شان کائن و بائن ہوتی ہے۔ کہ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے، اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کیساتھ ——— یا یوں کہئے ظاہر میں خلق کیساتھ ہے

لعزیزان بزم سلمہم المولی الکریم

مدینہ ۱۶ اگست سنہ ۱۹۷۱ء

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ - عزیزان بزم
رفع اللہ قدرکم و عظم اجرکم و شرح صدرکم بفضلہ تعالیٰ فقیر بخیریت ہے اور
آپ عزیزوں کی عافیت دارین اپنے کریم سے بحرمت سید عالم ﷺ طالب ہے - والسلام علی من اتبع الہدیٰ
بعد ازاں آج شیخ محمد سعید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کچھ لکھا کر عرض کرتا ہے اور اپنے مولیٰ سے امید رکھتا ہے
کہ آپ حضرات کیلئے فائدہ مند ہوں - اور جس راہ پر آپ لگے ہیں اس میں امداد کرے -

(۱) تصوف اصلاح خیال کا نام ہے جو کلمہ طیبہ کے پہلے جز میں بیان فرمایا گیا ہے لا الٰہ
الا اللہ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں - معبود اسے کہتے ہیں جس کی طرف ہمیشہ نظر
رہے اور ہر امر میں اس کے احکام کو بجا لایا جائے - اور اس کے مخالف کی سختی سے سرزنش
کی جاتی ہے - اصلی مخالفت کرنے والا شیطان اور آدمی کا نفس ہے - شیطان جو قسم
کھا کر آیا ہے کہ میں انکے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے بھٹکاؤں گا - اور بعض اکثر شکر گذار نہیں
ہونگے چنانچہ فبما اغویتنی الایہ میں اسکا بیان ہے تو وہ کیسے اسمیں چوک سکتا ہے - چنانچہ اسنے
بڑے بڑے عابد و ذاکر جو اسکے داؤں میں آگیا اسکو تباہ کرکے چھوڑا - آدمی کے جسم میں خون
کی طرح دوڑ جاتا ہے اور نہایت درجہ برے وسوسے ڈالتا ہے - مولیٰ تعالیٰ نے قرآن کریم
میں متعدد جگہ اسکی عداوت سے ڈرایا ہے چنانچہ فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ
عدوا لیکن یہ ہماری بدبختی ہے کہ اپنے مولیٰ کو جسنے ہمیں ہستی عطا فرما کر بے شمار عطیات سے سرفراز
فرمایا اسکے مقابلہ میں اسکے مخالف کی عبادت کر رہے ہیں - پس اس سے بچنا ہمارا اولین فرض
ہے - یونہی نفس امارہ ہمارا دشمن ہے - یہ حب جاہ و ریاست پر پیدا کیا گیا ہے - اسکا
مقصود یہ ہوتا ہے سب پر برتری حاصل کرنا ہے - اور چاہتا ہے کہ تمام مخلوق میری محتاج اور میری مطیع
فرمانبردار رہے - میرے مقابل اپنے مولیٰ کی فرمانبرداری نہ کرے - حدیث میں آیا ہے عاد نفسک
فانھا انتصبت لمعاداتی - یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھو کہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے - تو ہر ایک
خواہشات پر ہمیشہ غور کرنا چاہئے کہ یہ مرضی مولیٰ کے موافق ہے یا نہیں اگر موافق ہے تو تعمیل کرے
ورنہ بچے اور لاحول پڑھے - اس امر میں بہت کچھ بیان کرنا تھا لیکن میں صرف اتنے ہی پر کافی
سمجھتا ہوں - صدر صاحب یا ناظم صاحب اسکی تفصیل کر دینگے - اور عمل اسکی پیروی کا ہی

اور حقیقت میں اس سے جدا ——— علم پڑھتا ہے تو اس کیلئے پھر عمل کرتا ہے تو اس کیلئے، پھر اس میں اخلاص پیدا کرتا ہے کہ محض اس کی مرضی چاہنے کیلئے عمل کرتا ہے کہ اس عمل پر نہ جنت کا خواہشمند ہوتا ہے، نہ دوزخ کے خوف سے اس کا یہ عمل ہوتا ہے نہ دارین کی کسی اور نعمت کی تمنا رکھتا بجز اس کے وصال اور اس کی خوشنودی کیلئے کرتا ہے، اور دل کی محبت کا تعلق صرف اسی ذات وحدہٗ لا شریک سے ہوتا ہے ——— ماسوائے محبت کے تعلق ہوتا ہے تو ایسی محبت کے لگاؤ سے ہوتا ہے ——— برخلاف عوام کی اشیاء سے محبت کے، کہ وہ بھی ایک ہی ذات سے ہوتا ہے اور وہ اس کا نفس ہے سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع اور شاخ ہے۔ نفس کی محبت دور ہو جائے، تو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے انعام و ایلام دونوں مساوی ہو جائیں گے، اچناں چہ اولیاء اللہ کے واقعات سے یہ ثابت ہے لیکن یہ مقربین کا حال ہے، ابرار خوف و طمع سے نیکیاں کرتے ہیں، بلکہ مقربین پر بھی ایک حال آتا ہے کہ وہ بھی خوف و طمع سے عبادت کرتے ہیں لیکن ان کا خوف اس کے غضب سے ہوتا ہے اور طمع اس کی رضامندی کی ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل بھی صدر وغیرہ کر دیں گے۔

(۴) آخرت کی نعمتوں کا حصول اور تقرب الٰہی کا مدار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ہے، پس آپ کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے سنن نبوی کے علم اور اس پر عمل کی کوشش کریں کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، وعدہٗ واثق ہے کہ وہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب کر لے گا۔

یہ مختصر چند نصائح عرض کئے گئے، اگر اس پر عمل پیرا ہوئے تو اور بھی نصائح عرض کئے جائیں گے۔ یہ چند کلمات عدیم الفرصتی تحریر میں آئے۔ رزقکم اللہ تعالیٰ وایاکم الاستقامۃ علی متابعۃ سید المرسلین ظاہراً و باطناً عملاً واعتقاداً علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ الامام

نوٹ: یہ مکتوب گرامی ۱۶ اگست ۱۹۶۳ء کو کراچی میں موصول ہوا، اس وقت حضرت کی عمر شریف ... سال تھی ———

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد بزم ارباب طریقت کے ماہانہ جلسوں میں شرکت میں مریدین و مخلصین کی

طرف سے وہ شوق و ذوق نہ دیکھا گیا جو ابتدا میں تھا بعض احباب نے اس کی اطلاع حضرت کو دی ہوگی جو حضرت کیلئے باعث رنج ہوئی، چنانچہ حضرت نے اصلاح حال کیلئے اہل جلسہ کے نام ایک تحریر قلم بند فرمائی۔ حضرت کے وصال کے بعد جب فروری ۱۹۶۹ء میں دہلی حاضر ہوا تو حضرت کے کاغذات میں سے ایک نامکمل تحریر ملی وہ یہی تحریر تھی، وھوھذا

برائے اہل جلسہ

فقیر کے پاس برابر اس کی اطلاع آتی رہتی ہے کہ بزم میں شامل ہونیوالے بہت سست ہیں اور کمی کیساتھ شرکت کرتے ہیں۔ اس بزم کا تقرر میں نے اپنے کسی مفاد کیلئے نہیں رکھا بلکہ احباب ہی کے فائدہ کیلئے کیا ہے اگر شرکت کرتے رہیں گے تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا رہے گا، ورنہ آخرت میں سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئیگا، نہایت درجہ تعجب کا مقام ہے کہ جس کو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کیا ہے اس میں تو وہ دوڑ دھوپ ہے کہ اپنی ہر آسائش اس پر قربان کر رکھی ہے اور جس کو ہمارے ذمہ کیا ہے اس کی اصلا پرواہ نہیں، مولیٰ تعالیٰ نے دنیوی مفاد کو تو اپنے ذمہ رکھا ہے آپ کوشش کریں یا نہ کریں وہ ضرور پہنچے گا، ہاں نفقہ کیلئے کوشش کا حکم فرمایا ہے تو جس قدر میں ضرورت پوری ہو جائے صرف اس ہی قدر کوشش کافی ہے، باقی وقت تو جس غرض سے بھیجا گیا ہے اس میں صرف کرنا چاہیئے، دنیوی کوشش بھی اس ہی لئے لگائی گئی ہے تاکہ ہمارا امتحان ہو جائے کہ اپنا وقت دینی معاملات میں صرف کرتے ہیں، جو ان کے ذمہ کیا گیا ہے، یا دنیوی امور میں؟ ـــــ اللہ تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔

یعنی میں نے جنات اور انسان کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ مری عبادت اور بندگی کریں اور ظاہر ہے کہ جب تک معبود کو پہچانا نہ جائے اس کی عبادت کیسے ہو سکتی ہے؟ ۔ اس ہی لئے سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

كل عبادة فى القرآن فهو توحيد

یعنی قرآن کریم میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اس سے توحید مراد ہے، ایسی حدیث قدسی کا ارشاد ہے :-

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف

(۴)

حضرت نے بیس پچیس روز کراچی میں قیام فرمایا ـــــ حیدر آباد کے محبین و مخلصین بھی عرصۂ دراز سے چشم براہ تھے اس لئے ۱۶ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء بذریعہ شاہین ایکسپریس حیدر آباد تشریف لے گئے ـــــ تشریف آوری سے پہلے شہر میں بذریعہ لاؤڈ اسپیکر اور اشتہارات کے ذریعہ آمد آمد کا اعلان کردیا گیا تھا حسن اتفاق سے ایک اشتہار مل گیا ہے اس کی نقل پیش کیجاتی ہے :۔

نوید مقدس

مصدر بزرگی و عظمت، مرکز رشد و ہدایت، سلطان العارفین، امام السالکین، شیخ طریقت، رہبر شریعت حضرت علامہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مفتیٔ ہند و پاکستان، خلیب شاہی مسجد فتحپوری، دہلی (بھارت) کراچی سے حیدر آباد تشریف لارہے ہیں

لہٰذا

جمیع عقیدتمندوں و اہل ذوق حضرات سے توقع ہے کہ مہمان عظیم الشان کے شایان شان استقبال کیلئے مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء بروز جمعرات ۴½ بجے شام شاہین ایکسپریس کی آمد کے وقت حیدر آباد اسٹیشن پر تشریف لائیں۔

المعلن

سید مظفر علی، نیو کلاتھ مارکیٹ حیدر آباد

جب شاہین ایکسپریس حیدر آباد اسٹیشن پر پہنچی تو انسانوں کا سیلاب امنڈتا ہوا نظر آرہا تھا، حضرت کا شایان شان استقبال کیا گیا، احباب نے اصرار کیا کہ جلوس کی شکل میں شہر سے ہوتے ہوئے، قیامگاہ تشریف لے چلیں لیکن حضرت نے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ ظاہری شان و شوکت سے ہمیشہ نفرت فرماتے تھے بلکہ استقبال کی تیاریوں کے سلسلے میں منتظمین سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، نام نہاد مشائخ کی طرح حضرت نے کبھی نہ چاہا کہ شاندار استقبال کئے جائیں ۔

حیدر آباد میں حضرت اپنے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ کے ہاں قیام فرمایا وقت سے لیکر مغرب کے وقت تک حاجی محبوب الٰہی صاحب (مالک سندھ ٹیمبر ینر) کے مکان پر قیام ے ـــــ حیدر آباد کے زمانہ قیام میں احباب و معتقدین کراچی، ٹھٹھہ، میر پور خاص، نواب شاہ

شکارپور، اور بہاولپور وغیرہ سے برابر آ آکر مستفید ہوتے رہے، حیدرآباد میں صرف گیارہ روز قیام فرمایا مگر یہ قیام یادگار رہا ـــــ ۵ نومبر ۱۹۶۱ء بروز اتوار کراچی مراجعت فرمائی، وہاں چند روز قیام فرمایا، چوں کہ اہل لاہور بھی مدت مدید سے حضرت کے دیدار کے متمنی تھے اس لئے نومبر کے دوسرے ہفتے میں حضرت بذریعہ طیارہ کراچی سے لاہور تشریف لے گئے ۔ علامہ مفتی محمد محمود صاحب حضرت کے ہمرکاب تھے ـــــ جب حضرت کا طیارہ لاہور کے ہوائی اڈے پر اترا تو وہاں استقبال کیلئے علماء و مشائخ اور دیگر احباب موجود تھے، حضرت مولانا سید احمد صاحب ابوالبرکات مدظلہ العالی اور صدر المشائخ آغا فضل عثمان صاحب مدظلہ العالی (صاحبزادہ ملا شوباز ارحمۃ اللہ علیہ شیخ طریقت شاہ ظاہر شاہ والئ کابل) وغیرہ موجود تھے، لاہور میں حضرت نے اپنے ایک دیرینہ مخلص مرید ـــــ محمد احسان صاحب مرحوم کے ہاں قیام فرمایا، ان کے صاحبزادے میاں محمد عرفان سلمہ نے بڑی فراخ حوصلگی، فراخ دلی، اور محبت و خلوص کیساتھ حضرت قبلہؒ اور تمام مہمانوں کی خاطرداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ـــــ لاہور کے زمانۂ قیام میں بھی ہر طرف سے احباب و معتقدین آ آکر مستفیض ہوتے رہے، مثلاً ملتان، بہاولپور، منٹگمری، خانیوال، لائلپور، راولپنڈی وغیرہ اور کراچی اور حیدرآباد سے بھی مخلصین تشریف لاتے رہے، دل کی لگی تھی جو حضرت کیساتھ ہر جگہ لئے پھر رہی تھی ۔

حضرت نے لاہور میں بیس پچیس روز قیام فرمایا اور غالباً ۲۸ نومبر کو دہلی روانگی کی تیاریاں شروع ہوئیں، روانگی سے قبل محمد عرفان صاحب کی کوٹھی پر تمام احباب جمع ہو گئے تھے، علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ نے بڑی پُر اثر الوداعی تقریر فرمائی جس سے بیقرار دلوں کی کچھ ڈھارس بندھی، اس کے بعد حضرت طیران گاہ تشریف لے گئے، وہاں الوداع کہنے کیلئے بیشمار لوگ موجود تھے، ہر شخص اشکبار نظر آتا تھا، رقت انگیز منظر تھا، مغرب کے قریب طیارہ اچانک بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ؎

دل تو جاتا ہے اس کے کوچہ میں

جا مری جان، جا، خدا حافظ

محمد عرفان صاحب مشایعت کیلئے حضرت کے ہمراہ دہلی تک گئے تھے، محبت و خلوص کا تقاضا یہی تھا، موصوف نے لاہور واپسی پر ایک واقعہ بیان کیا جس سے حضرت کی صداقت و امانت کا اندازہ ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ جب حضرت دہلی کی طیارہ گاہ پر اترے تو کسٹم کے افسران نے پاکستانی سکے کے متعلق استفسار کیا، حضرت نے نفی میں جواب دیا، بات آئی گئی ہوگئی، حضرت دولت کدہ سیلی شریف

لے آئے۔ چند روز گزر جانے کے بعد جب حضرت نے اُس شیروانی کی اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا جو پاکستان سے آتے وقت زیب تن تھی تو اس میں سے سو روپے کا پاکستانی نوٹ نکلا جو مطلق حضرت کے علم میں نہ تھا، چنانچہ جب عرفان صاحب، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ سو روپے، کسٹم افسر کو دیدینا، اُس نے پوچھا تھا کہ پاکستانی کرنسی ہے تو ہم نے کہدیا تھا کہ نہیں ہے حالاں کہ اس وقت یہ نوٹ موجود تھا" ـــــــ اللہ اللہ صداقت و راستی اور دیانت کا یہ عالم ہے، کردار کی یہ وہ جھلک ہے جس سے سیرتوں کی اصلی خوبی معلوم ہوتی ہے۔

(۵)

۱۹۶۱ء کے بعد حضرت قبلہ قدس سرہٗ ۳۰ جولائی ۱۹۶۴ء کو دوبارہ بذریعہ ہوائی جہاز کراچی تشریف لائے، راقم کی شادی تشریف آوری کا بہانہ بن گئی تھی ؎

رحمت حق بہا نہ می جوید

اس مرتبہ بھی طیران گاہ پر بکثرت لوگ جمع تھے، ہر طرف سے پھولوں کے ہار پہنائے جا رہے تھے حضرت چوں کہ بہت ضعیف و کمزور ہو چکے تھے اس لئے آرام کرسی پر تشریف فرما تھے، ہر طرف سے عقیدت مند ہجوم کر رہے تھے، تکبیر کے نعروں سے فضائے آسمانی گونج رہی تھی، عجب رقت انگیز منظر تھا، اس دفعہ حضرت نے چند روز اپنے مرید خاص شیخ محمد سعید کے ہاں ہاؤسنگ سوسائٹی میں قیام فرمایا اس کے بعد مخلص دیرینہ شیخ محمد سلطان جاپان والوں کے ہاں نازلی ہوٹل (لارنس روڈ) میں تشریف لے گئے، جہاں پہلے کی طرح رونق ہو گئی، ملاقات کرنیوالے احباب کا تانتا لگا رہتا، عصر کے بعد حسب معمول مجلس ہوتی، اور سب حاضرین مستفیض ہوتے، یہ موقع چوں کہ راقم کی شادی کا تھا اس لئے پاکستان کے مختلف علاقوں سے بکثرت مہمان آئے ہوئے تھے مثلاً ٹھٹھہ، حیدر آباد، میر پور خاص، بہاولپور، ملتان، لاہور، لائل پور، کوئٹہ، راولپنڈی، مری، وغیرہ وغیرہ، اس مرتبہ حضرت نے کراچی میں مختصر قیام فرمایا اس کے بعد حیدر آباد تشریف لے گئے، یہاں اپنے فرزند نسبتی علامہ مفتی محمود صاحب کے ہاں قیام فرمایا حسب دستور سابق حاجی محبوب الٰہی صاحب ([illegible] ہیڈ ماسٹر ٹیکنیکل ہائی سکول) کے ہاں عصر کے بعد محفل ہوتی تھی، اس زمانے میں راقم گورنمنٹ کالج میر پور خاص میں تھا اس لئے ازراہِ شفقت و عنایت راقم کے ہاں میرپور خاص تشریف لائے، صرف ایک روز قیام فرمایا، اس کے بعد حیدر آباد تشریف لے گئے، چند روز قیام کے بعد کراچی روانہ ہوئے پھر بذریعہ طیارہ وہاں سے ملتان تشریف لے گئے،

ملتان میں حضرت اپنے عزیز حکیم شوکت علی صاحب اور دیگر مخلصین کے اصرار پر تشریف لے گئے ـــ یہاں ایک مخلص دیرینہ جناب صغیر احمد صاحب کاکران کی کوٹھی (گلگشت کالونی) میں قیام فرمایا۔
حضرت کے فرزند نسبتی حضرت قاری الحاج حفیظ الرحمٰن صاحب (بہاولپور) عرصہ سے حضرت کی تشریف آوری کیلئے چشم براہ تھے، اس مرتبہ حضرت نے ان کی دیرینہ آرزو پوری فرمائی اور ازراہ شفقت ملتان سے بہاولپور تشریف لے گئے، یہاں حضرت نے دوسرے فرزند نسبتی نوابزادہ صلاح الدین احمد صاحب (برادر خورد نواب آف لوہارو) کے اصرار پر ان کی کوٹھی (ماڈل ٹاؤن) میں قیام فرمایا۔ بہاولپور میں چند روز قیام فرمانیکے بعد خانیوال کے احباب کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے، اس کے بعد اپنے شیخ طریقت حضرت مولانا صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادۂ عالی شان کے چشم و چراغ حضرت مولانا منظور احمد صاحب ظلہ العالی (سجادہ نشین خانقاہ امامیہ) سے ملاقات کیلئے ساہیوال تشریف لے گئے، حضرت مولانا ئے ممدوح کئی سال سے حضرت کی تشریف آوری کے آرزومند تھے ـــــ حضرت موصوف کے ہاں چند روز قیام کے بعد حضرت قبلہؒ لاہور کے بیشمار احباب و مریدین کے اصرار پر لاہور تشریف لے گئے یہاں ایک دیرینہ مخلص و مرید حاجی رفیق الدین صاحب کے ہاں قیام فرمایا، موصوف نے حضرت قبلہ اور تمام مہمانوں کی مہمان نوازی کا حق ادا کر کے کمالِ محبت و عقیدت کا ثبوت دیا، یہاں روزانہ نماز مغرب کے بعد محفل ہوتی اور طالبین مستفیض ہوتے، عجیب رونق تھی ـــــ راولپنڈی کے احباب و مریدین کے اصرار پر حضرت لاہور سے راولپنڈی تشریف لے گئے یہاں مرید محبوب حافظ رفیق الدین کے ہاں سٹیلائٹ ٹاؤن میں قیام فرمایا، یہاں بھی روزانہ محفلیں ہوتیں اور بیشمار لوگ مستفیض ہوئے راولپنڈی سے حضرت مری بھی تشریف لے گئے، وہاں بھی حضرت کے مخلصین موجود ہیں۔
چوں کہ یہ حضرت کا آخری سفر تھا اس لئے اس مرتبہ کسی چاہنے والے کو مایوس نہ فرمایا، باوجود ضعف و نقاہت کے دلداری اور شفقت کیلئے ہر جگہ تشریف لے گئے، اور اپنی تکالیف کا مطلق خیال نہ فرمایا، راولپنڈی سے حضرت لاہور تشریف لائے، یہاں سے شرقپور بھی تشریف لے گئے تھے، چند روز بعد ہی روانگی کی تیاریاں شروع ہوئیں، راقم بھی حاضر تھا، اس مرتبہ روانگی کا منظر بڑا رقت انگیز تھا، ہر شخص مایوس و حرماں نصیب معلوم ہوتا تھا، اور ایسا نظر آتا تھا کہ اب کبھی حضرت کا چہرۂ اقدس نہ دیکھ سکیں گے ؎

یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے

جب حضرت طیران گاہ پر پہنچے تو اشکبار آنکھوں نے استقبال کیا، جہاز تک مشایعت کے لئے جانے کیلئے صرف دس آدمیوں کا پاس تھا، لیکن جب طیران گاہ کے ارباب حل و عقد نے بیشمار لوگوں کو مضطرب

وبےچین پایا تو صلائے عام دیدی گئی، ہر شخص آخری دیدار کیلئے طیارے کے قریب پہنچ گیا، حضرت آرام کرسی پر تشریف فرما تھے، اور خراماں خراماں جہاز کی طرف تشریف لے جارہے تھے، تھوڑی دیر بعد یہ آفتاب علم وعرفان نظروں سے اوجھل ہونیوالا تھا، بیقرار دلوں نے الوداع کہا، حضرت کا وہ جانا، ایسا جانا تھا جیسے دل سے کوئی آرزو نکل جائے، نہ معلوم یہ رقت انگیز منظر کب تک دلوں کو تڑپاتا رہیگا ؎

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا!
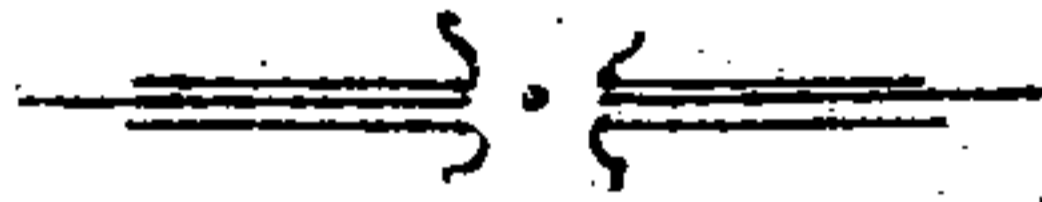
پانچواں باب
معاملات

معاملات

جمالِ سیرت و کردار عبادات سے زیادہ معاملات میں نظر آتا ہے جو عبادات ہی کا ایک اہم حصّہ ہیں، حضرت قبلہؒ نے عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات میں اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھا، اپنے اور بیگانوں کیساتھ عدل و مساوات، امانت و دیانت، بزرگوں کا اکرام و احترام محسنین کی توقیر و تکریم، عزیزوں پر شفقت و مہربانی، مریدین و معتقدین کیساتھ کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ، غریبوں اور مفلسوں کیساتھ ہمدردی اور ایثار و قربانی ——— غرض ہر بات میں اسوۂ حسنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر رہا ع کافی ہے بس اک نسبت سلطانِ مدینہ۔

جہاں تک اپنوں اور بیگانوں میں عدل و انصاف کا تعلق ہے حضرت قبلہؒ انتہا درجہ کے عدل گستر تھے، کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو اگر شریعت کا فیصلہ اس کے حق میں جاتا ہے تو منصفانہ جرأت مندی اور فراخ حوصلگی کیساتھ اس کے حق میں فیصلہ دیا ہے اس معاملے میں اپنی اولاد تک کی رعایت نہیں فرمائی ——— اور شرعی فیصلہ حاکم وقت کے خلاف ہوتا ہے تو ناگفتہ بہ حالات کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے، یہاں صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے حضرت کی عدل گستری اور حق گوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱)

۱۹۴۷ء میں علامہ مشرقی مرحوم نے دہلی میں خاکساروں کو جمع ہونیکی ہدایت کی، چنانچہ دور و نزدیک سے بیشمار خاکساروں نے دہلی کی طرف مارچ شروع کیا، حکومت وقت اُن کے داخلہ پر پابندی لگادی تو انہوں نے مساجد میں پناہ لی چنانچہ مسجد جامع فتحپوری میں بھی تقریباً تین چار ہزار خاکسار پناہ گزیں تھے، حکومت وقت یہ چاہتی تھی کہ مسجد سے خاکساروں کو گرفتار کرنیکا کوئی جواز تلاش کیا جائے چنانچہ اس نے دہلی کے علماء سے ایک محضر نامے پر دستخط کرائے جس کا مقصد تھا کہ مسجد میں داخل ہو کر خاکساروں کو گرفتار کرنا یا مساجد سے خاکساروں کو نکالدینا شرعی حیثیت سے جائز ہے ——— جب یہ محضر نامہ حضرت کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت نے اس کی سخت مخالفت فرمائی اور فرمایا ———

"مسجد خدا کا گھر ہے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کو مسجد سے جبرًا نکالے جبتک کہ وہ کسی شرارت یا جرم کے مرتکب نہ ہوں"۔

چناں چہ حضرت نے اس محضر نامہ پر دستخط نہیں فرمائے اور اس کو جرأت مندی کیساتھ رد کر دیا، سب کو معلوم ہے کہ ۱۹۴۷ء میں دہلی میں کیسے ناسازگار حالات تھے، ایسی حالت میں حاکم وقت کے خلاف احیاء شریعت اور اعلاء کلمۃ الحق کیلئے حق گوئی سے کام لینا کوئی آسان بات نہیں تھی لیکن حضرت نے اظہار حق میں ذرا پس و پیش نہ کی ع اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔

قرآن عظیم نے عادلوں اور منصفوں سے اسی معیاری عدل و انصاف کا تقاضا کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بہما فلا تتبعوا الہوی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا ۔ (پارہ ۔ ۵، النساء)

مسلمانو مضبوطی کیساتھ انصاف پر قائم رہو، اور خدا لگتی گواہی دو، یہ گواہی تمہارے اپنے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اور اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ سب سے بڑھ کر ان کی پرداخت کرنیوالا ہے تو تم ان کی خاطر اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اور حق سے اعراض کرنے لگو اور اگر دبی زبان سے گواہی دوگے یا پہلو تہی کروگے تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

آج دنیا میں جو غم کے سایے منڈلا رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ عدل تعصبات کی نذر ہو گیا ہے، ڈاکٹر اقبال نے فراست مومن میں امن عالم کو پایا ہے ؎

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

قرآن حکیم نے عدل گستری کا جو عظیم سبق دیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس کو زندگی بخشی، ایک موقع پر جب کسی شریف گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی گئی تو فرمایا :۔

اُس سے پہلے لوگ محض اس وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تھے کہ ان میں جب کوئی شریف آدمی جرم کرتا تو چھوڑ دیتے اور جب کوئی معمولی آدمی اس جرم کا ارتکاب کرتا تو سزا

پاتا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بیٹی محمد کی چوری کرتی تو
اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔" (ابن ماجہ - کتاب الحدود)

فی الحقیقت ایک عادل اور منصف کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ فیصلے کے وقت امیر و غریب، شریف و رذیل
اپنے اور بیگانے کو نہ دیکھے بلکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے، یہ وہ جواہر ہیں جو رہتی دنیا تک
تابدار رہتے ہیں ؎

العدل فی جسم و لا ۃ جواھر
لو مات جسم فالجواھر باقیا

حضرت دنیا سے تشریف لے گئے لیکن عدل و انصاف پسندی کے وہ چراغ جو حضرت نے روشن
کئے تھے ہمیشہ ہمیش روشن رہیں گے۔

(۲)

حضرت کی سیرت مبارکہ میں عدل گستری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً ایک مرتبہ مسجد جامع
فتحپوری میں حضرت کے کمرے میں چند امانات رکھی تھیں جو چوری ہوگئیں تفتیش کے سلسلے میں پولیس نے
چاہا کہ مسجد کے بعض ملازمین کو زد و کوب کر کے حقیقت حال دریافت کی جائے مگر چوں کہ یہ عمل شرعاً
جائز نہ تھا اس لئے حضرت نے اجازت نہ دی اور امانات مسروقہ کی ادائگی کا بار گراں خود برداشت
فرمایا، بغیر شرعی شہادت کے کسی کو زد و کوب کرنا عدل کے منافی اور سراسر ظلم ہے اس لئے حضرت نے
روا نہ رکھا ؎

یہ جبر و قہر نہیں ہے عشق و مستی ہے — کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی

(۳)

حضرت نے عدلیہ کے معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا ہے، چناں چہ حضرت کے
مرید خاص حافظ صالحین صاحب ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص کے مقدمہ میں حضرت کو دہلی کی عدالت میں شہادت دینی تھی، عدالت سے
سمن کے ساتھ زاد راہ کیلئے دو روپے بھی بھیجے گئے، یہ تیس سال قبل کا واقعہ ہے، جس شخص کا مقدمہ
پیش تھا وہ حضرت کو لینے آیا، حضرت تانگہ میں تشریف لے گئے — جو شخص حضرت کو لے گیا تھا، اس
نے ہر چند کرایہ دینا چاہا مگر حضرت نے منظور نہ فرمایا اور خود کرایہ ادا کیا، عدالت میں گواہی دینے کے
بعد جب حضرت واپس ہونے لگے تو جیب سے دو روپے نکال کر خاموشی سے جج کی میز پر رکھ دئیے ——

وہ یہ سمجھا کہ حضرت کچھ زیادہ لینا چاہتے ہیں چناں چہ اس نے کہا "چار روپے پیش کر دیئے جائیں"، فرمایا "نہیں"
پھر اس نے کہا "آٹھ روپے پیش کئے جائیں؟" ——— فرمایا "نہیں" ۔ پھر اس نے جھنجھلا کر کہا دس
روپے پیش کئے جائیں؟ ——— حضرت نے جھڑک جواب دیا کہ "فقیر معاوضہ لیکر گواہی نہیں دیا
کرتا" ——— یہ کہہ کر عدالت کے باہر تشریف لے آئے اور جج ہکا بکا رہ گیا ———

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت نے عدل گستری میں کبھی اپنوں کی ساتھ رعایت نہیں فرمائی، بلکہ ہمیشہ حق بات فرمائی، حضرت کے فرزند نسبتی الحاج قاری حفیظ الرحمٰن صاحب ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کو راقم اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔

(۴)

حضرت مفتی مجلس اوقاف کے ممبر تھے، مسجد جامع فتحپوری میں اوقاف کے تحت مدرسہ عالیہ تھا جس میں ایک شعبۂ تجوید القرآن بھی تھا، قاری حفیظ الرحمٰن صاحب اس میں درس دیا کرتے تھے، آپ بڑے متقی اور عابد و زاہد ہیں، راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے اور صبح درس دیتے وقت کبھی کبھی غنودگی آجاتی جس کی حضرت تک شکایت پہنچی، حضرت نے بلا کر فرمایا :۔

"تمہاری شکایت کی گئی ہے کہ تم سوتے رہتے ہو، یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری حمایت کروں گا،
ہرگز حمایت نہ کروں گا "

آج اگر کوئی کسی ادارے کی کمیٹی کا ممبر ہو تو وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ اپنوں کی خامیوں کو نظر انداز کرتا رہے، گرفت کرنا تو محالات میں سے ہے، مگر حضرت نے مجلس اوقاف کا ممبر ہوتے ہوئے اپنے فرزند نسبتی پر حقیقت واضح کر دی کہ کہیں ان کو یہ خیال ہو کہ چوں کہ حضرت ممبر ہیں اس لئے خصوصی رعایت حاصل ہو گی، ہرگز ایسا نہ ہوگا، فرائض کی ادائیگی میں اپنے اور بیگانے کو ایک نظر سے دیکھا جائیگا

(۵)

قاری صاحب ممدوح نے ایک اور واقعہ سنایا جس سے حضرت کی خشیت الٰہی کا اندازہ ہوتا ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک روز حضرت غیر متوقع طور پر مسجد فتحپوری میں وضو کے لئے اس مقام پر تشریف لے آئے جہاں عام نمازی وضو کرتے ہیں، قاری صاحب وضو کر رہے تھے نل کھلا ہوا تھا، پانی بہہ رہا تھا، وہ حضرت کی تشریف آوری سے لاعلم تھے ——— حضرت نے اچانک فرمایا "نل بند کرو، کل قیامت کے روز خدا کو کیا حساب دوگے؟" ——— اللہ کے حضور میں جوابدہی کا یہ شدید احساس پیدا ہوجائے تو زندگی، زندگی بن جائے ۔ آج معاشرے میں ساری خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ معاشرے کا ہر

فرد خود کو اللہ کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتا۔ شریعت نے کفایت و سخاوت کے معیارات کو رکھ دئے ہیں، اہل شریعت اور اہل تقویٰ کا یہی حال ہے ؎

کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت — سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت

(۶)

حضرت ایفائے عہد اور امانات کا خاص خیال رکھتے تھے ——— قرآن حکیم نے مومن کی صفاتِ حسنہ میں امانتداری کی صفت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ط (پارہ ۲۹ - المعارج)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (پارہ ۵ - النساء)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دو۔

حضرت کی امانتداری کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی نے کوئی امانت رکھوائی ہے، برسوں گزر گئے کہ وہ نہ آیا مگر حضرت نے کبھی اس کو کھول کر نہیں دیکھا۔ حضرت کے کمرہ شریف میں امانات کا قدِ آدم صندوق علیحدہ رکھا ہوا تھا، ۱۹۷۷ء کے ہنگاموں کے دوران راقم نے انکو کھول کر دیکھا تو برسہا برس کی بہت سی گٹھڑیاں بندھی پڑی ہیں، سامان کپڑا بوسیدہ ہو کر پارہ پارہ ہو چکا ہے مگر پڑی ہیں اسی طرح بندھی ہوئی ہیں، — ان حضرات کیلئے امانات کھول کر دیکھنا بھی خیانت کے مترادف تھا، یہی وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس پر مولیٰ تعالیٰ نے امین کے خطاب سے سرفراز فرما کر ممتاز فرمایا:۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ط

ساری بلندیاں خشیت الٰہی سے حاصل ہوتی ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ط (پارہ ۹، الانفال)

مسلمانوں اگر تم خدا سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دیگا

(۷)

خشیت الٰہی حضرت قبلہؒ کی سیرت مبارکہ کا خاص جوہر تھا، حضرت ان مقامات سے پہلو تہی فرمایا کرتے تھے جہاں خیانت کا ذرا سا بھی شائبہ ہوتا تھا، چنانچہ جیسا کہ عرض کیا گیا، حضرت

سنی مجلس اوقاف کے ممبر تھے، ۱۹۴۶ء تک اس کے صدر شہید ملت لیاقت علی خاں رہے اس کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (صدر جمہوریہ ہند) اس کے صدر ہو گئے، ان حضرات کے زمانہ میں اوقاف کی مالیات میں دیانت کیساتھ عمل ہوتا رہا، مگر بعد میں جب حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، اور حضرت نے محسوس فرمایا کہ مالیات کا مصرف دیانت شرعی کے خلاف ہے تو فوراً مستعفی ہو کر علیحدہ ہو گئے

(۸)

حضرت کی دیانت کا یہ عالم تھا کہ اہل خانہ کے نام حضرت کی معرفت اگر کوئی خط آتا تو اس کو کبھی کھول کر نہیں دیکھتے، ایک مرتبہ راقم دہلی حاضر ہوا — حضرت کے نام راقم کا ایک خط آیا جس پر راقم کا نام مرقوم نہ تھا، صرف حضرت کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا، حضرت نے اس کو کھول کر پڑھنا چاہا، مگر جب القاب پر نظر پڑی تو فوراً بند کر کے راقم کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی معذرت آمیز الفاظ بھی فرمائے — "میرے نام تھا اس لئے میں نے کھول لیا مگر پڑھا نہیں"۔

آجکل دیانت کا یہ اہتمام عنقا ہوتا جا رہا ہے — ہمارے معاشرے میں آپس کے خطوط کا کھول کر پڑھ لینا کچھ معیوب نہیں، بلکہ دوسروں کے خطوط کی ٹوہ لگی رہتی ہے، لیکن ان حضرات کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو ہم ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں وہ خیانت جیسا عظیم گناہ ہے۔

(۹)

حضرت نے ہمیشہ سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں بزرگوں کا اکرام و احترام کیا ہے، اور اس میں اپنی مشیخت و بزرگی کی مطلق پرواہ نہ کی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت کے عمزاد برادر بزرگ ناصر علی صاحب مرحوم (تحصیلدار) جمعہ کے روز مسجد فتحپوری تشریف لائے، حضرت معمول کے مطابق اپنی خصوصی مجلس میں بیٹھے وعظ و ارشاد فرما رہے تھے، ناصر علی صاحب کو معلوم نہ تھا، انہوں نے دروازے کے قریب جا کر بے تکلفی سے آواز دی "میاں مظہر اللہ"! حضرت فوراً باہر تشریف لائے اور ان کو اندر لے گئے، ان کو مسند پر بٹھایا اور خود ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، ناصر علی صاحب فرماتے تھے کہ مریدوں کے درمیان اس طرح بیٹھ کر بڑی خفت و ندامت ہوئی — اسی وقت وہ رخصت ہو گئے

(۱۰)

محسنین کی توقیر و تکریم میں کبھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ۱۹۶۱ء جب حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو کراچی کے زمانۂ قیام میں حضرت کے صاحبزادگان کے استاد گرامی مولانا ناصر خلیق صاحب ملاقات کیلئے تشریف لائے تو چودہ برس گزر جانے کے باوجود حضرت فوراً پہچان گئے

اور بڑی محبت سے معانقہ فرمایا، مولانائے موصوف جذبات پر قابو نہ رکھ سکے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، ماضی کی یاد تازہ ہو گئی ـــــــ

مولانائے موصوف جس وقت تشریف لائے حضرت نماز عصر کیلئے ہال میں تشریف لے جارہے تھے، جہاں بکثرت مریدین و معتقدین دیدار کے منتظر تھے ـــــ نماز عصر کے بعد حسب معمول مغرب تک مجلس ہوا کرتی تھی مگر آج حضرت نے نماز عصر کے کچھ ہی دیر بعد اس مجلس کو برخواست کر دیا اور واپس کمرہ پر تشریف لائے، راقم سے فرمایا کہ مولانا کہاں ہیں ؟ ـــــ عرض کیا کہ وہ تشریف لے گئے، فرمایا کہ "آج تو مولانا ہی کی وجہ سے مجلس برخواست کی تھی"۔ بڑا قلق ہوا ـــــــ اب محبت کی یہ پاسداریاں عنقا ہوتی جارہی ہیں ـ

(۱۱)

حضرت اپنے چھوٹوں پر بھی بڑے شفیق و مہربان تھے، ایک مرتبہ آٹھ دس سال بعد حضرت کے نسبتی بھانجے یمین الدین حق صاحب (ایڈیشنل سیٹلمنٹ کمشنر۔ لاہور) کسی عدالتی مشن پر دہلی تشریف لے گئے، جمعہ کے روز اس وقت ملاقات کیلئے حاضر ہوئے جب حضرت معمول کے مطابق وعظ و ارشاد فرماتے تھے، مجلس جمی ہوئی تھی، اہل محبت بیٹھے ہوئے تھے ـــــــ بالعموم یہ مجلس دو گھنٹے تک جاری رہتی تھی مگر آج حضرت نے نصف گھنٹے کے بعد ہی ختم کر دی ـــــ راقم بھی شریک مجلس تھا، جب مجلس برخواست ہو گئی تو فرمایا "میاں یمین کہاں ہیں ؟" عرض کیا ان کو ضروری کام تھا اس لئے تشریف لے گئے۔ فرمایا۔ "آج انہیں کی وجہ سے یہ مجلس مختصر کی تھی"، اللہ اللہ اب یہ شفقت و مہربانیاں کہاں ؟

(۱۲)

حضرت اپنے مریدین و مخلصین پر بڑے مہربان تھے، دو واقعے نقل کرتا ہوں جس سے حضرت کے محبت و اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے، دہلی سے چار یا پانچ میل کے فاصلے پر سرائے روح اللہ میں حضرت کے ایک مرید با اخلاص اسلام الدین صاحب نے رات کی دعوت کی، جن صاحب کو لینے کیلئے بھیجا وہ کسی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے چنانچہ حضرت نے اور اہل خانہ میں جو مدعو تھے انہوں نے گھر ہی پر کھانا کھایا ـــــــ رات گئے خود صاحب خانہ آئے اس وقت حضرت آرام و استراحت کیلئے کمرے میں تشریف لیجا چکے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ دستک دے سکے، وہ مرید وفا شعار رات سے صبح صادق تک حضرت کی چوکھٹ پر نوافل پڑھتے رہے، رات جاگ کر گذاری، بےچینی و اضطراب میں، حضرت کی خفگی اور ناراضگی کا سخت غم تھا، لیکن جب صبح نماز فجر کیلئے حضرت کمرہ شریف سے باہر تشریف لائے تو ان کو دیکھ کر مسکرائے، ان کی آنکھوں

سے آنسو جاری تھے۔ حضرت نے فرمایا نماز کے بعد آپ کے ساتھ چلیں گے اور جو رات کو پکایا گیا ہے وہی کھائیں گے، چناں چہ حضرت اور اہل خانہ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور رات کا کھانا خوشی خوشی تناول فرمایا۔

(۱۳)

اسی طرح ایک غریب و مفلس مرید نے دہلی ہی میں دعوت کی، دوپہر کو حضرت ۱۲ بجے تک کھانا نوش فرما لیا کرتے تھے اور اگر کوئی دعوت کرنیوالا اس وقت کے بعد حاضر ہوتا تو کبھی تشریف نہ لیجاتے، حضرت وقت کی پابندی کا خاص اہتمام فرماتے تھے، دن و رات کے سارے معمولات گھڑی کے گھنٹوں اور منٹوں کی طرح منظم و مربوط تھے، لیکن جس مرید نے دعوت کی تھی وہ ایک گھنٹے تاخیر سے پہنچا، اندازہ یہی تھا کہ حضرت تشریف نہ لیجائیں گے لیکن فوراً تیار ہو گئے ——— جب اس مرید کے مکان میں رونق افروز ہوئے تو اس نے ایک کمرہ میں بٹھا دیا، اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی کھچڑی لاکر سامنے رکھدی راقم کی نوعمری کا زمانہ تھا، بڑا ناگوار معلوم ہوا، مگر حضرت نے خوشی خوشی وہ ٹھنڈی کھچڑی تناول فرمائی اس وقت تو اندازہ نہ ہو سکا لیکن اب معلوم ہوا کہ جو حضرات اس رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق ہیں جس نے فرمایا الفقر فخری والفقر منی ان کی یہی شان ہوتی ہے۔

(۱۴)

۱۹۶۱ء میں کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت جن مخلصین و محبین کے ہاں تشریف لے گئے وہ بالعموم امیر کبیر تھے، ویسے کراچی میں حضرت کے اکثر مریدین بہت متمول ہیں۔ حضرت کی نظر ان کے تمول پر نہیں تھی بلکہ ان کے دلوں پر تھی، عرض کیا جا چکا ہے کہ کیسے ہی مرغوب کھانے پکوائے جاتے مگر ان دنوں حضرت ہمیشہ مسور کی پتلی دال اور خشکا تناول فرماتے ——— حضرت کے ایک مرید کو غلط فہمی ہو گئی وہ بہت مفلس و غریب تھا، اور حضرت کو اپنے ہاں لیجانے کی تمنا لیکر روزانہ حاضر ہوتا لیکن اژدہام کی وجہ سے حرف طلب زبان پر نہ لا سکتا تھا، معذور بھی تھا، ایکدن اس نے ڈاک کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا اور اس میں گستاخانہ جرأت کیا تھا جو شاید جوش جنوں کا نتیجہ تھی یہ لکھدیا کہ آپ امیروں کے ہاں تو تشریف لیجاتے ہیں مگر غریبوں کو نظر انداز فرما دیتے ہیں ——— اندازہ تو یہ تھا کہ حضرت اس گستاخانہ تحریر پر غضبناک ہونگے مگر نہیں جب وہ سامنے آیا تو فرمایا کہ آج تمہارے ہاں چلیں گے چناں چہ بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ اس کی جھونپڑی میں تشریف لے گئے جو پیچ در پیچ گلیاں عبور کرکے آئی ———

حضرت نقاہت وکمزوری کی وجہ سے کچھ دور چل نہ سکتے تھے ایسے مقامات پر جانا اس لیے بھی مشکل تھا، مگر حضرت نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کی پوری پوری دلداری فرمائی اور ذرّہ بھر بھی ملال کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۱۵)

حضرت غرباء ومساکین پر ہمیشہ مہربان رہے، اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آیا ——

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد جبکہ دہلی میں بجد گرانی ہو گئی تھی، مسجد فتحپوری کے ملازمین نے مجلس اوقاف سے تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ کیا —— حضرت نے اس مطالبہ کی تحریری سفارش فرمائی۔ مسجد فتحپوری کی ماہانہ آمدنی تقریباً آٹھ ہزار روپے تھی، اس کے باوجود مجلس اوقاف نے ملازمین کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا —— اور حضرت کو لکھا کہ ملازمین کی تنخواہوں میں تو اضافہ نہیں ہو سکتا البتہ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد احمد صاحب (نائب امام مسجد فتحپوری) کا نذرانہ مقرر کیا جا سکتا ہے، (مولانائے موصوف اس وقت تک بغیر کسی نذرانے کے نیابت کے فرائض انجام دے رہے تھے)۔ حضرت کو یہ تحریر دیکھ کر سخت غصہ آیا اور جواباً تحریر فرمایا:۔

"اگر مجلس اوقاف کے پاس روپے نہیں تو فقیر کا نذرانہ مسکین ملازمین میں تقسیم کر دیا جائے"

کہاں تو یہ لکھا جا رہا ہے کہ صاحبزادے کا مزید نذرانہ مقرر کر دیا جائے، اور کہاں حضرت یہ تحریر فرما رہے ہیں کہ وہ نذرانہ تو نذرانہ فقیر کو وہ نذرانہ بھی نہیں چاہیئے جو سالہا سال سے مل رہا ہے، سب غرباء میں تقسیم کر دیا جائے،

شمع کی طرح جنیں بزمہ گہہ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

(۱۶)

عزیز و اقارب، بیوہ اور بیگانوں کا حضرت نے پورا پورا خیال رکھا، اور اس طرح ان کی مدد فرمائی کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی قرآن کریم نے عزیز و اقارب و مسکین و مسافر کے حقوق کی ادائیگی کا جو حکم دیا ہے حضرت کا یہ عمل اسی کا آئینہ دار ہے :۔

وآت ذاالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا

(پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل)

(ترجمہ) اور رشتہ داروں، غریب اور مسافر کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو بے جا مت اڑاؤ۔

اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا جو راولپنڈی سے مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں :-

"میں نے حضرت مہر کی بارہا دہلی میں اور ایکبار راولپنڈی میں کی گئی مجلسوں میں زیارت کی، ان کی مجلس میں بیٹھ کر علمی مسائل اور اتباع سنت ـــــ کی باتیں سننے میں آتیں تھیں، اور اسلاف کی زندگی کا نمونہ نظر آتا تھا ـــــ حضرت کی ایک بیّن کرامت مجھ کو اس وقت نظر آئی جب میں ۱۹۵۰ء کے اواخر میں میرٹھ سے دہلی آیا اور پاکستان پہنچنے کیلئے ویزا حاصل کرنے میں کئی دن گزر گئے، جو رقم ساتھ تھی وہ ختم ہو گئی، ـــــ دہلی میں بکثرت احباب ہونیکے باوجود کسی سے قرض مانگنا بھی گوارا نہ تھا، بادل ناخواستہ دل میں خیال آیا کہ حضرت سے رقم کرایہ قرض حاصل کی جائے، چناں چہ حضرت کے مکان پر پہنچا - آپنے دستک سنکر دروازہ کھولا اور مجھ کو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ آپ کو کتنی رقم کی ضرورت ہے" میں نے عرض کیا کہ پچاس روپے کی ضرورت ہے" آپنے مجھ کو ایک سو روپے لاکر دیئے میں نے بار بار عرض کیا کہ پچاس روپے کافی ہیں، فرمایا کہ رکھ لیجئے کام آجائیں گے، میں نے حضرت سے اجازت چاہی اور شب کو بمبئی روانہ ہو گیا بمبئی پہنچ کر میں نے ایک ماہ قیام کیا اور پاکستان روانگی سے قبل رقم مذکورہ حضرت کے پتے پر شکریہ کے ساتھ واپس کر دی، میرے قلب پر آج تک اس واقعہ کا خاص اثر ہے"۔

(مکتوب محررہ ۸ فروری ۱۹۶۷ء)

(۱۷)

حضرت نے خرچ میں ہمیشہ شرعی احتیاط کو مدنظر رکھا، جہاں ضرورت ہوتی وہاں فراخ دلی کے ساتھ عطا فرمایا اور جہاں ضرورت محسوس نہ کی کفایت سے کام لیا، حضرت کی ضرورت کا معیار شریعت تھی۔ آج معاشرے کی ساری بے اعتدالیاں حقیقتِ "ضرورت" سے عدم واقفیت کی بنا پر ہیں۔

حضرت کی خدمت میں مریدین و معتقدین جو نذرانے پیش کرتے وہ اکثر اوقات محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جاتے، حضرت کے ایک مرید نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک لفافہ میں حضرت کو نذرانہ پیش کیا، اسی وقت ایک حاجتمند آگیا، حضرت نے نصف رقم اسی وقت اس کو دیدی، اسی طرح جب ۱۹۶۴ء میں پاکستان تشریف لائے تو لاہور سے دہلی جاتے ہوئے نذرانوں کی ساری رقم نکال کر مجلس میں بیٹھے ہوئے محبین و مخلصین میں تقسیم کر دی اور رومال جھاڑ کر اس طرح اٹھایا گویا کہ ایک بار عظیم سے سبکدوش ہو گئے ـــــ اس واقعہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، ان کے غلام دولت سے ایسے ہی بے نیاز ہوتے ہیں ؎

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

(۱۸)

حضرت نے ایسے عزیزوں کی بھی مدد فرمائی جنہوں نے حضرت کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا حقیقت میں ایسے لوگوں کی مدد سے سیرت کے اصلی جواہر معلوم ہوتے ہیں، اس قسم کے حضرات کی بڑی خاموشی سے تمام رنجشیں بالائے طاق رکھ کر مدد فرمائی، چناں چہ ایک عزیز جب ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے تو حضرت نے ان کو تحریر فرمایا :-

"آپ ہندوستان میں تھے تو فقیر خدمت کرتا رہا، افسوس اب اس خدمت سے محروم ہو گیا"

اس وقت معلوم ہوا کہ حضرت باوجود ان کی طرف سے ایذا رسانی کے برسہا برس مدد فرماتے رہے اور کسی کو کانوں کان بھی اس کی خبر نہ ہوئی۔ یہی وہ حسن مدارات ہے جس سے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں، قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے :-

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ۝ (پارہ ۲۴ - حم السجدہ)

اسی آیت کے معنی و مفہوم کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبی سے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان مروت با دشمنان مدارا

(۱۹)

جب ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو ان عزیز کی ملاقات کیلئے بنفس نفیس تشریف لے گئے جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے، وہ علیل تھے، عیادت فرمائی اور خاطر خواہ خدمت بھی فرمائی۔ حضرت کی صلہ رحمی کا جذبہ عزیزوں، مریدین، و معتقدین اور عامۃ الناس کیلئے درس عظیم ہے، یہ وہی جذبۂ محمودہ ہے جس کے متعلق قرآن حکیم میں ایک جگہ اس طرح ہدایت فرمائی ہے :-

یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ط

(پارہ ۴ - آل عمران)

(ترجمہ) مسلمانو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تعلیم دو اور آپس میں مل کر رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔

کسی کی بد خلقی اور بد سلوکی پر صبر کرنا، نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ حسن خلق و مدارات سے پیش آنا، اس کی مصیبتوں میں کام آنا، کوئی آسان کام نہیں، اسی لئے فرمایا گیا :۔

وما یلقٰھا الا الذین صبروا وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم ؐ (پارہ ۲۴ - حم سجدہ)

(ترجمہ) اور (یہ حسن مدارات کی توفیق) انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو صابر خوش نصیب ہیں۔

اس خلق عظیم کی جزا بھی محدود نہیں لا محدود و لا یزال ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا صفات میں قرآن حکیم کا یہ فرمان تنگدلوں اور کج خلقوں کیلئے ایک عظیم نمونہ ہے :۔

وانک لعلٰی خلق عظیم وانک لاجر غیر ممنون ط

(ترجمہ) اور آپ حسن خلق کی انتہائی بلندیوں پر ہیں، بیشک آپکا اجر غیر مختتم ہے۔

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد اولیں یہ بیان فرمایا ہے :۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

(ترجمہ) میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کروں۔

اہل دل اور اہل نظر وہی ہے جو اپنے اخلاق کو اخلاق محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں ڈھال لے اور سیرت نبوی کا آئینہ بن جائے ــــــــ حضرت قبلہ کی مبارک زندگی میں اخلاق مصطفوی کی جھلک نظر آتی ہے، عبادات و ریاضات کے بعد جو سب سے نمایاں صفت نظر آتی ہے وہ صلہ رحمی ہے، یہی وہ جذبہ محمود تھا جس نے بیشمار مریدین و معتقدین اور عزیزوں کو حضرت کا جاں نثار بنا دیا تھا ؎

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

(۲۰)

حضرت کی حیات مقدسہ کا جوہر عظیم "اخلاص" تھا، حضرت نفسانی خواہش کے تحت نہ کبھی ناراض ہوئے اور نہ خوش، آپ کی خوشنودگی اور ناراضگی دونوں رضائے الٰہی کے تابع تھیں ؎

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

اہل سنت و الجماعت میں مختلف جماعتیں موجود ہیں مگر حضرت نے خود کو کبھی کسی جماعت سے وابستہ نہیں فرمایا ــــــــ حضرت کا مسلک "تائید حق" تھا، خواہ وہ کسی جماعت میں ہو، یہی وہ معتدل راستہ تھا جس کی وجہ سے ہر مسلک فکر کے لوگ کیا خواص کیا عوام حضرت کی بے انتہا قدر

ومنزلت کرتے تھے ـــــــــ حضرت کا عمل اس آیۂ مبارکہ پر تھا :۔

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا لست منھم فی شیٔ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون ط (پارہ ۸۔ انعام)

(ترجمہ) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے، پھر جو کچھ کیا کرتے تھے (خدا خود) ان کو بتا دے گا۔

حضرت فرقہ بندی کے اصولاً مخالف تھے، ہمیشہ وحدت و یگانگت کیلئے ساعی رہے ؎

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی　　اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی

کبھی کبھی حضرت کے افکار و خیالات بعض مسائل میں مختلف علماء کے خیالات سے متصادم ہوئے ہیں مگر اس کا سبب ذاتی مخاصمت ہرگز نہ تھا بلکہ تبحر علمی کیئںجو اجتہادی اور تحقیقی نظر پیدا ہو جاتی ہے یہ تصادم اس وجہ سے ہوتا، جو علمی دنیا میں کسی طرح معیوب نہیں، کوئی عالم معاصر علماء کی پیروی کیلئے مکلف نہیں ـــــــــ اختلاف رائے علمی بیداری کی علامت ہے۔

(۲۱)

جس کسی سے حضرت اختلاف رائے رکھتے وہ اخلاص کی بنیاد پر ہوتا اس لئے ہمیشہ ذاتیات سے بالاتر ہوتا، یگانگت و محبت کو ہر حالت میں قائم رکھتے، اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آیا جو خود حضرت نے سنایا تھا ـــ دہلی کے مشہور عالم و فقیہہ مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم اور حضرت قبلہ قدس سرہٗ کے درمیان بعض مسائل پر اختلاف رائے رہا ہے مگر یہ اختلاف کبھی بنائے مخاصمت نہیں بنا، جن کو اللہ وسعت علم سے نوازتا ہے ان کو وسعت قلبی بھی عطا فرماتا ہے ـــــــــ یہ دونوں حضرات ایکدوسرے کا انتہائی احترام کرتے تھے، آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتیں ـــــــــ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ، مفتی صاحب مرحوم کے ہاں تشریف لے گئے، دستک دی، خادم آیا، اندر اطلاع ہوئی مگر مفتی صاحب ذرا تاخیر سے تشریف لائے ع

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

حضرت قبلہ سے مصافحہ ہوا، اندر تشریف لے گئے، حضرت نے دیکھا کہ کچھ بان کے ٹکڑے صحن میں بکھرے پڑے ہیں، سمجھ گئے کہ مفتی صاحب چارپائی بن رہے تھے، چناں چہ حضرت نے دریافت فرمایا "کیا کر رہے تھے" مفتی صاحب نے فرمایا کہ "کچھ نہیں" ـــــــــ پھر دوبارہ حضرت نے دریافت فرمایا تو مفتی صاحب نے حقیقت حال بیان فرمائی کہ وہ چارپائی بن رہے تھے، حضرت نے فرمایا ـ

"یہ تو میں بھی بن لیتا ہوں، لائیے ہم دونوں بنتے ہیں" ۔ چناں چہ چارپائی نکالی گئی اور ان دونوں جلیل القدر علماء (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے چارپائی بُنی ——— چارپائی کی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے

ع ہم اوج طالع لعل و گوہر کو دیکھتے ہیں ——— یہی وہ حسن خلق تھا جس کی بنا پر مفتی صاحب مرحوم حضرت قبلہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، گرویدگی اور احترام کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے ۔

ایک مرتبہ ایک شخص شیخ طریقت کی تلاش میں باہر سے دہلی آیا، اتفاق سے مفتی صاحب سے ملاقات ہوگئی، حرف مطلب بیان پہ لایا تو مفتی صاحب نے فرمایا :-

"دہلی میں حضرت امام صاحب مسجد فتحپوری کا ثانی نہیں، ان سے جا کر بیعت ہو جاؤ۔"

چناں چہ وہ شخص حضرت سے آکر بیعت ہو گیا اور جو کچھ واقعہ گزرا تھا من وعن بیان کر دیا، معتبر ذرائع سے یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ جب مفتی صاحب کا وصال ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ نماز جنازہ حضرت امام صاحب (حضرت قبلہ) پڑھائیں، اس سے کمال عقیدت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے یہ مجلتیں ان حضرات کیلئے سبق آموز ہیں، جو خواہ مخواہ دل میں رنجشوں کو پرورش دے کر دل کو ویران کرتے ہیں ۔

دہلی میں ہر سال شوال المکرم اور رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں مسجد فتحپوری میں حضرت قبلہ کی صدارت میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا، جس میں ہر مکتب فکر کے علماء شریک ہوتے تھے، تقسیم ہند کے بعد غیر دانشمند حضرات نے یہ چاہا کہ ایک اور رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل کی جائے جس کے صدر مفتی صاحب مرحوم ہوں، لیکن مفتی صاحب نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک موجود ہوں مسجد فتحپوری کی رویت ہلال کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرتا رہوں گا ——— نئی کمیٹی کی تشکیل کی اصل وجہ یہ سننے میں آئی کہ حضرت نے رویت ہلال کی شہادت کے سلسلے میں معیار شریعت کو استقامت کیساتھ سامنے رکھا، بعض لوگ چاہتے تھے کہ اس میں نرمی کر دی جائے جو حضرت نے منظور نہ فرمائی ۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب مرحوم بھی حضرت سے کچھ اختلاف رائے رکھتے تھے، تبحر علمی نہ ہونے کی وجہ سے طالبانہ تدبر کا فقدان تھا، اس لئے کبھی کبھی تلخ باتیں بھی کہہ جاتے تھے، جلوتوں میں نہیں خلوتوں میں، مگر اس کے باوجود حضرت کی عظمت کردار ان کے دل پر مرتسم تھی چناں چہ انتقال سے پہلے ہی وصیت فرمائی کہ نماز جنازہ حضرت سے پڑھوائی جائے ——— علامہ اخلاق حسین

دہلوی نے ماہنامہ عقیدت کے شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۴ء میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔
غرض ہر مکتب فکر کے علماء حضرت کی دل سے قدر کرتے تھے، چناں چہ مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کے متعلق ایک صاحب کہتے تھے کہ مولانائے مرحوم اپنی مخصوص مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ "اس وقت ہندوستان میں فقاہت میں مفتی صاحب (حضرت قبلہ) کا ثانی نہیں" —— اور حقیقت بھی یہی تھی، فقہ کی جزئیات پر جو عبور حضرت کو حاصل تھا، ہندوستان کا کوئی عالم اس میں حضرت کا حریف نہ تھا۔

تبلیغی جماعت کے بانی مبانی مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ جب کبھی مسجد فتحپوری آتے حضرت سے ضرور ملاقات کرتے۔ ایک عالم مولانائے مرحوم کا یہ قول نقل کرتے تھے:۔
"اگر کسی کو محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سیکھنی ہو تو بریلویوں سے سیکھے، نماز پڑھنی ہو تو غیر مقلدوں کے پیچھے پڑھے اور صحبت اور فیض روحانی حاصل کرنا ہو تو حضرت امام صاحب کی صحبت میں بیٹھے"۔

(۲۲)

حضرت نے کبھی اپنے بدخواہوں سے انتقام نہیں لیا، بلکہ فراخ حوصلگی اور وسعتِ قلبی کیساتھ معاف کر دیا، ہاں اگر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کسی نے ادنیٰ سی گستاخی کی تو اس کو کبھی معاف نہیں فرمایا۔ حضرت کا یہ عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار تھا چناں چہ حدیث میں آتا ہے:۔

ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ الا ان تنتھک حرمۃ اللہ عزّ وجلّ (خطبات نبوی، ص ۲۳۴)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کبھی بدلہ نہیں لیا مگر جب کہ اللہ عزّ و جلّ کی ہتک حرمۃ کی گئی۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عوام و خواص خلوتوں میں اپنے بدخواہوں کی غیبت کرتے ہیں ان کو ہدف لعنت و ملامت بناتے ہیں، ان کی عیب جوئی و عیب چینی کرتے ہیں، مگر حضرت نے خلوت نہ جلوت کہیں بھی کسی غیبت اور عیب چینی کو روا نہ رکھا، کہ قرآن پاک میں ان عادات ذمیمہ کیلئے بہت سی وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

ویل لکل ھمزۃ لمزۃ (پارہ ۳۰، الھمزہ)

(ترجمہ) ہر شخص جو (لوگوں کی) عیب چینی کرتا ہے اور (ان پر) آوازے کستا ہے اس

کی بڑی تباہی ہے "

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون ○ (پارہ ۲۶ - الحجرات)

(ترجمہ) اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان لانے کے بعد بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے، اور جو (ان حرکات) سے باز نہ آئیں تو وہی خدا کے نزدیک ظالم ہیں۔

اسی طرح تیسری جگہ تجسس و غیبت کے متعلق اس طرح تہدید کی گئی ہے :-

ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب الرحیم (پارہ ۲۶ - الحجرات)

(ترجمہ) اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو، اور نہ تم میں سے ایک کو ایک کے پیٹھ پیچھے برا کہے، بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟، یہ تو (یقیناً) تم گوارہ نہ کرو گے ——— اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحمت والا ہے۔

جن اخلاق ذمیمہ کا آیات مذکورہ بالا میں ذکر کیا گیا، وہ ہمارے معاشرے کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے ہیں، عوام تو عوام علماء بھی ان حرکات خبیثہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور احساس تک نہیں، حضرت قبلہ قدس سرہٗ کا دامن عزت و ناموس ان عیوب سے داغدار نہ تھا، حضرت کی بے داغ سیرت قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی ——— آیات کا پڑھنا یا پڑھ کر سنا دینا اور بات ہے اور آیات کی روح کو اپنے رگ و ریشہ میں پیوست کر لینا اور بات ہے۔

(۲۳)

حضرت کی حیات مقدسہ میں بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت تعلیمات قرآنیہ پر کتنی شدت سے عمل پیرا تھے، چناں چہ ایک واقعہ یاد آیا، ۱۹۶۴ء میں جب پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے زمانۂ قیام میں ایک مجلس میں ایک سن رسیدہ بزرگ کسی عالم کی غیبت کرنے لگے حضرت نے پہلے تو نرمی سے منع فرمایا، جب وہ نہ مانے اور بیان کرتے گئے تو سختی سے منع فرمایا، پوری مجلس پر سکوت کا عالم طاری تھا۔

الغرض حضرت قبلہ قدس سرہٗ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع تھے ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر ۔ ان یجمع العالم فی لواحد

عام طور پر زاہد خشک کو ولی کامل سمجھا جاتا ہے، اور اس کی عبادات و ریاضات شاقہ سے لوگ بہت متاثر نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ خلاف سنت امور کی بھی تعریف کیجاتی، مگر رب تبارک و تعالیٰ نے زہد خام کے بت کو توڑ کر سچی سیرت کی صفات کو واشگاف فرما دیا، ارشاد ہوتا ہے :-

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب
ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکة والکتٰب
والنبیین واٰتی المال علی حبه ذوی القربٰی والیتٰمٰی
والمسٰکین وابن السبیل والسآئلین وفی الرقاب واقام
الصلوٰة واٰتی الزکوٰة والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا و
الصٰبرین فی البأسآء والضرآء وحین البأس اولٰئک الذین
صدقوا واولٰئک ھم المتقون ۝ (پارہ ۲، البقرہ)

(ترجمہ) نیکی یہ نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں، اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت پر رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں دیا کرتے ہیں، اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب کسی بات کا اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے اور تنگی اور تکلیف میں اور ہلا چلی کے وقت ثابت قدم رہے، یہی لوگ ہیں جو (دعویٰ اسلام میں) سچے نکلے اور یہی ہیں جن کو پرہیزگار کہنا چاہیئے۔

مندرجہ بالا آیات میں زندگی کے ہر پہلو کو سمیٹا ہے ——— ان آیات کو پڑھ کر حضرت کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہی کی سیرت مقدسہ کا بیان ہے ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

سیاسیات

سیاست

(۱)

سیاست کے معاملے میں حضرت کے افکار و خیالات ان فتووں کے مطالعہ سے اخذ کئے جاسکتے تھے جو وقتاً فوقتاً مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے لیے جاتے رہے، لیکن افسوس یہ فتوے دستیاب نہ ہوسکے لیکن جہاں تک راقم کی معلومات کا تعلق ہے اتنا معلوم ہے کہ حضرت دین و سیاست کو الگ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ حضرت کے نزدیک :-

ہوئی دین و ملت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی — دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا — بشیری ہے آئینہ دار نذیری

مذہب و سیاست کی علیحدگی کو اس لئے گوارا نہیں فرماتے تھے، کہ سیاسی افکار کو پرکھنے کے لئے ایک معیار کی ضرورت ہے اور یہ معیار دین سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے — اس کی بالادستی میں فرد یا افراد کی نفسانی خواہشات نابود ہو کر رہ جاتی ہیں —— حضرت کو اس کا بھی پورا پورا احساس تھا کہ "حق" مجموعی طور پر کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں، سیاسی جماعت سے وابستگی کے بعد، جماعت کے فیصلوں پر بغیر کسی چون وچرا کے آمنا وصدقنا کہنا پڑتا ہے، ایسا اوقات مصلحت وقت کی خاطر بڑی بڑی صداقتوں کو جھٹلایا جاتا ہے —— حضرت کے نزدیک اسلام سنے صرف دو جماعتوں کو تسلیم کیا اہل حق اور اہل باطل —— حق جہاں ہوگا اس کی تائید کی جائے گی، مقصود جماعت کی تائید نہیں بلکہ حق کی تائید ہے۔ اسی طرح باطل جہاں ہوگا اس کی مذمت کیجائیگی یہاں بھی مقصود جماعت کی مذمت نہیں بلکہ باطل کی مذمت ہے، چناں چہ ایک ہی جماعت کے افراد بیک وقت حزب موافق بھی ہوسکتے ہیں اور حزب مخالف بھی —— اس نظریہ کو لیکر حضرت تحریک خلافت کے زمانے میں تقریباً چھ ماہ تحریک کے سکریٹری رہے، مگر حق و باطل کا جو معیار پیش نظر تھا، موجودہ سیاسی نظام میں اس کی جگہ نہ تھی چناں چہ زیادہ عرصہ تحریک سے وابستہ نہ رہ سکے۔ ایک دو واقعات سننے میں آئے جو پیش کئے جاتے ہیں۔

(۲)

تحریک خلافت کے زمانے میں مولانا احمد سعید مرحوم گرفتار ہوئے، قید خانہ میں ان کو ایک ناخن تراش کی ضرورت ہوئی، جو تحریک کے خزانے سے منگا کر دیدیا گیا، بات بالکل معمولی نظر آتی ہے، مگر دیانت کے اعتبار سے بڑی بات ہے، حضرت نے اعتراض کیا کہ نجی ضرورت کی چیزیں تحریک کے خزانے سے فراہم نہیں کی جا سکتیں کیوں کہ یہ خزانہ ملت کی امانت ہے ——— اللہ اکبر ملّت کی امانت کا کتنا پاس تھا۔ آجکل جبکہ دیانت کا تصور قریب قریب ختم ہوتا جا رہا ہے اس قسم کی باتیں مضحکہ خیز بن کر رہ گئی ہیں۔ لیکن ان باتوں پر غور کیا جائے تو سیرت کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

(۳)

اسی طرح جب ترک موالات کی تحریک چلی اور سب لوگوں نے جذبات میں آن کر بدیسی کپڑے جلانے شروع کئے اور بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا، تو اسی زمانے میں اس سلسلے میں دہلی میں ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت کو بھی شریک ہونا تھا، اس روز حضرت نے عمداً ولایتی کپڑے زیب تن فرمائے، اور جلسہ میں تشریف لے گئے ——— مولانا کفایت اللہ مرحوم اس تحریک میں شریک تھے، اور جلسہ گاہ میں موجود تھے جب انہوں نے حضرت کو دیکھا تو فرمایا، آپ نے یہ کیا غضب کیا آج تو لوگ اس کے خلاف بھرے بیٹھے ہیں" حضرت نے فرمایا "جی ہاں میں نے اسی لئے پہنے ہیں"۔ کیا آپ کے پاس ولایتی اشیاء سے مقاطعہ کیلئے کوئی شرعی دلیل موجود ہے ؟" مفتی صاحب مرحوم لاجواب ہو گئے۔ کیوں کہ یہاں تو بات جذبات کی تھی، اور جذبات کی رو میں بہہ کر فیصلہ کرنیکے حضرت سخت مخالف تھے ——— حضرت نے حق گوئی کے سامنے مصلحت وقت کو قربان کر دیا۔

(۴)

اسی طرح جب پارلیمنٹ میں خلع ایکٹ کے بارے میں بحث ہوئی تو پوری پارلیمنٹ ایک طرف اور حضرت ایک طرف ——— قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم بھی اس موقع پر موجود تھے اور وہ بھی اس بل کی حمایت میں تھے۔ حضرت سے انہوں نے خود فرمایا تھا کہ کانگریسی اور دیگر ممبران اس بل کی حمایت میں ہیں، ہم نے اگر مخالفت کی تو ہماری بات رہ جائیگی مگر حضرت نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا اور بھری پارلیمنٹ میں مخالفت کی ——— قائد اعظم مرحوم حضرت کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے، مگر اس موقع پر ذرا ناگواری کے ساتھ انہوں نے فرمایا :-

"جو کچھ آپ نے عربی میں پڑھا ہے وہی ہم نے بھی پڑھا ہے فرق یہ ہے کہ ہم نے انگریزی میں پڑھا ہے"

حضرت نے جو کچھ جواب دیا اس کو علامہ اخلاق حسین دہلوی نے ماہنامہ عقیدت میں اس طرح نقل کیا ہے ——— حضرت نے فرمایا:۔

"یہی تو بڑا فرق ہے، ایک زبان کا مفہوم جوں کا توں دوسری زبان میں کیسے ادا ہو سکتا ہے اور ایسی زبان میں کہ اس کے بولنے والوں کے ہاں نہ یہ مسائل ہیں اور نہ ان کی نازک ترین کیفیات کو ادا کرنے کیلئے اس زبان میں الفاظ ہیں"

قائداعظم مرحوم اس جواب سے بہت متاثر ہوئے، اس میں شک نہیں کہ حضرت کا جواب مقننین کیلئے قابل توجہ ہے، اس موقع پر راقم کو ڈاکٹر اقبال مرحوم کی بات یاد آتی جو انہوں نے لندن میں امکان مذہب پر تقریر کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوب کی ایک عبارت کی تشریح کرتے وقت کہی تھی ——— انہوں نے فرمایا تھا "حضرت مجددؒ جن نفسیاتی گہرائیوں تک پہنچے ہیں جاریدیت باوجود ترقی کے دعووں کے ان کی گرد تک نہ پہنچ سکی، اس لئے انگریزی زبان میں ان الفاظ کے مرادفات نہیں جو حضرت مجددؒ کے مکتوب میں آئے ہیں، حاضرین اس کی تشریح و تعبیر سے مجھے معاف رکھیں"۔ اس لئے حضرت کا یہ فرمانا درست ہے کہ انگریزی زبان میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس میں فقہی مسائل کو من وعن بیان کر دیا جائے، ہر قوم کا مزاج مختلف، ان کے مسائل مختلف، ان کے حل مختلف ——— بہرکیف حضرت نے ہر موقع پر شریعت نبوی، صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھا اور کتنے ہی ناساز گار حالات ہوئے کبھی اس سے تجاوز نہیں کیا ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

سیاسیات میں مصلحت وقت کی خاطر شرعی اصولوں کو قربان کر دینے کے حضرت سخت مخالف تھے یہی وجہ کہ آخر تک کسی سیاسی جماعت میں عملاً شریک ہوئے اور نہ صاحبزادگان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ساتواں باب

عاداتِ شریفہ

عادات شریفہ

(۱)

حضرت کے یومیہ معمولات کا آغاز نماز تہجد سے ہوتا، اس کے بعد نماز فجر کیلئے مسجد تشریف لیجاتے، صبح کی نماز بالعموم حضرت ہی پڑھایا کرتے تھے، حضرت کی تلاوت سے روح کو جو سرور و کیف میسر آتا تھا وہ پھر کبھی نہ آیا، تلاوت میں ایسا سوز و گداز معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کریم آپ ہی کے سینۂ پاک پر نازل ہو رہا ہے ـــــ نماز کے بعد حضرت مکان شریف تشریف لاتے، کچھ دیر قرآن پاک تلاوت فرماتے، کبھی کبھی معمولی ناشتہ فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد اہل حاجات اور ملاقاتیوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی، یہ نشست تقریباً ۱۱ بجے ختم ہو جاتی، اس عرصہ میں حضرت فتووں کے جوابات، مختلف فقہی سوالوں کے جوابات، خطوط کے جوابات اور تعویذات وغیرہ تحریر فرماتے، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے صاحبزادوں اور دوسرے شاگردوں کو قرآن حکیم اور علوم عربیہ کا درس بھی دیا کرتے، ۱۱ بجے کے بعد کھانا تناول فرماتے، اور مسجد تشریف لیجاتے، وہاں اپنے کمرہ شریف میں ایک گھنٹہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق قیلولہ فرماتے، ایک بجے بیدار ہوتے، نماز ظہر کی تیاری ہوتی، نماز کے بعد پھر دوسری نشست مسجد میں ہوتی، یہاں صرف ایک گھنٹے، تعویذات عنایت فرماتے، حضرت نے اس کیلئے کبھی کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا، اس کو شان فقر کے خلاف تصور فرماتے تھے، تعویذات کے بعد فتووں کے جوابات، خطوط کے جوابات اور اہل حاجات کے سوالوں کے جوابات مرحمت فرماتے، اس عرصہ میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا، نماز عصر کے بعد مکان شریف تشریف لاتے ـــــ عصر سے مغرب تک کا وقت چھوٹے بچوں کیلئے مخصوص تھا، نماز مغرب کیلئے پھر مسجد تشریف لیجاتے، نماز کے بعد دولت کدے پر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرماتے، اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوتا، نماز عشاء کیلئے پھر مسجد تشریف لیجاتے اور نماز سے فارغ ہونیکے بعد مکان شریف تشریف لاتے، کافی دیر تک کتابوں کا مطالعہ فرماتے، اس کے بعد آرام فرماتے، پھر تہجد کے وقت حسب معمول بیدار ہوتے اور دوسرے دن کے معمولات حسب دستور شروع ہوتے ـــــ حضرت کے نظام الاوقات میں اتنا نظم و ضبط تھا، کہ کسی بھی وقت یہ بتایا جا سکتا تھا کہ حضرت کیا کر رہے ہیں، کامیاب زندگی کا راز پابندیٔ وقت میں ہے، آج ہماری زندگی کے نظام الاوقات ایسے منتشر ہو کر رہ گئے ہیں کہ بسا اوقات

یہ بھی معلوم نہیں ہوتا، کہ دن بھر کیا کرنا ہے پھر جو کچھ کیا جاتا ہے اس کے محاسبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ــــــ حضرات اہل اللہ کی پاک زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، ان کی پیروی میں زندگی کی کامیابیاں مضمر ہیں ؎

بندۂ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی

زندگی کے آخری ایام میں حضرت کے معمولات کچھ بدل گئے تھے، ضعف ونقاہت اس تبدیلی کی مقتضی تھی، کمزوری کی وجہ سے روزانہ مسجد جانا مشکل تھا اس لئے صرف جمعہ کے روز تشریف لے جایا کرتے تھے، اس روز خصوصی مجلس ہوتی تھی جس میں بکثرت معتقدین واحباب شریک ہوتے تھے عام ایام میں ملاقات کا وقت نماز عصر اور نماز مغرب کے درمیان صرف ایک گھنٹہ ہوتا تھا ــــ فتووں کے جوابات، خطوط کے جوابات اور درس وتدریس کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ حضرت روزانہ دس بارہ خطوط تحریر فرماتے، نقاہت حد سے تجاوز ہو چکی تھی، اس لئے بیشتر علمی کام، لیٹے لیٹے پورے فرماتے تھے، خطوط وغیرہ کیلئے کبھی گوارا نہ فرمایا کہ کوئی جوابات تحریر کر دے اور حضرت صرف دستخط فرمادیں ــــــ حضرت نے اس طرز عمل کو جو فی زمانہ عام ہے محبت وتعلق کی توہین تصور فرمایا، اس لئے ہر شخص کے خط کا جواب خواہ وہ کسی منصب ومرتبہ کا کیوں نہ ہو، خود تحریر فرماتے تھے، حضرت کے پاس پاک وہند اور بیرون ممالک سے بھی بیشمار خطوط آتے تھے، مگر جواب ضرور مرحمت فرماتے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے خط بھیجا ہو اور حضرت نے اس کا جواب نہ دیا ہو۔

(۲)

حضرت قبلہ قدس سرہٗ بیشتر کام خود کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے بلکہ کام کرتے وقت احیاء سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسروں کے دلوں میں بیداری پیدا فرمادیا کرتے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا:۔

"اپنے ہاتھوں اپنا کام کر لیتے تھے، چپل کے تسمے خود ہی درست فرماتے، اپنے کپڑے خود ہی صاف فرماتے، محلہ کی غریب عورتوں کے کام خود کرتے۔"

(البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۱۳۲)

حضرت قبلہ قدس سرہٗ بھی اپنی نعلین مبارک خود مرمت فرماتے تھے، تمام اوزار موجود تھے کبھی کبھی کتابوں کی جلدیں بھی بنا لیا کرتے تھے، اس کے بھی اوزار موجود تھے، گھڑی یا گھنٹہ خراب

تو پوری مہارت کیساتھ خود درست فرمالیا کرتے تھے، کبھی کبھی نفاست و خوبصورتی کیساتھ چار پائی بھی بن لیا کرتے تھے، ٹین وغیرہ کا کام ہو تو وہ بھی خود کر لیا کرتے تھے، کڑھائی، سلائی، بنائی وغیرہ پر بھی عبور حاصل تھا، غرض نجی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا تھا جس میں کسی کے محتاج ہوں۔ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ "اپنا کام خود کیا کرو" ——— راقم نے بچپن میں ایک مرتبہ دریافت کیا کہ "حضرت اتنے سارے کام آپ نے کہاں سے سیکھ لئے"! ——— فرماتے کہ "بس دیکھ دیکھ کر آ گیا" ——— ایسی جامعیت مشکل ہی سے کسی شخصیت میں نظر آئے گی کہ ایک طرف مسند طریقت پر رونق افروز ہیں تو ثانی نہیں، دوسری طرف مسند علم وفضل پر جلوہ فگن ہے تو وہاں بھی نظیر نہیں، تیسری طرف نجی زندگی کے ہر شعبے میں پوری پوری مہارت حاصل ہے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر   ان یجمع العالم فی واحد

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران جبکہ حضرت مسجد فتحپوری میں قیام پذیر تھے ــ مکان شریف سے اہل خانہ کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا تھا ——— گھر پر راقم اور برادر مرحوم مولینا منظور احمد موجود تھے چوں کہ مستورات نہ تھیں اس لئے خود کھانا وغیرہ پکاتے، کرفیو لگا ہوا تھا، رات کی تاریکی میں کھانا لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، چوں کہ کرفیو کے دوران آمد و رفت خطرے سے خالی نہ تھی اس لئے ایک روز حضرت نے فرمایا کہ "میرے لئے کھانا نہ لایا کرو" چناں چہ اس روز سے خود حضرت بجلی کے چولھے پر روٹی اور دال وغیرہ پکاتے، خود نوش فرماتے اور جو کچھ بچ رہتا وہ تبرکاً ان ملازمین کو مل جاتا جو آستانہ پر اس کرم نوازی کے منتظر رہتے۔

حضرت میں اتنا عجز و انکسار تھا کہ کبھی کبھی اپنے کمرے کی جھاڑو بھی خود دے لیا کرتے تھے، گھر کے لوگ ہر خدمت کیلئے مستعد رہتے، ملازمین بھی موجود تھے، مگر حضرت نے دوسرے سے خدمت لینا شان فقر کے خلاف تصور فرمایا، اس عجز و انکسار کے باوجود حضرت کے رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی دیکھا ہی نہیں گھر ہو یا باہر کسی کی تاب و طاقت نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ سکتا ——— حضرت کے رعب و دبدبے کو دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سطوت کا منظر آنکھوں میں پھر جاتا تھا ؎

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم   شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ

(۴)

حضرت بچوں پر بہت شفیق و مہربان تھے، عام طور پر ضعیف لوگ تندیٔ مزاج کی وجہ سے

بچوں کے دشمن معلوم ہوتے ہیں، مساجد میں تو یہ سماں اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، مگر حضرت نے ہمیشہ اپنے اور پرایوں کے بچوں پر شفقت فرمائی، ان کی پوری پوری ناز برداریاں کیں، یہ شفقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت کی یاد دلاتی ہے، حدیث میں آتا ہے :۔

"رحم اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ کسی بچے کو روتے سنتے تو نماز ہلکی کر دیتے ۔"

(بخاری شریف - باب خدمۃ النبی)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں بچوں کا بر سر عام گلی کوچوں یا مجلسوں میں پیار کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، چناں چہ ایک مرتبہ مشرکین عرب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا :۔

اتقبلون صبیانکم ؟ —— فقال نعم —— فقالوا لکنا واللہ ما نقبل —— فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اواملك ان کان اللہ نزع من قلبك الرحمۃ ۔ (خطبات نبوی، ص ۔ ۲۲۶)

(ترجمہ) "کیا تم لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہو"؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" تو انہوں نے کہا، "لیکن ہم لوگ پیار نہیں کرتے"۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر اللہ تمہارے دل سے رحمت کھینچ لے تو میں کیا اختیار رکھتا ہوں"؟

ایک اور حدیث میں آتا ہے :۔

بچوں سے بے حد محبت فرماتے، گلی میں جب آپ نکلتے تو بچے آپ سے فرط محبت سے چمٹ جاتے، آپ کسی کو گود میں لیتے، کسی کو کاندھے پر بٹھا لیتے۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۔ ۲، ص ۔ ۱۳۲)

بچوں پر شفقت و رحمت ایوان ملت کا ایک اہم ستون ہے، جس معاشرے میں بچے اپنے بزرگوں کی شفقتوں سے محروم رہیں گے، وہاں ہر قسم کی پیچیدگیاں جنم لیں گی، اور خود غرضیوں کا ایک ایسا جال بچھ جائیگا کہ ہر متنفس اس میں اسیر نظر آئیگا —— اس قسم کے معاشرے دنیا میں موجود ہیں ع چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا ۔

حضرت کی شفقت کا یہ عالم تھا، کہ اگر کبھی سیر و تفریح کیلئے بچوں کی طبیعت چاہتی تو باوجود کثرت مشغولیت و مصروفیت کے ان کی خواہش پوری فرماتے، مگر اس کا ضرور خیال رکھتے تھے کہ سیر و تفریح ان کی سیرت پر اچھا اثر مرتب کرے، چناں چہ دہلی کے پُر سکون اور سرسبز و شاداب مقامات پر لیجاتے

مثلاً فتح گڑھ، مزار پیر غیب، چوبرجی، باؤلی، وزیر آباد وغیرہ، اس وقت بچپن تھا، بات سمجھ میں نہ آتی تھی، کیوں کہ بچپن کی شوخ مزاجیاں تو ہنگاموں کی طلبگار رہتی ہیں، اس وقت سکون و خاموشی سے کیا کام ؟ ——— لیکن جوں جوں رخش عمر آگے بڑھتا گیا، درس شفقت کا ایک ایک لفظ قلب و دماغ میں اترتا گیا، اور اب بات سمجھ میں آئی ؎

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر

کبھی سیر و تفریح میں اتنا انہماک پیدا ہونے نہ دیتے کہ دل تعلیم سے اچاٹ ہو جائے، چنانچہ تفریح کے دوران ذرا ذرا وقفہ کے بعد نہایت شفقت و محبت سے سبق کے متعلق مختلف سوالات فرماتے رہتے، اس وقت گراں گزرتا، مگر یہ نہ معلوم تھا کہ مناظر قدرت کے سہارے درس حیات ذہن نشین کرایا جا رہا ہے۔

حضرت بچوں کی خاص طور پر تربیت فرماتے، شروع میں لاڈ پیار سے رکھتے جب وہ دو تین سال کا ہو جاتا تو کچھ نہ کچھ لکھ کر دیدیا کرتے تھے، جب کچھ اور بڑا ہوا تو رفتہ رفتہ کتاب اللہ کیطرف متوجہ کیا، اس طرح ابتدا ہی سے ایک ماحول پیدا کر دیتے، قرآن حکیم کی تعلیم کے ساتھ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں شروع کرا دیتے، جب کچھ لیاقت پیدا ہو جاتی تو مدرسہ عربیہ میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل کیلئے داخل فرما دیتے، لیکن برابر نگرانی رہتی اور پوری توجہ کیساتھ اسباق سماعت فرماتے اور نوٹس تیار کر کے عنایت فرماتے، اس طرح بیس سال کی عمر میں درس نظامیہ کی تکمیل ہو جاتی اور وہ لیاقت پیدا ہو جاتی جو یونیورسٹیوں میں ایم۔ اے کے طلبہ میں بھی مفقود نظر آتی ہے

(۴)

حضرت نے تمام صاحبزادگان کو علوم عربیہ اور دینیہ کی تعلیم دی۔ صاحبزادگان میں چند نے انگریزی علوم کی تحصیل حضرت کی تعلیم و تربیت کے بعد خود کی ہے، حضرت کی نظر چونکہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی اس لئے علوم دینیہ کی طرف زیادہ توجہ فرمائی، چنانچہ حدیث میں آتا ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے اہل علم پڑوسیوں سے (دین) نہیں سیکھتے اور نہ دین سمجھتے ہیں، اور نہ دین میں مہارت اور سوجھ بوجھ پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ یا تو دین سیکھیں اور سکھائیں اور دین کی سوجھ بوجھ پیدا کرنیکی

کوشش کریں، اور کرائیوں اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے باز رکھیں ورنہ میں . . . . اس دنیا ہی میں ان کو عذاب دلاؤں گا۔

(کنز العمال، ج ۱، ص ۱۲۹)

حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی حیات و بقاء کیلئے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ علوم دینیہ کی تحصیل کرے، اس سے بے گیری علمی ملت کی موت نہیں تو اور کیا ہے! ——— کوئی بھی جماعت ہو اس کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک اس کے افراد میں اس کے اصولوں سے واقفیت اور اس کے اصولوں پر عمل کا شدید جذبہ موجود ہو ——— اسی لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم دینیہ کی ترغیب و ترہیب سے ملت کی حیات اجتماعیہ کا ایک عظیم راز واشگاف کردیا ہے۔

(۵)

حضرت نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا خاص خیال رکھا، حضرت کے نزدیک تعلیم کا مقصد عظیم ذہنی اور روحانی تربیت کے علاوہ اور کچھ نہیں، چنانچہ جب ۱۹۵۶ء میں راقم نے سندھ یونیورسٹی میں، ایم۔ اے (اردو) میں داخلہ کی اجازت چاہی تو تذبذب کا اظہار فرمایا، یہ تذبذب اس لئے تھا کہ اسکول اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ماحول تعمیر سیرت کیلئے بالکل ناسازگار ہے ؎

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے ہو روشن بجلی کا چراغ

بالآخر حضرت نے فرمایا "سُنا ہے کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہے؟" ——— راقم خاموش ہوگیا پھر کچھ وقفہ کے بعد فرمایا کہ "اگر تمہارے ساتھ طالبات بھی ہوں تو اجازت نہیں ورنہ کوئی مضائقہ نہیں"۔ ——— اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کی جائے جہاں مخلوط طور پر تعلیم دی جاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ بات تجدد پسند طبیعتوں پر گراں ہو مگر تجربات سے مخلوط تعلیم کی خرابیاں ظاہر ہوتی جارہی ہیں،

راقم نے ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا حسن اتفاق کہ اس سال کسی طالبہ نے داخلہ نہیں لیا، پھر ۱۹۵۷ء میں جب فائنل میں پہنچا تو عجیب اتفاق تھا کہ اس سال بھی کوئی طالبہ نہیں تھی، سندھ یونیورسٹی کی تاریخ میں یہی دو سال ایسے تھے جس میں کوئی طالبہ داخل نہیں ہوئی استاذی محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی (صدر شعبہ اردو) فرمایا کرتے تھے کہ "یہ حضرت قبلہ کی عین کرامت ہے"۔ یہ حضرت کی تربیت خاص اور استاذی محترم کی توجہ خاص کا اثر تھا کہ یونیورسٹی

کے ماحول میں بھی بفضلہٖ تعالیٰ مخالف اثرات مرتب نہیں ہوئے ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

حضرت قبلہ علومِ جدیدہ کی تحصیل کے مخالف نہ تھے ع

علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت کی توجہ تعلیم سے زیادہ تربیت پر تھی، وہ تعلیم پر تربیت کو قربان کرنا نہیں چاہتے تھے ـــــ جہاں اہلِ دانش ہوں اور اہلِ دل نہ ہوں وہاں تربیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے اقبال نے کہا ہے ؎

اہلِ دانش عام ہیں کم یاب ہیں اہلِ نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ

اصل چیز ایاغِ دل ہے ـ یہ خالی رہ گیا تو پوری زندگی بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے اسی لئے اقبال نے کالج کے طلبہ کو ہدایت کی ہے ؎

چاہیئے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

(۶)

دورِ جدید میں علم کو ذریعہ معاش کے طور استعمال کیا جاتا ہے، اسکی تحصیل کا مقصود بھی تحصیلِ زر کے سوا کچھ نہیں، ایسے علم کو حضرت حیاتِ انسانی کیلئے موت تصور فرماتے تھے ؎

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جو

اس لئے حضرت نے زندگی کی ہر منزل پہ اس کا خیال رکھا کہ دل سے "وہ شئے لطیف" نہ چلی جائے جس سے زندگی کی بہاریں وابستہ ہیں ؎

کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

حضرت دانش و حکمت کیساتھ یہ بیخودی پیدا کرنا چاہتے تھے جس کے آگے ہر ایک حکمت بے اثر معلوم ہوتی ہے ـــــ حضرت چونکہ علم کو ذریعہ معاش تصور نہیں فرماتے تھے، اس لئے صاحبزادگان کو فنون کی بھی تعلیم دی تاکہ اس کے ذریعہ معاش کی تحصیل ممکن ہو، دو صاحبزادے

فن طب میں مہارت رکھتے ہیں، دو صاحبزادے ڈاکٹر ہیں، یہ حقیر پروفیسر ہے، راقم کوئی فن حاصل نہ کر سکا مگر علوم جدید بجائے خود فن کی حیثیت رکھتے ہیں، گو کسب معاش کے اس طریقہ کو حضرت پسند نہیں فرماتے تھے، یہ حضرت کی عزیمت پسندی کی دلیل ہے ۔

(۷)

پرندوں میں حضرت کو کبوتروں سے خاص انسیت تھی، مکان شریف میں کافی کبوتر تھے حضرت ان کو خود دانہ ڈالتے تھے، ان کی کنڈالیوں میں خود پانی بھرتے تھے، بظاہر یہ دلچسپی عالمانہ نہیں ہوتی لیکن اہل دل کا ہر ہر عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہوتا ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"جو جانوروں کو پانی پلانے کا انتظام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو اجر عطا فرماتا ہے۔"
(بخاری شریف)

اگر کوئی شخص نئے کبوتر لاتا تو اس کے پر کترنے یا اکھاڑنے کی کبھی اجازت نہیں دی، کہ یہ بے زبانوں پر ظلم ہے ، ایک مرتبہ حضرت کے ایک مرید نہایت قیمتی اور اصیل کبوتر لائے، فرمایا چھوڑ دو جن کو رہنا ہوگا رہ جائیں گے جنکو جانا ہوگا چلے جائیں گے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا ان میں سے کوئی بھی نہیں گیا، ایک دو دن فضائے آسمانی میں پرواز کر کے واپس آجاتے ۔

راقم کو بھی بچپن میں پرند پالنے کا شوق تھا ایک مرتبہ طوطا خرید کر پنجرے میں بند کیا حضرت نے دیکھا تو فرمایا اس کو چھوڑ دو، یقین تھا کہ وہ ایسا اڑے گا کہ پھر ہاتھ نہ آئیگا، لیکن دیکھا گیا کہ روزانہ پنجرے سے باہر نکل کر اڑتا پھرتا ہے اور شام کو واپس آجاتا ہے ——— اسی طرح ایک دفعہ بلبل پالنے کا شوق ہوا، خرید کر پٹی باندھی گئی، حضرت نے فوراً کھلوا دی، یہ امید تھی کہ وہ آزاد ہو کر بھی حلقہ بگوش رہے گا، مگر ایسا ہی ہوا، جب کبوتر دانا کھانے صحن میں آتے تو طوطا اور بلبل بھی ان کیساتھ کھاتے پیتے نظر آتے ——— یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی ——— حضرت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ بے زبان جانوروں کو قیدی بنا کر رکھا جائے ——— اس سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جبکہ :۔

ایک صحابی چڑیا کے دو بچے پکڑ کر لائے، وہ چڑیا بیقرار ہو کر ان صحابی کے سر پر منڈ لانے لگی، حضور کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اس کو کس نے بیقرار کیا ہے، چھوڑ دو چھوڑ دو۔
(ابو داؤد شریف)

عموماً صبح کے وقت اور عصر کے بعد کبوتروں کو خود دانا ڈالتے تھے، کبھی کبھی اپنے دست مبارک

پر دانا رکھ کر کھلاتے تھے، کبوتر اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ کوئی حضرت کے شانوں پر چڑھ جاتا کوئی سر پر بیٹھ جاتا کوئی کلائی پر بیٹھ جاتا، کوئی اُچک اُچک کر ہتیلی سے دانا چگتا ——— یہ سب کچھ ہوتا رہتا اور حضرت مسکراتے رہتے، کبھی کبھی ان سے باتیں بھی کرتے تھے، ان پیار و محبت کے جملوں سے حضرت کی قلبی کیفیت کا اندازہ ہوتا تھا، اس قسم کے واقعات بظاہر نظر انداز کرنے کے قابل ہیں مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کے ذریعہ شخصیت کی گہرائیوں میں اترا جاسکتا ہے۔ ؎

سرسری تم جہان سے گزرے   ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

حضرت کی شفقت و رحمت سے انسان تو انسان پرند چرند بھی محروم نہ رہے۔

(۸)

خانگی زندگی میں حضرت قبلہ نے آداب شریعت کا خاص خیال رکھا۔ جن حضرات نے حضرت کو گھر میں اور باہر دیکھا ہے، ان کو معلوم ہے کہ حضرت کی خانگی اور مجلسی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا، وہی اتباع سنت وہی سادگی، وہی رعب دبدبہ جو خلوتوں میں ہوتا جلوتوں میں بھی ہوتا، حضرت کی زندگی دورنگی سے بالکل مبرا تھی ——— جو اللہ کے رنگ میں رنگ گئے ان کی زندگی دورنگی سے پاک ہوتی ہے ؎

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ   یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ

حضرت جھوٹے وقار کے قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی اخلاقی خوبیوں سے دلوں کو گرویدہ بنایا تھا جب مکان میں تشریف لاتے تو سنت کے مطابق اہل خانہ کو سلام کرتے حالاں کہ سب حضرت سے چھوٹے تھے، لیکن اس کے باوجود سلام کرتے، اہل خانہ کو جواب دیتے، شرم آجاتی۔ قرآن حکیم نے خانگی آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے:۔

فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علیٰ انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ کذالک یبین اللہ لکم الاٰیٰت لعلکم تعقلون (پارہ ۱۸، النور)

(ترجمہ) تو جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کر لیا کرو، سلام ایک دعائے خیر ہے، اللہ کی طرف سے، برکت والی، عمدہ، یوں (اللہ) اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اپنے گھر کے علاوہ دوسرے قریبی عزیزوں کے گھروں میں تشریف لیجاتے تو کبھی بے تکلفانہ داخل نہ ہوتے بلکہ دستک دیکر اجازت طلب کرتے پھر اندر تشریف لیجاتے، خواہ وہ اولاد کا گھر ہی کیوں نہ ہو، قرآن حکیم نے ان آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے:۔

یاایہا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا و
تسلموا علیٰ اھلہا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون (پارہ-۱۸، النور)

(ترجمہ) مسلمانوں اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں گھروالوں سے پوچھ کر اوران سے سلام علیکم کئے بغیر نہ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، تم اسکا خیال رکھو۔

حضرت نے رات ہو یا دن سونے کے لئے کبھی بستر سے تکلفات کا اہتمام نہیں فرمایا، دوپہر کو نیچے فرش پر قیلولہ فرماتے اور آخر عمر میں بالعموم موسم گرما میں کھُری چارپائی پر آرام فرماتے کبھی سرہانے تکیہ ہوتا، اور کبھی دست مبارک ہی سے تکیہ کا کام لیتے۔

حضرت نے زندگی کی ہر منزل پر سُنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھا، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بالعموم چٹائی پر استراحت فرماتے تھے، اور چٹائی کے نشانات جسم اطہر پر پڑ جایا کرتے تھے، یہی کیفیت حضرت قدس سرہٗ کی تھی۔

(۹)

حضرت کے پاس اکثر عرب فقراء آتے تھے، نہایت احترام سے ان کو بٹھاتے اور جو کچھ ہوتا عنایت فرماتے۔ بسا اوقات وہ فقراء اتنا اصرار کرتے کہ سنجیدہ و متین انسان کی برہمی کیلئے بھی کافی تھا، مگر حضرت کبھی برہم نہیں ہوئے اور اصرار پر نرمی سے جواب دیتے، بلکہ بسا اوقات چہرۂ مبارک پر شرم و حیاء کے آثار دیکھے گئے ـــــــ اہل عرب کی حضرت جس نسبت سے قدر فرماتے تھے وہ ایک روحانی نسبت تھی، وہ اس دیار مقدس سے آتے تھے جس سے دلوں کی بہاریں وابستہ ہیں۔ کوئی ہندوستانی بھی عربی روپ بھر کر آتا تو اس کو بھی محروم نہ رکھتے ـــــــ بلکہ حضرت کے در سے ہر سائل کچھ نہ کچھ لے کر ضرور جاتا، کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْہَر ـــــــ جس نے یتیمی و اسیری کی صعوبتوں کو برداشت کیا ہے، جس نے راہ طلب میں مصیبتیں سہی ہیں جس نے مفلسی کے بعد خوشحالی کو دیکھا ہے، وہی خوب جان سکتا ہے کہ مصیبت کے مارے محتاجوں پر کیا کچھ گزرتی ہے، اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْہَر ـــــــ

حضرت نے کسی کو دیکر کبھی تنگدلی کیساتھ جتایا نہیں، بلکہ اپنے احسانات کو ہمیشہ چھپایا اور دوسروں کے احسانات کو ہمیشہ بیان فرمایا، قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعہا اذی۔ واللہ

غنی حلیم (پارہ ۳-البقرہ)

(ترجمہ) نرمی سے جواب دیدینا اور (سائل کے اصرار سے) درگزر کرنا، اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے دئیے پیچھے سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز و بردبار ہے۔

(۱۰)

حضرت قبلہ نے قرض خواہوں کو کشادہ دلی کیساتھ قرض دئیے، لیکن ان سے کبھی تقاضا نہیں کیا، اگر عسرت و مفلسی نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو ان کو معاف بھی کر دیا ہے، اس سلسلے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے:-

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (پارہ ۳-البقرہ)

(ترجمہ) اور اگر کوئی تنگدست (تمہارا مقروض) ہو تو فراخی تک مہلت دو، اور معاف کر دو، تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

حضرت نے نہ صرف یہ کہ غریب قرض خواہوں کو معاف فرما دیا بلکہ اگر ان کو پھر ضرورت ہوئی ہے تو فراخدلی کے ساتھ ان کی مدد فرمائی، اور کبھی قرض کی ادائیگی کیلئے تقاضا نہیں فرمایا۔ ع

یہ حوصلۂ مرد، ہیچ کارہ نہیں

حضرت نے دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ ہاتھ کھلے رکھے بل یداہ مبسوطتان نہ بے جا کفایت سے کام لیا نہ بے جا سخاوت فرمائی ——— میانہ روی اختیار کی جو مرد مومن کی صفت خاص ہے۔ جس کا قرآن حکیم نے اس طرح ذکر کیا ہے:-

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما (پارہ ۱۹-الفرقان)

(ترجمہ) اور وہ لوگ جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں، بلکہ ان کا خرچ افراط و تفریط کے درمیان بیچ کی راہ کا ہو۔ ؎

کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت

آٹھواں باب

سخن فہمی و سخن سنجی

سخن گوئی

(۱)

سخن فہمی اور سخن گوئی کیلئے احساسِ جمال کی ضرورت ہے، یہ احساسِ لطیف اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب قلب و روح میں رقّت و نرمی کی کیفیت پیدا ہو جائے ؎

اللہ اللہ ہستیٔ شاعر — قلبِ غنچہ کا آنکھ شبنم کی

حضرت کا ذوقِ جمالیات بڑا نکھرا ہوا تھا، رہن سہن، بود و باش، تحریر و تقریر زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی جھلک نظر آتی تھی، قلب و روح کی رقت و گداختگی کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے حضرت کی زیارت کی ہے، اشعار ابدار قلبِ نازک کیلئے تیر و نشتر کا کام کرتے تھے، اور بیقراری کا وہ عالم ہوتا کہ کبھی دیکھا ہی نہیں، علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت کے ذوقِ سخن سنجی و سخن گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :-

"ذوقِ سخن بھی کمال کا ہے، موزون طبع ہیں، شعر خوب کہہ لیتے ہیں مگر شعر گوئی کے عادی نہیں بلکہ طبیعت حاضر ہوئی تو کچھ کہہ لیا سخن فہمی کا ملکہ بھی خداداد ہے، بلند پایہ اور عارفانہ کلام ترنم اور خوش الحانی سے سماعت فرماتے ہیں، اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی عالم کیف و سرور میں کھو سے جاتے ہیں لیکن ضبط کا یہ عالم ہے کہ کسی کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ آپ اس وقت کس عالم میں ہیں الا ماشاء اللہ جو اداشناس ہیں وہی کچھ اس رمز کو پا سکتے ہیں۔" (ماہنامہ عقیدت، نئی دہلی، جولائی و اگست ۱۹۶۴ء، ص ۲۸)

(۲)

جب کبھی حضرت خلوت و تنہائی میں ہوتے اور طبیعت حاضر ہوتی تو خود دلنواز ترنم کیساتھ اشعار پڑھتے اور کیف و سرور میں کھو سے جاتے —— ایّامِ جوانی میں حضرت نے اپنے عزیز ترین احباب کو جو خطوط تحریر فرمائے اس میں اکثر اشعار تحریر فرماتے، افسوس اس زمانے کی تحریریں دستیاب نہ ہو سکیں، تیس پینتیس سال قبل حضرت نے اپنے سلسلے کا منظوم شجرۂ طریقت مرتب فرمایا تھا، اس کے بعض اشعار بہت ہی دلگداز اور پُر تاثیر ہیں، موضوع چونکہ شریعت و طریقت ہے اس لئے "اداے مجذوبی" نہیں بلکہ نیازمندی اور خود سپردگی کی کیفیت ہے، شجرۂ مذکورہ میں سے چند منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

مشکلوں میں آ پھنسا ہوں اے بیکس نواز ۔۔۔ چارہ سازی کر، غریب و ناتواں کے چارہ ساز

نفس و شیطان راہزن ہیں اور کٹھن ہے راستہ ۔۔۔ ناتواں ہوں، کر حفاظت، تجھ کو تیرا واسطہ

میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ ۔۔۔ نور مطلق کی جھلک سے باطن کو کر پیراستہ

اپنا ذوق و شوق و درد و سوز یارب کر عطا ۔۔۔ اپنے ذکر و فکر، انس و معرفت کا دے مزا

جس طرف دیکھوں نظر آئے ہر سو تو ہی ۔۔۔ دیدہ و دل میں مرے اس طرح بس جائے تو ہی

مجھ کو خلوت انجمن میں اور وطن میں دے سفر ۔۔۔ دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر

جام وحدت کا پلا کر کر دے بیخود مجھ کو یوں ۔۔۔ غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست ہوں

دور فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو ۔۔۔ موت جب آئے تو صبح وصل کا پیغام ہو

جس مقام قرب پر پہنچوں کہوں "ہل من مزید" ۔۔۔ میری ہر شب ہو شب قدر اور ہر دن روز عید

جب تری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب ۔۔۔ حکم ہو "جا ہم نے بخشا بے حساب و بے کتاب"

جب سرپل پر چلوں ان کی نگاہیں ساتھ ہوں ۔۔۔ "رب سلم" کی صدائیں ہر قدم سنتا ہوں

پیاس کی شدت میں یارب آب کوثر کر عطا ۔۔۔ تا ابد لیتی رہے میری زباں اس کا مزا

چھوڑ کر در کو ترے، جائے کہاں تیرا گدا ۔۔۔ تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جاوے کر عطا

یہ اشعار اگرچہ نہایت سادہ ہیں مگر پُر تاثیر ہیں، ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے ۔

یہ قول شاعر نہیں بلکہ ایسا قول ہے جو عمل کا آئینہ دار ہے، وادیٔ خیال میں بلند پروازیاں کس کو نہیں آتیں مگر یہاں بات پرواز عمل کی ہے ۔

(۳)

پچھلے بیس سال کے عرصہ میں حضرت نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان میں بھی کہیں کہیں اشعار مل جاتے ہیں، حضرت کی زندگی کا بیشتر حصہ غمناک حادثات سے پُر رہے، جواں اولاد کا ایک ایک کر کے اٹھ جانا، انقلاب وطن کے بعد احباب کا ایک ایک کر کے جدا ہو جانا، یہ کیا کم قیامت تھی، مگر حضرت نے زندگی کی تمام تلخیوں کو اپنے کمال عزم و ہمت سے گوارا بنا دیا ع جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا ۔

لیکن اس زمانے میں بھی جب کبھی حضرت کی طبیعت حاضر ہوتی تو مکاتیب میں فی البدیہہ شعر تحریر فرماتے ۔ بعض مکاتیب تو پورے کے پورے منظوم ہیں، اگر حضرت کے مکاتیب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو بیشمار اشعار مل سکتے ہیں اور ایک گلدستہ تیار ہو سکتا ہے، راقم نے چند خطوط کے مطالعے سے اشعار منتخب کئے ہیں، حضرت کے بیشتر خطوط مخلصین و مریدین کے نام ہیں، اس لئے

پروانہ رکھ کر کھاتے تے کبوتر اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ کوئی حضرت کے شانوں پر چڑھ جاتا کوئی سر پر بیٹھ جاتا کوئی کلائی پر بیٹھ جاتا، کوئی اُچک اُچک کر ہتیلی سے دانا چگتا ـــــ یہ سب کچھ ہوتا رہتا اور حضرت مسکراتے رہتے، کبھی کبھی ان سے باتیں بھی کرتے تھے، ان پیار و محبت کے جملوں سے حضرت کی قلبی کیفیت کا اندازہ ہوتا تھا، اس قسم کے واقعات بظاہر نظرانداز کرنے کے قابل ہیں مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کے ذریعہ شخصیت کی گہرائیوں میں اترا جاسکتا ہے۔ ؎

سرسری تم جہان سے گزرے ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

حضرت کی شفقت و رحمت سے انسان تو انسان پرندو چرند بھی محروم نہ رہے ۔

(۸)

خانگی زندگی میں حضرت قبلہ نے آداب شریعت کا خاص خیال رکھا۔ جن حضرات نے حضرت کو گھر میں اور باہر دیکھا ہے، ان کو معلوم ہے کہ حضرت کی خانگی اور مجلسی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا، وہی اتباع سنت وہی سادگی، وہی رعب دبدبہ جو خلوتوں میں ہوتا جلوتوں میں بھی ہوتا، حضرت کی زندگی دورنگی سے بالکل مبرّا تھی ـــــ جو اللہ کے رنگ میں رنگ گئے ان کی زندگی دورنگی سے پاک ہوتی ہے ؎

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ

حضرت جھوٹے وقار کے قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی اخلاقی خوبیوں سے دلوں کو گرویدہ بنایا تھا جب مکان میں تشریف لاتے تو سنت کے مطابق اہل خانہ کو سلام کرتے حالاں کہ سب حضرت سے چھوٹے تھے، لیکن اس کے باوجود سلام کرتے، اہل خانہ کو جواب دیتے، شرم آجاتی ـ قرآن حکیم نے خانگی آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے :۔

فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علیٰ انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ کذٰلک یبیّن اللہ لکم الاٰیٰت لعلکم تعقلون (پارہ ۱۸، النور)

(ترجمہ) تو جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کرلیا کرو، سلام ایک دعائے خیر ہے، اللہ کی طرف سے، برکت والی، عمدہ، یوں (اللہ) اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اپنے گھر کے علاوہ دوسرے قریبی عزیزوں کے گھروں میں تشریف لیجاتے تو کبھی بے تکلفانہ داخل نہ ہوتے بلکہ دستک دیکر اجازت طلب کرتے پھر اندر تشریف لیجاتے، خواہ وہ اولاد کا گھر ہی کیوں نہ ہو ، قرآن حکیم نے ان آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے :۔

یاایہا الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علیٰ اہلہا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون (پارہ-۱۸، النور)

(ترجمہ) مسلمانوں اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں گھر والوں سے پوچھ کر اور ان سے سلام علیکم کئے بغیر نہ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، تم اسکا خیال رکھو۔

حضرت نے رات ہو یا دن سونے کے لئے کبھی بستر سے تکلفات کا اہتمام نہیں فرمایا، دوپہر کو نیچے فرش پر قیلولہ فرماتے اور آخر عمر میں بالعموم موسم گرما میں کھری چارپائی پر آرام فرماتے کبھی سرہانے تکیہ ہوتا، اور کبھی دست مبارک ہی سے تکیہ کا کام لیتے۔

حضرت نے زندگی کی ہر منزل پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ سلم کا خاص خیال رکھا، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بالعموم چٹائی پر استراحت فرماتے تھے، اور چٹائی کے نشانات جسم اطہر پر پڑجایا کرتے تھے، یہی کیفیت حضرت قدس سرہٗ کی تھی۔

(۹)

حضرت کے پاس اکثر عرب فقراء آتے تھے، نہایت احترام سے ان کو بٹھاتے اور جو کچھ ہوتا عنایت فرماتے، بسا اوقات وہ فقراء اتنا اصرار کرتے کہ سنجیدہ و متین انسان کی برہمی کیلئے بھی کافی تھا، مگر حضرت کبھی برہم نہیں ہوئے اور اصرار پر نرمی سے جواب دیتے، بلکہ بسا اوقات چہرۂ مبارک پر شرم و حیاء کے آثار دیکھے گئے ——— اہل عرب کی حضرت جس نسبت سے قدر فرماتے تھے وہ ایک روحانی نسبت تھی، وہ اس دیار مقدس سے آتے تھے جس سے دلوں کی بہاریں وابستہ ہیں —

کوئی ہندوستانی بھی عربی روپ بھر کر آتا تو اس کو بھی محروم نہ رکھتے ——— بلکہ حضرت کے در سے ہر سائل کچھ نہ کچھ لے کر ضرور جاتا، کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْہَرْ

——— جس نے یتیمی و اسیری کی صعوبتوں کو برداشت کیا ہے، جس نے راہ طلب میں مصیبتیں سہی ہیں جس نے مفلسی کے بعد خوشحالی کو دیکھا ہے، وہی خوب جان سکتا ہے کہ مصیبت کے مارے بیچاروں پر کیا کچھ گزرتی ہے، اسی لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ سلم سے فرمایا گیا وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْہَرْ ———

حضرت نے کسی کو دیکر کبھی تنگ دلی کیساتھ جتایا نہیں، بلکہ اپنے احسانات کو ہمیشہ چھپایا اور دوسروں کے احسانات کو ہمیشہ بیان فرمایا، قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعہا اذی۔ واللہ

غنیّ حلیمٌ (پارہ ۳۔البقرہ)

(ترجمہ) نرمی سے جواب دیدینا اور (سائل کے اصرار سے) درگزر کرنا اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے دیئے پیچھے سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز و بردبار ہے۔

(۱۰)

حضرت قبلہ نے قرض خواہوں کو کشادہ دلی کیساتھ قرض دیئے، لیکن ان سے کبھی تقاضا نہیں کیا، اگر عسرت و مفلسی نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو ان کو معاف بھی کر دیا ہے، اس سلسلے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (پارہ ۳۔البقرہ)

(ترجمہ) اور اگر کوئی تنگدست (تمہارا مقروض) ہو تو فراخی تک مہلت دو، اور معاف کردو، تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

حضرت نے نہ صرف یہ کہ غریب قرض خواہوں کو معاف فرما دیا بلکہ اگر ان کو پھر ضرورت ہوئی ہے تو فراخدلی کے ساتھ ان کی مدد فرمائی، اور کبھی قرض کی ادائیگی کیلئے تقاضا نہیں فرمایا، ع

یہ حوصلہ مرد ہیچ کارہ نہیں

حضرت نے دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ ہاتھ کھلا رکھے بلا یدا اھما مبسوطتان نہ بے جا کفایت سے کام لیا نہ بے جا سخاوت فرمائی ——— میانہ روی اختیار کی جو مرد مومن کی صفت خاص ہے۔ جس کا قرآن حکیم نے اس طرح ذکر کیا ہے:۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما (پارہ ۱۹۔الفرقان)

(ترجمہ) اور وہ لوگ جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں، بلکہ ان کا خرچ افراط و تفریط کے درمیان بیچ کی راہ کا ہو۔ ؎

کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت

آٹھواں باب

سخن فہمی و سخن سنجی

سخن گوئی

①

سخن فہمی اور سخن گوئی کیلئے احساس جمال کی ضرورت ہے یہ احساس لطیف اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب قلب و روح میں رقت و نرمی کی کیفیت پیدا ہو جائے ؎

اللہ اللہ ہستئ شاعر　　　قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی

حضرت کا ذوق جمالیات بڑا نکھرا ہوا تھا، رہن سہن، بود و باش، تحریر و تقریر زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی جھلک نظر آتی تھی، قلب و روح کی رقت و گداختگی کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے حضرت کی زیارت کی ہے، اشعار ابدار قلب نازک کیلئے تیر و نشتر کا کام کرتے تھے، اور بیقراری کا وہ عالم ہوتا کہ کبھی دیکھا ہی نہیں، علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت کے ذوق سخن سنجی و سخن گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :-

"ذوق سخن بھی کمال کا ہے، موزوں طبع ہیں، شعر خوب کہہ لیتے ہیں مگر شعر گوئی کے عادی نہیں بلکہ طبیعت حاضر ہوئی تو کچھ کہہ لیا سخن فہمی کا ملکہ بھی خداداد ہے، بلند پایہ اور عارفانہ کلام ترنم اور خوش الحانی سے سماعت فرماتے ہیں، اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی عالم کیف و سرور میں کھو سے جاتے ہیں لیکن ضبط کا یہ عالم ہے کہ کسی کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ آپ اس وقت کس عالم میں ہیں الا ماشاء اللہ جو اداشناس ہیں وہی کچھ اس رمز کو پا سکتے ہیں۔" (ماہنامہ عقیدت، نئی دہلی، جولائی و اگست ۱۹۶۴ء، ص ۲۸)

②

جب کبھی حضرت خلوت و تنہائی میں ہوتے اور طبیعت حاضر ہوتی تو خود دلنواز ترنم کیساتھ اشعار پڑھتے اور کیف و سرور میں کھوسے جاتے —— ایام جوانی میں حضرت نے اپنے عزیز ترین احباب کو جو خطوط تحریر فرمائے اس میں اکثر اشعار تحریر فرماتے، افسوس اس زمانے کی تحریریں دستیاب نہ ہوسکیں، تیس پینتیس سال قبل حضرت نے اپنے سلسلے کا منظوم شجرۂ طریقت مرتب فرمایا تھا، اس کے بعض اشعار بہت ہی دلگداز اور پرتاثیر ہیں، موضوع چونکہ شریعت و طریقت ہے اس لئے "ادائے محبوبی" نہیں بلکہ نیازمندی اور خود سپردگی کی کیفیت ہے، شجرۂ مذکورہ میں سے چند منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں:-

مشکلوں میں آپھنسا ہوں اے شہ بیکس نواز — چارہ سازی کر، غریب ناتواں کے چارہ ساز
نفس و شیطان راہزن ہیں اور کٹھن ہے راستہ — ناتواں ہوں، کر حفاظت، تجھ کو تیرا واسطہ
میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ — نور مطلق کی تجلی سے باطن کو کر پیراستہ
اپنا ذوق و شوق و درد و سوز یارب کر عطا — اپنے ذکر و فکر، انس و معرفت کا دے مزا
جس طرف دیکھوں نظر آئے مجھے ہر سو توہی — دیدہ و دل میں مرے اس طرح بس جائے توہی
مجھ کو خلوت انجمن میں اور وطن میں دے سفر — دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر
جام وحدت کا پلاکر کردے بیخود مجھ کو یوں — غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست کن
درد فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو — موت جب آئے تو صبح وصل کا پیغام ہو
جس مقام قرب پر پہنچوں کہوں "ہل من مزید" — میری ہر شب ہو شب قدر اور ہر دن روز عید
جب تری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب — حکم ہو "جا ہم نے بخشا بے حساب بے کتاب"
جب سر پل پر چلوں ان کی نگاہیں ساتھ ہوں — "رب سلم" کی صدائیں ہر قدم کہتا ہوں
پیاس کی شدت میں یارب آب کوثر کر عطا — تا ابد لیتی رہے میری زباں اس کا مزا
چھوڑ کر در کو ترے، جائے کہاں تیرا گدا — تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا

یہ اشعار اگرچہ نہایت سادہ ہیں مگر پُر تاثیر ہیں، ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
یہ قول شاعرانہ نہیں بلکہ ایسا قول ہے جو عمل کا آئینہ دار ہے، وادیٔ خیال میں بلند پروازیاں کس کو نہیں آتیں مگر یہاں بات پرواز عمل کی ہے۔

(٣)

پچھلے بیس سال کے عرصہ میں حضرت نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان میں بھی کہیں کہیں اشعار مل جاتے ہیں، حضرت کی زندگی کا بیشتر حصہ غمناک حادثات سے پُر رہا ہے، جوان اولاد کا ایک ایک کرکے اٹھ جانا، انقلاب وطن کے بعد احباب کا ایک ایک کرکے جدا ہو جانا، یہ کیا کم قیامت تھی، مگر حضرت نے زندگی کی تمام تلخیوں کو اپنے کمال عزم و ہمت سے گوارا بنا دیا ع جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا۔
لیکن اس زمانے میں بھی جب کبھی حضرت کی طبیعت حاضر ہوتی تو مکاتیب میں فی البدیہہ شعر تحریر فرماتے، بعض مکاتیب تو پورے کے پورے منظوم ہیں، اگر حضرت کے مکاتیب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو بیشمار اشعار مل سکتے ہیں اور ایک گلدستہ تیار ہو سکتا ہے، راقم نے چند خطوط کے مطالعے سے اشعار منتخب کئے ہیں، حضرت کے بیشتر خطوط مخلصین و مریدین کے نام ہیں، اس لئے

اشعار بہت سادہ و رواں ہیں، لیکن فی البدیہہ قلم برداشتہ لکھتے چلے جانا کمال سخن گوئی کی دلیل ہے، اگر حضرتؒ اس طرف توجہ فرماتے تو شعری دنیا میں ایک نیا اضافہ ہوتا ــــــ حضرت کے چند منتخبہ اشعار تاریخی ترتیب کیساتھ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں حضرت قبلہؒ نے راقم الحروف کی چھوٹی ہمشیرہ کی طرف سے یہ اشعار تحریر فرمائے تھے:-

تمہاری خواہر آج اس فکر میں ہے — کہ اپنے بھائی کو کیوں کر بلاؤں
دل ہی دل میں یہ کہتی ہے نسیمہ — کہ ایسے چاند کو کیسے بلاؤں

ذکرالرحمٰن صاحب کے نام مئی ۱۹۵۰ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے:-

تمہارے تہنیت نامہ کا شکریہ، مبارک تمہیں عید
بعزت زندگی گزرے، خدا کی ہو تمہیں دید

ایک اور مخلص و معتقد فضل احمد صاحب (کراچی) کے تہنیت نامہ کے جواب میں ۲۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کو حضرت نے جو گرامی نامہ ارسال فرمایا ہے، اس میں یہ شعر ملتا ہے:-

فضل مولیٰ، فضل احمد، فضل اہل اللہ ہو — کیا دعا دیں تم کو، تم تو خود ہی عزّ و جاہ ہو

صوفی محمد ذاکر صاحب کے نام ۲ مئی ۱۹۵۲ء کے مکتوب گرامی میں یہ اشعار ملتے ہیں:-

گلشن دہر میں رہے وہ شاد — اور دشمن ہوں اس کے سب برباد
جس نے بھیجی مجھے مبارک باد — حق سے پاتا رہے سدا امداد
بھول جائے وہ غیر رب سب کو — جو عمل بھی ہو اس سے جہاد
ایک مولیٰ رہے اسے بس یاد — راہ حق میں ہو سب کا سب معاد

اور اسی راہ پر رہے اس کی
خیر سے گامزن اہل اولاد

والسلام من المظہر

دسمبر ۱۹۵۳ء کو راقم کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ شعر تحریر فرمایا:-

ہجر کے غم کا تصور ہی اگر ہوتا علاج
پھوٹی کوڑی بھی نہ پھر وصل کی قیمت ہوتی

غالباً یہ شعر راقم کے مرقومہ اس شعر کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:-

تصور کی خیال آرائیاں دل سے نہیں جاتیں　　　نکل کر تیری محفل سے تری محفل میں رہتے ہیں

۶ ار مئی ۱۹۵۴ء کو راقم کے نام ایک صحیفۂ گرامی میں یہ شعر تحریر فرمایا تھا :۔

نہ مروتم ان پہ مظہر کہ یہ بت ہیں چند روزہ
تم اسی خدا کو پوجو کہ جسے اجل نہ آئے

اسی طرح ۴ر جون ۱۹۵۴ء کے ایک مکتوب گرامی میں فضل احمد صاحب کے نام یہ شعر ملتا ہے :۔

تمہارے تہنیت نامہ کا شکریہ ولیکن　　　مری کیا عید جب تک ہو نہ میرے سامنے تم

فضل احمد صاحب ہی کو ۱۲ مئی ۱۹۵۶ء کو ان کے تہنیت نامہ کے جواب میں حضرت نے پورا مکتوب شریف منظوم تحریر فرمایا ہے۔ اس میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ وہی اشعار تحریر فرمائے ہیں جو صوفی محمد ذاکر موصوف کے نام تحریر کئے جا چکے ہیں۔

بجواب تہنیت

گلشن دہر میں رہے وہ شاد　　　جس نے بھیجی مجھے مبارک باد
اور دشمن ہوں اس کے سب برباد　　　حق سے پاتا رہے سدا امداد
بھول جائے وہ غیر رب سب کو　　　ایک مولیٰ رہے اسے بس یاد
جو عمل بھی اس سے ہو جب صادر　　　راہ حق میں ہو سب کا سب معتاد

اور اسی راہ پر رہے اس کی
خیر سے گامزن سب اہل و اولاد

والسلام من المظہر

۱۳ر اپریل ۱۹۵۹ء کے ایک صحیفۂ شریفہ میں فضل احمد صاحب کے نام یہ منظوم مضمون ملتا ہے :۔

عید ہو ان کو مبارک، پاک ہے جن کا مکان　　　وہ رہیں زندہ سلامت با نعیم بیکراں
جو عزیزوں سے پڑا ہو دور اس کو کیا خوشی　　　ہو بیمار اور گناہ کا بار رکھتا ہو گراں
ہاں تمہاری گر دعا میری اعانت کچھ کرے　　　ہے یقیں مجھ کو کہ دے ہم کو بھی وہ امن و اماں

فقط مظہر

مکتوب الیہ موصوف کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :۔

تمہاری تہنیت کا شکریہ، مبارک ہو تمہیں عید
بعزت زندگی گزرے، خدا کی ہو تمہیں دید

شیخ محمد یحییٰ مرحوم کے نام ۷ جولائی ۱۹۵۸ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :-

تہنیت نامہ کا شکریہ دیتا ہوں تمہیں
ایسی ایسی سینکڑوں عیدیں مبارک ہوں تمہیں

ذکا الرحمٰن صاحب کے نام ۴ اپریل ۱۹۵۹ء کے صحیفۂ گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :-

مبارک باد جس نے دی مبارک باد ہم کو ‎ ‎ خدا رکھے اسے جس نے کیا ہے شاد ہم کو

فضل احمد ــــ موصوف کے نام ۳ مئی ۱۹۶۰ء کے تہنیت نامہ کے جواب میں یہ منظوم مکتوب ملتا ہے :-

فضل حق بھی فضل احمد ختم ہوتا ہے کہیں ‎ ‎ ہاں مگر تیری توجہ پھر گئی فیضان سے
اب تو کوشش کا زمانہ آگیا جب بے خبر ‎ ‎ پاک تجھ کو زنگ عصیاں سے کیا رمضان نے
مظہر

۱۷ جون ۱۹۶۱ء کے مکتوب گرامی میں مکتوب الیہ موصوف کے نام یہ شعر ملتا ہے :-

گنبد خضرا کا صدقہ ہو مبارک تم کو عید
فضل احمد سے کھلا پھولا رہے ہر روز عید

۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو اپنے فرزند نسبتی قاری حفیظ الرحمٰن صاحب کے تہنیت نامہ کے جواب میں جو صحیفۂ گرامی تحریر فرمایا تھا، اس میں یہ شعر ملتا ہے :-

مبارک باد جس نے دی مبارکباد ہم کو
خدا رکھے اسے جس نے کیا ہے یاد ہم کو

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء کو فضل احمد صاحب کے تہنیت نامہ کے جواب میں پورا مکتوب شریف منظوم تحریر فرمایا ہے، یہاں من و عن نقل کیا جاتا ہے :-

ہو مبارک تم کو بھی عید قرباں اے سعید ‎ ‎ فضل احمد کو مبارک ہی نظر آتی ہے عید
دی مبارکباد تم نے پر مری جاں یہ تو بتاؤ ‎ ‎ کیا اسی لائق ہے یہ بدکار، یہ مظلم عبید
عید اس کے واسطے ہے جو رہے مشغول دوست ‎ ‎ جو رہے مشغول دنیا میں اس کو کیا مفید
ہاں اگر رحمت ہی اس کو ڈھانک لے تو عذر دو ‎ ‎ نام لیوا حضرت احمد کا ہوگا بس فرید
بچائے وہ زخ کی وگر نہ اس کو پہنچے گی مظہر
جس نے کی ان کی اہانت ہو گیا بس وہ پلید

ذکرالرحمٰن صاحب کے نام ۱۶ مئی ۱۹۶۲ء کے ایک مکتوب گرامی میں اشعار ملتے ہیں جس میں مزاح کی چاشنی موجود ہے :-

عید قرباں کی مبارکباد بھی تم نے مجھے   سو مبارکباد ہوں اور نار دوزخ بھی تجھے
خوب بکرا لائے ہو اُسے ذکر لیکن کیا وجہ   اس کی بوٹی بھی نہ چکھلائی نہ کھلائی مجھے

۲ فروری ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں راقم کے نام یہ شعر تحریر فرمایا :-

وہ تو غیروں کیلئے بھی یاد کا باعث بنی
ہم نے سمجھا تھا کہ بھلا دیگی کسی کو چشم تر

غالباً یہ مکتوب شریف اس وقت تحریر فرمایا ہے جب راقم قدم بوسی کے بعد دہلی سے واپس پاکستان آیا۔

ذکرالرحمٰن صاحب کے نام ۴ مئی ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :-

عید قرباں مبارک باد اس کو   جو دیتا ہے مبارک مجھ کو

اسی طرح ۴ مئی ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں شیخ محمد یحییٰ مرحوم کے نام یہ شعر ملتا ہے :-

زندگی یحییٰ مبارک باد تم کو   جیسی دی تم نے مبارکباد مجھ کو

فضل احمد صاحب کے نام ۹ جون ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر نظر آتا ہے :-

عید قرباں فضل احمد کو مبارک باد ہو   جنت الفردوس کی جانب مظہر مرصاد ہو

موصوف ہی کے نام ۲۴ اپریل ۱۹۶۵ء کے ایک گرامی نامہ میں یہ شعر ملتا ہے :-

عید قرباں ہو مبارک اس کو لے جان مظہر   نفس امارہ کو جس نے آج قرباں کر دیا

ذکرالرحمٰن صاحب کے نام اپریل ۱۹۶۶ء کے ایک مکتوب میں یہ شعر تحریر فرمایا ہے :-

ذکر رحمٰن، مظہری کرتے رہو   عافیت انشاء اللہ بہتر ہی ہو

غلام قادر خاں کے نام ۱۹۶۶ء ہی میں ایک مکتوب شریف میں یہ شعر ملتا ہے :-

تم سب ہی کو طاہرہ بیگم کی شادی ہو مبارک   اور تمہارے حاسدوں کو ذل و خواری ہو مبارک

صوفی محمد ذاکر کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ اشعار ملتے ہیں :-

عید کی خوشیاں مبارک ہو تمہیں   اور پاکستان مبارک ہو تمہیں
ہم سے دور افتادگان کو کیا   صحبت خویشاں مبارک ہو تمہیں

حکیم محمد عمر قریشی (لاہور) کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے بلکہ شعر ہی مکتوب ہے :-

تجھ کو میری یاد کیسے آگئی غفلت شعار   پھول تو زیبا تھے تجھ کو میرے ناحق تو ہیں خار

(۴)

حضرت قبلہ کے ذوق شعر گوئی نے طلبہ کی تدریس و تعلیم میں بڑی آسانیاں پیدا کر دی تھیں حضرت بالعموم منظوم نوٹس بنا کر مرحمت فرمایا کرتے تھے، جن کو ذہن نشیں اور حفظ کرنے میں بڑی سہولت ہو جایا کرتی تھی، مختلف علوم و فنون پر حضرت نے نوٹس تحریر فرمائے تھے، مثلاً صرف و نحو، منطق و فلسفہ، فقہ و علم الفرائض وغیرہ، اگر ان کو تلاش کر کے یکجا کیا جائے تو عربی طلبہ کیلئے بڑی مفید اور علمی چیز ہو گی، صرف و نحو سے متعلق حضرت کا ایک منظوم رسالہ ہے، جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

بعد حمد خالق و نعت محمدؐ مصطفےٰ — علم صرف[1] و نحو کے سن اصطلاحات اے فتا
تا تجھے کامل و ناقص گفتگو میں ہو تمیز — صحت الفاظ ترکیبوں کا لگ جائے پتا
لیکن اکثر میں عرب کے تجھ کو بتلاؤں گا لفظ — کیونکہ قرآں کی زباں عربی ہے از بس دلکشا
اور میرا اصل منشا اس سے اے جاں ہے یہی — تو سمجھ لے تیرے مولیٰ نے ہے تجھ سے کیا کہا
حفظ قرآں کا بڑا ہے مرتبہ گرچہ و لے — بے معانی سمجھے اس کا کیسے حق ہو گا ادا
پس مری جاں فرض کو اپنے سمجھ اور یاد رکھ — جو بتاتا ہوں تجھے ورنہ بہت پچھتائے گا
میں مثالیں پہلے اردو میں بتاؤں گا کہ تو — اصطلاحات عرب آسانی سے سمجھے بے عنا

لفظ کے اقسام

جو کسی کے بولنے میں بول نکلے ہے وہ لفظ — اب تجھے اقسام اسکے میں بتا دوں بے بہا
لفظ ہے دو قسم پر موضوع و مہمل دائما — پھر ہے موضوع یا مفرد یا مرکب جان ما

کلمہ کی اقسام

کہتے ہیں مفرد کو کلمہ یاد رکھنا اے عزیز — اسم فعل و حرف ہیں سب اسکی قسمیں بے خفا
ان کو سہ اقسام کہتے ہیں اب ہر ایک کی — قسمیں اور قسموں کی قسمیں حافظہ میں لے جما
اب میں قائم کر کے عنوان ان کی قسموں کی عزیز — تجھ کو بتلاتا ہوں آمادہ ہو جا، جی لگا

---

[1] ہے بناوٹ کا بیان جسمیں اسے کہتے ہیں "صرف" — "نحو" وہ جس میں بیان کلموں کے باہم جوڑ کا

پس کسی عنوان کا مضمون پوچھے گر کوئی
تو بلا جھجکے، بلا کھٹکے اسے فوراً بتا

اسم کے اقسام

اسم کے اقسام مصدر مشتق جامد ہیں یا
معرفہ نکرہ مذکر یا مؤنث خوش ادا

اسم ذات اسم صفت واحد مثنیٰ اور جمع
اور مکبر یا مصغر پھر عربی کے خالصا

منصرف لا منصرف معرب مبنی ہے وہ
اور ثلاثی یا رباعی یا خماسی بے ادا

اقسام مصدر

مصدر اصلی یا ہے جعلی مقتضب متصرف اور
یا ہے لازم یا کہ ہے متعدی اے جان صفا

پھر مجرد یا مزید اور مصدر میمی ہے اور
مرۃً مقدار و حالت کے لئے بھی آئے گا

اسمائے مشتق

فاعل مفعول ظرف آلہ تفضیل وصفت
حاصل مصدر اور اسم حالیہ مبالغہ مشتق بنا

اور بھی اسما چند اسما کے بتا دوں یاد رکھ
مفعلۃ فعال فاعل اور فعالہ ست بھلا

نواں باب

کرامات

کرامات

حضرت قبلہ قدس سرہٗ کی بیشمار کرامات ہیں لیکن چوں کہ مردانِ خدا خود ایک زندہ کرامت ہیں ان کے اظہارِ عظمت کے لئے کسی کرامت کی ضرورت نہیں، جن کو ہم خوارق اور کرامات کہتے ہیں بعض اوقات وہ اغیار سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں، گو ان کو استدراج کہا جائے جو چیز یگانے اور بیگانے میں بظاہر مشترک نظر آتی ہو وہ حقیقی عظمت کی اساس نہیں بن سکتی، اصل چیز سیرت و کردار ہے جس سے اغیار محروم ہیں، لیکن بعض طبائع اولیاء اللہ کی سوانح میں خوارق اور کرامات کو تلاش کرتی ہیں اور اسی کو اساسِ عظمت قرار دیتی ہیں، یہ نہ ہوں تو ان کے لئے پوری سوانح بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے چناں چہ حضرت کے مریدین ذہن میں جس سے بھی حضرت کے حالات و کرامات دریافت کیں اُس نے خوارق کو خاص اہمیت دی حالاں کہ عملی زندگی کے گوشہ گوشہ میں کرامات نظر آسکتی تھیں، اس لئے ہم ان کے ذہنی سکون کے لئے حضرت کی بعض کرامات بیان کرتے ہیں، یہ کرامات یا تو ثقہ لوگوں سے سن کر قلم بند کی گئی ہیں، یا خود مشاہدہ کیا ہے وہ لکھا گیا ہے۔ —— واقعات اجنّہ اور دیگر واقعات بھی اسی ضمن میں بیان کر دئے گئے ہیں۔

(۱)

حضرت چوں کہ بے مثال عالم اور فقید المثال عامل تھے اس لئے آپ کے قبضے میں اجنّہ بھی تھے بعض لوگوں نے خود حضرت کے پاس آتے جاتے ان کو دیکھا ہے، انہیں حضرات میں مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ تھے، جو ہندوستان سے ہجرت کر کے ارضِ (حجاز) میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے، اور وہیں وصال فرمایا —— مولانائے مرحوم تقریباً چالیس برس قبل (ہجرت سے پہلے) مسجد فتحپوری میں رہتے تھے، مرحوم نے حضرت کو بہت قریب سے دیکھا تھا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات حضرت مسجد ہی میں آرام فرما رہے تھے، رات گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص حضرت کی آرام گاہ کے قریب بیٹھا ہے، مولانائے مرحوم کو تشویش ہوئی، اور چاہا کہ قریب جا کر حقیقت حال دریافت کریں لیکن جوں ہی وہ قریب پہنچے وہ شخص اٹھ کر چلا، اس کا ایک پیر صحنِ مسجد میں اور دوسرا گنبد پر تھا، یہ دیکھ کر مولانا حیران و ششدر رہ گئے، وہ شخص آناً فاناً غائب ہو گیا۔

(۲)

اسی قسم کا ایک واقعہ مشہور مبلغ مولانا عبدالعلیم میرٹھی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک زمانہ ہوا حضرت مسجد کے مغربی دالان کی چھت پر آرام فرمایا کرتے تھے، جس کا ایک راستہ حضرت کے کمرہ شریف کی گیلری میں سے ہوتا ہوا جاتا تھا، اسی زمانے میں مولانا ئے موصوف تشریف لائے حضرت نے ان سے فرمایا کہ "کمرے کے اندر آرام فرمائیں"، مگر مولانا چھت پر سونے کے لئے مصر تھے، چناں چہ رات انہوں نے وہیں آرام فرمایا، رات کے ایک دو بجے اچانک مولانا کے چیخنے کی آواز آئی ——— "مفتی صاحب! مفتی صاحب!" ——— حضرت فوراً اوپر تشریف لے گئے۔ مولانا سے حقیقت حال دریافت کی تو فرمایا کہ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کے بڑے گنبد کے کنگروں پر ایک لمبی چوڑی لاش کفنائی ہوئی لٹا رکھی ہے۔ جوں ہی حضرت پہنچے وہ غائب ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جنّہ کی کارگزاریاں تھیں جو بالعموم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

(۳)

حکیم احمد حسین صاحب الوری جو مشہور عالم دین اور صوفی حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ[۱] کے داماد ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایام جوانی میں ان کے سینے میں ایسا شدید درد اٹھا کہ جنا قابل برداشت ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی سینے میں سوئیاں چبھو رہا ہے، چناں چہ وہ علاج کے لئے الور سے دہلی آئے اور مسجد فتحپوری کے قریب کسی ڈاکٹر کو دکھایا، اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا وہ مسجد چلے گئے ابھی جنوبی دالان میں تھے کہ اچانک پھر درد اٹھا اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے سب لوگ جمع ہو گئے اتنے میں حضرت بھی تشریف لے آئے، کچھ پڑھ کر سینہ پر دم کیا، درد جاتا رہا اور ہوش آ گیا ——— اس کے بعد حضرت حکیم صاحب کو اپنے کمرہ شریف میں لے گئے اور شفقت آمیز خفگی کے ساتھ فرمایا کہ "تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے؟" ——— حضرت نے فرمایا کہ "تم پر سحر کیا گیا ہے" چناں چہ حضرت نے سات تعویذات دیئے اور فرمایا کہ دریا کے پانی میں بیری کے پتے ڈال کر اور ایک ایک تعویذ اس میں گھول کر سات دن نہایا جائے، ساتویں روز حضرت نے فرمایا کہ وہ خود الور تشریف لائیں گے، چناں چہ حسب الطلب حضرت تشریف لے گئے ——— ایک لیموں منگایا، اس کے دو ٹکڑے کئے، بیچ میں ایک تعویذ رکھ کر اس کو دھاگے سے باندھ دیا اور حکیم صاحب

۱۔ حضرت مولانا رکن الدین نے روحانی رشتے کے علاوہ حضرت کے معتقد بھی تھے آپ کا مجموعۂ مکاتیب حضرت مولانا

سے فرمایا کہ رات سوتے وقت اس کو تکیہ کے نیچے رکھ لیں اور جو کچھ رات خواب میں دیکھیں صبح کو من و عن بیان کر دیں ـــــ چناں چہ ایسا ہی ہوا، حکیم صاحب کو خواب میں وہ سب کچھ دکھا یا گیا جو جادو کے سلسلے میں کیا گیا تھا، مکان کی وہ دہلیز بھی دکھائی گئی جہاں تعویذ وغیرہ دفن کیا گیا تھا اور جادو کرنے والے شخص کو بھی دکھایا گیا ـــــ جب حضرت سے یہ خواب عرض کیا گیا تو حضرت نے حکیم صاحب سے فرمایا "مکان کی دہلیز کی جگہ تمہاری ذہن میں محفوظ ہے جو خواب میں دکھائی گئی" ؟ ـــــ انھوں نے فرمایا "جی ہاں" ـــــ چناں چہ حضرت حکیم صاحب کے اس جگہ لے گئے اور فرمایا کہ اس جگہ کو کھود دو، جب کھودا گیا تو اس میں سے پتلا نکلا جس کے سینے پر بیشمار سوئیاں گھپی ہوئی تھیں، حضرت نے اس کو دریا میں بہانے کا حکم دیا، چناں چہ وہ درد جس نے زندگی اجیرن کر دی تھی، بالکل جاتا رہا ـــــ یہ حضرت کی عملیاتی کرامت ہے، اس قسم کی بے شمار کرامتیں ہیں ۔

(۴)

تیس پینتیس سال ہوتے ہیں، ایک روز حضرت اپنے صاحب زادہ مولانا منور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو درس دے رہے تھے، اثنائے درس میں اچانک فرمایا کہ "جاؤ اوپر جا کر دیکھو کسی نے کچھ کیا ہے" ؟ چناں چہ صاحب زادہ موصوف اوپر تشریف لے گئے، واپس آکر فرمایا کہ "کچھ نہیں" ـــــ حضرت نے فرمایا "پھر جا کر دیکھو ملی کے کونے پر کیا رکھا ہوا ہے" ؟ ـــــ چناں چہ اب کی مرتبہ جو گئے تو واقعی وہاں ایک مٹی کی سکوری رکھی ہوئی تھی، وہ لا کر حضرت کے سامنے پیش کر دی، کھول کر دیکھا تو اس میں خون سے لکھے ہوئے دو تعویذ رکھے ہوئے ہیں اور ان میں سوئیاں گھپی ہوئی ہیں، معلوم ہوا کہ حضرت پر کسی دشمن نے جادو کیا تھا جو چشم بصیرت سے معلوم کر لیا گیا ۔

(۵)

ملتان میں ایک ستر اسی سالہ بزرگ نے حضرت کے ایک مرید و معتقد محمد صغیر صاحب کاکوان سے اپنا ایک واقعہ بیان کیا، انھوں نے کہا کہ وہ اور ایک اور صاحب ملاقات کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس زمانے میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے، نماز عشاء کے بعد حضرت قبلہ اور حضرت صاحب مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی دالان کے اوپر چھت پر رونق افروز تھے، یہ دونوں صاحب خدمت با برکت میں حاضر ہوئے، کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب آپ تشریف لیجائیں، راوی تو مصافحہ کر کے واپس تشریف لے آئے مگر دوسرے ساتھی

سنے تہر نے پر اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ "دور جا کر زینے کے قریب بیٹھ جاؤ"۔ ان صاحب کا بیان ہے کہ تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے ایک ٹانگ نظر آئی جو اتنی لمبی تھی کہ ٹخنے سے گھٹنے تک کا حصہ چھت سے مسجد فتحپوری کے مینار تک تھا، اور مینار سے اوپر ٹانگ کا باقی حصہ، یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر وہ گھبرا کر بھاگے، چناں چہ گرتے پڑتے زینے کے نیچے آرہے ہیں۔

(۶)

عزیز الدین صاحب کراچی سے تحریر فرماتے ہیں کہ "کسی نے کہا تھا کہ حضرت قبلہ کے قبضے میں ایک جن ہیں جو شاہی مسجد فتحپوری کی بالائی منزل میں رہتے ہیں اور حضرت قبلہ کے درس و تدریس سے استفادہ کرتے ہیں، یہ بات میں نے ان صاحب سے ہی نہیں بلکہ دہلی میں بہت سے لوگوں کو کہتے سنا تھا۔"

(مکتوب محررہ اپریل ۱۹۶۸ء)

(۷)

موصوف نے ایک اور کرامت تحریر فرمائی ہے جو حضرت کے ایک مرید دیرینہ سیٹھ احمد دین کلکتوی سے متعلق ہے، سیٹھ صاحب مرحوم نے خود موصوف سے اس کرامت کا ذکر کیا تھا۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ سیٹھ صاحب کہتے تھے کہ:-

بھیرہ ضلع شاہ پور (مغربی پاکستان) میں پیدا ہوا، جوانی کی عمر میں بغرض کاروبار کلکتہ چلا گیا وہاں ایک پارٹی میں شامل ہو کر کوکین کا کاروبار شروع کر دیا"

"یہ نشہ آور شئے ان دنوں (۵۰ سال قبل) چین برآمد کی جاتی تھی، یہ لوگ اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ کلکتہ کے بڑے بڑے مارواڑی سیٹھ ساہوکاروں کو لکھتے تھے کہ ہمیں اس قدر روپیہ درکار ہے ہمارے آدمی کو اس مقام پر پہنچا دو ورنہ زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا، قتل و غارت گری کے اس کاروبار میں سیٹھ احمد دین صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہت جلد اس گروہ کے سردار بن گئے، کئی قتل و ڈکیتی کے مقدمات ان کے خلاف چلے لیکن ثبوت مکمل پیش نہ ہونے کی وجہ سے عدالت سے بری ہو جاتے، آخر گورنر بنگال نے جو اس وقت کوئی انگریز تھے اپنے خصوصی اختیارات سے پندرہ سال کے لئے بنگال چھوڑ دینے کا حکم دیا اور سیٹھ صاحب چندر نگر کو اس وقت حکومت فرانس کا مقبوضہ تھا چندر ونزر ہے اور دہلی آگئے یہاں حضرت قبلہ سے بیعت ہوئے اس وقت قطب الاقطاب جوان تھے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیدائشی ولی کامل تھے

اور یہ ولایت آپ کو اپنے والد بزرگ (جو اپنے زمانہ کے قطب تھے) سے ورثہ میں ملی تھی ——
سیٹھ صاحب حضرت قبلہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے رہے، عرض معروضات پیش کرتے رہے
وعدہ کرتے رہے کہ سابقہ زندگی کا اعادہ نہ کروں گا، کلکتہ چلے جانے کا حکم صادر فرمایا جائے
چناں چہ ایک روز ایسا بھی آیا، دریائے سخاوت میں جوش آیا، ارشاد ہوا :-

"چلے جاؤ، گورنر تم کو بلائیں گے اور کہیں گے کہ تم بنگال کی سرحد میں کیسے داخل ہوئے، فوراً بنگال چھوڑ دو، تم گورنر سے کہہ دینا کہ صاحب اب میں نہیں جاؤں گا انشاءاللہ تمہارا بال بیکا نہ ہوگا، مگر یہ یاد رہے کہ اپنے وعدہ پر قائم رہنا، بندگان خدا کو تکلیف نہ پہنچانا، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کچھ نہ کرنا۔"

سیٹھ صاحب نے وعدہ کیا اور کلکتہ پہنچ گئے، شہر کے طول و عرض میں کھلبلی مچ گئی گورنر صاحب کو آمد کی اطلاع ہوئی، سیٹھ صاحب کو بلایا گیا، گورنر صاحب سخت ناراض ہوئے اور حکم دیا فوراً بنگال کی حدود سے نکل جاؤ، سیٹھ صاحب نے حضرت قبلہ کا حکم زبانی سنا دیا کہ صاحب اب میں کلکتہ کو نہیں چھوڑ سکتا، یہ حکم بڑے گورنر صاحب کا ہے، گورنر صاحب منہ تکتے رہ گئے اور سیٹھ صاحب کلکتہ میں رہتے رہے۔

(مکتوب محررہ اپریل ۱۹۶۸ء)

راقم الحروف نے اپنے بچپن میں سیٹھ صاحب کو دیکھا ہے، یہ ان کے آخری ایام تھے ان کا قد تقریباً ساڑھے چھ فٹ ہوگا، وزن چار من، رنگ بالکل سیاہ، آنکھیں بڑی بڑی اور سرخ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شعلے نکل رہے ہیں، جب بیٹھتے تو ان کے سانس لینے کی آواز پاس بیٹھنے والا آرام سے سن سکتا تھا، غرض از قسم جن یا دیو معلوم ہوتے تھے، ان کے چہرے پر بلا کی ہیبت تھی۔

بڑے امیر کبیر اور نہایت فراخ دل تھے، حضرت سے کمال عقیدت تھی اور سب کچھ نثار دینے کے لئے تیار رہتے تھے، ایک واقعہ سے ان کی عقیدت اور دریا دلی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ سیٹھ صاحب نے حضرتؒ کی دعوت کی، حضرتؒ کسی وجہ سے ان کی قیام گاہ پر تشریف نہیں لے جاسکتے تھے، فرمایا کہ کھانا یہیں لے آنا، چناں چہ جس رات دعوت تھی اس رات سیٹھ صاحب چھ سات دیگیں ڈولیوں میں رکھوا کر لائے، جس میں قسما قسم کے مرغن کھانے تھے، تیتر، بٹیر، مرغ

وغیرہ کی دیگیں پکا ڈالیں ـــــ جب حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو نہایت ہی خفا ہوئے اور فرمایا کہ سب کھانا واپس لے جاؤ، حضرتؒ فضول خرچی کو بہت ہی بُرا سمجھتے تھے، سیٹھ صاحب نے معافی چاہی، اور عرض کیا آیندہ ایسا کروں گا، چناں چہ وہ کھانا غریب غربا میں تقسیم کر دیا گیا۔

(۸)

گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ کی وائس پرنسپل پروفیسر سلیمہ سلطانہ صاحبہ دہلی کی ایک صاحبہ سے یہ واقعہ نقل کرتی ہیں، دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۱ء میں ان کا بیٹا برما کے محاذ جنگ پر لڑ رہا تھا وہ حضرت کے پاس گئیں اور جان کی حفاظت و سلامتی کے لئے ایک تعویذ لے کر اپنے بیٹے کو برما بھیج دیا ایک شان محاذ پر وہ کچھ آرام کر رہے تھے کہ اچانک دشمن نے حملہ کر دیا، اس گڑبڑ میں وہ تعویذ گم ہو گیا، انھوں نے دہلی اپنی والدہ کو لکھا، یہ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض حال کیا، حضرت مسند سے اٹھ کر چھوٹے کمرے میں تشریف لے گئے اور جو تعویذ لا کر ان صاحبہ کو دیا وہ وہی تھا جو حضرت نے پہلی بار عنایت فرمایا تھا، جس کپڑے میں ان صاحبہ نے سیا تھا وہ اچھی طرح پہچانتی تھیں، یہ دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گئیں، کہاں برما اور کہاں دہلی، پہنچا تو کس طرح پہنچا، عقل انسانی ان رازہائے سربستہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

(۹)

دہلی میں عبدالستار خاں نامی ایک شخص تھے، جو بعض خوبیوں کی وجہ سے مشہور و معروف تھے حضرت سے بیعت تھے اور بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ بڑے بہادر اور نڈر تھے، وہ راقم سے خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے کسی ہندو سیٹھ کو قتل کر دیا، جس کی پاداشت میں قید کئے گئے، مقدمہ چلا اور بالآخر پھانسی کی سزا سنا دی گئی، انھیں دنوں حضرت نے ایک تعویذ جیل خانے میں بھجوایا، وہ پہن لیا، جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ سے قبل ان کو تختۂ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا زندگی کا کوئی آسرا نہ تھا، پھانسی سے چند منٹ قبل ایک افسر نمودار ہوا اور اس نے کہا "چھوڑو، چھوڑو، اس کو بری کر دیا گیا ہے"۔ اللہ اللہ وہ کونسی غیبی قوت تھی جس نے کئے فیصلوں کو اچانک بدل دیا، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا خوب فرمایا ہے عرفت ربی بفسخ العزائم ـــــ ارادوں میں ناکامی سے میں نے اپنے رب کو پہچانا ہے ـــــ نجات کی خبر سن کر عبدالستار خاں باغ باغ ہو گئے، جان میں جان آئی اور رہا ہونے کے بعد سیدھے حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، جمعہ کی نماز کے بعد ختم شریف کی محفل ہو رہی تھی خاموشی

کے ساتھ شریک ہو گئے، بعدہٗ قدم بوسی اور دست بوسی کے بعد سارا ماجرا سنایا۔ حاضرین سن کر حیران رہ گئے۔

عبدالستار خاں کا یہ واقعہ دہلی میں مشہور ہے، لیکن راقم کو خود موصوف نے سنایا۔ عبدالستار خاں وہی شخص ہیں جنہوں نے شاہ عراق کے قتل کی سازش کو واشگاف کیا تھا۔۔۔۔۔ اس سے بہت پہلے دہلی میں مولانا مظہرالدین شہید (مدیر اخبار وحدت و الامان) کے قاتلین کو بھی پکڑا تھا۔

(۱۰)

بیس پچیس سال کا عرصہ ہوا، دہلی میں ایک مشہور واعظ تھے، جن کا اسم گرامی مولانا نثار احمد صاحب تھا (رحمۃ اللہ علیہ)۔ مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ دال چاول وغیرہ کی دکان بھی کرتے تھے، متبحر عالم تو نہ تھے لیکن تقریر بڑی دھواں دھار کرتے تھے، طبعاً ظریف تھے اس لئے عوام الناس میں ان کی تقریریں بہت پسند کی جاتی تھیں، موصوف حضرت کے معتقد تھے اور بے حد محبت فرماتے تھے ایک مرتبہ اجانک سے حضرت کے نام ایک خط آیا جس میں تحریر تھا کہ ایسے متبحر عالم کو بھیجدیں جو معترضین اسلام کا مسکت جواب دے سکے، حضرت نے مولانا ئے موصوف کو بلا کر فرمایا کہ مناظرہ کے لئے آپ اجّین تشریف لے جائیں۔۔۔۔۔ مولانا حیران و پریشان، کیوں کہ مناظرہ کے لئے بڑی ہمہ گیر علمیت اور تبحر کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔ چوں کہ حضرت کا ارشاد گرامی تھا اس لئے انکار کی جرأت نہ ہوئی اور اقرار کر لیا۔۔۔۔۔ اجّین تشریف لے گئے، ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، مناظرہ کی محفل گرم ہوئی، مولانا ئے مرحوم کو ایک ایسی دلیل سوجھی کہ مخالفین کے تمام دلائل باطل ہو کر رہ گئے اور فیصلہ مولانا کے حق میں رہا۔۔۔۔۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی جنہوں نے بلایا تھا، انھوں نے مولانا کو خوب خوب نوازا۔۔۔۔۔ یہ واقعہ راقم سے خود مولانا بیان فرماتے تھے وہ اپنی کامیابی پر خود حیرت زدہ تھے اور فرماتے تھے کہ یہ حضرت کی بیّن کرامت ہے۔

(۱۱)

حضرت کے مرید خاص حافظ صالحین صاحب جو برسوں حضرت کی خدمت میں حاضر رہے حضرت کی نسبت روحانی کے چند واقعات بیان کرتے تھے، من جملہ ان کے ایک یہ ہے، پاکستان ہجرت سے پہلے جب حافظ صاحب دہلی میں تھے تو اس زمانے میں ان پر ایک کیفیت یہ گزری کہ جب وہ حاضری کے بعد مسجد فتحپوری کے شمالی دروازہ سے نکل کر گھر کا رخ کرتے تو ایک دو میل

کے فاصلے کے باوجود اپنے محلے گھر اور اہل خانہ کو بچشم خود دیکھتے، اس کیفیت پر ان کو جھنجھلاہٹ ہوتی اور حیران تھے، کہ یہ ماجرا کیا ہے ۔ ـــــــ انہیں دنوں حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ "کچھ روشنی معلوم ہوتی ہے" ؟ ـــــــ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ شاید کوئی کار کی ہیڈ لائٹ جیسی روشنی ہوگی جس کے متعلق حضرت دریافت فرما رہے ہیں، چناں چہ انھوں نے نفی میں جواب دیا، جس پر حضرت کو حیرت ہوئی ـــــــ مگر جب ہجرت کرکے پاکستان آئے اور امتداد زمانہ سے بصیرت قلبی پیدا ہوئی تو معلوم ہوا کہ روشنی سے مراد کوئی ہیڈ لائٹ نہ تھی بلکہ انشراح صدر کی وہ کیفیت مراد تھی، جو اس زمانے میں حافظ صاحب موصوف پر طاری تھی ۔

(۱۲)

حافظ صاحب موصوف ایک اور واقعہ بیان فرماتے تھے ـــــــ انھوں نے کچھ بکریاں پال رکھی تھیں، ایک روز حضرت کو بکری کے دودھ کی ضرورت ہوئی تو حضرت نے اپنے عقیدت مند سیٹھ احمد میمن پاکستانی سے کہلا کر بھیجا کہ حافظ صاحب سے کہنا کہ آج ہم کو دودھ دے جائیں ـــــــ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی روز میرا دل بھی چاہا کہ دودھ حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائے، چناں چہ وہ دودھ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے دریافت فرمایا "سیٹھ احمد پہنچ گئے تھے" ؟ ـــــــ حافظ صاحب نے فرمایا "جی نہیں" ـــــــ فرمایا کہ "دودھ کے لئے کہلا کر بھیجا تھا" ـــــــ ابھی سیٹھ احمد راستہ ہی میں تھے کہ حافظ صاحب دودھ لے کر پہنچ گئے، یہ حضرت کی نسبت روحانی اور حافظ صاحب کے تعلق خاطر کا اعجاز ہے ۔

(۱۳)

حافظ صاحب ممدوح نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا ـــــــ دہلی میں جامع مسجد شاہ جہانی کے جنوبی دروازے کی طرف ایک درخت کے سایہ میں ایک مجذوب بیٹھا کرتے تھے، جن کو دہلی والے "دولھا میاں" کہا کرتے تھے، بڑے پایہ کے بزرگ تھے، ہمیشہ عریاں رہا کرتے تھے، بیخودی کی کیفیت طاری رہتی تھی، جو کچھ فرما دیا، ہو کر رہا ۔ آنکھوں سے نابینا تھے مگر دل کے بینا تھے ۔ جب کبھی حضرت اس طرف سے گزر فرماتے تو فوراً اپنی ستر پر کپڑا ڈال لیتے اور احتراماً کھڑے ہو جاتے ۔ ایک دن حضرت نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ "بھئی ادھر سے نہیں آیا کرو دولھا میاں کو تکلیف ہوتی ہے"۔ اس واقعہ سے حضرت کی روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ نابینا مجذوب بھی آپ کی شوکت روحانی سے واقف ہے ـــــــ یہی مجذوب کبھی کبھی ڈولی میں بیٹھ کر حضرت کو سلام کے لئے حاضر ہوتے تھے

مگر ادب احترام کا یہ حال تھا کہ اپنی مستقر پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، کبھی عریاں حضرت کے سامنے تشریف نہیں لاتے، سچ ہے اہل حال ہی اہل حال کو جان سکتے ہیں، اہل قال کو ان حضرت کے مقامات کی کیا خبر؟

(۱۴)

پچیس سال ہوتے ہیں حضرت کے مکان شریف کے ساتھ ہی عمارتی لکڑی کا ایک بڑا گودام تھا، ایک دن اچانک اس میں آگ لگ گئی، آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، آگ اگرچہ کچھ فاصلے پر تھی مگر گھر کے در و دیوار تمازت و حرارت سے تپ گئے تھے۔ گھبراہٹ میں گھر کا سامان منتقل کیا جانے لگا، حضرت اس وقت مسجد میں تھے، اطلاع دی گئی، فوراً تشریف لائے اور ایک پانی کا لوٹا بھر کر آگ کی طرف پھینک دیا، اس کا پھینکنا تھا کہ وہ آگ جو قابو سے باہر ہو چکی تھی اور قریب تھا کہ سارے علاقے کو جلا کر خاکستر کر دے اچانک کنٹرول میں آگئی اور چند گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد بجھا دی گئی۔

(۱۵)

ہر جمعہ کو حضرت کے کمرہ شریف میں ایک مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں حضرت اپنے ارشادات گرامی سے نوازتے تھے، حاضرین نے بارہا اس حقیقت کو محسوس کیا کہ جو باتیں حضرت سے دریافت کرنی ہوتیں یا کسی بات کا دل میں خطرہ گزرتا اثنائے وعظ میں اس کا جواب مرحمت فرما دیتے ——— اس سلسلے میں عم محترم ریاض الدین احمد صاحب (اکاؤنٹس آفیسر کراچی) اور برادرم مرحوم مولانا منور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذاتی تجربات بیان فرمائے۔

(۱۶)

جمعہ کی مجالس ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ اور دنوں میں بھی اس قسم کے واقعات سننے میں آئے ہیں، چنانچہ زرعی تحقیقاتی ادارے (کوئٹہ) کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب نے خود راقم سے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، جس زمانے میں ان کا دہلی میں قیام تھا ایک دن انھوں نے ایک خواب دیکھا، تعبیر دریافت کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے تھے کہ ہیبت جلال کی وجہ سے کوئی بات زبان سے نہ نکل سکی اور خاموش واپس چلا آیا ——— دوسری مرتبہ پھر گئے، ابکی دفعہ جوں ہی کمرہ شریف کی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا خواب کی تعبیر خود بخود دل پر منکشف ہو گئی، پوچھنے کی بھی حاجت نہ رہی ———

(۱۷)

کراچی سے حضرت قبلہ کے ایک مرید عزیز الدین صاحب نے اپنے مکتوب محررہ اپریل ۱۹۶۸ء میں

چند کرامات کا ذکر کیا ہے من جملہ ان کے ایک یہ ہے انہیں کے الفاظ میں سنیئے:

کسی کام کے سلسلے حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کیا، فرمایا، "درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھو" ——— حسب الحکم درود شریف اور دعا پڑھتا ——— مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر اس زمانے میں نیند کا غلبہ بہت ہوتا تھا اور عشاء کی نماز رہ جاتی، کچھ دن بعد حضرت قبلہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حجرہ مبارک میں رونق افروز تھے اور اتفاق سے کوئی اور نہیں تھا، قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، کچھ دیر بعد ارشاد ہوا ———، "تمہارے اس کام کا کیا ہوا؟" ——— میں نے عرض کیا کہ حضور ابھی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی" حضرت قبلہ نے سکوت فرمایا، بعد چند لمحات، ارشاد ہوا:-

"تمہاری عشاء کی نماز نہیں ہوتی؟"

میں حیران رہ گیا کہ حضرت کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی ———

(۱۸)

کراچی سے حکیم محمد ذاکر صاحب نے چند کرامات تحریر کر کے ارسال فرمائیں تھیں من جملہ ان کے ایک یہ کرامت تھی کہ جب ۱۹۴۵ء میں حضرت قبلہ قدس سرہ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اسی سال حکیم صاحب موصوف نے بھی درخواست دی تھی، ان کی درخواست التواء میں رہی اور حضرت کی درخواست منظور ہو گئی، جب حضرتؒ دہلی سے عازم حرمین شریفین ہوئے تو حکیم صاحب نے عرض کیا:-

"حضور والا تو بندے کو چھوڑے جا رہے ہیں، ابھی تک فدوی کی حج کی منظوری نہیں آئی" ——— تو جناب قبلہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ "تم بھی آرہے ہو، پریشان مت ہو، ہراساں نہ ہو، ہم سے وہیں ملاقات ہو گی۔"

(مکتوبہ محررہ ۱۲ مئی ۱۹۴۸ء)

چناں چہ حضرتؒ تشریف لے گئے، روانگی کے ہفتہ عشرے کے بعد حکیم صاحب کی بھی درخواست منظور ہو گئی اور اجازت نامہ آگیا، حکیم صاحب بھی عازم بیت اللہ شریف ہو گئے اور مکہ معظمہ پہنچ گئے اس وقت حضرتؒ مدینہ منورہ تشریف رکھتے تھے، جب واپس ہوئے تو حکیم صاحب شرف دست بوسی کیلئے حاضر ہوئے، آپؒ نے فرمایا:-

"دیکھو بلا لیا!"

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ خود حکیم صاحب کی زبانی سنیئے :-

"نویں ذی الحجہ کے روز مقام عرفات میں حضور والا تبار نے احقر ناچیز کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے کر فرمایا کہ تم میرے پہلو میں بیٹھو گے ۔ احقر نے ویسا ہی کیا ۔ احقر فیوض و برکات سے نوازا گیا ، جب عرفات سے مزدلفہ ، منیٰ ، و مکہ روانگی ہوئی تو احقر نے سارے راستہ تمام ریت کے ذروں کو جواہرات کی شکل میں دیکھا اور ـــــــ تمام سنگریزے احقر کو رنگ برنگ جواہرات دکھائی دیتے تھے ، اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی ـــــــ روحانیت کا عجیب عالم تھا ۔"

(مکتوب مذکور)

حکیم صاحب موصوف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جب کبھی کوئی مدعا لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت بغیر کہے مدعائے دل معلوم فرما لیتے اور از خود اس کا مداوا فرما دیتے ۔

(۱۹)

۱۹۴۵ء میں حضرت زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے ، ایام حج میں حاجیوں کو مدینہ منورہ میں زیادہ عرصہ قیام کی اجازت نہیں ملتی ـــــــ معدودے چند دن قیام کر کے حاجیوں کو واپس جانا پڑتا ہے ، مگر جب حضرت مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حکومت حجاز کی طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ جتنی مدت قیام کرنا چاہیں اجازت ہے یہ حضرت کے عشق و محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت ہے ۔

(۲۰)

زمانۂ حج کا ایک اور واقعہ حضرت کے ایک مرید و مخلص محمد سلطان صاحب مرحوم (زری گوٹے والے) نے حضرت کے ایک اور معتقد سے نقل کیا ہے جو ۱۹۴۵ء میں حج کے لئے گئے تھے ، انھوں نے بیان کیا کہ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران حضرت علیل ہو گئے تھے ، جب وہ عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت بستر پر آرام فرما رہے تھے ، نماز عصر کا وقت ہوا تو وہ اجازت لے کر مسجد حرام چلے گئے ، جب سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت پہلی صف میں موجود ہیں ، نماز کے بعد جب وہ شخص حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو حضرت کو اسی طرح مصروف استراحت پایا ۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے ۔

(۲۱)

خوابوں کی تعبیر کا ملکہ اعجاز یوسفی ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ۔ قدرت کی طرف سے یہ ملکہ حضرت کو عنایت کیا گیا تھا، سچی تعبیرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات تھے اور اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔ بعض خوابوں کی تعبیرات واقعی کرامت بن کر سامنے آئیں۔

۱۹۴۷ء کے فسادات سے کچھ قبل راقم نے خواب دیکھا کہ مسجد فتحپوری میں نماز جمعہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بکثرت لوگ جمع ہیں، شامیانے لگے ہوئے ہیں، صحن مسجد میں محراب کے آگے جو مکبر ہے اس پر راقم اور دو اشخاص بیٹھے ہیں، خطبہ ہو رہا ہے، اچانک شامیانوں کی رسیاں ٹوٹ گئیں اور وہ نمازیوں پر گر پڑے، ساتھ ہی مکبر کے پائے بھی ٹوٹ گئے اور ہم لوگ نیچے آ رہے، نمازیوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا ——— جب یہ خواب حضرت سے عرض کیا تو چہرۂ مبارک تشویش و فکر سے زرد معلوم ہو رہا تھا، حضرت نے جو کچھ فرمایا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دہلی کے مسلمانوں پر ایک عظیم آفت آنے والی ہے، چناں چہ ایک دو ماہ بعد وہ کشت و خون ہوا کہ الامان والحفیظ ۔

(۲۲)

۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو نماز جمعہ کے بعد مسجد فتحپوری کے شمالی دالان کی طرف دشمنوں نے ایک دستی بم پھینکا جس سے مسجد میں ایک کہرام مچ گیا ۔ ۱۹۵۸ء تک مسجد فتحپوری میں تقریباً سات بم پھینکے گئے دشمنوں کا منصوبہ یہ تھا کہ شاید دہشت زدہ ہو کر حضرت مسجد کو چھوڑ دیں گے اور اس طرح خانۂ خدا پر ان کا قبضہ ہو جائیگا، مگر حضرت کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہ آئی ——— فسادات کے اس دور میں حضرت کا عزم و ہمت، عزیمت پسندی کی زندہ کرامت ہے ——— باوجود اس کے کہ مسجد کے تین دروازوں کے علاوہ مسجد میں داخل ہونے کے متعدد راستے موجود تھے مگر دشمنوں کو آخر وقت تک مسجد میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی ——— اس پر آشوب زمانے میں مسجد کا محفوظ و مصئون رہنا کرامت پر کرامت ہے، پھر حضرت کے مقابلے پر قوی سے قوی تر دشمنوں کا دہشت زدہ ہو جانا مزید کرامت ہے ۔

(۲۳)

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران حضرت نے ادعیہ مسنونہ پر مشتمل ایک کتابچہ خزینۃ الخیرات کے نام سے مرتب فرمایا تھا، جو دہلی میں طبع ہوا اور مختلف مسلم علاقوں میں تقسیم کیا گیا، اس کتابچہ کی چند کاپیاں حضرت نے اپنے ایک مرید خاص فضل احمد صاحب کو دیں کہ باڑہ ہندو راؤ کے مسلمانوں تک پہنچا دیں، فسادات کے دوران مسجد فتحپوری سے اس علاقہ تک پہنچنا جان کو ہلاکت میں

ڈالا تھا، مگر فضل احمد صاحب حضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق تانگے میں سوار ہو کر ادھر چل دیئے ــــ راستہ میں پہاڑی دھیرج پر ہندو بلوائیوں نے حملہ کیا، مگر وہ بچ گئے، خدا خدا کر کے باڑھ ہندو راؤ پہنچے، رات مسجد شیخان کی بالائی منزل پر گزاری، ابھی کچھ رات گزری تھی کہ اچانک گولی چل پڑی، ایک گولی ان کے کان کے پاس سے سن سے نکل کر گئی، بالائی منزل سے آہستہ آہستہ سرکتے سرکتے نیچے کی منزل پر آئے، لیکن اللہ نے جان محفوظ رکھی ــــ ادھر جب رات گھر نہیں پہنچے تو تمام اہل خانہ پریشان ہو گئے، اور یہ سمجھے کہ کہیں شہید کر دئے، لیکن جب صبح محفوظ و مامون گھر واپس لوٹے تو سب کی جان میں جان آئی، فضل احمد صاحب نے یہ واقعہ خود راقم سے بیان کیا ــــ وہ کہتے تھے کہ میں خود حیران ہوں کہ مختلف نازک موقعوں پر کیسے بچ گیا، یہ سب کچھ حضرت کی کرامت تھی، چوں کہ حضرت نے بھیجا تھا، اس لئے مولیٰ تعالیٰ نے نگہبانی فرمائی، مقبولان بارگاہِ ایزدی کے ہر عمل میں تائید الٰہی شامل ہوتی ہے ع

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

(۲۴)

۱۹۴۷ء کے فسادات کے زمانے میں جب دہلی میں اہل وطن غریب البلد یا رہ چکے تھے، حضرت کے فرزند نسبتی سید قاری حفیظ الرحمٰن صاحب نے اہل و عیال کے ساتھ پاکستان ہجرت کا عزم کر لیا تھا، حضرت سے اجازت چاہی مگر اجازت نہ ملی ــــ مجبوراً بغیر اجازت عازم پاکستان ہونا چاہا مگر کئی روز گزر گئے پاکستان جانے والی گاڑیوں میں باوجود کوشش کے سوار نہ ہو سکے، جب ان کے والد مرحوم قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کا پیغام ملا تو حضرت نے بھی بخوشی اجازت دے دی اور ساتھ ہی دو سو روپے عنایت فرمائے ــــ اسی دفعہ ٹرین میں جگہ مل گئی، اور گاڑی مہاجرین کے خانماں برباد کارواں کو لے کر دہلی سے لاہور روانہ ہوئی، جب مشرقی پنجاب کے ایک مخدوش علاقے سے گزر ہوا تو گاڑی روک کر بلوائیوں نے بے دردی سے حملے کئے اور کشت و خون کا بازار گرم کیا، فوج کے جوان جو بظاہر مہاجرین کے محافظ تھے تاخت و تاراج میں وہ بھی شریک ہو گئے، ہر ڈبہ میں داخل ہو کر چلتے ہوؤں کو اور لوٹا، کچھ نہ ملا یا نہ دیا گیا تو شہید کر دیا گیا، جس ڈبہ میں حضرت کے فرزند نسبتی اور ان کے اہل و عیال سوار تھے وہاں بھی ایک فوجی افسر آیا اور نہایت ہی جبر و قہر سے بندوق کی نالی زخمی سینوں کی طرف کر کے دو سو روپے طلب کئے، یہی وہ دو سو روپے تھے جو چلتے ہوئے حضرت نے عنایت فرمائے تھے، چناں چہ فوراً ادے دئے گئے، ورنہ نہ معلوم کیا

کچھ ہوتا۔ حضرت کی روحانی بصیرت کی یہ زندہ کرامت ہے۔

(۲۵)

قاری حفیظ الرحمٰن صاحب موصوف جب پاکستان پہنچے تو بہاول پور آکر مستقل سکونت اختیار کی کچھ روز ایک نیک دل سپرنٹنڈنٹ انجینیر نے اپنے ہاں مہمان رکھا، ان کا مکان بغداد الجدید میں تھا، قریب ہی ایک مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا ——— قاری صاحب ممدوح ہندوستان سے لٹ کر آئے تھے، ہاتھ تنگ تھا مگر غیرت نے گوارا نہ کیا کہ کسی غیر کے سامنے اپنی حاجات کا ذکر کیا جائے کہ قاضی الحاجات خود نگہبان ہے ——— چنانچہ ایک دن درس قرآن کے بعد ایک اجنبی شخص قاری صاحب کو ایک طرف لے گئے اور کہا کہ رات کو اس شکل وشمائل کے بزرگ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جو بزرگ مسجد میں درس قرآن دیتے ہیں ان کی خدمت میں سو روپے پیش کردو ۔ یہ کہہ کر اس نے سو روپے نذرانہ پیش کیا۔ بزرگ کی اس شخص نے جو شکل وصورت بتائی وہ بعینہٖ حضرت ہی کی شبیہ مبارکہ تھی، حضرت کے اس روحانی فیضان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

(۲۶)

حضرت کی صاحبزادی مرحومہ علیل تھیں، ان کے لئے ڈاکٹر نے ایک غذا تجویز کی تھی جو اس زمانے میں باہر سے سربند ڈبوں میں آیا کرتی تھی، حضرت مکان شریف میں تشریف رکھتے تھے، اس کے متعلق عرض کردیا گیا، تھوڑی دیر بعد جب نماز مغرب کے لئے تشریف لیجانے لگے تو زینہ کے اندر داخل ہوتے ہی دست مبارک بڑھا کر وہی ڈبہ لیا اور راقم کو عنایت فرمایا، سخت حیرت ہوئی، زینہ میں کوئی منتفس تھا پھر نہ معلوم کس غیبی قوت نے غیر متوقع طور پر اس کرامت کو ظاہر کیا۔

(۲۷)

۱۹۴۷ء میں راقم کے برادر مرحوم مولانا منظور احمد صاحب علیل ہوگئے تھے، حضرت نے راقم سے فرمایا کہ "ان کو لے کر کوئٹہ چلے جاؤ، وہاں کی آب وہوا شاید سازگار آئے" ——— اس وقت نوعمری کا زمانہ تھا۔ دہلی سے کوئٹہ تک تنہا سفر کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، حضرت نے ایک مرید کو بھی ہمراہ بھیجنا چاہا مگر راقم نے بعض وجوہ کی بنا پر معذرت پیش کردی، حضرت خاموش ہوگئے ——— ۱۹۴۷ء ہی میں برادر مرحوم دہلی سے حیدرآباد آگئے، اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں راقم بھی ان کی علالت کی وجہ سے پاکستان آگیا، وقت گزرتا گیا، تعلیم سے فارغ ہوکر میرپور خاص میں ملازم ہوگیا، ۱۹۶۶ء میں کلاس بخش

میں ترقی دے کر کوئٹہ بھیج دیا گیا ــــــــ یہاں آ کر احساس ہوا کہ اٹھارہ سال پہلے حضرت نے جو کچھ فرمایا تھا وہ ہو کر رہا۔ میں نے کوئٹہ آنا نہ چاہا مگر قدرت نے حضرت کے ارشادِ گرامی کو پورا فرمایا

(۲۸)

۱۹۴۷ء کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہمشیرہ صاحبہ نے نقل فرمایا۔ انھوں نے فرمایا کہ لاہور سے ایک عورت کراچی آئی اور اس نے خبر دی کہ حضرت لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ خود زیارت بھی کر کے آئی ہے اور ایک تعویذ بھی لائی ہے۔ جب ہمشیرہ صاحبہ سے کہا تو ان کو یقین نہ آیا اس عورت نے کہا کہ "تعویذ کھول کر دیکھ لیں، اپنے والد کا خط تو آپ پہچانتی ہوں گی"؟ چناں چہ جب تعویذ کھول کر دیکھا گیا تو وہ حضرت ہی کا تحریر کردہ تھا ــــــــ خیال ہوا کہ شاید لاہور تشریف لائے ہوں لیکن تھوڑی دیر بعد ڈاک سے حضرت کا گرامی نامہ دہلی سے موصول ہوا تو سخت تعجب ہوا۔

(۲۹)

۱۹۴۹ء میں راقم کے برادر مرحوم مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک جنگل میں بے شمار گائیں غول در غول جارہی ہیں، سب دبلی پتلی سوکھی سی ہیں مگر ایک موٹی تازی سر بریدہ گائیں ان کے آگے آگے رہنمائی کر رہی ہے، اس کی گردن سے تازہ تازہ خون ٹپک رہا ہے، مگر وہ چلتی چلی جارہی ہے ــــــــ یہ خواب حیدرآباد سے دہلی حضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا، حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ پاکستان ایک زبردست سانحہ سے دوچار ہونے والا ہے اور کوئی عظیم شخصیت شہید کی جانے والی ہے، چناں چہ ایک دو سال بعد شہید ملت لیاقت علی خان کی شہادت نے اس تعبیر کی تصدیق کر دی۔

(۳۰)

مئی ۱۹۴۹ء میں جب برادر مرحوم مولانا منظور احمدؒ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تو حضرت کو بذریعہ تار مطلع کیا گیا، تار کے جواب میں حضرت کا گرامی نامہ تیسرے روز مل گیا۔ حالاں کہ اس زمانے میں ایک دو روز میں تار پہنچتا تھا اور پانچ چھ روز میں خط آتا تھا، نہ معلوم کس غیبی قوت نے فاصلوں کو مختصر کر دیا اور تیسرے ہی روز گرامی نامہ مل گیا۔

(۳۱)

سنہ ۱۹۵۳ء میں حضرت کے ایک معتقد حکیم عبدالحئی صاحب کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا، جو انھوں نے قائم گنج (ضلع فرخ آباد، بھارت) سے اپنے مکتوب محررہ ۷ ارمارچ ۱۹۶۷ء میں اس طرح لکھ کر

بھیجا ہے :-

۱۹۵۲ء میں حضرت سرہند شریف تشریف لے گئے تھے، احمد آباد اور دہلی کے لوگ بھی تھے، میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا، رات کے دس بجے کی گاڑی سے سفر کیا، جب صبح سرہند شریف کے اسٹیشن پر پہنچے تو نماز فجر کا وقت تھا، لہٰذا نماز کا اہتمام کیا گیا، جماعت کھڑی ہو گئی، حضرت امامت فرما رہے تھے، مجھے سب سے پہلی صف میں جگہ ملی، آپ کو یاد ہو گا، میری صدری میں ایک قطب نما رہتا ہے میں نے قطب نما سے رخ کعبہ دیکھا، میں مشکوک ہو گیا کہ سمت غلط ہے، بہرحال میں نے قطب نما کے مطابق اپنا رخ ٹھیک کر کے نیت باندھ لی، جب نماز سے فارغ ہوئے، لوگ تانگوں میں بیٹھنا شروع ہو گئے جو پہلے سے روک لئے گئے تھے، حضرت کے واسطے تنہا تانگہ تھا، میں بھی بیٹھنے کی فکر میں جب آگے بڑھا تو حضرت نے بڑی شفقت سے اپنے برابر بٹھا لیا۔ جب تانگے چلے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ :-

"قطب نما سے ذرا سیدھی طرف کو مڑ کر کھڑا ہونا چاہیئے" بس میں سکتے میں ہو گیا اور بہت خوف زدہ ہوا کہ حضرت ہمارے سب حال سے واقف ہیں، اللہ اللہ اب ایسی بزرگ ہستی ہم بدنصیبوں کو کہاں ملے گی ؟

(۳۲)

۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے، سمہ سٹہ سے کچھ فاصلے پر راقم کی زرعی زمین تھی، جس کے لئے کافی دور پیدل چلنا پڑتا تھا کیوں کہ راستہ کچا تھا، زمین کئی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی اس لئے کئی میل کا چکر ہو جاتا تھا، بالعموم راقم کی طرف سے کوئی آدمی چلا جاتا ——— پنجاب کے علاقے میں گیہوں کی فصلیں جون و جولائی میں کٹتی ہیں ان ایام میں تپتے صحراؤں میں پھرنا بہت تکلیف دہ تھا، ایک مرتبہ مجبوراً راقم کو جانا پڑا ــــ اس زمانے میں سمہ سٹہ سے قریب بہاولپور میں ہی ہمشیرہ کے ہاں مقیم تھا، سمہ سٹہ سے صبح چھ بجے زمین کا رخ کیا، دس گیارہ بجے ایک جگہ پہنچا تھوڑی دیر آرام کیا پھر نماز ظہر کے بعد وہاں سے چل کر دوسری جگہ پہنچا، راستہ میں گرمی اور لو کی شدت نے بے چین کر دیا۔ اس روز صحرائی دریاؤں کی زیارت کی جن کو سراب کہا جاتا ہے۔ ان کو عبور کرنا، جوئے شیر لانے کے مترادف، بخدا خدا کر کے عبور کیا، اور ایک جگہ آرام کیا، پھر وہاں سے چلا تو شام چھ

بجے سہ سٹہ پہنچا، بارہ گھنٹے پریشانی اور اضطراب میں گزرے، پیدل چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے

کانٹوں کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب
کوئی آبلہ پا پھر وادیٔ پُرخار میں آوے

وہ دن بڑا کٹھن گزرا ــــــ جب بھاول پور پہنچا تو وہاں دہلی سے ہمشیرہ صاحبہ کے نام حضرت کا گرامی نامہ آیا، اور راقم کے متعلق خاص طور سے دریافت فرمایا کہ "وہ کیوں پریشان ہیں ان کی والدہ مرحومہ خواب میں پریشان نظر آئیں" ــــــ اللہ اللہ والدین کو کس کمال کا تعلق خاطر ہوتا ہے

(۳۳)

حضرت کے فرزند نسبتی قاری حفیظ الرحمٰن بھاولپور سے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ایک مجلس میں شریک تھے، جہاں ایک صاحب نے ایک دنیاوی عالم کو خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملایا، قاری صاحب نے گو اس بات کو دل سے بُرا جانا مگر خاموش رہے، اس خاموشی کی وجہ سے چاروں نسبتیں سلب ہوگئیں اور طبیعت سخت پریشان ہوگئی، حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں پریشان خاطری کا ذکر کیا، ابھی وہ خط بھاول پور کے ڈاک خانے میں ہوگا کہ رات کو حضرت خواب میں تشریف لائے، تشفی و تسلی دی اور ایک دعا کی تلقین فرمائی، صبح چاروں نسبتیں جاری ہوگئیں، مگر دعا یاد نہ رہی، صرف ابتدائی کلمہ یاد رہ گیا، دوبارہ عریضہ ارسال کیا گیا، جواب میں جو صحیفۂ گرامی آیا اس میں وہی دعا تحریر فرمائی جو خواب میں تلقین فرمائی تھی ـ

(۳۴)

جس زمانے میں راقم اپنی پھوپھی صاحبہ کے ہاں حیدرآباد میں مقیم تھا، ۱۹۵۲ء میں حضرت کا گرامی نامہ محررہ ۳۰ دسمبر موصول ہوا، یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ مکتوب گرامی پر گھر کا نامکمل پتہ تحریر تھا، نہ حیدرآباد تحریر فرمایا اور نہ مغربی پاکستان، اس کے باوجود نہ معلوم وہ کس طرح راقم تک پہنچ گیا، جب راقم نے اپنے استاد گرامی مولانا ولایت احمد رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو انھوں نے تحریر فرمایا :۔

"اس مرسلۂ بے نشان کا شہر کو جو کہ صرف نام نامی اسم گرامی و نشان کو سے سامی کی مقناطیسی کشش سے جناب محترم حضرت مفتیٔ اعظم زید مجدہم کی کرامت مجسم بن کر منزل مقصود پر پہنچا تھا۔"

(۱۲ فروری ۵۳ء / یکم جمادی الاول ۷۲ھ)

(۴۵)

حکیم عبدالحئی صاحب موصوف نے قائم گنج (بھارت) سے اپنے مکتوب گرامی محررہ ۷ مارچ ۱۹۶۷ء میں ایک اور واقعہ تحریر فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"حضرت قبلۂ عالم دادا میاں محمد مسعود شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں دہلی یہ عاصی حاضر تھا، اور حضرت خلیفہ اخلاق احمد صاحب جھالاواڑی بھی تشریف رکھتے تھے جو اب احمد آباد میں اقامت گزیں ہو گئے ہیں، ایک روز حضرت صاحب کے حجرے میں خلیفہ قبلہ مذکور اور میں ایک طرف مؤدب بیٹھے تھے، شام کے چار بجے تھے، ایک صاحب دہلی کے حضرت سے باتوں میں مصروف تھے، اس درمیان میں ایک شخص اجنبی حجرے میں داخل ہوا اور بیٹھ گیا، حضرت نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اب چار بج چکے ہیں" ——— (چوں کہ حضرت نے ۲ بجے سے ۴ بجے تک کا وقت دنیا والوں کے واسطے رکھا تھا) ——— اس شخص نے کہا کہ میرا کوئی کام نہیں، حضور کو دیکھنے چلا آیا، بس حضرت نے دو تین سیکنڈ سکوت کے بعد خلیفہ اخلاق احمد صاحب سے فرمایا کہ "یہ شخص کچھ مذہبی سوال کرنا چاہتے ہیں ان کو دوسرے حجرے میں لے جاؤ ——— اور ان کے جوابات دے دو" ——— خلیفہ صاحب فوراً اس شخص کو لے کر بھائی محمد احمد صاحب[1] کے حجرے میں آ گئے میں بھی پہنچ گیا، لہٰذا اس شخص نے کہا کہ "میں عرصے سے تعریف سنتا تھا، جیسا سنتا تھا ویسا ہی پایا ——— میں ملتان کا رہنے والا ہوں اور شرنارتھی ہوں، یہیں دہلی میں اب رہتا ہوں" اس نے سوالات کئے، ان کے جوابات دیدئے گئے، وہ بہت خوش ہوا، کوئی ہندو تھا ———"

(۴۶)

ایک مرتبہ حضرت قبلہؒ، شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے عرس شریف میں ان کی درگاہ واقع مہندیاں (نئی دہلی) تشریف لے گئے ——— تقسیم ہند کے بعد عرس کی دو محفلیں ہوتی تھیں ایک صبح کو جس کی سرپرستی اور نگرانی مولانا احمد سعید مرحوم ناظم جمعیۃ العلماء ہند فرماتے تھے اور دوسری شام کو ہوتی تھی، جس کی سرپرستی دہلی کے ایک قاری صاحب فرماتے تھے ——— حضرت کو قاری صاحب موصوف شام کی محفل کی صدارت کے لئے لے گئے ——— یہ مجلس نماز مغرب سے پہلے ختم ہو گئی، اس کے بعد درگاہ سے متصل مسجد میں نماز مغرب ہوئی، ——— نماز کے فوراً ہی بعد

---

[1] یہ حضرت قبلہؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔

ہندوستان کے سابق وزیر داخلہ مسٹر مجو عرس میں شرکت کے لئے پہنچے۔ وزیر داخلہ کے آتے ہی قاری صاحب ان کی طرف متوجہ ہو گئے، ان کو ساتھ لے کر درگاہ کی طرف چلے گئے اور یہ خیال نہ رہا کہ حضرت کے لئے سواری کا انتظام کرنا ہے اور دولت خانے پہنچانا ہے، جب حضرت نماز اور نوافل وغیرہ سے فارغ ہوئے تو کچھ دیر قاری صاحب کا انتظار فرمایا اس کے بعد واپسی کیلئے اٹھ گئے چہرے سے ناراضگی اور خفگی کے آثار نمایاں تھے جس سڑک پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ ہے وہاں اس زمانے میں دن کو سواری کا ملنا مشکل تھا چہ جائیکہ رات کو۔ احقر اور دیگر حضرات بھی حضرت کے پیچھے پیچھے تھے، دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر سواری نہ ملی اور حضرت وہاں کھڑے رہے اور اسی اثناء میں وزیر داخلہ آگئے تو خواہ مخواہ سبکی سی ہوگی ــــ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جوں ہی حضرت سڑک پر پہنچے صدر بلدیہ نور الدین بیرسٹر صاحب نہ معلوم کہاں سے اپنی کار لے کر نمودار ہوئے، فوراً کار روکی اور حضرت کو نہایت عزت و احترام سے بٹھایا اور دولت کدے چھوڑ کر گئے، راقم حضرت کے ہمراہ تھا، اس واقعہ کو تقریباً دس سال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت نے کبھی کسی وزیر یا حاکم سے ملنا گوارہ نہ کیا، فقر غیور کے شایان شان نہیں، اس موقعہ پر قاری صاحب کا وزیر داخلہ کی طرف متوجہ ہونا حضرت کو نہ بھایا، چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کو حضرت کی خدمت میں لاتے کہاں کہ خود بھی ان کی ملاقات میں محو ہو گئے یہ انسانی کمزوری ہے۔

(۳۷)

حضرت قبلہؒ کے فرزند نسبتی قاری حفیظ الرحمٰن صاحب نے حج بیت اللہ شریف سے واپسی پر ۱۹۵۳ء میں ایک خواب دیکھا کہ موصوف حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں، تھوڑی دیر میں خواجہ نقشبند کے پاس دو آدمی بیعت ہونے کے لئے آئے، خواجہ موصوف نے قاری صاحب سے فرمایا کہ ان کو بیعت کر لو ــــــ قاری صاحب نے پاکستان پہنچ کر یہ خواب حضرت کی خدمت میں عرض کیا، حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ "ان بزرگوں نے مجھ سے بھی فرمایا ہے، اسی لئے تمہیں نقشبندیہ سلسلے میں بیعت کی اجازت دی جاتی ہے۔"

(۳۸)

حضرت کے ایک مرید مصطفےٰ علی خان رام پوری کراچی سے چند کرامات تحریر فرماتے ہیں، من جملہ ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت دہلی میں ایک بزرگ پیر جی عبد الصمد مرحوم کی سالانہ فاتحہ میں تشریف لے گئے، مصطفےٰ علی خاں موصوف بھی ہمراہ تھے، واپسی کے وقت رات کافی گزر چکی

تھی، حضرتؒ نے مصطفےٰ علی صاحب سے تانگہ لانے کے لئے فرمایا، وہ تانگہ لینے گئے تو اس دن اتفاق سے تانگہ اسٹینڈ پر بھی کوئی تانگہ نہ تھا، تلاش بسیار کے بعد مایوس و نامراد واپس لوٹ رہے ہیں اور حضرت کا تصور دل میں جمائے ہوئے کہہ رہے ہیں :-

"سرکار مجھے تانگہ اپنے لئے نہیں چاہئیے آپ ہی کے لئے چاہئیے، تانگہ جلد بھیجدیجئے اتنا کہنا تھا کہ گھوڑے کی ٹاپ کی آواز آئی تو دیکھا قاضی حوض کی طرف سے ایک سفید گھوڑا اور بالکل نیا جگمگ تانگہ ہوا پر اڑا چلا آرہا ہے"

(مکتوب محررہ ۵ اپریل ۱۹۶۸ء)

چنانچہ وہ تانگہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(۳۹)

شعبۂ السنہ، مشرقی پنجاب کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر جناب سردار جوگندر سنگھ نے اپنے مکتوب محررہ ۲۵ اپریل ۱۹۶۸ء (از پٹیالہ) ایک واقعہ ایک شخص حکیم دیا سنگھ سندھو سے نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"ایک شخص حکیم دیا سنگھ سندھو ہیں انھوں نے مجھے ایک خواب بتایا تھا جس میں حضورؒ (حضرت قبلہ قدس سرہ) ان کو ملے تھے، خواب کیا عالم بیداری یا نیم بیداری میں حضور ان سے ملاقی ہوئے تھے، چوں کہ حکیم صاحب مدظلہ کو ر کو مسئلہ پوچھنا تھا اس لئے حضور ان کو تخت پر بیٹھے ملے ـــــ حکیم صاحب بتاتے تھے کہ حضورؒ کو میں نے نیم بیداری میں بالکل صحیح صورت میں دیکھا تھا، چوں کہ حضورؒ حضرت مفتی مقبول الرحمٰن کے پیر تھے اس لئے تخت غیبی پر ایک طرف مفتی مقبول الرحمٰن دوسری جانب حضورؒ تھے، حکیم صاحب کہتے تھے کہ میرے جسد سیلانی نے جسم سے نکل کر حضورؒ کو سلام کیا تھا"

(۴۰)

جب حضرت ۱۹۶۱ء میں پاکستان تشریف لائے تو کراچی کے زمانۂ قیام میں حضرت کی صاحبزادی نے حضرت قبلہ اور دوسرے عزیزوں کو اپنے ہاں مدعو کیا، جب حضرت کھانے سے فارغ ہو کر تشریف لے جانے لگے تو صاحبزادی کو ایک لفافہ مرحمت فرمایا، جب بعد میں لفافہ کھولا گیا تو اس میں تین سو روپے تھے، صاحبزادی فرماتی ہیں کہ اس دعوت پر اتنی ہی رقم خرچ کی گئی تھی ـــــــــ یہ حضرت کی غیرت و خودداری کی زندہ کرامت ہے۔

(۴۱)

کراچی ہی کے زمانۂ قیام میں (۱۹۶۱ء) حضرت کے مرید مخلص جناب شیخ محمد سعید صاحب نے حضرت کو ہاؤسنگ سوسائٹی میں اپنے ہاں مدعو کیا، جب وہ دعوت دینے آئے تو بکثرت لوگ موجود تھے انہوں نے جوشِ محبت اور فرطِ عقیدت میں تمام حاضرین کو دعوت دے دی اور یہ بھی کہا کہ تمام لوگوں کے لئے حضرت کی قیام گاہ (نازلی ہوٹل، لارنس روڈ) سے ہاؤسنگ سوسائٹی تک سواری کا بھی انتظام کریں گے۔ شدہ شدہ خبر اور لوگوں کو بھی ہوگئی چناں چہ دعوت والے دن دو ڈھائی سو آدمی جمع ہوگئے جن کو بسوں، ٹیکسیوں اور کاروں کے ذریعہ پہنچایا گیا۔ شیخ محمد سعید صاحب نے کھانے کا انتظام صرف ان لوگوں کے لئے کیا تھا جن کو انہوں نے مدعو کیا تھا، جم غفیر دیکھ کر وہ کچھ پریشان سے ہوگئے، مگر پھر حضرت کے فیوض و برکات کی طرف خیال کیا تو بسم اللہ کر کے کھانا کھلوا دیا۔ دو تین سو آدمیوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور پھر بہت سا کھانا بچ بھی رہا، شیخ محمد سعید صاحب خود کہتے تھے کہ یہ دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا، یہ محض حضرت ہی کی کرامت تھی ——— یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے جب آپ کے ہمراہ دعوت میں بہت سے صحابہ چلے گئے تھے اور صاحب خانہ پریشان ہوگئے تھے، مگر جب کھانا نکالا گیا تو نکلتا چلا گیا اور اتنی برکت ہوئی کہ کھانے کے بعد بہت سا بچ رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھایا ہی نہیں گیا۔

(۴۲)

۱۹۶۱ء ہی میں جب حضرت چند یوم کے لئے شیخ محمد سعید صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے ایک عجیب و غریب واقعہ مشاہدہ میں آیا۔ ایک اجنبی شخص جو محمد سعید صاحب کی کوٹھی سے کچھ فاصلہ پر رہتے تھے ان کو رات خواب میں حضرت کا دیدار کرایا گیا اور اقامت گاہ کا پورا نقشہ سامنے کر دیا جب وہ صبح بیدار ہوئے تو تلاش کرتے کرتے حضرت کی اقامت گاہ تک پہنچ گئے، اور ان کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ رات کو خواب میں جس بزرگ کی زیارت کرائی گئی تھی وہ بعینہ حضرت ہی کی شبیہ مبارکہ تھی ——— چناں چہ وہ صاحب حضرت کو اپنے ہاں لے گئے اور اکثر اہل خانہ حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوگئے۔

(۴۳)

۱۶ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء حضرت کراچی سے حیدرآباد تشریف

لے گئے اور وہاں اپنے فرزند نسبتی حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب کے ہاں قیام فرمایا ـــــ ایک روز یہ راقم بھی حاضر تھا، دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا، حضرت کا سادہ کھانا تیار ہو گیا تھا جو حضرت کے سامنے پیش کر دیا گیا مگر اور مہمانوں کے لئے جو خصوصی کھانا پک رہا تھا اس میں ذرا تاخیر تھی، حضرت نے جب کھانا شروع کیا تو راقم بھی پاس ہی کھڑا ہوا تھا، فرمایا کہ "تم بھی شریک ہو جاؤ" ـــــ اس سے قبل حضرت مفتی صاحب بھی حضرت کے اصرار سے شریک ہو گئے تھے ـــــ راقم نے یہ خیال کیا کہ کھانا تھوڑا ہے اگر شریک ہو گیا تو حضرت سیر ہو کر تناول نہ فرما سکیں گے ـــــ اس لئے معذرت پیش کی، حضرت نے دوبارہ فرمایا، اب راقم بھی شریک ہو گیا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ کسی محب نے خاص طور پر سری پکا کر حضرت کے لئے بھیجی جو چھ سات آدمیوں کے لئے کافی تھی، چناں چہ وہ بھی سامنے رکھ دی گئی، خوب سیر ہو کر کھایا۔

(۴۴)

سنہ ۱۹۶۱ء ہی میں حضرت کے کراچی میں زمانۂ قیام کے دوران حضرت کے ایک مرید محمد یوسف صاحب (جو لاڑکانہ میں رہتے تھے اور اس وقت تنگ دستی کی حالت میں تھے) حضرت کو ایک عریضہ لکھا اور دیدار کا اشتیاق ظاہر کیا، حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ حیدرآباد آکر مل لیں، ادھر حضرت کا گرامی نامہ پہنچا اور ادھر ان کے حالات ایسے سازگار ہوئے کہ تنگ دستی خوشحالی میں تبدیل ہو گئی زادِ راہ میسر آ گیا، چناں چہ جب حضرت حیدرآباد تشریف لائے تو محمد یوسف صاحب نے لاڑکانہ سے حاضر ہو کر شرف قدم بوسی حاصل کیا اور ایک دو روز کے بعد واپس چلے گئے ـــــ جب گھر پہنچے تو ان کی اہلیہ نے کہا کہ دل تو یہ چاہتا تھا کہ حضرت غریب خانے پر تشریف لاتے اور برکت ہوتی ـــــ چناں چہ ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بنفس نفیس عالم ظاہر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ "اب تو برکت ہو گئی ؟" اس کے بعد واپس تشریف لے گئے، اس واقعہ سے محمد یوسف صاحب مبہوت سے ہو گئے، حضرت کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد جو گلی میں دیکھا تو کسی کا نام و نشاں نہ تھا، دور تک دیکھا پتا نہ ملا ـــــ یہ واقعہ محمد یوسف صاحب نے خود بیان کیا ہے۔

(۴۵)

ملتان میں حضرت کے ایک مرید مخلص صغیر احمد صاحب کالونی اقامت گزیں ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ سنہ ۱۹۴۷ء کے خون ریز فسادات کے دوران وہ کچھ گزری جس کے تصور نے

راتوں کی نیند حرام کردی، سالہاسال تک وہ آرام نہ کر سکے، ۱۹۶۲ء میں جب حضرت دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو ملتان بھی تشریف لے گئے اور ان کے ہاں قیام فرمایا، اسی قیام کے دوران صغیر احمد صاحب حضرت سے بیعت ہو گئے، بیعت ہونا تھا کہ سکون و اطمینان کی متاع بردہ مل گئی، برسوں کے بعد رات کو آرام سے نیند آئی اور بے خوابی کی وہ کیفیت جس نے زندگی کو اجیرن بنادیا تھا، جاتی رہی۔

(۴۶)

حیدرآباد میں حضرت کی ہمشیرہ مقیم ہیں، جس مکان میں وہ رہتی ہیں وہ بظاہر نہایت شاندار معلوم ہوتا تھا اور پختہ نظر آتا تھا لیکن اچانک اس کا ایک حصہ گر پڑا۔ واقعہ یہ ہوا کہ رات کو تمام اہل خانہ سو رہے تھے، کچھ دالان میں بھی آرام کر رہے تھے، ہمشیرہ موصوف کی صاحب زادی اسی دالان میں سو رہی تھیں، خواب میں حضرت قبلہ قدس سرہ اور آپ کے عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی، دونوں حضرات پریشان معلوم ہوتے تھے، حضرت نے موصوفہ سے فرمایا کہ "اس دالان سے فوراً نکل جاؤ" فوراً ہی آنکھ کھل گئی اور ایک چیخ نکلی، سب لوگ فوراً کمرہ اور دالان سے نکل صحن میں آ گئے، اچانک دالان کی کڑیوں کے چٹخنے کی آواز آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چودہ کڑیاں ٹوٹ کر ایک زبردست دھماکے کے ساتھ نیچے آرہیں، چھت کا ایک بڑا حصہ منہدم ہو گیا، خاک دھول سے ساری فضا دھواں دھار ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا مکان گر گیا ہے، جب مطلع صاف ہوا تو حقیقت حال معلوم ہوئی، اگر حضرت بروقت خواب میں تشریف نہ لاتے تو نہ معلوم اہل خانہ پر کیا کچھ گزرتی — اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرمایا۔

(۴۷)

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے کچھ عرصہ قبل جنگ کے آثار بالکل نہ تھے، دونوں ممالک میں اس خون ریز جنگ کی امید نہ تھی، اسی زمانے میں راقم نے ایک خواب دیکھا ——— آسمان پر چاند نے سیال شکل اختیار کرلی ہے، پارہ کی طرح لرز رہا ہے، اچانک اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک مغرب میں غروب ہو گیا اور دوسرا مشرق میں، فضائے آسمانی پر ایسی تاریکی چھا گئی کہ الامان والحفیظ، قیامت کی گھڑی معلوم ہوتی تھی، سب لوگ اور یہ راقم بھی توبہ و استغفار میں مصروف تھے کہ اچانک پھر روشنی نمودار ہوئی، اور وہ دونوں ٹکڑے اپنے

اپنے افق سے باہر آئے اور راقم کی نگاہوں کے سامنے ٹل گئے، پورا چاند ہوگیا، پھر چاند تیزی کے ساتھ آسمان کی بلندیوں کی طرف چلا حتیٰ کہ اوپر جاکر ٹھہر گیا اور سارا عالم جگمگا اٹھا"۔

راقم نے یہ خواب حضرت کی خدمت میں دہلی عرض کیا، حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ "تمہارا خواب پاکستان کے حق میں بہتر نہیں کچھ حصہ دیدیا وہ اس سے محفوظی کی دعا کرتے ہیں، ہاں انجام میں اس کیلئے ترقی معلوم ہوتی ہے"۔

اس دور میں جب کہ دور دور جنگ کے آثار نہ تھے، اس تعبیر نے چونکا سا دیا، وقت گزرتا گیا اور آخر کار وہی کچھ ہوا جو حضرت نے فرمایا تھا۔

(۴۸)

جنگ (۱۹۶۵ء) سے کچھ روز قبل حضرت کے فرزند نسبتی قاری حفیظ الرحمٰن صاحب دہلی تشریف لے گئے تھے کہ اچانک جنگ شروع ہوگئی، وہ وہیں مجبور ہو گئے، صاحبزادگان وغیرہ پاکستان میں تھے، سخت تشویش تھی جب جنگ میں ذرا شدت ہوتی اور گھبراہٹ ہوتی، اس بے چینی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت کو بڑے سکون و اطمینان سے اپنے دینی مشاغل و معمولات میں مصروف پاتے اور سکون کی وہ دولت ملتی کہ باید و شاید، حضرت کے سامنے پریشانی کا اظہار کرتے تو حضرت یہی فرماتے کہ "فکر نہ کرو سب بخیریت ہیں، اللہ پر بھروسہ رکھو" حالاں کہ اس وقت دہلی کے اخبارات میں جلی حروف سے "لاہور پر قبضہ" "حیدر آباد کی طرف مارچ" اور کراچی کے ایک حصہ کو بمباری سے اڑا دینے کی خبریں شائع ہو رہی تھیں، جو یقیناً ایک پاکستانی کے لئے تشویش کا باعث تھیں مگر حضرت نے ہر بار یہی فرمایا کہ "فکر نہ کرو سب خیریت سے ہیں"۔ چنانچہ جب جنگ کے بادل چھٹے تو معلوم ہوا کہ تمام اہل خانہ بخیریت ہیں اور کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی، بات یہ ہے کہ جن حضرات کے دل عشق الٰہی سے منور ہو جاتے ہیں تو وہ تنویر قلب میں وہ کچھ مشاہدہ فرما لیتے ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔

(۴۹)

محمد سرور کامران (ڈپٹی کلکٹر، میرپور خاص) نے اپنے مکتوب محررہ ۹ اپریل ۱۹۶۸ء میں حضرت کے فیضان اور کرامات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

حضرت قبلہ چوں کہ عرصہ دراز کے بعد پاکستان آتے تھے اور میں بذاتِ خود پردیس میں آگیا تھا اس لئے ملاقات بہت کم ہوتی تھی، اور جب بھی میں حضور کی خدمت شریف میں حاضر ہوا ان کی پُررعب شخصیت اور جاہ و جلال کے سامنے ہمیشہ میری زبان گنگ ہو جاتی تھی، گو میرے دل میں جو مقصد

تا تھا، اس کو زبان پر لاتے ہوئے نہ معلوم مجھے کیوں خوف محسوس ہوتا تھا تاہم جب بھی میں ان کے پاس
سے واپس لوٹا وہ مقصد بغیر کسی کوشش کے پورا ہو جاتا تھا،

دوران جنگ ۱۹۶۵ء میں وہیں (دہلی) رک گیا تھا اس لئے حاضری دینے کے لئے گھر یا مسجد
میں چلا جاتا تھا اور حضرت کے فیض سے فیض یاب ہوتا تھا، انہیں دنوں مجھے رشتہ داروں نے کہا
ہوں کہ تمہیں اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوئے پانچ یا چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ نوکری چھوٹ
جائے" ——— مجھے اللہ پر بھروسہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں اور نیک بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے
ے پُرجوش جذبے کے تحت میں گیا لیکن وہاں پہنچ کر زبان بند ہو گئی، میں نے ہر ممکن کوشش کی
ایک تو بہت لوگ مسئلے مسائل لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔
خیر میرے ساتھ خلیفہ محمد عمر (لاہوری گیٹ، لاہور، ساکن ماضی باڑہ ہندو راؤ۔ دہلی) تھے میں نے ان سے
مقصد بیان کیا، خلیفہ جی نے حضرت کی توجہ میری طرف مبذول کرائی اور میرا مدعا بیان کیا، حضرت
نے دعا کی اور میری طرف دیکھنے لگے، لیکن میں اس سوچ میں گم تھا کہ حضرت مجھے ہمیشہ اسی طرح ہی
دیکھتے رہیں اور میں ان کے فیض سے اسی طرح فیضیاب ہوتا رہوں ——— یقین جانیئے جب میں
واپس پاکستان آیا تو اپنے ڈویژنل آفس ڈیوٹی کے لئے گیا، وہاں تو ایسا تھا کہ جیسے میں کہیں گیا
ہی نہیں ہوں، بغیر کسی وجہ پوچھے مجھے ڈیوٹی مل گئی اور سب حیران تھے کہ مجھے کس نے ڈیوٹی دی"۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ برادرم محمد احمد قریشی (اکاؤنٹس آفیسر، پی اینڈ ٹی برانچ، لاہور) نے
راقم الحروف کو بتایا تھا جو خود ان کے ساتھ پیش آیا تھا۔

(۵۰)

۴؍شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کو شام پانچ اور چھ کے درمیان حضرت کا
دہلی میں وصال ہوا، راقم اس زمانے میں کوئٹہ میں تھا، اور اس شامِ قیامت سے بالکل بے خبر، اسی
روز رات کو حضرت کی زیارت ہوئی، حضرت نے غیر معمولی محبت و شفقت کے ساتھ راقم کو بغل گیر فرمایا
اور تشفی و تسلی دی، جب صبح بیدار ہوا تو قلب کو کافی سکون تھا، ۵؍شعبان کی صبح کو جب کالج گیا تو
وہاں احباب نے بتایا کہ رات آل انڈیا ریڈیو نے حضرت کے سانحۂ ارتحال کا اعلان کیا ہے، یہ
جان کاہ خبر سن کر دل بحرِ غم میں مستغرق ہو گیا، دل پہ قیامت گزر گئی، رات کا خواب اور حضرت کا بیکراں
شفقت کے ساتھ گلے لگانا یاد آ گیا ——— یہ حضرت کے روحانی تصرفات کی کرامت ہے، اس
قسم کے کئی واقعات ہند و پاک کے مختلف علاقوں سے سننے میں آئے۔

(۵۱)

حکیم عبدالحئی صاحب حضرت کے معتقدین و مخلصین میں ہیں، موصوف نے قائم گنج (ضلع فرخ آباد) ہندوستان سے اپنے مکتوب محررہ ۲۲ر فروری ۱۹۶۷ء میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے :-

"واقعہ یہ ہے کہ میں نے ماہ جون ۱۹۶۶ء میں حضرت کی خدمت اقدس میں عریضہ ارسال کیا تھا اور حضرت کی مزاج پرسی کی تھی، حضرت نے جواب میں عاقبت بخیر ہونے کی دعا فرمائی ہے اور ہم بدنصیبوں سے جدائی کی اطلاع دی ہے۔ میں اسی وقت سے مایوس ہو گیا تھا اور بہت کوشش کی کہ حضرت کی قدم بوسی حاصل کروں مگر سوائے افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا، آخر نومبر کی تاریخوں میں یعنی حضرت کے وصال کے وقت، چار یا پانچ یوم بعد نماز مغرب مسجد میں سب لوگ چلے جاتے تھے، تو ایک زبردست نسبت بلا ارادہ طاری ہوتی تھی اور ایک روشنی مثل آفتاب کے معلوم ہوتی تھی دنیا سے نفرت اور خدا سے محبت، ـ یہ کیفیت دن رات کم و بیش رہی، آخر میں سمجھ میں آیا کہ یہ حضرت کا فیض روحانی تھا جس سے آپ نے نوازا، اسی کیفیت کو میں اب تک یاد کرتا ہوں، کاش وہ کیفیت ہمیشہ رہتی! ـــــــ اور ہر تعلق رکھنے والے کو آپ نے نوازا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے طفیل ہم عاصیوں کو بھی معاف فرما دے، آمین ثم آمین۔"

(۵۲)

حضرت کے ایک اور مرید مخلص اسلام الدین صاحب نے اپنے مکتوب محررہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں لاہور سے تحریر کیا :-

"میں کیا عرض کروں کہ میرے پیشوا کیا تھے، میرے لئے اور میرے لئے کیا ایک عالم کیلئے ان کا وجود پاک اور روح مقدس باعث برکت اور رحمت ـــــــ آپ کے وصال سے ۳ یوم قبل میری تینوں لڑکیوں کو خواب میں زیارت ہوئی اور فرمایا "فی امان اللہ" - اور شعبان المعظم کی ۱۵ شب کو احقر نے دیکھا اور حضور کی زیارت کی ـــــــ احقر کیا عرض کرے، خدا جانے آج تک میں نے نہ کسی کو ایسا حسین پایا اور نہ جمیل۔ حضور کی ہر ایک ادا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہوئی تھی، اللہ کے محبوب کے پروانے تھے اور اس کی توحید کے متوالے، ہم بدقسمت ہیں کہ ایسا مبارک مقدس سایہ عاطفت ہمارے سروں پر سے اٹھ جائے" ـــــــ

اسی قسم کے واقعات کراچی، حیدر آباد اور بہاول پور وغیرہ میں احباب کو پیش آئے، ان واقعات سے حضرت کے فیض عمیم اور نسبت روحانی کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۵۳)

حضرت کے وصال کی اندوہ ناک خبر جب کراچی پہنچی تو حضرت کے فرزند اکبر مفتی محمد مظفر احمد صاحب نے دہلی جانے کے لئے کوشش شروع کر دی، تین مراحل طے کرنے تھے، انٹرنیشنل پاسپورٹ کا بنوانا، ویزا حاصل کرنا اور ایکسچینج حاصل کرنا۔ ان مراحل کو جلد طے کر لینا تقریباً ناممکن تھا۔ کوشش کے دوران حضرت مفتی صاحب ممدوح کو حضرت کی زیارت ہوئی اور اشارہ ملا کہ سب مراحل جلد از جلد طے ہو جائیں گے، چنانچہ تین چار روز کے اندر اندر یہ تینوں مسئلے حل ہو گئے اور آپ دہلی تشریف لے گئے۔

(۵۴)

وصال سے قبل حضرت نے اپنے مرید مخلص محمد سلطان صاحب مرحوم کو ایک مکتوب گرامی کراچی ارسال فرمایا تھا، جنوری ۱۹۶۷ء میں راقم مرحوم سے ملا، انہوں نے حضرت کا مکتوب گرامی دکھایا، اس کے مضمون سے واضح تھا کہ عنقریب حضرت کا وصال ہونے والا ہے اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکتوب الیہ واصل بحق ہو جائیں گے، چنانچہ یہی ہوا نومبر ۱۹۶۶ء میں حضرت کا وصال ہوا اور جنوری ۱۹۶۸ء میں محمد سلطان صاحب کا انتقال ہوا۔

(۵۵)

تذکرہ ہذا کے کاتب مولانا عبدالباقی صاحب نے عالم نیم بیداری کا ایک واقعہ بیان فرمایا موصوف تذکرے کے پہلے حصے کو پایۂ تکمیل کو پہنچا کر دوسرے حصے کی کتابت شروع کرنے والے تھے، اس سے پہلے کہ کتابت شروع ہو انہوں نے نیم بیداری کے عالم میں تقریباً مشاہدہ فرمایا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے اس دوات میں کچھ ڈالا جس سے مولانا موصوف کتابت فرماتے تھے، اور پھر یہ مرکب مولانا کو اپنے ہاتھ سے پلایا، مولانا فرماتے ہیں کہ میری طبیعت بالکل سیر ہو گئی اور پیٹ بھر گیا، بیداری کے بعد بھی کافی دیر تک اس فیضان کا احساس رہا اور طبیعت میں خاص شگفتگی رہی۔

دسواں باب

سانحۂ ارتحال ؓ

وصال

بعد از وفات تربت ما بر زمیں مجو
در سینۂ مردم عارف مزار ماست

وصال سے چند سال قبل محبت الٰہی اور عشق نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ مخلوق تو مخلوق اولاد کی محبت بھی صفحۂ دل سے محو ہو گئی تھی چنانچہ ۱۹۶۱ء میں جب حضرت کراچی تشریف لائے تھے، راقم خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور ہمشیرہ محترمہ کا سلام نیاز عرض کیا، بار بار عرض کرنے پر بھی حضرت ان کو نہ پہچان سکے، تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا "ہاں ہاں وہ تو تمہاری بہن ہیں" ——— اسی طرح ۱۹۶۴ء میں جب دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو حیدر آباد میں ایک خانگی مجلس میں جس میں حضرت کے فرزند نسبتی، صاحبزادی اور ان کے بچے موجود تھے اور راقم بھی تھا ——— ایک ایک کا نام لے لے کر فرمایا کہ اس سے محبت تھی نہیں، اس سے محبت تھی نہیں پھر فرمایا کہ "قلب کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کے اندر کسی کی محبت نہیں پاتا" ——— اس پر حضرت کے فرزند نسبتی حضرت مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت بفضلہ تعالیٰ آپ مقام فنا فی اللہ پر فائز ہیں یہ تو بہت اعلیٰ مقام ہے" ——— حضرت خاموشی کے ساتھ سنتے رہے، کچھ نہیں فرمایا، محفل پر سکوت کا عالم تھا، آج معلوم ہو رہا تھا کہ محبت الٰہی کس شئی لطیف کا نام ہے، ع

وہ شئی کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک جسے

اپنی اولاد کے نام فراموش کر دینا، دل سے ان کی اور ان کی اولاد کی محبت مٹا دینا اور ساری محبتیں اللہ عزوجل کی محبت میں گم کر دینا، کوئی آسان کام نہیں، اسی محویت اور تعلق الی اللہ سے عظمت کردار کا اندازہ ہوتا ہے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اولاد کے بعد انسان کو مال و دولت سے انسیت و محبت ہوتی ہے حضرت نے زندگی بھر اس کی طرف توجہ نہ فرمائی، سچ ہے اہل دل کے لئے غم روزگار وبال جان ہے، اس کو تو صرف اپنے مولا کی چاہت ہوتی ہے اور اس چاہت کے سامنے ساری چاہتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ مل جائے سبھی کچھ
سو سوالوں سے یہی اک سوال اچھا ہے

۵

انتقال سے چند سال قبل حضرت کے عجز و انکسار اور خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ احباب و مخلصین کے نام جو مکاتیب گرامی آرہے تھے اس میں حسن عاقبت کیلئے دعا منگوائی جارہی تھی ــــــــ

۱۹۶۱ء میں جب حضرت کراچی سے حیدرآباد تشریف لے جارہے تھے تو روانگی سے قبل حضرت کے ایک مرید باخلاص شیخ محمد سعید صاحب نے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا کہ "فقیر اس لئے یہاں آیا تھا کہ آپ سے اپنی حسن عاقبت کے لئے دعا کراتا"۔ حضرت کی خشیت الٰہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد دلاتی ہے ــــــ ۱۹۶۲ء میں جب دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو لاہور سے دہلی روانگی سے قبل حضرت کے فرزند نسبتی قاری حفیظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ "حضرت کچھ اور دن قیام فرمائیں اس میں شک نہیں کہ لاہور میں اولیاء اللہ ہیں لیکن حضرت کی صحبت گرامی میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کا قرب محسوس ہوتا ہے" ــــــ حضرت نے جواباً جو کچھ فرمایا اس کو قاری صاحب موصوف نے اس طرح تحریر فرمایا ہے:-

"میں تو تمہارے پیروں کی مٹی کے برابر بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھتا"۔ اللہ اکبر۔ احقر نے اسی وقت حضرت کے قدم مبارک چوم لیے اور سر قدموں پر رکھدیا، احقر کے سر پر حضرت نے ہاتھ مبارک رکھا اور دعا فرمائی"۔

(مکتوب محررہ ۲ مارچ ۱۹۶۷ء)

اہل اللہ کی عظمت شان کا اندازہ ان کی شان عجز سے ہوتا ہے ؏
عیار گرمئ صحبت ہے حرف معذوری

وصال سے چند ماہ پیشتر حضرت نے بعض احباب کے نام جو مکاتیب گرامی ارسال فرمائے ان میں اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ۱۹۶۶ء ہی میں اپنے فرزند نسبتی حضرت مفتی محمد مسعود صاحب کو جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا اس میں صراحتاً اپنے وصال کی اطلاع دی ہے، اسی طرح، ایک مخلص و معتقد حکیم عبدالحئی صاحب (قائم گنج ضلع فرخ آباد، بھارت) اپنے مکتوب محررہ ۲ فروری ۱۹۶۷ء میں تحریر فرماتے ہیں:-

"واقعہ یہ ہے کہ میں نے ماہ جون ۶۶ء میں حضرت کی خدمت اقدس میں عریضہ ارسال کیا تھا اور حضرت کی مزاج پرسی کی تھی، حضرت نے جواب میں عاقبت بخیر

ہونے کی دعا فرمائی ہے اور ہم بدنصیبوں سے جدائی کی اطلاع دی ہے"۔

حضرت کئی سال تک مسلسل علیل رہے مگر اس طویل علالت کے دوران خود کو اس طرح سنبھالے رکھا کہ حیرت ہوتی ہے، نقاہت و ضعف کی وجہ سے چلتے چلتے پیر لڑکھڑا جاتے تھے مگر کسی مخلص و محب کی مجال نہ تھی کہ سہارا دینے کے لئے آگے بڑھ سکے، حضرت کی طبع غیور کو رفیق اعلیٰ کے ہوتے کسی کی دست گیری پسند نہ تھی، ہر جمعہ کو حسب معمول مسجد شریف تشریف لاتے اور بدستور مجلس ہوتی، نماز پنج گانہ کھڑے ہو کر ادا فرماتے حتیٰ کہ رمضان المبارک میں پورے روزے رکھتے اور تراویح جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھتے، عبادات خصوصاً رمضان المبارک میں جو روحانی قوت مشاہدے میں آتی وہ حیرت انگیز تھی ـــــ جو پیکر نحیف ۲۴ گھنٹوں میں ایک چپاتی بھی نوش نہ فرماتا ہو، ضعف ونقاہت حد سے گزر چکی ہو، لیکن پھر بھی جب اس مولائے کریم کے حضور حاضر ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پیکر ناز میں سے قوتوں کے چشمے اُبل رہے ہیں، عام انسانی عقل ان محیر العقول مشاہدے کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے۔

حضرت کے روزانہ کے مذہبی اور علمی معمولات آخر وقت تک جاری رہے، پاک و ہند میں حضرت کے ہزاروں مخلصین و معتقدین ہیں، سب کے خطوط کے خود جوابات مرحمت فرماتے، آخری ایام میں بیشتر علمی کام لیٹے لیٹے انجام دیتے تھے، پاک و ہند سے آنے والے بیشمار فتووں کے جوابات بھی خود تحریر فرماتے تھے حتیٰ کہ انتقال سے ایک گھنٹے قبل تک حضرت کے دینی خدمت کا یہ سرچشمہ اُبلتا رہا اور پھر اچانک بند ہو گیا، حضرت نے تقدیس قلم اور خدمت دین کا حق ادا کر دیا۔

مسلسل علالت و نقاہت کے باوجود دین کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دینا، اپنے آرام و سکون کو دوسروں کی راحت کے لئے قربان کر دینا، یہ ایسی صفات ہیں جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کے لئے بھی مشعل راہ ہیں، حضرت نے خود کو اس طرح سنبھالے رکھا کہ آخر وقت تک کسی کو تکلیف نہ دی اور اس طرح تشریف لے گئے جیسے گل سے بوئے گل جایا کرتی ہے۔

آخری ایام میں ملاقاتیوں کے لئے حضرت نے عصر و مغرب کا درمیانی وقت رکھا تھا، اس وقت جو بھی آتا محروم نہ جاتا، وصال کے دن طبع گرامی ٹھیک تھی بظاہر آثار فراق نظر نہ آتے تھے، مگر مشیت الٰہی فیصلہ کر چکی تھی، اس روز جب ملاقات کے وقت مخلصین حاضر ہوئے، اطلاع دی گئی فرمایا، ان سے کہدو کہ اب نہیں ملیں گے" ـــــ محبوب حقیقی سے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے، اب اس حریم ناز میں غیر کی گنجائش نہیں، نماز عصر سے فارغ ہونے کے کچھ دیر بعد اچانک رفیق اعلیٰ

سے واصل ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؎

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

عرصہ ہوا حضرت نے اپنے منظوم شجرۂ طریقت میں یہ دعائیہ شعر تحریر فرمایا تھا۔ ؎

درد فرقت میں تپ سے اس زندگی کی شام ہو
موت جب آئے تو صبح وصل کا پیغام ہو

حضرت کی یہ دعا مقبول ہوئی، شام زندگی ۱۴ شعبان المعظم کی شام کو ہوئی ۔ وہ شام جو صبح ہما وصل کی تمہید تھی ـــــــ شجرۂ مذکورہ میں حضرت نے ایک جگہ یہ دعائیہ شعر بھی تحریر فرمایا ہے ؎

خاتمہ بالخیر ہو، سکرات کی سختی نہ ہو
روح جب تیری طرف جائے اسے مستی نہ ہو

حضرت کا منظر وصال اس دعا کی مقبولیت کی نشانی ہے، سکرات کی سختی آن واحد کیلئے بھی نہ ہوئی اور روح پاک زمین کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھتی چلی گئی۔ حضرت کا وصال ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر بوقت پانچ بج کر بلیس منٹ پر ہوا۔ اور گلشن طریقت کا یہ گل سرسبد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محجوب ہو گیا، کیسی مبارک تاریخ تھی، کیسی مبارک ساعت تھی، کیسا مبارک دن تھا! ؎

بہر بہار گل، از زیر گل بر آرد سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

وصال کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی، غمزدہ اور سوگوار عقیدت مند خانقاہ کی طرف چل پڑے، تھوڑی دیر میں ایک ہجوم ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کا وصال کیا ہوا دہلی کا سہاگ لٹ گیا ـــــــ انٹیرم کونسل کے ممبر عبدالمجید صاحب نے حکومت ہند کو باضابط اس حادثہ جاں کاہ سے مطلع کیا، چنانچہ آل انڈیا ریڈیو نے اسی روز اپنی رات کی نشریات میں وصال کی جاں گداز خبر نشر کی جو پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں پھیل گئی آل انڈیا ریڈیو، دہلی

؎ ماہنامہ "پیام مشرق" (کراچی) کے شمارہ جنوری ۱۹۶۷ء میں "یادگار تاریخی واقعات" کے تحت صفحہ ۱۳ پر حضرت کا یوم وصال بدھ ۱۲ شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۶۶ء لکھا ہے جو صحیح نہیں

نے ۱۴ر نومبر ۱۹۶۶ء کو رات یہ خبر نشر کی :-

"Mufti Muhammad Mazharullah died this evening at Masjid Fateh Puri Delhi. The last rites will be Performed at nine O'clock Tomorrow"

یہ خبر ریڈیو پاکستان کراچی نے بھی مقامی خبروں میں نشر کی، دوسرے ہی روز پاکستان کے تقریباً تمام اخبارات میں یہ خبر آگئی، اور ہر جگہ مریدین و معتقدین میں صف ماتم بچھ گئی۔ سرزمین حجاز سے آنیوالے حضرات نے بتایا، مدینہ منورہ میں حضرت کے لئے نماز اور پھر مولانا عبدالغفور صاحب مدنی نے فاتحہ خوانی کرائی اور مکہ معظمہ میں بھی یہ خبر عام تھی۔

حضرت کو ان حضرات نے غسل دیا ——— مولانا مشرف احمد صاحب اور مولانا محمد احمد صاحب (دونوں حضرت کے صاحبزادگان ہیں، عالم اور حافظ قرآن ہیں) مسلم احمد صاحب مولوی نذیر احمد مرحوم (مشہور ادیب) کے پوتے ہیں نیک دل اور عالم ہیں حضرت کو موصوف سے خاص محبت تھی) ڈاکٹر سعید احمد (حضرت کے صاحبزادے ہیں حضرت کی ان پر خاص نظر تھی) مولوی محمد میاں سلمہ (حضرت کے پوتے ہیں عالم اور حافظ قرآن ہیں) تجہیز و تکفین کے بعد میت شریف رات بھر دولتکدے پر زیارت گاہ خاص و عام رہی اور صبح ۸ بجے مسجد فتحپوری میں دیدار عام کے لئے لائی گئی، مسجد مذکورہ جس میں تیس چالیس ہزار آدمی آتے ہیں ——————————

——— شام تک تمام جوانب سے بھری ہوئی تھی، میت شریف اسی حجرے میں رکھدی گئی، جہاں صبح و مسا دیدار سے تشنہ نگاہیں سیر و شاد کام ہوا کرتی تھیں، آج یہ آخری دیدار ہے، اب پھر کبھی نصیب نہ ہو گا، در و دیوار سے حسرت ٹپک رہی ہے ——— معتقدین و مریدین آنسوؤں کی نذریں گزران رہے ہیں، ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں، ایسا معلوم ہو رہا ہے آج یتیم و لسیر ہو گئے ——— حرمان نصیبی سی حرمان نصیبی ہے

محترم محمد مسلم احمد صاحب نے اس آخری دیدار کی کیفیت مجملاً اس طرح تحریر فرمائی ہے :-

"صبح حضرت کی میت حضرت کے حجرے میں رکھی ہوئی تھی، کفن ہٹا دیا تھا منہ سے۔ انسانوں کا سیلاب تھا جو آرہا تھا، طے ہوا کہ تدفین فتح پوری میں ہو گی، اور نماز دس بجے صبح ہو گی، مگر ایسا ہوا، امام جامع مسجد (مولوی عبدالحمید صاحب) قاضی سجاد (صدر مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری) مولانا زید

(سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ، دہلی) سب ہی تھے، سب نے یہ طے کیا نماز اب جامع مسجد ہو گی، جنازے میں بانس بندھے اور ایک انسان جس نے سہارا سوائے خدا کے کسی کا نہ لیا تھا، کاندھوں پر سوار انسانی سمندر سے گزرتا ہوا جامع مسجد پہنچا، پولیس کا معقول انتظام، نماز ہوئی، مولانا زید نے پڑھائی اور پھر جنازہ واپس چاندنی چوک، فتحپوری آگیا اور کس نے دفن کیا، کیا ہوا، نہ میں دیکھ سکا، نہ مجھ میں تاب تھی غیر مسلم حضرات محو حیرت تھے کہ یہ کون ہے کہ جس کے ساتھ اتنا ہجوم ہے" ——

خواجہ حسن ثانی نظامی نے بھی رسالہ منادی بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں جلوس جنازہ، نماز جنازہ اور تدفین کے چشم دید حالات اس طرح لکھے ہیں :۔

"بیان کیا جاتا ہے کہ شام کو وضو کر کے حضرت سجادے پر تشریف فرما تھے کہ روح پرواز کر گئی، وصال کی خبر آناً فاناً ساری دلی میں پھیل گئی، دوسرے دن صبح نو بجے نماز جنازہ کا اعلان ہوا تھا اور خیال تھا کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب میں تدفین ہو گی لیکن مجمع کی کثرت کیوجہ سے سارے انتظامات درہم برہم ہو گئے اور ہزارہا کا مجمع حضرت کے جنازے کو کندھوں پر اٹھائے جامع مسجد کی طرف لے چلا، بڑیوں کا کٹرہ، فراش خانہ، لال کنواں، سرکی والان حوض قاضی، چاوڑی بازار، کے تمام راستے بند ہو گئے، ٹریفک پولیس کو بھی سخت دشواریاں پیش آئیں، کندھا دینے والوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب جلوس کا اگلا حصہ جامع مسجد پر پہنچا ہے پچھلا حصہ قاضی پر موجود تھا —— جامع مسجد میں زوال آفتاب کے بعد دلی کے مشہور گوشہ نشین عالم اور بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن زید فاضل جامعہ ازہر و سجادہ نشین خانقاہ مرزا مظہر جانجاناںؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہاں سے جنازہ چاندنی چوک ہوتا ہوا پھر دوبارہ مسجد جامع فتحپوری پہنچا اور مسجد کے صحن ہی میں تدفین عمل میں آئی —— حضرت کا آخری سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد ہی پر ختم ہوا اور مئے حب الٰہی سے سرشار اس بزرگ کو جو امام شہر بھی تھا اور صاحب سجادہ بھی، ہزاروں مومن مسجد سے مسجد تک کے سفر میں اس طرح دوش بدوش لے گئے کہ حافظ کا یہ شعر نئے معنی و مفہوم میں سب پہ آشکار ہو گیا ؎

زکوئے میکدہ دوشش بدوش می بردند
امام شہر کہ سجادہ می کشید بدوش "

(ص - ۵)

ریڈیو اور اشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ نماز جنازہ مسجد فتحپوری میں ہوگی اور تدفین درگاہ خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ میں جہاں برسوں پہلے حضرت نے اپنا سرداوا تیار کرالیا تھا، آج وہی قبر کھل چکی ہے، جلوس جنازہ منزل کی طرف روانہ ہونے والا ہے کہ اچانک ہواؤں کا رخ پلٹ گیا، یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ کیوں کر ہوا؟ —— کوئی غیبی طاقت تھی جس نے دلوں کو موڑ دیا —— انیس سال قبل ۱۹۴۷ء کے خون ریز فسادات کے دوران جب کہ دشمنانِ اسلام مسجد شریف کو گھیر لیا تھا، تمام سہارے چھوٹ چکے تھے، تمام آسرے ٹوٹ چکے تھے، مسجد میں محصور مختصر مسلمانوں کی جماعت نے جو مجبور و بیکس تھی حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ وقت بہت نازک ہے مسجد شریف کو مقفل کر کے کسی محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں تو اس پیکر عزیمت و استقامت نے فرمایا:

"اگر قیامت کے دن خداوند تعالی نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس پر چھوڑ کر چلا گیا تھا تو میں کیا جواب دوں گا"؟

مولی تعالی کی طرف سے آج اس خدمت جلیلہ کا انعام دیا جا رہا ہے وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزاء الاوفیٰ ۰ وان الی ربک المنتھیٰ ۰ ——

حضرت نے اس ابتلاء و مصیبت کے وقت خانۂ خدا کو نہ چھوڑا تو اب اللہ تعالی کیسے گوارہ فرما سکتا تھا کہ اس مہمان عزیز (قدس سرہ العزیز) کو یوں فراموش کر دیا جائے! قیامت تک کے لئے مہمانی کے اعزاز سے نوازا گیا —— حضرت نے اپنی بے پناہ استقامت سے غار ثور کی سنت کو زندہ کر کے مسجد کی فضاؤں کو لاتحزن ان اللہ معنا کی صدائے جاں آفریں سے معمور فرما دیا جس نے زندگی بھر پیروی سنت میں خود کو مستغرق رکھا اس آخری سنت سے کیسے محروم کیا جا سکتا تھا، مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں محبوب کی تربت شریف ہے تو مسجد ہی کے ایک گوشہ میں محب بھی آرام کر رہا ہے۔

حضرت کا مزار مبارک مسجد فتحپوری کے صحن میں شمال مشرق کی طرف درگاہ[1] حضرت میراں شاہ نانو رحمتہ اللہ علیہ میں شہدائے جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) اور میراں شاہ موصوف کے مزارات کے درمیان کشادہ جگہ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے ۵

---

[1] اس درگاہ کا تفصیلی ذکر حصۂ اول میں مسجد فتحپوری کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
یہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

مختلف اخبارات و رسائل میں حضرت کے لئے قطعات تاریخ وفات شائع ہوئے تھے جن کا تفصیلی ذکر علیحدہ باب میں کر دیا گیا ہے یہاں قمر سنبھلی کے دو قطعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے بالترتیب سنہ ہجری اور سنہ عیسوی مستخرج ہوتا ہے :-

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے — یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک — اے قمر "شمع وہ خموش ہے آج"
۱۳۸۶ھ

مظہر علم وہ فقیہہ عصر — آہ دنیا سے ہو گیا روپوش
لکھ قمر عیسوی میں سال وصال — "ہائے شمع تصوف اب ہے خموش" [۱]
۱۹۶۶

اسی طرح ابو الکلام ضیاء الدین شمسی طہرانی نے یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے :-

روح شن بجہاں تمام راحت بادا — فرش بہ جہاں شان کرامت بادا
تاریخ وصال مظہر اللہ بجس — ہاتف گفتہ غریق رحمت بادا
۱۹۶۶ء

جناب اظہر دہلوی نے حضرت کی وفات حسرت آیات پر ایک مرثیہ تحریر فرمایا ہے حضرت کی وفات، جلوس جنازہ، اور تدفین کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ آنکھوں کے سامنے تصویر پھر جاتی ہے

مرثیہ

بر وفات اعلیٰ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی قدس اللہ سرہ العزیز

۲۸ر نومبر ۱۹۶۶ء

۱۴ر شعبان ۱۳۸۶ھ

شاہ محمد مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے — دے کے یوں داغ جدائی آہ رخصت ہو گئے

---

[۱] پیام مشرق (دہلی)، ۱۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲۵-
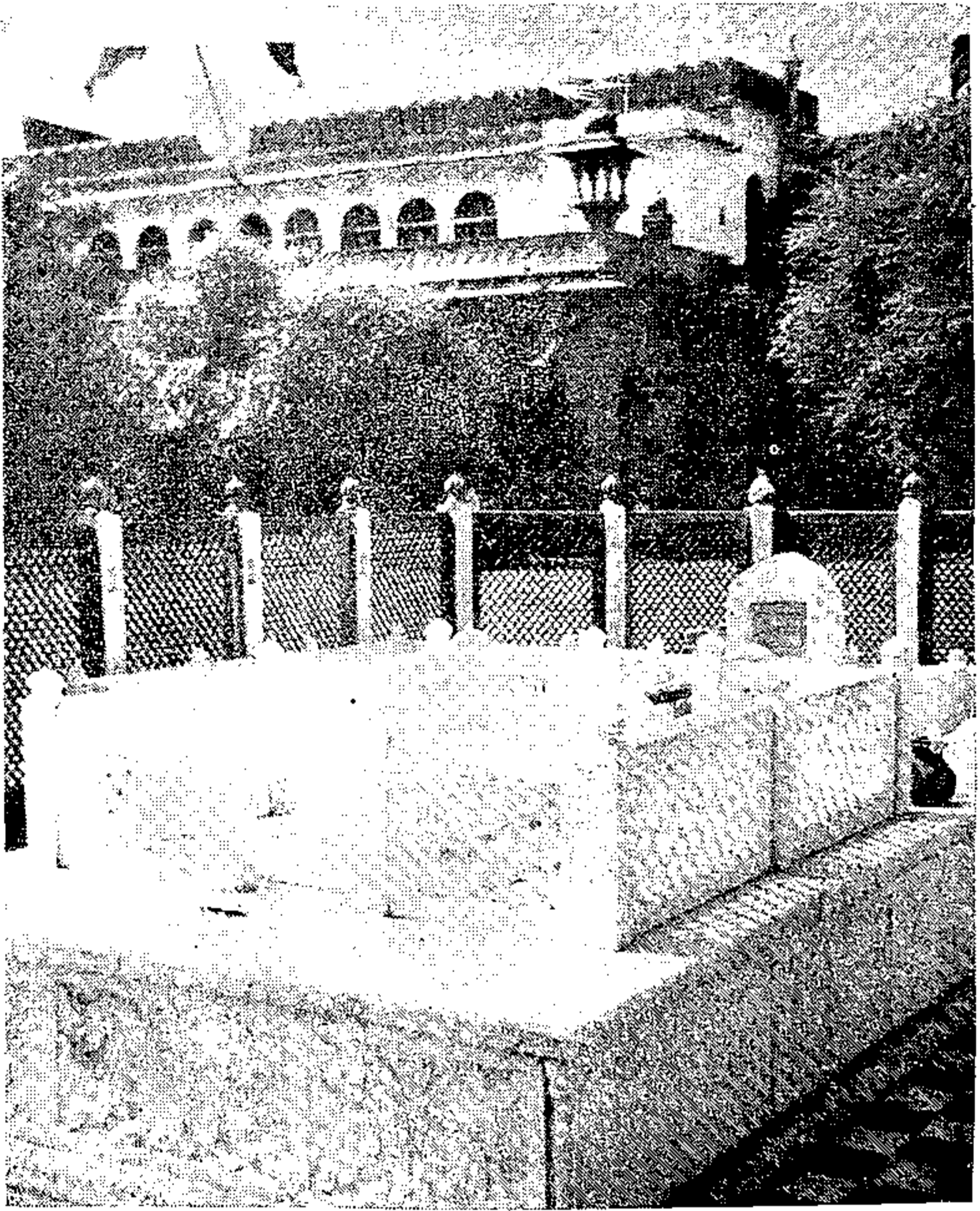
مرقد انور

حضرت مفتی اعظم الحاج شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو مسجد جامع فتحپوری (دہلی) میں جنوب مغربی سمت درگاہ حضرت میراں شاہ نانو رحمۃ اللہ علیہ کے وسط میں واقع ہے

اہل دل اہل نظر اہل محبت کے سرور — نقشبندی سلسلۂ عالیہ کے ماہ نور

روز و شب ملنے کو تھے کہ شاہ اٹھے بہر نماز — آگیا حکم خدا اور واصل ہوئے بہر نیاز

ہر لمحہ ہر سانس تھا ذکر خدا میں نغمہ زن — وقت آخر بھی رہے یاد خدا ہی میں مگن

چودہ شعبان المعظم اور پندرھویں تھی رات — جب ہوئے روپوش دنیا سے شہ عالی صفات [1]

رات بھر بہر زیارت اہل دل آتے رہے — خون دل خون جگر آنکھوں سے برساتے رہے

شہ سواری پندرہ شعبان المعظم کی صبح — تھی روانہ ہوئے منزل شان شاہاں کی طرح

فتحپوری شاہی مسجد سے چلا شاہی جلوس — سر خمیدہ تھے جلو میں عاشقان پُر خلوص

ایک ہجوم بے پناہ تھا شہ سواری جب چلی — سوگ میں سنسان تھے بازار کوچہ و گلی [2]

لال کنواں حوض قاضی چاوڑی بازار سے [3] — گزرے اہل دل جنازہ اپنے کاندھوں پر لئے

کی ادا جامع مسجد میں جنازہ کی نماز — زید صاحب [4] کی قیادت میں بصد عجز و نیاز

جامع مسجد اور چاندنی چوک سے ہوتا ہوا — پہنچا واپس فتحپوری یہ جلوس باخدا [5]

---

[3] حضرت قدس سرہ کا جلوس جنازہ مسجد فتحپوری کے جنوبی دروازے سے روانہ ہوا تھا جنوبی دروازے سے جامع مسجد جانے ہوئے جن مقامات سے گزرنا پڑتا ہے لال کنواں، حوض قاضی، اور چاوڑی بازار انہیں کے نام ہیں۔

[2] جو لوگ جلوس جنازہ میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہہ رہا تھا۔ دہلی میں مسلم علاقوں میں حضرت کے سوگ میں ہڑتال بھی ہوگئی تھی۔

[1] وصال غروب آفتاب سے قبل ہوا ہے، اس لئے پندرھویں شعبان کی رات کہنا حقیقت واقعہ کے خلاف ہے، اس میں شک نہیں آفتاب عالم عرفاں کے غروب ہونے کے بعد پندرھویں رات شروع ہوگئی۔

[4] حضرت مولانا ابو الحسن زید مدظلہ العالی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے چشم و چراغ حضرت شاہ ابو الخیر صاحب کے جانشین ہیں، متبحر عالم اور صوفی باصفا ہیں حضرت مرحوم کو آپ سے خاص تعلق خاطر تھا۔

[5] جامع مسجد سے مسجد فتحپوری کے مشرقی دروازہ سے داخل ہونے کے لئے چاندنی چوک سے گزرنا پڑتا ہے حضرت کا جلوس جنازہ اسی راستہ واپس ہوا اور مشرقی دروازے سے اسی منزل پر آپہنچا جہاں سے چلا تھا۔

صحن مسجد میں ہوئے مدفون یہ شاہوں کے شاہ قربِ نانو شاہ میں[1] ہے آخری آرام گاہ

چھپ گیا چاند بدلی میں ہمیشہ کے لئے سب غلامانِ شہ والا تڑپتے ہی رہے

آہ محمد مظہر اللہ شاہ رخصت ہوگئے مسندِ دہلی کے عالیجاہ[2] رخصت ہوگئے

اس طرح یہ ختم اظہر غم کا افشا ہوا

جس نے بھی دیکھا سنا، دل گیر و دیوانہ ہوا

نوٹ :۔ یہ مرثیہ جمعۃ الوداع (رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ) کے موقع پر لاہور میں جو حضرت قدس سرہٗ کی چہلم کی فاتحہ ہوئی اس میں جناب اظہر دہلوی نے پڑھا۔

---

[1] مسجد فتحپوری کے صحن میں شرقی دروازے کے قریب ایک درگاہ ہے جو نانو شاہ کے نام سے مشہور ہے اس درگاہ میں شیخ جلال الدین تھانیسری کی اولاد میں چند بزرگوں کے مزارات ہیں، غدر ۱۸۵۷ء کے بعض شہیدوں کے بھی مزارات ہیں، حضرت قدس سرہ کا مزار مبارک اس درگاہ کے وسط میں بنا ہوا ہے۔ تفصیلی حالات مسجد فتحپوری کے ذکر میں ملاحظہ کریں۔

[2] حضرت امام علی شاہ مکان شریفی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور شیخ طریقت تھے حضرت قدس سرہ کے جد امجد حضرت مولانا محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ ممدوح کے خلیفہ تھے، آپ ہی کی ذات گرامی سے مسجد فتحپوری دہلی میں خانقاہ مسعودیہ کو فروغ ہوا، انہی مسند پر حضرت قدس سرہ رونق افروز ہوئے اور ۶۰ سال تک مخلوق کو مستفیض فرمایا۔

گیارھواں باب

تعزیت نامے

تعزیت نامے

ہ

حضرت قبلہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کے سانحۂ ارتحال پر بہت سے محسنوں اور عزیزوں نے تعزیت نامے ارسال کئے اور شرکت غم سے محبت وشفقت کا حق ادا کیا، جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ بعض محسنین ومحبین کے مکاتیب تحدیث نعمت کے طور پر پیش کرتا ہوں ؎

(۱)

حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی، حیدرآباد پاکستان

مرسلہ ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء

مولینا سلمہ الرحمن

السلام علیکم، جب حضرت کے رحلت کی خبر سنی تو کوہِ غم ٹوٹ پڑا ——— بار بار انا للہ پڑھتا رہا اور فوراً کچھ پڑھ کر حضرت کو ایصال ثواب کیا اور بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ محمود کے نام سے سرِ دست یہ حضرت کو پہنچا دیا جائے، مغفرت اور علو درجات کے لئے اس متبرک فی ات میں دعا کرتا رہا، دوسرے روز دہلی سے تار بھی آگیا اور تار کا جواب تار سے دیدیا، اور اب تعزیت میں خط لکھ رہا ہوں، اور آپ کو بھی لکھ رہا ہوں، جب میں خود مبتلائے الم ہوں تو آپ کو کیا تسلی دے سکتا ہوں بہرحال رضا بالقضا بھی ان قرب کی چیزوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مقربین بندوں کے اوصاف جمیلہ ہم کو اور آپ کو عطا فرمائے اور حضرت کو ہم سب سے نفع پہنچائے اور اس طریقۂ اولیاء پر ہم اور آپ سب قائم رہیں جو حضرت کی خوشنودی کا باعث ہو۔

محمد محمود

(۲)

محترمی ومکرمی حکیم قاضی مشتاق احمد صاحب بی ام عنایۃ (فاضل الطب والجراحت دہلی) کراچی

مرسلہ ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ / ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء

باسمہٖ سبحانہٗ

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل راکہ مدام
دل ترا می طلبد، دیدہ ترا می خواہد

بخدمت مولٰینا المحترم ذوالمجد والکرم دام اللہ اعطافکم

السلام علیکم و قلبی لدیکم۔ بعد ماوجب آں کہ دفعتہً اور اچانک اعلیٰ حضرت قبلہ امام صاحب کے وصال شریف کی اطلاع دہلی ریڈیو سے معلوم ہوکر ناقابل بیان و اظہار صدمہ عظیم ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ع

آسمان را حق بود گر خوں ببارد برزمیں

حضرت قبلہ کی ذات گرامی اہل ایمان کے لئے یقیناً و حتماً باباتہ متیقنہً، قرآنی اصطلاح میں وسیلہً تھی، لاریب آنحضرتؒ کی ذات سامی شیخ العالم تھی، آپ شریعت کے ملجاء، طریقت کے ماواء اور ہم تمام مسعودیوں کے لئے بحیثیت بقیۃ السلف تھی، آپ کا مثالی تقویٰ اور ورع جملہ عقیدت مندان و وابستگان دامن ولایت کے لئے سلف کا نمونہ تھی، صد افسوس کہ آج باقتضائے مشیت الٰہی وہ ردائے رحمت ہم غم نصیبوں سے بظاہر علیحدہ ہوگئی ہے لیکن بطون سے نزدیک تر اور فیض رساں ہے، اہل توفیق بقدر علاقہ و ارادت مستفیض ہورہے ہیں، اور ہوتے رہیں گے ______

آہ! حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ وجود باجود کس پایہ کا جامع شریعت و طریقت تھا، آپ کی مربیانہ، بزرگانہ شفقت، آپ کی عظمت کی آئینہ دار تھی حقیقت یہ ہے کہ اس حادثہ فاجعہ سے اہل طریقت بلکہ اہل سنت اپنے شفیق اور عظیم مربی کے سایۂ عاطفت سے بظاہر محروم ہوگئے اور ملت یتیم ہوگئی۔

آہ! آج وہ ذات جامع الصفات ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی ہے جس کی زیارت عبادت تھی، الحمدللہ کہ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری و باطنی اولاد امجاد آج ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے بفضلہ مرہم کافور ہیں، موجود ہیں اور اس نسل نواز تبسم کی جھلک تو خداداد طور پر آں جناب کی ذات گرامی میں موجود ہے، رب رحیم و کریم خانۂ ارشاد آباد رکھے ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

جذبات مافی الضمیر کے مزید اظہار کی اجازت نہیں دیتے ہیں ______ اس وقت بالاختصار بلکہ بالایجاز، با دیدۂ گریاں و دل بریاں اپنے قلبی اور روحانی تاثرات پیش کرتے ہوئے دل و جان سے شریک غم ہے ______ آں جناب کو تلقین صبر جمیل آفتاب کو چراغ دکھلانا ہے۔

والسلام خیر الختام۔ خاکپائے بزرگان و اولاد امجاد، احقر العباد

غم نصیب مشتاق احمد غفراللہ لہٗ، ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ

(۳)

محترمی انور عباس صاحب پروگریس آفیسر، پاکستان سکریٹریٹ، لاہور

مرسلہ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

مکرمی مسعود صاحب

اسلام علیکم، آپ کے دو خطوط ملے یکے بعد دیگرے غم اور مفارقت کے دو داغ واقعی امتحان عظیم ہیں، جواں سال بھتیجی کو جدا ہوئے ابھی کچھ دن بھی نہ گزرے تھے کہ پدر بزرگوار داغ مفارقت دے گئے، حق تعالیٰ مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور دیگر افراد خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ۔

یوں تو ہر موت، اندوہ و غم کا سبب ہوتی ہے لیکن ایک عالم کی موت تو درحقیقت عالم کی موت ہوتی ہے، جس کی موت پر غم و اندوہ کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، آج کی مادہ پرست دنیا میں صدق دل سے اللہ کا نام لینے والوں اور اس کا نام پھیلانے والوں کا وجود ایک بڑا سہارا ہے، اس لحاظ سے آپ کے والد بزرگوار کی وفات ایک ایسا نقصان ہے جس کا ازالہ بہت مشکل ہے حقیقت تو یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اللہ کی حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ——————— فقط

شریک غم

عباس

(۴)

محترمی پروفیسر عبدالقدیر سلیم صاحب شعبۂ فلسفہ گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

مرسلہ ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء

برادر گرامی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الم نامہ ملا اس سے ذرا دیر قبل مسعود علی صاحب نے بتلایا تھا کہ "جنگ" میں یہ خبر چھپی ہے، ہائے کیونکر تعزیت کروں اور کیا لکھوں ؟ دماغ پراگندہ ہے اور قلم سکتہ زدہ، یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ہو سکتا ہے، ایک تو بحر کا عالم اور اس پر یہ صدمہ، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر و ہمت ارزانی فرمائیں، !

باپ سب ہی کھوتے ہیں، مگر کیسے پدر، عالم باعمل محبت رسول میں غرق، سادگی اور ایمان مجسم آپ کے لئے باعث فخر اور اہل دلی کے لئے باعث عزیمت کامیاب زندگی گزاری، اپنے نیک

اور با صلاحیت بچوں کی خوش بختی دیکھی اور اعمالِ صالحہ کا توشہ وافر لے کر مالکِ حقیقی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور جوارِ رحمت میں اپنی رؤیت سے مشرف کریں۔

مختصر سی صحبت اور دید جو مجھ ناچیز کو نصیب ہوئی تھی، تا عمر یاد رہے گی، ایسے عالم، بے نفس دلوں کو جوڑنے والے، ورثۃ الانبیاء، کتنے ہیں؟ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، ان میں سے ایک کا اٹھ جانا واقعی متاعِ بے بہا کا چھن جانا ہے، موت العالِم موت العالَم، مگر مالکِ حقیقی کی مرضی اور خوشی، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں ——— فقط

آپکا بھائی
عبدالقدیر سلیم

(۵)

مخدومی و معظمی استادِ گرامی قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ العالی (ایم اے پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ)
صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، مغربی پاکستان

مرسلہ ۳ دسمبر ۱۹۶۶ء

۷۸۶

حامداً و مصلیاً

عزیزِ گرامی منزلت دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کل جمعہ کو گرامی نامہ ملا۔ قبلہ والد صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر سے سخت قلق ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون، ایسی برگزیدہ ہستی اس دور میں کہاں؟ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو اپنے حفظ و اماں میں رکھے اور صبرِ جمیل و رحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔

کل اتفاق سے جمعہ تھا تو حلقہ والے تمام حضرات نے ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنے کی سعادت حاصل کی: واقعی بے حد قلق ہے اور الفاظ نہیں کہ آپ کو تسلی دے سکوں، اللہ پاک صبر عطا فرمائے اور حضرت علیہ الرحمہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق رفیقِ حال فرمائے، آمین ثم آمین، انشاء اللہ مفتی محمود صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی آج حاضر ہو کر تعزیت کروں گا۔

دہلی آپ خط لکھیں تو بھائی صاحبان اور تمام اعزہ کی خدمت میں میری طرف سے مودبانہ سلام مسنون اور تعزیت عرض کر دیں، اللہ پاک صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام

احقر غلام مصطفےٰ خاں

(۶)

صدیق محترم ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی (ایم-اے، پی-ایچ-ڈی) انچارج شعبۂ چینی، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد، مغربی پاکستان سے
مرسلہ ۳ر دسمبر ۱۹۶۶ء
۷۸۶

اخی المکرم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کارڈ ملا۔ والد ماجد کے ارتحال کی خبر اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو گئی تھی، بڑا صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت اعلیٰ علیین میں مقام کریم پر متمکن کرے۔ اور آپ لوگوں کے حق میں صبر جمیل ارزانی فرمائے۔

بزرگوں کا سایہ بڑی نعمت ہے جب تک قائم رہے اللہ کی بڑی رحمت ہے لیکن بہرحال اسے ایک دن اٹھنا ہوتا ہے کل نفس ذائقۃ الموت۔ انک میت وانھم میتون ۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

پھر بھی صدمہ تقاضائے بشریت ہے، لاکھ دل کو سمجھائیے جانیوالے کی یاد آتے ہی دل پر غم کے بادل چھا جاتے ہیں، نہ اپنی سمجھداری کچھ کام آتی ہے نہ ناصحین کی نصیحت، میں خود کو اس کا اہل نہیں پاتا کہ آپ کو سمجھاؤں اور لکھوں کہ غم نہ کیجئے، اللہ پر بھروسہ کیجئے، صبر سے کام لیجئے۔ یہ باتیں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور زیادہ صحیح طریقہ پر خود کو سمجھا سکتے ہیں، فقط اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر میری بے مصرف، بیکار زندگی اس موقع پر آپ کے کسی کام آسکتی ہے تو اسے دے کر مجھے یہ سکون حاصل ہو گا کہ میں بھی دنیا میں کوئی کام کر گیا ــــــــــــ

شرف الدین

(۷)

حضرت مولانا مولوی الحاج محمد عارف اللہ صاحب مدظلہ العالی صدر جمعیۃ علمائے پاکستان راولپنڈی
مرسلہ ۶ر دسمبر ۱۹۶۶ء
۷۸۶
۹۲

محترمی زید لطفہ
سلام مسنون، بحکم نامہ ملا، بحمد اللہ ۲۱ شعبان المعظم جب کہ میرا اپنے اکثر احباب کے ساتھ اوراد و نوافل

میں مشغول تھا ایک صاحب نے انڈیا ریڈیو کے حوالہ سے یہ الیہ سنایا۔ خبر سن کر جو کیفیت قلب پر گزری اس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وقت فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔

آپ ایک شفیق باپ سے محروم ہو گئے لیکن اہل سنت و جماعت ایک عظیم روحانی پیشوا سے محروم ہو گئی

اب اکابرین اٹھتے جا رہے ہیں حق تعالیٰ ہی اپنے دین کا محافظ ہے ع

آج وہ کل ہماری باری ہے

دلی دعا ہے کہ حضرت بزرگ کو جوار خاص نصیب ہو اور آپ کو ہم کو، سب کو صبر جمیل مرحمت ہو ع

ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

میں آپ کے اس عظیم غم میں برابر کا شریک ہوں ——

دعاگو

شاہ محمد عارف اللہ قادری

۶ ردسمبر ۶۶ء

(۸)

محترم و مکرم جناب فخر محمد ماجد صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج، جوھر آباد

مرسلہ ۸ ردسمبر ۱۹۶۶ء

گرامی قدر مولانا صاحب

اسلام علیکم۔ آپ کا خط یہ روح فرسا خبر لایا کہ آپ کے والد محترم اس جہان فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون! سخت قلق ہوا، میں اس صدمہ سے دوچار ہو چکا ہوں اس لئے آپ کے احساسات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں، لیکن آپ کا رنج مجھ سے سوا ہے کہ ایک تو آپ ان کے انتقال کے وقت ان سے دور تھے اور دوسرے مرحوم ہندوستانی مسلمانوں کے پشتیبان تھے، خدا انہیں غریق رحمت کرے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے

میں آپ کے غم میں از دل شریک ہوں ——

ایک بار پھر دلی افسوس کے ساتھ۔

والسلام

آپ کا شریک غم

ماجد

۹

محترم المقام حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق جان سرہندی مدظلہ العالی (از اولاد حضرت مجدد الف ثانیؒ) میرپور خاص
مرسلہ ۹ دسمبر ۱۹۶۶ء

لوکان الدنیا تدوم لواحد
لکان فیہا رسول اللہ مخلدا

محترم المقام جناب مولانا مسعود صاحب سلمکم ربکم و ابقاکم

نامۂ محبت کاشف احوال ہوا، مولانا کی وفات حسرت آیات پر جتنا بھی غم کیا جائے وہ تھوڑا ہے، میں ان دنوں میں کراچی تھا، اور اسی صبح جنگ اخبار میں مولانا کی وفات کا اندوہناک احوال معلوم کر کے مفتی مظفر صاحب کے پاس گیا، مفتی صاحب خود موجود نہیں تھے، ان کے صاحبزادے مسجد آرام باغ میں فاتحہ دے رہے تھے، میں وہاں ٹھیرا، دوپہر کو لنگر کھایا۔

بھائی مفتی صاحب کی وفات پورے عالم اسلام کے لئے بلکہ پورے اہل سنت و الجماعت کے صحیح عقائد والوں کے لئے افسوسناک اندوہناک ہے، اس پر جتنا رنج و غم کیا جائے یا حسرت کے اشک بہائے جائیں، تھوڑے ہیں۔ حضور پاک کی حدیث ہے جو حضور نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کے لئے فرمائی ——— میں مولانا کے لئے اس صورت میں پیش کرتا ہوں :۔ تدمع العین و یحزن القلب و لا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقك یا مولانا لمحزونون۔ مگر جب کہ لباس حیات دنیا مستعار ہے، عیش و نشاط اس کہنہ رباط کا ناپائیدار ہے، لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے ؎

ما ہمہ محکوم حکم تقدیر ایم
کردہ ناکردہ اختیاری نیست

اللّٰھم لا تحرمنا اجرھا و لا تفتنا بعدھا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ مجھے بھی محزونین و مہجورین میں شمار کریں، انشاء اللہ تعالیٰ اگر بالمشافہ ملاقات ہوئی تو مولانا کے فضائل و کمالات بیان کر کے کچھ دل کی بھڑاس نکالیں گے ؎

دنیا عالم عشرت، عقبیٰ غم اعمال
آسودگی از ساد و جہاں فاصلہ دار

آپ کا دعاگو و غم شریک
محمد اسحاق مجددی

(۱۰)

مخدومی و معظمی حضرت قبلہ دیوان سید آلِ رسول صاحب مدظلہ العالی (دیوان درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ)
از پشاور -
مرسلہ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۶ء ٹیلیگرام

All deeply grieved by sad demise
of your revered father and pray
that Almighty grant him Jannatul
Firdaus and fortitude to
bereaved family
Diwan Al-e-Rasul.

(۱۱)

برادر محترم پروفیسر عبدالقدیر سلیم صاحب شعبۂ فلسفہ گورنمنٹ ڈگری کالج، میرپور خاص
مرسلہ ۸ دسمبر ۱۹۶۶ء

برادر گرامی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، آپ کا دوسرا خط چند روز پہلے موصول ہوا تھا، جواب میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں، آپ نے سچ لکھا ہے یہ سب سے بڑا صدمہ ہے جو ایک نیک بخت بیٹے کو پہنچ سکتا ہے، یوں تو دنیا میں ایسے بدبخت بچوں کی کمی نہیں رہی ہے، جو سالہا سال چند روز سے لئے اپنے والدین کے اٹھ جانے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

ان چند روز میں مسلسل سوچتا رہا کہ کس طرح آپ کو دلاسا دوں اور وہ کیا کلمات ہو سکتے ہیں، جن سے آپ کے قلب مضطر کو کچھ تسکین ہو، بارے قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ دکھائی دی جو انتہائی حالت اضطرار میں انسانی روح کو تسکین دے سکے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کی نص قطعی بھی اس پر شاہد ہے، اور میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ جب مسائل کے گھٹاٹوپ اندھیرا اور بیم کی تاریکیوں میں امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی، اس وقت کلام الٰہی کے پڑھنے سے ایک خاص لذت، صبر اور استقامت وہمت محسوس ہوتی ہے، کیونکہ ہم اس وقت ہم کائنات کی عظیم ترین قوت

سے ہم کلام ہوتے ہیں ——— دنیا اپنی تمام روشنیوں اور تاریکیوں سمیت، اپنی اس وسعت زمانی و مکانی کے باوجود ایک حقیر ذرّہ معلوم ہوتی ہے، اور جلال و جمال الٰہی کے سائے اور حفاظت میں ہم خود کو انتہائی محفوظ محسوس کرتے ہیں اور اللہ جس کا ولی ہو اسے کیا خوف و حزن :-

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ع

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا !

حیات انسانی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی امانت ہے چند روز کے لئے اسے دنیا اور اہل دنیا کے سپرد کرتے ہیں اور پھر واپس بلا لیتے ہیں، اس میں مقصود خود صاحب حیات کا امتحان بھی ہے اور اہل دنیا کا بھی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کا اچھا استعمال کرتے ہیں یہ لوگ کم ہیں، مگر بقول حضرت عیسیٰ یہی زمین کا نمک ہیں ———.

برادر گرامی! ہماری اس حیات چند روزہ کی حقیقت اس ادائیگی فرض کی مدت سے کچھ زیادہ نہیں جو بحیثیت ملازم کے ہم گزارتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ اصل حیات تو حیات ابدی ہے وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ——— اور ——— قال کم لبثتم قالوا لبثنا یوما او بعض یوم، اس پر شاہد ہیں۔ جدائی بے حد شاق ہے، اس میں کوئی شک نہیں لیکن کیا یہ امر باعث مسرت نہیں کہ ہر سانس اور ہر لمحہ ہمیں اپنے بچھڑے ہوؤں پیاروں، لائق احترام ہستیوں سے قریب کر رہا ہے سقراط کی طرح ذرا ان مسرتوں کا اندازہ تو لگائیے جب ہمیں ان سے ملاقات کا موقع ملے گا، ان کے خیالات سے مستفید ہونے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے موقع ملیں گے (ان شاء اللہ)۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا وقت ہوگا، بڑے بڑے علماء، صلحاء، اہل دل، اہل بصیرت و نظر یکجا ہوں گے، پھر ان ملاقاتوں کے لطف کو غارت کرنے والا یہ احساس بھی نہ ہوگا کہ صحبت عارضی ہے ——— جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے، بلکہ یہ مزے بھی دائمی ہوں گے" اللہ تعالیٰ ہمیں ان افضال اور فضل اعظم یعنی اپنے دیدار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے مشرف فرمائیں، ظاہر ہے کہ اس خوش نصیبی کا تمام تر دار و مدار اللہ تعالیٰ کی عنایت و نوازش پر ہے مگر دوسری طرف ہم پر بھی لازم ہے کہ خود کو ان نوازشات کا مستحق بنانے کی سعی کریں۔ یہ چند پریشان خیالیاں ہیں، آپ ماشاء اللہ خود بڑے عالم اور اہل دل ہیں، آپ کی ذات خود دوسروں کے لئے ڈھارس اور سہارا ہے، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مشکلیں آسان فرمائیں، کیوں کہ وہ جس کا سہارا اور مددگار بن جائیں اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں

رہتی اور جس کا دل خدا کی طرف راغب ہو، دونوں عالم اسے ہیچ دکھائی دیتے ہیں ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

فقط آپ کا بھائی
عبدالقدیر سلیم

(۱۲)

محترمی مکرمی مولانا الحاج محبوب الٰہی صاحب سابق پرنسپل اورینٹل کالج، دہلی

از لاہور
مرسلہ دسمبر ۱۹۶۶ء

عزیز محترم سلمکم اللہ ورزقکم الصبر علیٰ ما اصابکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع یہاں بعض حضرات سے معلوم ہو چکی تھی اور میں بطور خاص ایک عریضۂ تعزیت لکھنے والا تھا کہ غم نامہ موصول ہو کر باعث صد رنج و ملال ہوا۔ حضرت مرحوم کا سایۂ والد بزرگوار ہونے کی حیثیت سے بھی اور مربی روحانی کی جہت سے بھی سایۂ رحمت تھا، اس سے محرومی ناقابل تلافی نقصان ہے جبرہ اللہ تعالیٰ وجعلکم خلفاء شیذالہ رحمہ اللہ۔

چوں کہ یہ ساعت مقررہ اور اجل موجل بتقدیر خداوندی تعالیٰ شانہٗ ناگزیر تھی اور خدا کی مرضی کو اپنی مرضی پر ترجیح دینا بلکہ اپنی مرضی اس کی مرضی میں فنا کر دینا بندہ کا اولین فریضہ ہے، اس لئے مقام صبر ہے مولا کریم ہمت و حوصلہ و صبر عطا کرے آمین اور حضرت مرحوم کو جوار قدسی میں مقام رفیع نصیب فرمائے آمین امطر اللہ علیہ شآبیب رحمتہ۔

والسلام ———— احقر محبوب الٰہی عفی عنہ

(۱۳)

برادر محترم خواجہ حسن ثانی نظامی دام مجدہم (صاحبزادہ خواجہ حسن نظامی مرحوم) دہلی
مرسلہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۷ء

محترم بھائی مسعود صاحب

السلام علیکم! ابھی آپ کا ۲ جنوری کا خط ملا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات گرامی واقعی ایسی تھی کہ میں

آپ سے تعزیت کروں اور آپ مجھ سے تعزیت کریں، تاہم آپ کے تو وہ والد بھی تھے اس لئے آپ کے غم کا کون ساتھ دے سکتا ہے ؟ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہی ہم سب کو صبر جمیل عطا فرما سکتا ہے۔

سوم اور چالیسویں پر بھی آپکا انتظار رہا ——————

اس اطلاع سے خوشی ہوئی کہ آپ حضرتؒ کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہتے ہیں —— میری کوئی خدمت کار آمد ہو سکے تو بصد شوق حاضر ہوں۔ سترھویں سے فرصت مل جائے تو انشاء اللہ اخبارات کے تراشے بھجواؤں گا۔

ہفتے عشرے میں والدہ ماجدہ کے ہمرکاب زیارت حرمین اور حج کے لئے روانگی کا ارادہ ہے دعا فرمائیں۔

مخلص آپ کا

حسن ثانی نظامی

(۱۴)

صدیق محترم ڈاکٹر محمد حکیم جان صاحب کوزہ بانڈی، ریاست سوات

مرسلہ ۴ مئی ۱۹۶۷ء

عزیزم پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب زاد حبکم

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا کارڈ بہت مدت کے بعد ملا، سرسری نظر ڈالنے پر مکتوب نصف الملاقات کی خوشی حاصل ہوئی لیکن صد افسوس کہ مضمون پڑھنے کے بعد معدن الحقائق والدقائق، منبع علم و فضیلت، والد ماجد کے انتقال پُرملال پر بے حد رنج و ملال لاحق حال ہوا، فرط غم و الم کی وجہ سے آپ کو سرِ دست جواب دینے کی جرأت بھی نہ کر سکا، آپ کے والد بزرگوار مجسمۂ علم و عمل تھے، اس دار فانی سے رحلت فرما کر واصل بحق ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون، میں اور میرے والد بزرگوار اس غم میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور آپ اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین !

والسلام

محمد حکیم جان

(۱۵)

حضرت استاذ محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب استاد مدرسہ اسلامیہ کھوڑ پکا ضلع ملتان

مرسلہ ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین و علی سائر الانبیاء المرسلین وعلی آلہ واصحابہم اجمعین۔

عزیز محترم ومکرم جناب مسعود احمد صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ــــ طالب خیر بالخیر، چند سال کے بعد آں جناب کا اعزاز نامہ، عنایت نامہ محبت نامہ موجب سرور کثیر ہوا، الحمد للہ کہ آں جناب بخیر وعافیت ہیں ــــــــ والد ماجد مفتی اعظم امام شاہی مسجد فتحپوری دہلی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ کاملۃ واسعۃ کی وفات وصال پر جتنا غم کیا جائے وہ بہت کم ہے ــ کلام پاک میں صاف ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی وفات پر آسمان روتا ہے۔ والد ماجد محاسن وکمالات کے جامع ومخزن وینبوع ومعدن ومجمع اور حافظ کلام اللہ تھے، اور بہت سخی تھے اور خوش تحریر تھے اور علماء کرام کے طبقے میں یہ تینوں صفات بہت کم ملتی ہیں ــــــــ اور بہت صاحب محبت ومروت تھے، خلاصہ یہ کہ زبان وقلم، تقریر وتحریر سے قاصر ہیں۔ اللّٰھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ اللّٰھم ارفع درجتہ فی المھدیین واخلف فی عقبہ فی الغابرین واغفر لنا ولہ یا رب العالمین۔

ــــــــــــ والسلام مع الاکرام

آپ کا قدیمی ممنون، پروردۂ نوازشات وعنایات

عبدالرحمٰن عفی عنہ

بارھواں باب

اخبارات و رسائل

اخبارات و رسائل

○

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا دور و نزدیک شہرہ تھا، چناں چہ آپ کی حیات مبارکہ میں اور وصال کے بعد پاک و ہند کے اخبارات و رسائل میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا رہا۔ تلاش و جستجو کے بعد چند اخبارات و رسائل دستیاب ہوئے ہیں ہم انہیں میں سے انتخاب کر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے حضرت کی ہمہ گیر شہرت، عالم گیر مقبولیت اور جہاں گیر شوکت و عظمت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

ہندوستانی اخبارات و رسائل

ماہ نامہ عقیدت (نئی دہلی) کے جولائی و اگست ۱۹۶۲ء کے شمارے میں علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز کے حالات زندگی پر "مفتی اعظم" کے عنوان سے ایک مقالہ قلم بند فرمایا تھا، یہاں رسالۂ مذکور سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

تفسیر و حدیث، فقہ و معقول، ریاضی و اقلیدس اور ادب و انشاء میں کمال مہارت ہے، فقہ کی جزئیات پر اس قدر عبور ہے کہ مخالفین بھی لوہا مانتے ہیں، اور کمال کے معترف ہیں، مسائل تصوف سے بھی غایت درجہ آگاہی ہے گویا کہ آپ علم و ہنر اور فضل و کمال کے اتھاہ سمندر ہیں، کیسا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو آپ ادنیٰ توجہ سے حل فرما دیتے ہیں۔ اسلوب بیان ایسا پاکیزہ اور شائستہ ہے کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اور ذرا بھی بار خاطر نہیں ہوتی۔ (ص ـ ۲۸)

(۲)

حضرت قبلہ کے حسن اخلاق کا وصف اگرچہ عام ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق فیض پاتا ہے لیکن ایسا بھی ہے کہ ہر کوئی آپ کی شفقت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتا ہے، مگر جن امراء میں تمکنت کا شائبہ بھی ہوتا ہے ان سے ملاقات میں خود داری کا وصف جلوہ گر رہتا ہے، ایک بار نواب عثمان علی خان سابق والئ حیدر آباد دکن نے پیغام بھیجا کہ فلاں وقت آپ تشریف لے آئیں مجھے بعض مسائل کے متعلق گفتگو کرنی ہے، آپ نے قاصد سے فرمایا "ضرورت انہیں ہے ان ہی کو آنا چاہئے۔" (ص ـ ۲۹)

(۳)

حق گوئی میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہیں، آزادیٔ ہند (۱۹۴۷ء) کے پُرآشوب حالات میں حکومت ہند کے بعض ذمہ دار عہدداروں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ پبلک کو سمجھائیں تاکہ حالات پر قابو پایا جاسکے۔ اگرچہ آپ مخالفین کے نرغے میں تھے مگر آپ نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ پبلک کو کیا سمجھاؤں غلطی حکومت کی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ پبلک کو سمجھاؤں کیوں نہ حکومت کو متنبہ کروں، آپ کا جواب سن کر سب سہم سے گئے اور معذرت کے سوا انہیں کچھ کرتے نہ بن پڑی۔ (ص-۲۹)

(۴)

استقامت و پامردی کا وصف اگرچہ آج کل عنقا ہے مگر حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ صفت بھی آپ میں پورے کمال کے ساتھ موجود ہے، آزادیٔ ہند کے پُرآشوب زمانے میں کہ جب اچھے اچھوں کے اوسان باختہ تھے، لیکن اس کے باوجود آپ عرصۂ دراز سے ایسے محلے میں سکونت پذیر ہیں کہ جہاں کثیر آبادی ہندوؤں کی ہے، مسلمانوں کے دو چار ہی گھر تھے، جو ان حالات میں محفوظ مقامات میں منتقل ہو گئے تھے ——— لیکن آپ بقول شخصے کہ قطب از جا نجنبد اپنی جگہ سے نہ ہلے اور کسی کی امداد کے خواہاں بھی نہ ہوئے۔ (ص-۲۹)

(۵)

علماء دیوبند اور بریلی کے اختلاف نے ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اتحاد کو پاش پاش کر دیا ہے، اس سے ملت بیضا کو جو نقصان پہنچا ہے وہ محتاج بیان نہیں ——— آپ نے ——— میانہ روی کی روش کو اپنایا جس کی بنا پر آپ کو صلح کل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور یگانگت کی راہ روشن ہوئی، راقم نے بارہا بچشم خود دیکھا ہے کہ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ نے عصر کی نماز آپ کے پیچھے پڑھی اور جب آپ نے نماز سے فارغ ہو کر انہیں دیکھا تو ان کی طرف بڑھے اور وہ آپ کی طرف اور معانقہ فرمایا ——— (ص-۳۰)

خواجہ حسن نظامی مرحوم کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی نے ماہنامہ منادی (نئی دہلی) کے دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی وفات حسرت آیات پر اظہار غم کرتے ہوئے اپنے دلی تاثرات کا اظہار کیا ہے، عنوان ہے:-

مفتی اعظم حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی

کی وفات حسرت آیات

شریعت اور طریقت کے ایوانوں میں اداسی چھا گئی

اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے یہاں اس میں سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :-

(۱)

حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب نے اسّی برس سے زیادہ عمر پائی اور ساری عمر دین حق کی خدمت میں گزاری۔ دنیا کو ان کو صرف امام مسجد جامع فتحپوری دلّی اور مفتی اعظم ہی کی حیثیت سے نہ جانتی تھی بلکہ ایک ولی کامل اور پیر مرشد کی حیثیت سے بھی دور دور ان کا شہرہ تھا اور بے شمار مخلوق ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھی، اور مخالف و موافق ہر حلقے میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ (ص-۴)

(۲)

شریعت کی پابندی کرنے میں وہ بے حد محتاط تھے لیکن دوسرے علماء اور مفتیوں کی طرح تقریریں کرنے اور زبردستی اپنی بات منوانے کے قائل نہ تھے، وہ تقریر سے زیادہ تاثیر دکھایا کرتے تھے اور دلّی والوں نے ان کے خلوص کی تاثیر کا یہ کرشمہ تو آخر تک دیکھا کہ حضرت مرحوم عین قوّالی کے وقت درگاہ حضرت محبوب پاک میں یا کسی دوسری درگاہ اور خانقاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی صاحب سجادہ اور منتظمین نے قوال کو اشارہ کیا ہے کہ ساز اور مزامیر بند کر دو اور باجے کے بغیر کلام سناؤ۔ مفتی صاحب مرحوم زیادہ تر نقشبندیہ سلسلے میں بیعت لیتے تھے اور اس سلسلے کے آداب کے مطابق باجے کے ساتھ قوالی نہیں سنتے تھے۔ تاہم دوسرے ہٹ دھرم مولوی کی طرح وہ کسی کو قوالی نہ سننے پر مجبور بھی نہ کرتے تھے، ——— لیکن ان کی مرنجاں مرنج طبیعت اور زہد و ورع کا ہر شخص پر ایسا اثر تھا کہ ان کو دیکھتے ہی باجے بند کرا دئیے جاتے تھے، اور کوشش ہوتی تھی کہ کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو حالاں کہ ان کے برعکس جب ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے بارسوخ اور بااثر مخالف سماع علماء درگاہوں میں آتے تھے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی باجے بند نہیں کرائے جاتے تھے اور مزامیر کے ساتھ قوالی جاری رہتی تھی۔ (ص-۴)

(۳)

بیان کیا جاتا ہے کہ شام کو وضو کر کے حضرت سجادہ پر تشریف فرما تھے کہ روح پرواز کر گئی، وصال کی خبر آناً فاناً ساری دلّی میں پھیل گئی، دوسرے دن صبح نو بجے نماز جنازہ کا اعلان ہوا تھا، اور خیال تھا کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب میں تدفین ہوگی، لیکن مجمع کثیر کی بنا

سے سارے انتظامات درہم برہم ہوگئے اور ہزارہا کا مجمع حضرت کے جنازے کو کندھوں پر اٹھائے جامع مسجد کی طرف لے چلا، بڑیوں کا کٹرہ فراش خانہ، لال کنواں، سرکی والاں، حوض قاضی، چاوڑی بازار کے تمام راستے بند ہوگئے، ٹریفک پولیس کو بھی سخت دشواریاں پیش آئیں، کندھا دینے والوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب جلوس کا اگلا حصہ جامع مسجد پر پہنچا ہے پچھلا حصہ قاضی حوض پر موجود تھا۔

(۴)

جامع مسجد میں زوال آفتاب کے بعد دلی کے مشہور گوشہ نشین عالم اور بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن زید فاضل جامعہ ازہر و سجادہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہاں سے جنازہ چاندنی چوک ہوتا ہوا پھر دوبارہ مسجد جامع فتحپوری پہنچا اور مسجد کے صحن ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ دلی اور اطراف کے بے شمار مسلمان جن میں ہر خیال اور عقیدے کے لوگ تھے نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے، جلوس میں غیر مسلموں نے بھی کثیر تعداد میں حصہ لیا، چاندنی چوک اور چاوڑی بازار جو خالصتاً ہندوؤں کے علاقے ہیں، ہندو سکھ دوکاندار جنازے کو دیکھ کر احترام سے کھڑے ہو جاتے تھے، چاوڑی بازار میں تو جنازے پر پھول بھی برسائے گئے یہ سارا انتظام بالکل غیر اختیاری طور پر اور پہلے سے طے کئے بغیر ہوا، راستے بھی خود بخود بند ہوتے چلے گئے یعنی ہر قسم کی سواریوں کا آنا جانا رک دیا گیا۔ اور جنازہ بھی غیر اختیاری طور پر پہلے جامع مسجد پہنچا اور نماز کے بعد پھر دوبارہ فتح پوری کی جامع مسجد میں آگیا، حالاں کہ اعلان یہ ہوا تھا کہ نماز جنازہ فتح پوری میں اور تدفین درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی دنیا کو دکھانا چاہتا تھا جو ساری عمر شہرت سے بچ کر گوشہ نشین رہتے ہیں اور خاموشی سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ (ص - ۵)

(۵)

حضرت کا آخری سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد ہی پر ختم ہوا اور مئے حب الٰہی سے سرشار اس بزرگ کو جو امام شہر بھی تھا اور صاحب سجادہ بھی ہزاروں مومن مسجد سے مسجد تک کے سفر میں اسی طرح دوش بدوش لے گئے کہ حافظ کا یہ شعر نئے معنی و مفہوم میں سب پر آشکارا ہوگیا کہ ؎

زکوئے میکدہ دوش بدوش می بردند
امام شہر کہ سجادہ می کشید بدوش (ص - ۵)

اخبار الجمعیۃ (دہلی) نے حضرت کے سانحۂ ارتحال کو نمایاں طور پر شائع کرتے ہوئے لکھا۔

آسمانِ سلوک و طریقت کا آفتاب غروب ہو گیا

دہلی ۹ ہر نومبر۔ یہ خبر انتہائی حزن و ملال کے ساتھ پڑھی جائیگی کہ
فتح پوری مسجد کے شاہی امام حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب نے
کل شام ۵ بجکر ۴۰ منٹ پر اس دار فانی کو خیر باد کہہ دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

جنازہ دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مسجد فتحپوری سے جامع مسجد لایا گیا جہاں بارہ بجکر ۴۰ منٹ پر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں ایک بڑا ہجوم تھا، جمعیۃ علمائے ہند، اخبار الجمعیۃ اور دیگر اداروں کے نمائندگان اور شہر کے معززین و عوام نماز جنازہ میں شریک ہوئے، بعد نماز جنازہ مسجد فتحپوری واپس لایا گیا جہاں ظہر کے بعد جسد خاکی کو سپرد آغوش رحمت کر دیا گیا۔

انتقال پُر ملال کی خبر ملتے ہی شام کو بغرض تعزیت ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند حضرت مولانا اسعد مدنی، حضرت مولانا عبد الحلیم صدیقی، مولانا وحید الدین قاسمی صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند اور جنرل منیجر اخبار الجمعیۃ دہلی مرحوم کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور دوپہر تک پس ماندگان کے پاس بیٹھے رہے، جمعیۃ علمائے ہند اور اخبار الجمعیۃ دونوں مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور پس ماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا۔

(الجمیعۃ (دہلی) ۲۸ ر نومبر ۱۹۶۶ء)

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی نے حضرت قبلہ قدس سرہ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے غم انگیز تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے الجمیعۃ (۲۸ ر نومبر ۱۹۶۶ء) میں تحریر فرمایا۔

حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حسرت آیات ملت کیلئے ایک افسوس ناک سانحہ اور دینی حلقہ کے لئے ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے۔

مفتی صاحب ایک عالم باعمل اور فقہ حنفی کے مروجہ جزئیات پر اچھی نظر رکھنے والے بزرگ تھے موصوف عرصہ سے شدید علالت میں مبتلا تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے۔

۴۷ء کے ہنگاموں میں مفتی صاحب نے بڑے استقلال کا ثبوت دیا، اور مسجد فتحپوری کی روحانی عظمت کو برقرار رکھا مفتی صاحب نے مشائخ دہلی کی اعتدال پسندانہ روش کو بڑی حد تک نبھایا (ارتقاء) کے فتنہ کو پھیلانے والے طبقہ کی کبھی ہمت افزائی نہیں کی۔

حضرت حق حضرت مفتی صاحب کے اعلیٰ علیین میں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے، اور مفتی صاحب کے
شریف سیرت جانشین مولانا الحاج حافظ محمد احمد صاحب امام شاہی مسجد فتحپوری کو اس امر کی توفیق دے
کہ وہ اپنے والد محترم کا روحانی فیض جاری رکھ سکیں۔

اخلاق حسین قاسمی

اخبار ہمارا دور (دہلی) کے مدیر اعلیٰ عبدالجبار دہلوی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال
کی خبر ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں سیاہ حاشیہ دے کر نمایاں طور پر شائع کی انہوں نے لکھا۔

آہ

ناظرین کرام یہ غمناک خبر پڑھ کر انتہائی مغموم و نالاں ہوں گے کہ ۱۴ شعبان المعظم کو بعد عصر
مفتی اعظم حضرت مفتی محمد مظہر اللہ صاحب گذار عالم فردوس ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، حضرت
مفتی اعظم نقشبندیہ سلسلے کے بڑے بزرگ اور ولی کامل تھے۔ اس صدمۂ جانکاہ میں ادارہ ہمارا دور
حضرت موصوف کے صاحبزادگان اور پسماندگان اور متوسلین کے برابر کا شریک ہے، حق
تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ادارہ)

اخبار دعوت (دہلی) نے بھی ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع کی، اس نے لکھا۔
دہلی ۳۰ نومبر، جیسا کہ پہلے اطلاع دی جا چکی ہے شاہی مسجد فتحپوری دہلی کے امام مفتی مولانا مظہر اللہ
صاحب کا ۲۸ نومبر کی شام کو انتقال ہو گیا، جنازہ دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مسجد فتحپوری سے
جامع مسجد لایا گیا جہاں بارہ بجکر دس منٹ پر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جنازے میں شہر کے مسلم اکابرین
و عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی بعد نماز جنازہ مسجد فتحپوری لایا گیا جہاں ظہر بعد مرحوم کے
جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

اخبار الجمعیۃ (دہلی) نے ۳ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں بھی حضرت مرحوم کو ان الفاظ میں
خراج عقیدت پیش کیا :-

اس خبر کو مسلمان حلقوں میں بڑے رنج و افسوس کے ساتھ سنا گیا کہ مسجد فتحپوری،
دہلی کے شاہی امام مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے، مرحوم
مسلمانوں کے ہر طبقے میں احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور وہ متوسلین کا ایک بہت
بڑا حلقہ رکھتے تھے، مرحوم کو ہمیشہ مرجعیت اور مقبولیت حاصل رہی، عوام و خواص انہیں ایک

عالم دین کے ساتھ ہر دلعزیز مرجع بزرگ کی حیثیت سے پہچانتے تھے، مرحوم نے ۸۰ سال عمر پائی اور تمام عمر شاہی مسجد کی خدمت کرتے رہے، فتحپوری مسجد دلی اپنی قدامت اور بناوٹ میں بڑی شاہی جامع مسجد کے ہم پلہ ہے جو ہر نماز کے وقت لوگوں سے بھری رہتی ہے، کچھ دنوں سے مرحوم کو بڑی نقاہت تھی، اور امامت کے فرائض ان کے صاحبزادے انجام دیا کرتے تھے، دعا ہے کہ غفار و ستار خدا انہیں اپنے آغوش رحمت میں جگہ دے اور صاحبزادگان اور متوسلین کو صبر کی نعمت سے نوازے۔

پندرہ روزہ عزیز فقیر از (دہلی) نے ۵ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں پورے جوش عقیدت کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ وصال اور دیگر تفصیلات صفحۂ اول پر نمایاں طور پر شائع کیں اس نے لکھا۔

دنیائے تصوف کا شہنشاہ اور آسمان علم و عمل کا آفتاب غروب ہوگیا

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الحاج مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ شاہ صاحب کا انتقال پُر ملال

مسلمانان اہل سنت میں صف ماتم، نماز جنازہ میں عقیدت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم

دلی شعبان المبارک کی پندرھویں شب بروز پیر بعد نماز مغرب دنیائے اہل سنت میں یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سُنی گئی کہ دنیائے تصوف کے شہنشاہ اور آسمان علم و عمل کا درخشندہ آفتاب غروب ہوگیا یعنی حضرت الحاج مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ شاہ صاحب نقشبندی مجددی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلوی دنیائے فانی سے رحلت فرما کر اپنے معبود حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے وصال کی خبر دلی میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا آل انڈیا ریڈیو نے تقریباً سات مرتبہ حضرت کے وصال کی خبر ریلیز کی، مغرب کے بعد ہی سے حضرت کے دولتکدہ پر عقیدت مندوں کا بے پناہ ہجوم تھا، ساری رات ہزاروں عقیدت مندوں نے اپنے محبوب رہنما کا آخری دیدار کیا، صبح دس بجے تک مسجد فتحپوری میں حضرت کا آخری دیدار کرنے والوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم نظر آرہا تھا، ۲۹ نومبر صبح ۱۰ بجے حضرت کا جنازہ مسجد فتحپوری سے براستہ فراش خانہ لال کنواں، سرکی والاں، حوض قاضی، اور چاوڑی بازار سے جامع مسجد شاہجہانی میں لایا گیا، تمام راستہ میں ہزاروں عقیدت مندوں نے انتہائی رنج و غم کے ساتھ اس مقدس ہستی کا آخری دیدار کیا، حضرت کی نماز جنازہ جامع مسجد میں حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی

صاحب نقشبندی مجددی نے پڑھائی اور تقریباً تیس ہزار افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، عوام کے علاوہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کی ایک کثیر تعداد نماز میں شریک تھی، جامع مسجد سے حضرت کا جنازہ براستہ اسپلنڈر روڈ، چاندنی چوک، فوارہ سے مسجد فتحپوری لے جایا گیا جہاں علوم شریعت و معرفت کے اس بیش بہا خزینہ کو ہمیشہ کیلئے سپرد خاک کر دیا گیا۔ دلی کے تمام اخبارات نے اس خبر کو نہایت ہی عقیدت اور رنج و غم کے ساتھ صفحۂ اول پر شائع کیا اور اس دن دلی کے مختلف مسلم علاقوں میں حضرت کے غم میں ہڑتال کی گئی۔

(جلد ۱، شمارہ ۳۲، ص ۱)

پندرہ روزہ پیام مشرق (دہلی) کے مدیر محترم مستحسن فاروقی صاحب نے ہم اردسمبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں یہ تعزیتی پیغام شائع کیا :۔

وفات حسرت آیات

عالم باعمل، فاضل بے بدل، فقیہہ یگانہ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی حنفی نقشبندی شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی نے بتاریخ ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ (۲۸ر نومبر ۱۹۶۶ء) بوقت شام داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور شریعت و طریقت کا یہ مہر تاباں عین غروب آفتاب کے وقت ہمیشہ کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ جل شانہٗ اپنی مغفرت کاملہ سے نوازے اور جنت فردوس میں مراتب عالیہ سے سرفراز فرمائے حضرت مفتی صاحب کی وفات سے آپ کے معتقدین و متوسلین کو بالخصوص اور امت مسلمہ کو بالعموم جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی اس دور قحط الرجال میں ممکن نہیں اور اس اعتبار سے ان کے انتقال پر جس قدر بھی حسرت و ملال کا اظہار کیا جائے وہ کم ہے۔

ادارہ پیام مشرق اس غم میں حضرت مفتی صاحب کے متعلقین و معتقدین کے ساتھ شریک ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

محمد مظہر اللہ آپ کا تاریخی نام نامی ہے یعنی ۱۳۰۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور وفات کے وقت عمر شریف ۸۴ سال تھی، آپ نے پورے ساٹھ سال تک نہایت ورع و تقویٰ اور کمال تدین کے ساتھ دہلی کی عظیم الشان شاہی مسجد فتحپوری میں امامت فرمائی اور افتاء کی جلیل القدر خدمات انجام دیں آپ کی نماز جنازہ فاضل محترم حضرت زید ابو الحسن فاروقی نقشبندی متولی و سجادہ نشین درگاہ

حضرت شاہ ابوالخیر نے ۵ا شعبان کو قبل ظہر دہلی کی جامع مسجد شاہجہانی میں پڑھائی، دہلی اور بیرون دہلی کے ہزاروں مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور بعد نماز ظہر مسجد فتحپوری کے موسی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (ادارہ)

ہفت روزہ "استقامت" (کانپور) مورخہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۶۶ء جلد ... شمارہ نمبر ۱ میں حضرت قبلہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر نمایاں طور پر شائع کی گئی۔ قاضی محمد محبوب با محمد ... شہر امروہہ کے لطف و کرم سے یہ شمارہ راقم کو مل گیا تھا۔ اخبار مذکور نے لکھا ہے :-

حضرت مفتی مولینا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حسرت آیات

آخری وقت تک اسلام و سنت کی خدمت کے فریضہ کی انجام دہی

جامع مسجد شاہی فتحپوری دہلی کے خطیب و مفتی حضرت علامہ مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب نے تقریباً ... برس کی عمر میں ۱۴ شعبان المعظم کو بعد نماز مغرب جان، جان آفرین کے سپرد کی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر اثر فوری طور پر سارے شہر میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت مرحوم کی قیام گاہ پر سینکڑوں سوگواروں کا ہجوم ہو گیا، حضرت اکابر علمائے اہل سنت و جماعت میں سے تھے، آپ کی فراست ایمانی اور تفقہ فی الدین کو ہر حلقہ میں مقبولیت اور ہر طبقہ ... اور اپنوں کے ساتھ غیروں کو بھی آپ کے فتاوے قابل قبول ہوتے تھے، حکومت اور حکام بھی آپ کی علمی قدر و منزلت کا احترام کرتے تھے، تیرھویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے آپ نے اسلام و سنت کی تبلیغ خدمت کا انجام ہی شروع کی اور آخر وقت تک اس فریضہ کی ادائیگی جاری رکھی، وفات کے روز بھی ظہر کے وقت ایک فتویٰ تحریر فرمایا ——— نقشبندی چشتی، صابری اور قادری چاروں سلسلوں سے حضرت کی وابستگی تھی، زہد و اتقا، عبادت و ریاضت، شب بیداری اور تہجد گزاری میں قابل رشک حیثیت رکھتے تھے، کیا عجب کہ اس سلسلہ میں عشق الٰہی کی طلبی کے لئے شب قدر کی مبارک ساعت کا انتخاب کیا گیا جو ایک مرد مومن کے لئے سب سے بڑی سعادت اور باعث نجات ہے، مولیٰ تبارک تعالیٰ مرحوم کی آخری آرام گاہ کو نور و نکہت سے معمور کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ آمین،

ماہنامہ آستانہ (دہلی) جنوری ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۵، کالم ۱-۲ پر مدیر آستانہ جناب ... حسن فاروقی نے حضرت کو اس انداز سے خراج عقیدت پیش کیا :-

سلوک معرفت اور طریقت کے شیدائیوں اور علمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی حزن و ملال اور تاسف کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مسجد فتحپوری کے شاہی امام حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب ۲۸ نومبر کو واصل بحق ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

خدا کی شان ہے کہ جس شاہی مسجد کی امامت مرحوم نے ساری عمر کی اور خدمت کرتے رہے، جوان سے بوڑھے ہوئے اسی مسجد کے صحن میں آپ کو ابدی نیند سلا دیا گیا اور اسی مقدس شاہی مسجد میں آپ کو جگہ ملی۔ مرحوم سلوک طریقت کے امام تو تھے ہی شریعت کے بھی ایک مسلمہ عالم تھے اور مسلمانوں کے ایک طبقۂ فکر کی نمائندگی کا آپ کو فخر حاصل رہا، منصب فتاویٰ پر بھی آپ کامیابی کے ساتھ سرفراز رہے، مسلمان شرعی فتاوے کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، مرحوم نہایت منکسرالمزاج، سلیم الطبع، ملنسار اور اپنے متوسلین کے لئے عقیدت کی تکیہ گاہ تھے اور آخر تک آپ کو مرجعیت اور مقبولیت کا مقام حاصل رہا۔

انتقال کے بعد دلی میں جگہ جگہ قرآن خوانی ہوئی اور آپ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا، مسلمانوں کے لئے آپ کی رحلت ایک جانکاہ حادثہ ہے، پرانے بزرگ اور ارباب تقویٰ خال خال ہی باقی رہ گئے ہیں، دلی میں آپ کا وجود بسا غنیمت تھا، اب ایسے لوگ شاید مستقبل میں نظر نہ آسکیں گے، مشائخ طریقت کی مسندیں روز بروز خالی ہوتی جا رہی ہیں اور جانے والوں کا جانشین قسمت ہی سے دستیاب ہوتا ہے، آپ کی جگہ خالی ہو چکی ہے جسے مشکل ہی سے پر کیا جا سکے گا، مرحوم ایک مدت سے علیل چلے آتے تھے اور امامت کے فرائض آپ کے فرزند (مولانا محمد احمد صاحب) انجام دیا کرتے تھے، اب آپ کے بعد بھی یہی سلسلہ قائم رہے گا۔ اور امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز شاہی مسجد کی امامت اور خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کی جائیگی، دعا ہے کہ خالق اکبر مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور آپ پر خدا کی رحمتوں کا سایہ ہو اور اعزہ و اقربا اور متوسلین کو جناب احدیت سے صبر جمیل کی توفیق ملے، آمین۔

پاکستانی اخبارات

آل انڈیا ریڈیو کے اخبارات کی نشریہ میں حضرت کے سانحۂ وصال کی خبر سنائی گئی تو پاکستان میں حضرت کے معتقدین اور متوسلین میں صف ماتم بچھ گئی، کراچی، اور لاہور کے اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا، کراچی سے اخبار "آغاز" نے ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں یہ خبر اس طرح شائع کی :-

دہلی، ۲۹ نومبر۔ یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ کل فتحپوری دہلی میں مشہور عالم دین اور بزرگ مفتی محمد مظہر اللہ کا انتقال ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر شہر کے مسلمانوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی، مفتی صاحب کو آج سپرد خاک کیا جا رہا ہے، دہلی میں مسلمانوں نے اظہار غم کے طور پر آج ہڑتال کی ہے، ہزاروں مسلمان ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جوق در جوق پہنچ رہے ہیں، مفتی صاحب مرحوم مسجد فتحپوری کے امام تھے، اور بھارت اور پاکستان میں ان کے ہزارہا مریدین اور معتقدین موجود ہیں، ادارۂ آغاز مفتی صاحب کے سانحۂ ارتحال پر دلی تعزیت پیش کرتا ہے

(کالم ۴ و ۵، ص-۱)

اخبار جنگ (کراچی) نے یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں یہ خبر شائع کی :-

کراچی ۲۹ نومبر۔ آل انڈیا ریڈیو کی اطلاع کے مطابق برصغیر پاک و بھارت کے ممتاز عالم دین مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام جامع مسجد فتحپوری (دلی) کل انتقال کر گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون، آج دلی میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا، کل دلی کے مسلمانوں نے ان کے سوگ میں اپنا کاروبار بند رکھا، مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے جمعرات یکم دسمبر کو صبح نو بجے جامع مسجد آرام باغ میں قرآن خوانی ہوگی۔

اخبار انجام (کراچی) نے بھی یکم دسمبر مطابق ۲۰ شعبان المعظم کے شمارے میں یہ خبر اس طرح شائع کی :-

دہلی۔ ۲۹ نومبر۔ مشہور عالم دین اور بزرگ مفتی محمد مظہر اللہ کا گذشتہ روز یہاں انتقال ہو گیا مرحوم دہلی کی مسجد فتحپوری کے امام تھے، مفتی صاحب کو آج سہ پہر سپرد خاک کر دیا گیا، ہزاروں مسلمانوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، مسلمانوں نے اظہار غم کے لئے اپنی دکانیں کل اور آج بند رکھیں، مفتی محمد مظہر اللہ مرحوم کے بھارت اور پاکستان میں ہزاروں مرید اور معتقدین ہیں۔

پاکستان ٹائمز (لاہور) نے بھی یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں حضرت مرحوم کے سانحۂ وصال کی خبر شائع کی یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے :-

"بدھ کے روز لاہور آنے والی اطلاعات کے مطابق مفتی شاہ محمد مظہر اللہ امام جامع مسجد فتحپور سیکری (فتحپوری) طویل علالت کے بعد پیر کے روز دہلی میں انتقال فرما گئے"

اخبار نئی روشنی (کراچی) نے ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں ایک طویل اداریہ سپرد

قلم کیا یہاں اس کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :۔

امام اہل سنت کی رحلت

دہلی کی بزم صوفیا و اتقیاء و علماء سونی ہوگئی

(۱)

۲۹ نومبر مطابق ۱۵ شعبان المعظم امام اہل سنت مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا قاری مفتی مظہر اللہ نقشبندی مجددی کا وصال ہوگیا، اور یوں نہ صرف دہلی بلکہ برصغیر کی بزم صوفیاء و علماء حق سونی ہوگئی ——— حضرت علامہ مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی کی مسجد جہاں نما المعروف مسجد شاہجہانی کے بعد سب سے بڑی مسجد جامع فتحپوری کے شاہی امام زینت محراب و منبر تھے۔ حضرت مرحوم نے نسلاً بعد نسلٍ عہد شاہجہانی سے یہ منصب پایا تھا۔ آپ ایک جید عالم ہی نہ تھے بلکہ حدیث و فقہ کے امام وقت تھے، اور شریعت و طریقت کی شمع فروزاں تھے۔

(۲)

حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ اگرچہ بظاہر ایک گوشہ نشین بزرگ تھے، لیکن جن لوگوں کو ان کا قرب حاصل تھا یا ان کی دینی خدمات مخلصانہ سے واقف تھے وہ جانتے ہیں کہ دہلی میں ——— لاکھوں مسلمانوں کی مذہبی و ملی رہنمائی فرمائی۔

(۳)

ان کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ جب مسجد فتحپوری میں ۵ ستمبر جمعہ ۱۹۴۷ء گردوپیش بلڈنگ سے سنگھی ہندوؤں نے پہلا بم نمازیوں پر پھینک کر مسلمانوں کے قتل عام کا اعلان و آغاز کیا تو حضرت مرحوم نے اپنے مقام سے ذرا بھی جنبش نہ کی، مسلمانوں کو روکا، فلسفۂ شہادت و جہاد سے آگاہ فرما کر تلقین صبر و استقامت کی اور اس کے بعد اکتوبر کے آخر تک کوئی جمعہ نہ ہو سکا اور نواح مسجد کے تمام مسلمانوں کو مکانات چھوڑ کر جامع مسجد کے اطراف کے علاقے میں تہی دست بھیج دیا گیا، حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ مسجد کے بالمقابل والی گلی میں مع اہل و عیال مقیم رہے، مریدوں کی درخواست اور بلوائیوں کی دھمکیوں کے باوجود بھی وہ یہ علاقہ چھوڑ کر سفر پر رضامند نہ ہوئے۔ چنانچہ تائید غیبی ساتھ رہی، سنگھیوں کے مسلسل حملوں اور شب و روز فائرنگ کے باوجود مفسدین ناپاک عزائم گزند رسانی میں کامیاب ہوئے، نہ ہی حضرت مفتی محمد مظہر اللہ صاحب کے پائے استقلال میں لغزش آئی توکل بر خدا وہ اسی جگہ مقیم رہے اور مسجد فتحپوری میں نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ حالات اعتدال پر آگئے تو بھی

انہوں نے کسی ہندو وافضل علی یا کسی کانگریس وزیر وغیرہ کی تائید تعریف کی ـــــــــ مسلمانوں کے شکستہ دلوں کو اللہ رب العزت اور اس کے نبی برحق محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب راغب فرماتے رہے، ارشاد ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی آزمائش کرتے ہیں اور سورۃ العصر کی تفسیر بیان فرما کر ایمان پر استقامت، عمل صالح کی ترغیب، حق پر قیام اور تلقین صبر فرماتے اور کہتے کہ مسلمانوں کیلئے یہ دور کٹھن ہے ۔ (کالم ۲ ص ۲)

(۴)

حضرت مفتی محترم چند سال کا عرصہ ہوا پاکستان بھی تشریف لائے تھے صرف اپنے معتقدین کی درخواست پر، مختصر عرصے کے اس قیام میں ہزارہا افراد نے اس عاشق یزدانی کے دست حق پرست پر توبہ و استغفار کی، اور شرف بیعت حاصل کیا جب مریدین نے قیام پاکستان کی درخواست کی تو فرمایا کہ دہلی کے بے آسرا مسلمانوں کو بھی ایک خادم کی ضرورت ہے، یہاں اللہ کا کرم ہے آپ سب آرام وسکون سے ہیں خدا پاکستان کو اپنی رحمت سے نوازتا رہے فقیر کے لئے دہلی کا گوشہ کافی ہے، جسے چھوڑنا ممکن نہیں، اللہ اللہ یہ شان تھی حضرت مفتی اعظم کی ۔

(۵)

مفتی اعظم محمد مظہر اللہ صاحب مرحوم نے تحریک مسجد شہید گنج میں بھی نمایاں حصہ لیا تھا اور امیر شریعت حضرت محدث علی پوری اعلیٰ اللہ تعالیٰ (مقامہ) کے ساتھ انہوں نے بہت کچھ حصہ لیا، بہرحال اس دور پُر فتن میں صرف دہلی کے بے یار و مددگار راسخ العقیدہ مسلمانوں کی تسکین قلب بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ان کی ذات گرامی بڑی غنیمت و رحمت تھی۔ ان کا وصال حقیقتاً موت العالِم موت العالَم کے مصداق ہے، ان کی وفات سے شمع بزم اتقیاء خاموش ہو گئی، مسند فقہ اسلامی خالی اور دہلی سونی ہو گئی، ان کی ذات گرامی علمائے حق و سلف صالحین کا نمونہ کامل تھی، اتباع شریعت میں ان کا ثانی نہ تھا تقویٰ بزرگی میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، وہ بحر العلوم ظاہری و باطنی تھے، صاحب کشف و کرامات تھے، دہلی اور کراچی میں ان کے وصال پر لاکھوں مریدین کا سوگوار ہونا لازم ہے، اور اہل سنت کی مرثیہ خوانی برحق ہے، صوفیاء و مشائخین جس قدر بھی ملول ہوں وہ کم ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں تقرب خصوصی عنایت فرمائے ـــــــ آمین

(کالم ۳ و ۴، ص ۲)

ماہنامہ "رضائے مصطفیٰ" (گوجرانوالہ) کے شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء یا جنوری ۱۹۶۷ء میں مولانا زاہد الحسینی نے حضرت کے سانحۂ انتقال کے موقع پر اداریہ قلم بند کیا تھا، افسوس یہ شمارہ دستیاب نہ ہو سکا۔

حیدرآباد سے حافظ محمد حنیف نقشبندی کا یہ تعزیتی پیغام اخبار "جنگ"، ۷ دسمبر ۱۹۶۶ء/۲۳ شعبان ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا:-

موت العالِم موت العالَم

حیدرآباد، ۵ دسمبر۔ صدر جمعیۃ اہل سنت و الجماعت حیدرآباد حافظ محمد حنیف نقشبندی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ امام اہل سنت رشد و ہدایت شاہ محمد مظہر اللہ مفتی اعظم کا وصال ایک عظیم سانحہ اور پوری دنیائے اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے، مرحوم ایک عظیم المرتبت عالم دین ہی نہیں بلکہ روحانی پیشوا بھی تھے، جن کے فیوض و برکات سے ایک زمانہ مستفیض ہوتا تھا اور رشد و ہدایت کا یہ چشمہ ہند و پاک ہی کو نہیں بلکہ پورے عالم اسلامی کو سیراب کرتا تھا، آپ کے وصال پر ملال سے جو کمی رونما ہوئی ہے وہ مدتوں پُر نہ ہو سکے گی، دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (کالم ۶، ۷، ۸۔ ص۔ ۶)

پاک و ہند کے اخبارات میں فاتحہ خوانی کی خبریں

حضرت مرحوم کے سانحۂ وصال پر اظہار غم کے لئے مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے ہوئے اور فاتحہ خوانی کی گئی چند خبریں اخبارات کے ذریعے ہم کو پہنچی ہیں یہاں صرف ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اخبار "الجمعیۃ" (دہلی)، ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

"شریف منزل" میں اظہار تعزیت

بزم راحت اور کانگریس نیشنل اسٹڈی سرکل کی جانب سے حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات پر تعزیتی قرارداد پاس کی گئی۔

اخبار دعوت (دہلی) ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء

جلسۂ تعزیت

مولانا محمد مظہر اللہ صاحب امام شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی کو ایصال ثواب کے لئے اجتماع فراش خانہ یکم دسمبر، ۱۸ شعبان بعد نماز عشاء منعقد ہوا جس میں دعائے مغفرت کی گئی۔

اخبار تیج (دہلی)، ۵ دسمبر ۱۹۶۶ء

دہلی ۴ دسمبر جناب حضرت مولانا الحاج مفتی اعظم محمد مظہر اللہ صاحب امام شاہی

مسجد جامع فتحپوری دلّی زیر اہتمام عید میلاد کمیٹی فراش خانہ دلّی، رہائش جناب ایس۔ ایم۔ سلیم الدین صاحب ——— یکم دسمبر کو بعد نماز عشاء منعقد ہُوا جس میں جناب حافظ طیب صاحب قریشی اشرفی، جناب ایس۔ ایم سلیم الدین، جناب نصیر احمد صاحب امروہوی و دیگر اہل عقیدت حضرات نے اظہار عقیدت کیا اور دعائے مغفرت کی۔

اخبار الجمعیۃ (دہلی) ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

بروز جمعرات ۹ بجے صبح مسجد فتحپوری دلّی میں قرآن خوانی ہوگی اور مفتی مظہر اللہ صاحب کی روح پُر فتوح کو ایصال ثواب کیا جائے گا۔ محمد احمد صاحب امام مسجد فتحپوری دہلی کی عقیدت مند حضرات سے استدعا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کریں۔

(ادارہ)

اخبار جنگ (کراچی) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء، ص-۱۰، کالم ۷ و ۸

اطلاع ضروری

جملہ احباب و وابستگان سلسلہ شریفہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مفتی اعظم الحاج شاہ حافظ محمد مظہر اللہ صاحب امام شاہی مسجد فتحپوری دہلی کا بروز پیر دہلی میں انتقال ہو گیا، بروز جمعرات صبح ۹ بجے بتاریخ ۷ ار شعبان المعظم جامع مسجد آرام باغ میں قرآن خوانی و قل شریف ہوگا اور جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ قرآن خوانی ہوگی اور تعزیتی جلسہ ہوگا۔

اخبار جنگ (کراچی) ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء/ ۱۸ شعبان ۱۳۸۶ھ، ص-۳، کالم ۶

کراچی، ۳۰ نومبر، برصغیر کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب کے سوئم کے سلسلے میں یکم دسمبر بروز جمعرات صبح نو بجے جامع مسجد آرام باغ میں قرآن خوانی ہوگی۔ دہلی میں مسجد فتحپوری کے پیش امام تھے اور آپ کا وصال ۲۸ نومبر کو دہلی میں ہوا تھا۔

اخبار نئی روشنی (کراچی) ۴ دسمبر، ص-۴، کالم-۳

امام اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند الحاج حافظ شاہ محمد مظہر اللہ مرحوم امام

شاہی مسجد فتحپوری دہلی کے ایصال ثواب کے لئے بروز اتوار بتاریخ ۱۴ شعبان
المعظم صبح ۸ بجے بمقام اولیاء جامع مسجد ایریا کی ۳۴، لانڈھی، کراچی میں
قرآن خوانی و قل شریف ہوگا ۔

اخبار جنگ (کراچی) ۷ دسمبر ۱۹۶۶ء / ۲۳ شعبان ۱۳۸۶ھ، ص-۲، کالم-۴

کراچی ۶ دسمبر، مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کے دفتر میں مولانا مفتی مظہر اللہ
صاحب کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور ایک تجویز تعزیت منظور کی گئی جس
میں مولانائے مرحوم کے خاندان کے تمام افراد سے عموماً اور مولانا مظفر احمد
صاحب سے خصوصاً ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے، تجویز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ
مولانا کے انتقال سے سنیئے اہل سنت کا نقصان عظیم ہوا ہے، اللہ
تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے ۔

اخبار امروز (لاہور) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

لاہور، ۳۰ نومبر یکم دسمبر ۲½ بجے سے ۵ بجے شام تک بزم احباب
طریقت نقشبندیہ مظہریہ کے زیر اہتمام حضرت مفتی محمد مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ
علیہ کی رسم قل شریف حاجی رفیق الدین پان والے کے مکان واقع جان محمد
روڈ نئی انارکلی میں ہوگی ۔

اخبار پاکستان ٹائمز (لاہور) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

حاجی رفیق الدین صاحب کے دولت کدے سے واقع جان محمد روڈ، نئی انارکلی
میں آج نماز ظہر کے بعد آپ کے لئے قرآن خوانی ہوگی ۔

حضرت کی سالانہ فاتحہ کے سلسلے میں پہلے عرس شریف پر کراچی اور لاہور میں خاص اہتمام
کیا گیا، کراچی میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کئے گئے جن کا یہ مضمون تھا ۔

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، رہبر شریعت و طریقت، واقف اسرار حقیقت، امام اہل سنت حضرت
مولانا و مقتدانا مولوی حافظ قاری ابی و استاذی و مجازی مفتی اعظم الہند الحاج محمد مظہر اللہ شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی، مجددی، قادری چشتی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی کا عرس مبارک
مندرجہ ذیل اوقات میں ہوگا ۔

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۶۶ء روز جمعہ بعد نماز عشاء جامع مسجد

آرام باغ کراچی میں جلسہ ہوگا، جس میں علمائے کرام فضائل شب برات اور آپ کی سیرت مبارکہ پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۵ شعبان المعظم بروز ہفتہ بمقام جامع مسجد آرٹیلری میدان ملا بعد نماز ظہر تا عصر تلاوت قرآن پاک بعد نماز عصر قل شریف ہوگا۔

اسی طرح لاہور میں عرس شریف کے موقع پر جو دعوت نامے شائع ہوئے ان کا یہ مضمون تھا۔

سلطان العارفین، قدوۃ السالکین، یگانۂ حضرت صمدیت، مقبول بارگاہ احدیت شیدائے تاجدار مدنی، مستغرق الی اللہ، مظہر العلوم الجلی و الخفی، اعلیٰ حضرت مفتی اعظم اہل سنت و الجماعت شاہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز خطیب شاہی مسجد جامع، فتح پوری دہلی کا پہلا عرس مبارک بجانب بزم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ لاہور مورخہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۶۷ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء بمکان حاجی رفیق الدین صاحب پان والے واقع جان محمد روڈ نئی انار کلی لاہور منعقد ہوگا۔

لاہور کے اخبارات کے ذریعہ بھی عرس شریف کا اعلان کیا گیا چنانچہ مندرجہ ذیل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی:۔

"بزم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ کے زیر اہتمام جمعہ ۱۷ نومبر کو بعد نماز عشاء مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مظہر اللہ کا پہلا سالانہ عرس حاجی رفیق الدین (پان والے) کے مکان واقع جان محمد روڈ نئی انار کلی میں منعقد ہوگا۔"

(کوہستان (۱۷ نومبر ۱۹۶۷ء)، نوائے وقت (۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء)، مشرق (۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء))

اخبارات کے علاوہ اشتہارات کے ذریعہ بھی اعلان کیا گیا چنانچہ اس موقع پر "بزم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ، لاہور" کی جانب سے جو اشتہار شائع ہوا اس کا مضمون یہ تھا۔

سالانہ عرس شریف

حضرت سلطان العارفین، قدوۃ السالکین، اعلیٰ حضرت مفتی اعظم اہل سنت و الجماعت شاہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطیب شاہی مسجد جامع، فتح پوری دہلی

کا

پہلا عرس مبارک

زیر صدارت

حضرت صدر المشائخ آغا فضل عثمان جان مجددی کابلی دامت برکاتہم العالی

منعقد ہو گا

جوق در جوق تشریف لا کر سعادت دارین حاصل کریں

نوٹ :- اس مضمون کے بعد ان قراء اور مقررین کرام کے اسماء گرامی ہیں۔ قاری غلام رسول صاحب، حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب، پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب، مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی، مولوی محمد اکرم حسین صاحب مجددی، مولانا خلیل احمد صاحب قادری اور حافظ محمد صدیق مظہری ——— اشتہار کے اوپر مقام اور تاریخ عرس وغیرہ بھی دی ہے

تیرھواں باب

مناقب

مناقب

حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی مدح میں اکثر شعراء نے مناقب و قصائد لکھے ہیں، ابتدائی دور کے قصائد میں صرف عبداللہ محمد شریف مکی کا عربی قصیدہ دستیاب ہو سکا ہے جو انہوں نے تیس سال قبل ۱۹۳۹ء میں پیش کیا تھا، ۱۹۴۵ء میں جب حضرت زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے تو اس موقع پر بھی مخلصین نے منقبتیں پیش کیں، حضرت عبدالواحد یکتا دہلوی مرحوم نے بھی اسی مبارک موقع پر منقبت پیش کی تھی، مگر افسوس یہ تمام ادبی سرمایہ محفوظ نہ رکھا جا سکا۔ ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو اس موقع پر اکثر معتقد شعراء نے منقبتیں پیش کیں جو محفوظ رہ گئی ہیں اسی طرح ۱۹۶۴ء میں حضرت کے وصال کے موقع پر جو منقبتیں یا قطعات تاریخ وصال لکھے گئے یا شائع کئے گئے ان میں سے بعض محفوظ کر لئے گئے۔ چند منقبتیں شاید شکوہ الفاظ و معنی کے اعتبار سے اور دیگر فنی خوبیوں کے لحاظ سے کم تر درجہ کی سمجھی جائیں مگر یہ بزم مشاعرہ نہیں، بزم عشق ہے، جنون محبت میں جس نے جو کچھ کہا ہے وہ سب پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱)

قصیدہ

فی مدح مولٰینا مفتی الحاج امام صاحب مسجد فتح پوری ادام اللہ فیوضہم

الا قولی لنا لمّا سقینا ۔۔۔ کؤوس لعشق دھر اشھرینا

وتنھا فی ریاض الحسن عمرًا ۔۔۔ وکنا للجمال مسخرینا

ودمنا یا ملیحۃ فی غرام ۔۔۔ وکان الوقت صاف تنشدینا

اما فی الحب دھرًا فی ھدوء ۔۔۔ بغرفٍ لعود تشجی السامعینا

من الوجنات وردًا قد شممنا ۔۔۔ قطفنا جلنارا الیاسمینا

فمنّی بالوصال علی حتی ۔۔۔ یتم لی الانس حقًا واطربینا

بلحن من رخیم الصوت یدعو ۔۔۔ جمیع الناس سکری مذعنینا

وقومی فی الانام وقد عراھم ۔۔۔ من الصھباء سکروا رقصینا

فرقص لنا عشيًا هو الندامى ۔۔۔ ولحن الشعر اذا لها ثمينا
عزام بين تقبيل وضم ۔۔۔ وجاء الوصل بين الحاضرينا
وقطف الورد من خد العذارى ۔۔۔ حياة القلب عند لقاصدينا
ورشف الخمر من ثغر الغوانى ۔۔۔ مدام الروح شان العازمينا
وشكر من رحيق الثغر شفقًا ۔۔۔ وهذ الحضر قصد الطالبينا
كذا اهل الهوى يرووا حديثا ۔۔۔ نعيم العمر نجوى العاشقينا
ولكن الانام لهم شئون ۔۔۔ وفي الاذواق شتى سائرينا
فاهل العلم موردهم جميعًا ۔۔۔ امام القوم خير السالكينا
امام كامل يدعى بحق ۔۔۔ محمّد مظهر الله الامينا
امام المسجد المشهور قدما ۔۔۔ فتحپوری مقام الذاكرينا
وريث منصبًا يدعوه شاهی ۔۔۔ من الآباء حقًّا مستبينا
نحق الله يدعو بلعتصام ۔۔۔ وارشاد الحب الصالحينا
ادمه يا الهى فى سرور ۔۔۔ بحرمة خير خلقك اجمعينا
مع الانجال يا ربى فصنه ۔۔۔ وللاسلام دومًا مخلصينا
وبالاقطاب يا ربى رجونا ۔۔۔ تقبل من شريف الماجدينا

بقلم الضعيف عبد الله محمد شريف المكّی مؤرخ الهند العربی سنة ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

(۲)

منقبت

در مدح حضرت مولانا مفتی اعظم الحاج محمد مظہر اللہ دامت برکاتہم العالی

مظہر شان حضرت داور ۔۔۔ مایۂ ناز دین پیغمبر
سرت افراشتہ بہ نُہ فلک ۔۔۔ اہل سر پیش تو خمیدہ بسر
سینۂ تو خزینۂ صمدانہ ۔۔۔ یعنی صدرت مصادر المصدر
دستہا زیر دست تو مجبور ۔۔۔ دست تو چیز ساقی کوثر

زہے تقدیر ساکستان پاک | یافت از ہند بے بہا جوہر
اسم والائے جوہر موصوف | مظہر اللہ بہ تسمیہ اظہر
پانہادہ بخاک خطۂ پاک | خطۂ پاک شد ز پا اطہر

مقدمت شد چو کہکشاں تاباں
مطلعت شد چو مطلع خاور

اے کہ از بہر روئے شمس و قمر | وے کہ خاکت بمشتری ہمسر
منقلب کرد جنبش نظرت | بخت وارثوں بقسمت یاور
حضرت الحاج مفتی محمود | نقشبندی و قادری ذاولر
واعظ و عالم اجل در عہد | عارف در راہ معرفت رہبر
سوئے ہندوستان بصد اصرار | چاردہ سال پس نمود سفر
تحفہ آورد بہر تشنہ لباں | للہ الحمد حضرت مظہر
ظل دائم بماند بر سرما | منت بے بدل نہادہ بسر

مطلع باز میا وردم
چوں من الشمس روشن و اظہر

اندریں دور کیست طالع ور | مثل خدام اہل ایں کشور؟
شد مقدر زیارت حضرت | صد ہزاراں سپاس از داور
اے کہ فرخندہ پے سلیماں بخت | وے خجستہ قدوم و فرخ فر
پیش تو تہہ کنند زانوئے خویش | عالماں عارفاں سخن گستر
التفات تو نردبان عروج | نفست ہمچو ابن مریم اثر
ماغریبان دور افتادہ | عرضہ داریم بہر قرب نظر
ہمہ ارکان انجمن تبلیغ | ارمغاں آورند قلب و جگر
خاصتاً حضرت بدایونی | صرف تبلیغ ہست شام و سحر
بر سر ما بماند پر تو تو | تا بہ ادوار دور شمس و قمر

پیشکش خادم حمایت ساخت
ایں گہر پوارہ تبار نظر

پیش کردہ

قاضی محمد حمایت اللہ، پرنسپل دانش کدہ، کراچی، ۱۶؍اکتوبر ۱۹۶۱ء[1]۔

(۲)

منقبت

در مدح حضرت الحاج مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد فتحپوری۔ دہلی

عالم و فاضل، فقیہ، مقتدائے عارفاں — شیخ دوراں مظہر اللہ، مفتی ہندوستان

اے خوشا قسمت کہ پاکستان میں ہیں آئے ہوئے — مستمندان زیارت سب کے سب ہیں شادماں

آپ اصحاب سلف کی ہیں مقدس یادگار — کائنات اتقا کے ہیں آپ روح رواں

ہیں امام اہل سنت ارض پاک و ہند میں — علم و فضل و زہد میں ہیں آپ مشہور جہاں

گو خطیب باصفا مسجد فتح پوری میں ہیں — ایشیا میں آپ کی عزت مگر ہے بے کراں

ہیں خدا و مصطفےٰ کے عشق میں سرشار آپ — صاف نور معرفت ہے آپ کے رخ سے عیاں

آپ کے ہیں معترف سب عالمان ارض پاک — آپ کی تقدیس کے قائل ہیں سب پیر و جواں

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری — آپ وہ جوہر ہیں جس کے اہل حق ہیں قدرداں

---

[1] (۱) حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہ العالی نے ۱۹۶۱ء میں کراچی میں حضرت قبلہ قدس سرہ کی آمد کے موقع پر ۱۶؍اکتوبر کو اپنے دولت کدے پر عصرانہ دیا تھا، یہ منقبت اس میں پڑھی گئی تھی (۲) حضرت قبلہ قدس سرہ ۱۹۶۱ء تک پاکستان تشریف نہیں لائے تھے اور نہ کوئی ارادہ تھا حضرت کے بڑے داماد اور حضرت مولا رکن الدین صاحبؒ کے جانشین حضرت مولانا محمد محمود صاحب مدظلہ العالی دہلی تشریف لے گئے اور حضرتؒ کو پاکستان تشریف لانے پر مجبور کر دیا موصوف پر حضرتؒ کی خاص نظر تھی، ان کی محبت کی خاطر حضرتؒ نے دعوت قبول فرمائی اور ۱۹۶۱ء میں پہلی بار پاکستان تشریف لائے، منقبت کا دوسرا بند اسی پس منظر میں پڑھا جائے۔

آپ کا آنا مبارک مجلس احباب کو ۔ ہے ملاقات آپ کی وجہ سکون دوستاں
روز افزوں اتقا ہو آپ کا مخلوق میں ۔ آپ عمر خضر پائیں آپ عیش جاوداں
آپ کا سایہ رہے قائم جہانِ زہد میں ۔ آپ ہیں صدر شریعت آپ میر کارواں

ہے ضیاءؔ دیرینہ واقف مظہر اللہ شاہ سے
حضرت ممدوح ہیں دیرینہ میرے مہرباں

پیش کردہ مولانا ضیاء القادری بدایونی متخلص بہ ضیاء ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کراچی[۱]

(۴)

منقبت

در مدح حضرت الحاج مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی
مدظلہ العالی

کراچی میں ہوئی آمد ہے ایک شیخ طریقت کی ۔ مسرت خیز ہے جس سے فضا اہل شریعت کی
وہ عالم جن کے فضل کی ہے دھوم ہر جانب ۔ بنی مرکز ہے دہلی آپ کے علم و فضیلت کی
جناب مظہر اللہ مفتی اعظم فتح پوری ! ۔ فتح پوری ہوئی جن سے ہمیشہ اہل سنت کی
ہمیشہ سرنگوں تبلیغ سنت میں رہتے ہیں ۔ ہے شہرت چار جانب آپ کے رشد و ہدایت کی
تمامی عالموں نے انجمن تبلیغ کے مل کر ۔ برائے خیر مقدم حامدی منزل ہے دعوت کی
کھلا اہلاً و سہلاً مرحبا کا شور محفل میں ۔ ہر اک عالم ہر اک شیخ طریقت جس نے شرکت کی

سلامؔ قادری تنہا نہیں اک مدح خواں ان کا
ہے قائل ساری دنیا معترف ان کی عظمت کا

پیش کردہ مولانا عبد السلام باندوی مرحوم متخلص بہ سلام، ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کراچی[۲]

---

[۱] یہ منقبت بھی حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی مدظلہ العالی کی طرف سے دیئے گئے عصرانہ میں حضرت ضیاء بدایونی نے پیش کی تھی۔

[۲] یہ منقبت حامدی منزل میں ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو مولانا عبد السلام باندوی مرحوم نے پیش کی تھی۔

نذرِ عقیدت

از فکر مسیح الکلام حضرت زیبا ناروی مد ظلہ

بسلسلۂ تشریف آوری

حضرت امیر شریعت پیر طریقت کامل الاتقیا امام اہلسنت ... حضرت **محمد مظہر اللہ شاہ صاحب** نقشبندی مجددی قادری چشتی ...

خطیب مسجد جامع فتحپوری دہلی

خوشا وقتے بہاریں لے کے وقت خوشگوار آیا ۔ خوشا روزے کہ روزِ کامگار و سازگار آیا

عجب ہے کوچۂ حسرت کے سنگ و خشت کا جلوا ۔ نظر آیا نظر کو آفتابِ چشت کا جلوا

نگاہِ آرزو پر قادری تنویر چھائی ہے ۔ جدھر دیکھو بہارِ نقشبندی رنگ لائی ہے

خدا شاہد ہے پوچھو دیدۂ ارماں نے کیا دیکھا ۔ جبینِ دل نے پایا ہے آئینہ حسنِ مجدد کا

مقدر سے زیارت ہو گئی ہے ایسے پیکر کی ۔ کہ جس کی ہر نظر اک موج دیکھی حوضِ کوثر کی

تجلی جس کی حسنِ اتقا میں ہر طرح کامل ۔ تصرف جس کے اہلِ ذوق کی امید کا حاصل

شریعت کا جو حامل ہے طریقت میں جو کامل ہے ۔ رسول اللہ کی حب جس کی منزل ہے

جو پیر اپنے مرشد کا جو پیروں میں بہت بہتر ۔ جو ہر دم مہرباں ہر طور سے اپنے مریدوں پر

وہ ذاتِ پاک پاکستان میں تشریف لائی ۔ مرے غربت کدہ نے بھی مقدر سے ضیا پائی

یہ لطف و مہربانی یہ توجہ ہم غلاموں پر ۔ یہ ہم خوش گمانی یہ توجہ ہم غلاموں پر

ہے مسعود قسمت آج لمحے کیا سعید آئے ۔ محمد مظہر اللہ شاہ تشریف اس طرف لائے

تمنا دید کی نکلی کہ اب حاصل حضوری ہے ۔ خدا رکھے جدھر دیکھو فضا نوری ہی نوری ہے

عمرؔ آج کا دن کیا ہے روزِ عید ہے مجھ کو

بہر صورت نگاہِ خاص کی امید ہے مجھ کو

ملتمس

نیاز مند ناچیز **محمد عمر قریشی** مظہری نقشبندی لاہور

عکس منقبت از حضرت زیبا ناروی جو ۱۹۶۱ء میں قیام لاہور کے دوران حکیم محمد عمر قریشی صاحب نے حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پیش کی

(۵)

سجع

کلام حق ہے فرمانِ محمد ۔۔۔ زہے شانِ خدا شانِ محمد
یہی کہتے ہیں مل کر سب حق آگاہ ۔۔۔ یقیناً ہیں محمد مظہر اللہ

پیش کردہ عزیز الملک مولانا محمد یوسف سلیمانی، کراچی، ——— سنہ ۱۹۶۱ء

(۶)

نذرِ عقیدت

اثرِ فکر فصیح الکلام حضرت زیبا ناروی مدظلہ
بسلسلۂ تشریف آوری

حضرت امیرِ شریعت، پیرِ طریقت، کامل الاتقیا، امام اہلسنت والجماعت
آقائی و مولائی حضرت محمد مظہر اللہ شاہ صاحب نقشبندی مجددی چشتی قادری
دام فیوضہم الجاری

خطیب مسجد جامع ——— فتح پوری دہلی

خوشا وقتے، بہایں لیکے وقت خوشگوار آیا ۔۔۔ خوشا روزے کہ روز کامگار و سازگار آیا
عجب ہے کوچۂ حسرت کے سنگ و خشت کا جلوا ۔۔۔ نظر آیا نظر کو آفتابِ چشت کا جلوا
نگاہِ آرزو پر قادری تنویر چھائی ہے ۔۔۔ جدھر دیکھو بہار نقشبندی رنگ لائی ہے
خدا شاہد نہ پوچھو دیدۂ ارماں نے کیا دیکھا؟ ۔۔۔ جبینِ دل پہ پایا ہے آئینہ حسنِ مجددؒ کا
بقدر سے زیارت ہو گئی ہے ایسے پیکر کی ۔۔۔ کہ جس کی ہر نظر اک موج دیکھی حوضِ کوثر کی
تجلّی جس کی حسنِ اتقا میں ہر طرح کامل ۔۔۔ تصرف جس کے اہلِ ذوق کی امید کا حاصل
شریعت کا جو حامل ہے طریقت میں جو کامل ہے ۔۔۔ رسول اللہ کی سچی محبت جس کی منزل ہے
جو پیرو اپنے مرشد کا جو پیروں میں بہت بہتر ۔۔۔ جو ہر دم مہرباں ہر طور سے اپنے مریدوں پر
وہ ذاتِ پاک پاکستان میں تشریف لے آئی ۔۔۔ ہر سے عزیمت کدۂ نے بھی عقیدے سے ضیا پائی
یہ لطف و مہربانی یہ توجہ ہم غلاموں پر ۔۔۔ یہ ہیں ہم خوش گمانی یہ توجہ ہم غلاموں پر

زہے مسعود قسمت آج لمحے کیا سعید آئے
محمد مظہر اللہ شاہ تشریف اس طرف لائے

تمنا دید کی نکلی، کہ اب حاصل حضوری ہے
خدا رکھے جدھر دیکھو فضا نوری ہی نوری ہے

عمر یہ آج کا دن کیا ہے، روز عید ہے مجھ کو
بہ ہر صورت نگاہ خاص کی امید ہے مجھ کو

پیشکردہ

عاجز و ناچیز محمد عمر قریشی مظہری نقشبندی، لاہور، ۱۹۶۱ء

(۷)

منقبت

در شان والا صفات، قطب الاقطاب، بحر اسرار الٰہیہ، دلیل عرفاؤ محققین، ختم علماء راسخین، شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت مفتی اعظم، مولانا مولوی الحاج الحافظ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب نقشبندی، مجددی، چشتی القادری دہلوی، دامت برکاتہم العالی۔

محمد مظہر اللہ میرے ماویٰ میرے ملجا ہیں
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

میرے ہاتھوں میں دامن ہے محمد مظہر اللہ کا
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

حضور قلب سے کہہ کر سکون قلب پاتا ہوں
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

الٰہی وقت آخر ہو مرے ورد زبان جاں
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

فرشتے قبر میں کہہ کر اٹھائیں مظہری مجھ کو
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

کہوں گا حشر میں بھی فخر سے پیش خدا ہو کر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

خدا شاہد ہے مجھ کو ناز ہے یوں اپنی قسمت پر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

رہے ہر دم یہی لب پر محمد احمد مضطر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

عرض نیاز

کمترین بندگان دربار مظہری محمد احمد قریشی دہلوی، لاہور، ۱۹۶۱ء

۸

ہوالظاہر

۷۸۶

درمنقبت قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حجۃ الکاملین، سند الواصلین، مظہر العلوم الخفی والجلی، مرشدی ومولائی اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم، مولانا مولوی الحاج الحافظ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی مجددی چشتی القادری دہلوی، دامت برکاتہم العالی۔

محمد مظہر اللہ ہیں محمد مظہر اللہ ہیں
میرے پیش نظر ہر دم محمد مظہر اللہ ہیں

مری آنکھوں سے دیکھے کوئی جلوے حسن مظہر کے
محمد مظہر اللہ، مظہر انوار طیبہ ہیں

ملی جن کی بدولت، دولت حُبّ نبی مجھ کو
وہ میرے قبلۂ دیں، کعبہ جاں مظہر اللہ ہیں

یہ ہادی، رہبر عالم، امام و مفتی اعظم
یہ اوصاف حمیدہ پیر کامل سب میں یکتا ہیں

بیان کیا کیا کروں تعریف اپنے پیر و مرشد کی
یہ اعلیٰ ہیں، یہ بالا ہیں، یہ ارفع ہیں یہ اولیٰ ہیں

مجھے یہ فخر حاصل ہے، میں اس پر ناز کرتا ہوں
کہ میرے سر پہ بھی سایہ فگن سرکار والا ہیں

بحمد اللہ کہ فیض شیخ سے پُر میرا دامن ہے
بحمد اللہ کہ شیخ من ظہیر دین و دنیا ہیں

محمد احمد احقر گدائے کوچۂ مظہر
مبارک ہو ترے حامی محمد مظہر اللہ ہیں

نذر عقیدت

غلام غلامان دربار مظہری محمد احمد قریشی دہلوی، لاہور، ۱۹۶۱ء

۹

ھوالظاہر

سلام نیاز

بحضور سرکار عالی مرتبت، یگانۂ حضرت صمدیت، امام اہل سنت، مظہر العلوم الجلی والخفی مرشدی، مولائی، وملجائی، مفتی اعظم الحاج الحافظ مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مدظلہ العالی

السلام اے بادشاہ ما السلام
السلام اے عز و جاہ ما السلام
السلام اے راحت ما السلام
السلام اے عزت ما السلام
السلام اے قبلۂ ما السلام
السلام اے کعبۂ ما السلام
السلام اے دین و ایماں السلام
السلام اے جانِ جاں السلام
السلام اے نائب ختم رسل
السلام اے نائب مختار کل
السلام اے ہادیٔ دنیا و دیں
السلام اے رہنمائے بہتریں
السلام اے صاحب روشن جبیں
السلام اے صاحب روئے حسیں
السلام اے صاحب خلق عظیم
السلام اے صاحب عقل سلیم
السلام اے حضرت مسند نشیں
السلام اے صورت مہر مبیں
ما غریب و بے کساں را بس توئی
یا محمد مظہر اللہ شاہ ولیؒ

اک نگاہ لطف از بہر خدا
بر سگ دربار عالی، خاک پا

نذر عقیدت

غلام غلامان دربار مظہری محمد احمد قریشی دہلوی لاہور۔

(۱۰)

منقبت

در مدح اعلیٰ حضرت شیخ طریقت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس اللہ سرہ العزیز،
خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی۔

بہار گلشن احمد محمد مظہر اللہ ہیں
خدا کی رحمت بے حد محمد مظہر اللہ ہیں
عطائے رب اکبر اور شمع نور ایمانی
حبیب ذات احمد ہے حبیب ذات لاثانی
نگاہیں فیض کا چشمہ، رخ انور ہے نورانی
ضیائے نور ایماں سے مزین جن کی پیشانی
حقیقت میں شریعت کے سراپا پیکر صادق
خدا کے دین کے مفتی، ہمارے رہبر و حاذق
انہیں حاصل ہوئی صدیق اکبر کی وراثت بھی
علی شیر خدا کی مل گئی ان کو خلافت بھی
ہوئے مرد مسلماں نیو حق ہے جس گھڑی غافل
تو دہلی میں خدا نے کر دیا پیدا ولی کامل

نگاہ فیض سے پتھر کو پارس کر دیا جس نے
برے انساں کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے

لٹا دی مٹھیاں بھر بھر کے جس نے رحمت باری
محمد مصطفیٰ کے خُلق کا چشمہ کیا جاری

مرادیں ان کو دے دیں جو مرادوں کے تھے طالب
جمال نور ایماں سے کئے روشن سبھی قالب

شعاعیں دین حق کی اور پھیلا دیں زمانے میں
چراغ حق جلایا دل کے ہر اک آشیانے میں

سبق دنیا کو بخشا ہے شریعت اور طریقت کا
سر منبر ہمیشہ وعظ فرمایا حقیقت کا

ریاض نقشبندی میں لگائے ایسے پودے بھی
معطّر ہو گئے جس کی ادا سے گل بھی پودے بھی

بجھائی تشنگی علم صداقت کے پیاسوں کی ہ
طبیعت کیفیت افروز کر دی ہے اداسوں کی

رسائی آپ کی ہے ہر گھڑی دربار اقدس میں
مقام خاص حق نے دے دیا گلزار اقدس میں

میسر ہو گیا جن کو جہاں میں دامن مظہر
انہیں جنت دلائیں گے یقیناً شافع محشر

درِ مظہر پہ روتا جو گیا واپس ہوا ہنستا ہ
بنا وہ مرد مومن اور گناہوں سے کری توبہ

نگاہ دل سے دیکھو تو ابھی جلوہ نظر آئے
تبسم خیز حضرت کا ابھی چہرہ نظر آئے

فلک پر جس طرح ستارے نور ساماں ہیں
پرستار بھی ایسے ہی کوثر طور ساماں ہیں

پیش کردہ- شیخ محمد اجمل کوثر صدیقی، لاہور

(۱۱)

منقبت

در مدح حضرت امام اہل سنت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی

قطب دوراں تھے مظہر اللہ شاہ
نور ایماں تھے مظہر اللہ شاہ

دین کا ذکر ہر گھڑی لب پر
دین کی جاں تھے مظہر اللہ شاہ

گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے
وہ گلستاں تھے مظہر اللہ شاہ

رہبر ملت و طریقت تھے
درس ایماں تھے مظہر اللہ شاہ

رونق بزم زیست تھی ان سے
شمع فیضاں تھے مظہر اللہ شاہ

جن کے سینوں میں درد احمد تھا
ان کے درماں تھے مظہر اللہ شاہ

مفتیِ دینِ احمدِ مرسل ؐ — حق کے فرماں تھے مظہر اللہ شاہ
جن کو قربت ملی، ہوئے کامل — فیضِ عرفاں تھے مظہر اللہ شاہ

نور ہی نور ان میں تھا کوثرؔ
روئے خنداں تھے مظہر اللہ شاہ

پیش کردہ شیخ محمد احمد کوثر صدیقی، لاہور

(۱۲)

منقبت

در مدح اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، واقفِ اسرارِ طریقت و شریعت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی۔

گزاری عمر اپنی تم نے ساری فتح پوری میں — بنی تربت بھی بالآخر تمہاری فتح پوری میں
ملے وہ چودہ شعبان المعظم پیر کو حق سے — محمد مظہر اللہ، جاں ہماری فتح پوری میں
اجالا ہند و پاکستاں میں ہے علم کا جس کے — وہ شمع بجھ گئی، افسوس، پیاری فتح پوری میں
خدا نے اپنے گھر میں دی جگہ تم کو مرے مرشد — رہے گی قبر محشر تک تمہاری فتح پوری میں
پلیں گے بادۂ عرفاں کے متوالے یہاں آکر — جو چشمہ پہلے تھا، اب بھی ہے جاری فتح پوری میں
وہ جس کو چاہیئے عرفاں کی دولت لینے کو آئے — مزارِ مظہر اللہ پر بھکاری فتح پوری میں
جدا مسجد فتحپوری سے ہوں یہ کب گوارا تھا — گھڑی وہ امتحاں کی سب گزاری فتحپوری میں
خدا کا قرب حاصل ہوگیا عشقِ محمد سے — انہوں نے آخرت اپنی سنواری فتح پوری میں
مرے مرشد کے مرقد پر ہو بارش نور کی گلزارؔ — چلے ہر وقت ہی بادِ بہاری فتح پوری میں

جناب گلزار نے دو منقبتیں اور لکھی ہیں جن کے منتخبہ اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

آنکھیں ہیں بند، سر ہیں جھکے اہلِ بزم کے — پیشِ نظر ہر ایک کے ہی جلوہ تمہارا ہے
اپنے تو پھر بھی اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا — غیروں کی بھی زباں پہ شہرہ تمہارا ہے
نظرِ کرم ہو اس پہ محمد مظہر اللہ ؒ — گلزارؔ جس کا نام ہے، منگتا تمہارا ہے

ہمارے حامی و رہبر، ہمارے پیشوا تم ہو
محمد مظہر اللہ کیا بتائیں کہ کیا تم ہو؟
نہیں ثانی کوئی اس وقت ہند و پاک دونوں میں
ہو جان نقشبندی اور نشان اولیا تم ہو
خدا نے زندگی کے امتحاں میں فتح پوری دی
فتح پوری بھی شاہد ہے امام باشرع تم ہو

قطعات تاریخ وصال

①

قطعہ

تاریخ وصال
اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس اللہ سرہ العزیز خطیب
شاہی مسجد جامع فتحپوری، دہلی

تب خنک نفساں، تاب ناتواناں بیں
بہ پائے خاک نشینے جبین دوراں بیں
ز نور الفت حسنے کہ مظہر اللہ است
بہر کجا کہ بخواہی، جمال جاناں بیں؟
تو ئی سکوں گہِ دل اے عروس کلبۂ گل
نقاب چہرہ کشا، سوئے دل فروشاں بیں
تو با زمین جہانی، جہاں بتو نازاں
بگرد خویش ہجوم نیاز کیشاں بیں،
بسیزدہ صد و ہشتاد و شش سن ہجری ۱۳۸۶ھ
دو شنبہ از پس عصر و ۱۴ ہفت شعباں بیں
ق
کہ آفتاب درخشان علم و فضل نہفت
جہاں سیاہ شد اے دل بکنج ہجراں بیں

نسیم صبح خیالش، انیس شام غم است
قمر بسوز و دریں آتش آب حیواں بیں

آصف جاہ قمر دہلوی

جناب قمر دہلوی نے اس مصرع سے مادہ تاریخ وفات نکالا ہے :-

تاریخ وصال امام اہلسنت
۱۹۶۶ء

---

(۲)

جناب ابوالکمال احمد شمسی کاظمی طہرانی نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے :-

روحش بجنان تمام راحت بادا ۔ فرش بہ جہان نعمان کرامت بادا

تاریخ وصال مظہر اللہ بحسن ۔ ہاتف گفتہ غریق رحمت بادا

۱۹۶۶ء

(۳)

قطعہ

تاریخ وفات

پیر طریقت، آقائی، مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ نقشبندی دہلوی نور اللہ مرقدہ -

مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے ۔ گُل، چراغ بزم عرفاں ہو گیا

چل بسی خاکی جسد سے روح پاک ۔ بس کہ شیرازہ پریشاں ہو گیا

جلتے جلتے شمع ہستی بجھ گئی ۔ یک بیک فانوس عریاں ہو گیا

چودھویں شعبان کو یہ ماہتاب ۔ شام کے دامن میں پنہاں ہو گیا

سانحے کی جس گھڑی آئی خبر ۔ روئیں آنکھیں دل پریشاں ہو گیا

اشک بن کر بہہ رہا ہے خون دل ۔ اور اک اک اشک طوفاں ہو گیا

سوز غم سے دل میں لو اٹھنے لگی ۔ داغ دل، شمع فروزاں ہو گیا

صرف دلّی تک نہیں محدود غم ۔ جابجا ماتم کا ساماں ہو گیا

چھا گئی گلزار ہستی پر خزاں ۔ چاک ہر گل کا گریباں ہو گیا

آہ یہ پیر طریقت کی وفات ۔ ذرہ ذرہ آج گریاں ہو گیا

حشر کی تمہید ہے مومن کی موت ۔ لحہ لحہ حشر ساماں ہو گیا

نقشبندی گل کدے کا یہ گلاب ۔ زینت گلزار رضواں ہو گیا

اے قریشی تم کہو تاریخ غم

زندہ دل خلوت میں پنہاں ہو گیا

۱۳۸۶ھ

زیبا ناروی

نوٹ :- یہ قطعہ حضرت زیبا ناروی نے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے مرید باخلاص حکیم محمد عمر قریشی کیلئے لکھا تھا اور [illegible]

بعض اخبارات و رسائل نے حضرت مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر معتقدین نے جو اشعار کہے تھے شائع کئے ہیں، جن میں تاریخیں بھی ہیں، چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

(۴)

اخبار انجام (کراچی) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۷، کالم ۷ و ۸

مفتی مظہر اللہ رح　　　　حافظ غازی آبادی

مظہر اللہ ہو گئے رخصت　　　　مفتیٔ ہند نقشبند زماں

یادگار زمانہ تھے یہ لوگ　　　　عصر حاضر میں اب جواب کہاں

(۵)

پندرہ روزہ غریب نواز (دہلی) ۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۱

اظہار غم　　　　از قیصر نظامی

آہ قیصر بجھ گیا کیسا چراغ انجمن

گلشن علم و عمل کا پاسبان جاتا رہا

(۶)

رسالہ نوری کرن (بریلی)، فروری ۱۹۶۷ء، ص ۷

حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کام جو سونپا تھا حق نے آپ کو　　　　پورا اس کو جب کہ حضرت کر گئے

جانب جنت رواں الطاف پھر　　　　مظہر اللہ بزم دنیا سے ہوئے

۱۳۸۶ھ

الطاف انصاری سلطان پوری

مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے　　　　دار فانی سے سوئے باغ نعیم

یہ دعا ہے رحمتیں نازل کرے　　　　مظہر اللہ شاہ پہ رب کریم!

۱۹۶۶ء

الطاف انصاری سلطان پوری

(۷)

پیام مشرق (دہلی) ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲۵

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے ؟ یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک اے قمرؔ "شمع وہ خموش ہے آج"

۱۴۰۶ھ

مظہر علم وہ فقیہہ عصر آہ دنیا سے ہو گیا روپوش
لکھ قمرؔ عیسوی میں سال وصال ہائے "شمع تصوف اب ہے خموش"

۱۹۸۶ء

چودھواں باب

اولادِ امجادؑ

اولادِ امجاد

اولاد کے معاملے میں حضرت قبلہ قدس سرہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم رہا، حضرت کے ہاں سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن میں سے بفضلہ تعالیٰ پانچ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں بقیدِ حیات ہیں، حضرت قبلہ کی اولاد، اولاد کی اولاد اور پھر ان کی اولاد پاک و ہند کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہے مثلاً دہلی، علی گڑھ، اندور، کراچی، حیدرآباد شکارپور، کوئٹہ، بہاول پور، احمد پور شرقیہ، اور راولپنڈی ——— رب تبارک و تعالیٰ کے اس کرمِ خاص کو دیکھ کر بےساختہ زبان پر آتا ہے مثلہ کمثل شجرۃ طیبۃ اصلھا ثابۃ وفرعھا فی السماء۔

حضرت کے چاروں صاحبزادے (ماسوائے اس فقیر کے) عالم فاضل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ متبعِ شریعت ہیں، دو صاحبزادے جن کا انتقال ہوگیا وہ بھی فضل و کمال اور زہد و تقویٰ میں یکتا تھے رحمہما اللہ تعالیٰ، رسالہ منادی (نئی دہلی) کے دسمبر ۱۹۶۲ء کے شمارے میں خواجہ حسن ثانی نظامی نے حضرت کے سانحۂ ارتحال پر اظہارِ رنج کرتے ہوئے صاحبزادگان کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

> "حضرت مفتی صاحب نے پانچ صاحبزادگان اپنی یادگار چھوڑے ہیں، مولانا مظفر صاحب، مولانا اشرف صاحب، مولانا مسعود صاحب، مولانا محمد احمد صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب، یہ پانچوں کے پانچوں ماشاء اللہ عالم ہیں، مولانا مسعود صاحب تو قلم کار کی حیثیت سے بھی ہند و پاک میں نمایاں مقام کے مالک ہیں اور ان کی کئی نگارشات منظرِ عام پر آچکی ہیں۔" (ص-۵)

ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) کے شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۴ء میں علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت کے سوانح و حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہے اس کے آخر میں اولاد کے بارے میں ان الفاظ میں اظہارِ خیال کرتے ہیں :-

"آپ کثیر الاولاد ہیں، پانچ صاحبزادے ہیں جو لائق و فائق ہیں، اور چھ صاحبزادیاں ہیں بڑے صاحبزادے الحاج مولوی مظفر احمد صاحب مفتی پاکستان ہیں، متعدد خلفاء ہیں، مفتی

محمد محمود الوری، مفتی حیدر آباد سندھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں"۔ (ص - ۳۰)

حضرت کی اولاد امجاد تو ماشاء اللہ متبع شریعت ہے ہی لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اولاد کی اولاد بھی متبع شریعت ہے، حضرت کے پوتے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی ہیں، حضرت کے چھ فرزندان نسبتی (داماد) بھی ماشاء اللہ متبع شریعت ہیں اور صاحب نسبت بھی ہیں، یعنی حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب حضرت قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب جناب مولوی شفیق احمد مرحوم، جناب الحاج عبدالخالق صاحب جناب حکیم فریدالدین صاحب جناب سید عبدالعزیز صاحب اور جناب محمد نسیم صاحب ان حضرات میں بالخصوص الحاج مفتی محمد محمود صاحب اور جناب الحاج قاری حفیظ الرحمٰن صاحب اپنی مثال آپ ہیں ۔ اتباع شریعت کا یہ اہتمام فی زمانا نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے اس خصوص میں حضرت کا گھرانہ یگانہ و یکتا نظر آتا ہے ۔

اب ہم حضرت کی اولاد امجاد کے حالات مجملاً تحریر کرتے ہیں :-

حضرۃ العلامہ مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب

آپ کی ولادت باسعادت دہلی میں ہوئی، حفظ قرآن اور علم تجوید قاری فضل الدین صاحب (مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی) سے حاصل کیا، علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل بھی مدرسہ مذکور میں فرمائی اور ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں سند حدیث حاصل کی، اس کے بعد علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس فن میں بھی کمال حاصل کیا ۔

حضرت مفتی صاحب پندرہ سال کی عمر سے مسجد جامع فتحپوری میں نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے، بعد میں جب سند حدیث مل گئی تو فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی تفویض کردی گئی، حضرت مفتی صاحب کو فقہی مسائل پر پورا پورا عبور حاصل ہے، تقریباً چالیس سال سے فتوے تحریر فرما رہے ہیں ۔

امامت و فتویٰ نویسی کے علاوہ ایک عرصہ مسجد فتح پوری میں بعد نماز جمعہ درس قرآن بھی دیتے رہے، جس سے بیشمار لوگ مستفیض ہوئے اس کے علاوہ آپ نے تبلیغ و ارشاد کا کام جاری رکھا، اور ہزاروں ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو مشرف باسلام فرمایا ۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال حاصل کیا اور حضرت مولانا

رکن الدین شاہ قدس سرہ العزیز کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور شیخ طریقت کی صحبت سے مستفیض ہوئے، حضرت قبلۂ والد ماجد قدس سرہ العزیز نے بھی سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے نوازا، اس کے علاوہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء میں حضرت ضیاء معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دلبند حضرت آغا جان مدظلہ العالی نے چاروں سلاسل میں بیعت کی اجازت فرمائی ——— حضرت مفتی صاحب نے تعلیم و تلقین اور بیعت و ارشاد کے ساتھ تعویذات و عملیات میں بھی پورا پورا کمال حاصل کیا۔

حضرت مفتی صاحب کی سیرت و کردار میں جو صفت نمایاں نظر آتی ہے وہ بے خوفی و بے باکی ہے بڑے بڑے حاکم کا جاہ و جلال ان کو حق بات کہنے سے نہیں روک سکتا۔ ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حضرت مفتی صاحب تقریباً ۲۶ سال مسجد جامع فتح پوری میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۴۷ء میں چوں کہ دہلی کی زمین مسلمانوں کے لئے تنگ ہو گئی تھی اس لئے مجبوراً پاکستان ہجرت فرمائی اور کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی، یہاں بیس سال سے فتویٰ نویسی، قضاۃ، طبابت اور تعویذات و عملیات وغیرہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور پاکستان کے ان چنیدہ اور متبحر عالموں اور فقیہوں میں ہیں، فقہی مسائل پر جن کی مہارت مسلّم ہے، آپ نے بکثرت فتوے تحریر فرمائے اگر جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو سکتی ہیں، فتووں کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے علمی مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے اور تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ عرصہ تیس پینتیس سال سے جاری ہے، یہاں چند رسائل سے مضامین کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

نمونۂ تحریر

(۱)

علم غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک علم غیب ذاتی دوسری علم غیب عطائی ——— علم غیب ذاتی وہ ہے جو بغیر کسی کے بتائے خود اپنے آپ حاصل ہو، یہ سوائے خدائے قدوس کے اور کسی کو حاصل نہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا :- لِلّٰہِ غیب السمٰوٰت والارض یعنی اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کا علم غیب ——— اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا

ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیرہ تحقیق اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اتارتا ہے بارش کو اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے، ——— کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ کونسی زمین میں مرے گا (یعنی کہاں مرے گا) بیشک اللہ جانتا ہے (ہر ایک کو) اور ہر ایک کی خبر رکھنے والا ہے ——— دوسری (قسم) علم غیب عطائی وہ ہے جو باعلام اللہ مخلوق کو بھی حاصل ہے چناں چہ ارشاد باری ہے وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما یعنی اے محبوب تم کو وہ چیزیں سکھائیں جن کو تم نہیں جانتے تھے اللہ کا کتنا بڑا فضل تم پر ہے!۔

(ماہنامہ الرشد (دہلی) جلد ۲، شمارہ ۴ و ۵ ماہ
ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ص ۱۷ و ۱۸)

(۲)

قولہ تعالیٰ یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال الایۃ (پ ۱۰) اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو لڑائی کا شوق دلاؤ، اگر تم میں سے بیس مرد صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ سو پر غالب ہوں گے اور جو تم میں سے سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے یہ اس لئے کہ وہ کفار (یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا حمایتی اور مددگار اللہ ہے مگر کفار کا حمایتی اللہ نہیں) ہے، قولہ تعالیٰ ذلك بان الله مولى الذين امنوا وان الكافرين لا مولى لهم (پ ۲۶) بیشک اللہ ایمان والوں کا حمایتی و مددگار ہے اور کفار کا اللہ مددگار نہیں، قولہ تعالیٰ قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیھم الایۃ لڑو کفار سے (ہم تو یہ چاہتے ہیں) تاکہ تمہارے ہاتھوں اللہ ان پر عذاب کرے اور ان کو ذلیل اور رسوا کرے اور ان پر تم کو غالب کردے اور مومنین کے قلبوں کو ٹھنڈا کردے اور ان کے دل کی جلن نکالے، جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

(رسالہ الجہاد مؤلفہ حضرت مفتی صاحب
مطبوعہ مشہور آنکسٹ پریس کراچی، ص ۸)

(۳)

جہاد وہ عظیم الشان شئے ہے جس میں بندہ اپنی راحت و آرام، مال و اسباب یہاں تک

کہ اپنی محبوب ترین جان، قربان کر دیتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی صرف رضامندی وخوشنودی ہی منظور ہوتی ہے وہ مالک کل اس قربانی کا عوض صلہ جنت اور اپنی خوشی و رضا ——— عطا فرماتا ہے ——— لیکن اس سے زیادہ مہتم بالشان چیز یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو ہمیشہ معصیات سے بچائے اور اطاعات الٰہی پر گامزن رہے اسی بنا پر نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے لوٹتے وقت فرمایا رجعنا من الجہاد الاصغر الی جہاد الاکبر ہم لوٹ آئے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف۔ (رسالہ الجہاد، ص ۱۱)

اولاد امجاد حضرت مفتی صاحب کے ہاں تین صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں ایک صاحبزادی عالم جوانی میں انتقال کر گئیں ——— تینوں صاحبزادے ماشاءاللہ نیک و صالح ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے عزیزم محمد ظفر سلمہ، حافظ قرآن اور قاری ہیں، علم تجوید اور فن قرأت میں خاص کمال حاصل کیا ہے آواز میں بڑا سوز و گداز ہے، ان خوبیوں کے ساتھ علوم جدیدہ سے بھی واقف ہیں اور بی۔ کام کیا ہے، جدید عربی سے بھی واقف ہیں، مطالعہ جاری ہے، مولیٰ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم و عمر میں برکت و ترقی عطا فرمائے آمین،

دوسرے صاحبزادے عزیزم محمد اظہر احمد صاحب عزیز موصوف سے ایک سال چھوٹے ہیں یہ بھی ماشاءاللہ حافظ قرآن ہیں بڑے ذہین و فطین ہیں، انہوں نے بھی بی۔ کام کیا ہے، اور آجکل ایک اچھے عہدے پر ملازم ہیں۔

تیسرے صاحبزادے مولوی نذر احمد سلمہ ابھی زیر تعلیم ہیں، انگریزی علوم کے ساتھ ساتھ جامعہ طبیہ کراچی میں فن طب کی تحصیل کر رہے ہیں، عزیز موصوف کو جدید فارسی پر کافی عبور ہے، مولیٰ تعالیٰ تمام صاحبزادگان کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔ آمین

مفتی اعظم حضرت مولانا الحاج محمد مشرف احمد صاحب

آپ دہلی میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن اور تجوید قرأت کی تکمیل کے بعد ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتحپوری، دہلی سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں سند تکمیل حاصل کی، اسی کے ساتھ فن طب میں بھی سند حاصل کی اور مہارت تامہ پیدا کی، ابتداء میں کچھ عرصہ دہلی میں رہے اور مسجد جامع فتحپوری میں نائب مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر قصبہ نوح میں گورنمنٹ ہائی اسکول میں استاد دینیات مقرر ہو گئے، چند سال یہاں گزار کر پھر دہلی تشریف لے آئے

اور یہاں مسجد شیخان (باڑہ ہندو راؤ) میں خطیب مقرر ہوئے سالہا سال فرائض امامت و خطابت انجام دیتے رہے اس کے علاوہ مطب بھی فرماتے رہے، حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہٗ کے وصال سے چند سال قبل مسجد فتحپوری میں جمعہ کو خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے حضرت کے وصال کے بعد فتویٰ نویسی اور خطابت کے امور آپ ہی سرانجام دے رہے ہیں اور امامت بھی فرما رہے ہیں۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے مئی ۱۹۶۰ء میں حضرت مولانا محمد مشرف احمد صاحب کے نام ایک خلافت نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں امامت، خانقاہ مسعودیہ کی جانشینی اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں آپ کو تفویض کی تھیں، اس کے علاوہ بعض نصائح بھی تحریر فرمائی تھیں جو ہر انسان خصوصاً صاحب اقتدار شخصیتوں کے لئے مفید اور سبق آموز ہو سکتی ہیں، اصل تحریر فارسی میں ہے، یہاں بعض موعظتی نکات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و پیروی میں مشغول رہیں ۔
(۲) - منعم حقیقی کی ذات کے سوا کسی سے کوئی غرض اور لالچ نہ رکھیں ۔
(۳) - اپنے دامن ہمت کو غبار مضرت سے آلودہ نہ کریں ۔
(۴) - خدا کے بندوں کی تربیت کے علاوہ ظاہر و باطن میں کوئی مطلوب مقصود نہ ہو ۔
(۵) - حتی الامکان کوشش کریں کہ مقتدی و طالبین اور نسبی و دینی بھائی بہنیں خوش رہیں ۔

بظاہر یہ باتیں معمولی نظر آتی ہیں لیکن بنظر تعمق دیکھا جائے تو اقتدار و حکومت کے بہت سے نکتے معلوم ہو جاتے ہیں، عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اقتدار ملنے کے بعد انسان پابندئ شریعت اور پیروی سنت کا خیال نہیں رکھتا جس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے تلقین فرمائی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا خیال رکھا جائے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، اقتدار و عہدہ مل جانے کے بعد بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ انسان حرص و ہوا میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ حرص اس کو جادۂ شریعت سے ہٹا دیتی ہے اس لئے فرمایا کہ اقتدار کو نعمت حق جل مجدہٗ سمجھتے ہوئے توجہ اسی ذات واحد کی طرف رکھیں کہ یہی توجہ تمام امراض روحانی کا علاج ہے، واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا ۔

ایک بڑی چیز جو اقتدار حاصل کرنے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے، سیرت کی دورنگی ہے، ظاہر

کچھ اور باطن کچھ۔ اسی منافقت کو دورِ جدید میں ڈپلومیسی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو جدید سیاست میں معیوب بھی نہیں لیکن اسلام دورنگی کا داعی نہیں بلکہ یک رنگی کا معلن ہے صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ۔

ع

یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ

اسی لئے حضرتؒ نے تلقین فرمائی کہ اصل مقصود بندگانِ خدا کی فلاح و بہبود کے علاوہ اور کوئی نہ ہو، اخلاص ہی وہ شئی ہے جس سے یک رنگی پیدا ہو سکتی ہے۔

صاحبِ اقتدار کو اگر کسی شخص سے مضرت و تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی آتشِ انتقام بھڑک اٹھتی ہے، جو خام سیرت کی علامت ہے، بسا اوقات یہ آگ خود اس کے جسم و جان کیلئے ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے، کسی کی ایذا رسانی پر انتقام نہ لینا بلکہ جذبۂ انتقام کو ظاہراً و باطناً جگہ نہ دینا عزیمت کی نشانی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ ہر آتشِ انتقام کو سرد کرنے کے لئے کافی ہے، حضرتؒ نے اسی عزیمت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "دامنِ ہمت کو غبارِ مضرت سے آلودہ نہ کریں"۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اقتدار کے وقت ماتحتوں اور عزیزوں کو خوش رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اس نفسیاتی کمزوری کا بھی حضرتؒ نے پورا پورا خیال رکھا اور نصیحت فرمائی کہ زندگی ایسی گزرے کہ محبت کی فضا ساز گار رہے، اور نفاق و بیچینی کی تلخیاں دور ہو جائیں، اپنے اور بیگانے سب خوش و خرم نظر آئیں۔

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است
با دوستان مروت با دشمنان مدارا

حضرت مفتی صاحب فنِ قرأت، حفظِ قرآن کریم، علومِ عربیہ بالتخصیص فقہِ اسلامی پر کمال رکھتے ہیں اور اپنی مثال آپ ہیں، تقریباً تیس سال سے فتوے تحریر فرما رہے ہیں، جو نہایت فاضلانہ اور تحقیق و کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف علمی رسائل میں مضامین بھی تحریر فرماتے رہے ہیں، آپ کے علمی، فقہی اور مذہبی نگارشات کو جمع کیا جائے تو کئی ضخیم

مجلدات تیار ہو سکتی ہیں، مگر آپ خاموشی کے ساتھ خدمت دین میں مصروف ہیں۔

آپ کو تقریر کا خاص ملکہ حاصل ہے، طبیعت نکتہ رس پائی ہے، کئی کئی گھنٹے فاضلانہ اور عالمانہ تقریر فرماتے ہیں، تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں، آپ کے دست حق پرست پر بہت سے غیر مسلم مشرف باسلام ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال رکھتے ہیں، آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، خلافت واجازت سے حضرت قبلہ والد ماجد قدس سرہ العزیز نے نوازا ہے، آپ کے بکثرت مریدین و معتقدین ہیں۔

فن طب میں خاص مہارت رکھتے ہیں، آپ کے مطب سے بیشمار مریض فیض یاب ہوتے ہیں، طبیعت بے نیازانہ وفقیرانہ پائی ہے اس لئے علاج پر تاثیر ہے، تعویذات و عملیات وغیرہ میں بھی کمال حاصل ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہیں، تقریباً بیس سال سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے، آپ کی نگارشات کے مطالعے سے زبان دانی اور بے پناہ قوت اظہار کے ساتھ ساتھ تبحر علمی اور تحقیقی شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

نمونۂ تحریر

(۱)

علامہ زمخشری جنات کے وجود کے قائل نہ تھے، زمانہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، جنات آپ کی خدمت میں آکر مستفیض ہوا کرتے تھے، ایک دن آپ نے جنات سے دریافت فرمایا آجکل کیا کیا ہو رہا ہے؟ —— اس کے جواب میں علامہ زمخشری کا ذکر آیا، عرض کیا "حضور زمخشری قرآن کریم کی تفسیر لکھ رہے ہیں جو نصف تک پہنچ گئی ہے"، آپ نے فرمایا "جو کچھ لکھا ہے وہ یہاں لے آؤ" چناں چہ وہ لے آئے، آپ نے اس کو نقل کر کے اپنے پاس رکھی اور اصل کو وہیں رکھوا دیا، پھر زمخشری جب آئے تو آپ نے وہ نقل دکھائی، دیکھتے ہی حیرت میں رہ گئے، کہنے لگے اگر یہ تفسیر اپنی بتاتا ہوں تو تعجب یہ ہے کہ میرا نسخہ دوسرے تک پہنچا کیسے؟ حالاں کہ میں نے اس کو نہایت حفاظت کے ساتھ مقفل کر کے رکھا ہے اور اگر کسی دوسرے

کی کہوں تو معانی کثیرہ الفاظ کثیرہ اور ان کی وضع و ترتیب کس کس چیز میں اور کہاں تک تو ارد مانوں، عقل کچھ کام نہیں کرتی، آپ نے فرمایا یہ تفسیر تمہاری ہی ہے، جنات نے ہم کو لا کر دی ہے، تو پھر علامہ زمخشری کو جنات کے وجود کا قائل ہونا پڑا۔ (روح البیان ص۴)

(۲)

واضح ہو کہ خطیب کا سامعین کے مواجہ میں ہونا مسنون ہے اور یہ آلہ (لاؤڈ اسپیکر) خطیب کی مواجہت میں بلا ضرورت حائل ہو کر سنت مواجہت کا مزاحم ہوتا ہے، اس طرح سامعین کا خطیب کے مواجہ ہونا مسنون ہے، یہاں تک کہ جو لوگ خطیب سے دائیں بائیں جانب ہیں ان کا بھی خطیب کی جانب رخ کرنا سنت ہے اس آلہ کے استعمال کی صورت میں یہ سنت بھی، مفقود ہوتی ہے کہ اب خطیب کی جگہ خود یہ آلہ اس کا قائم مقام ہو گیا ہے اگرچہ سامعین کی طرف سے روگرداں ہے مگر خطیب کے فرائض تو وہی انجام دے رہا ہے، ——— نیز خطیب کا کھڑا ہونا بھی سنت کے درجہ میں ضروری ہے اس آلہ کے ہوتے ہوئے یہ ضرورت بھی ایک حد تک باقی نہیں رہتی ——— خطیب کا منبر پر ہونا بھی مسنون ہے جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ خطیب کے مشروع و غیر مشروع حالات کا دور تک معائنہ و مشاہدہ ہو سکے اور اس کے جذبات حالیہ قوم پر اثر انداز ہو سکیں، یہ آلہ اس سنت کے بھی بعض مقاصد میں مزاحم ہے۔

(رسالہ قصد السبیل، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء، ص ۱۴ ا ۱۵)

اولادِ امجاد حضرت مفتی صاحب کے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے مولوی محمد میاں سلمہٗ نے علوم عقلیہ و نقلیہ میں تکمیل کی سند مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی حاصل کی ہے، عزیز موصوف سلمہٗ بڑے ذہین و فطین اور فاضل و عالم جواں ہے، حافظ قرآن ہیں اور علم تجوید و قرأت میں بھی پورا پورا کمال حاصل ہے، علوم جدیدہ میں بھی درک رکھتا ہے، فن طب میں بھی مہارت رکھتے ہیں، تشخیص و تجویز ماہرانہ ہے، مولیٰ تعالیٰ عزیز موصوف کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے، آمین! دوسرے صاحبزادے مولوی احمد میاں سلمہٗ حافظ قرآن ہیں اور علوم عربیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں، باقی صاحبزادگان بھی حافظ قرآن ہیں اور علوم عربیہ و فارسیہ حاصل کر رہے ہیں، ——— آپ کے ایک داماد ہیں، جناب قاری ڈاکٹر محمد رضوان اللہ صاحب، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں، شعبۂ دینیات میں استاد ہیں، اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔

حضرت الحاج حافظ قاری مولانا محمد احمد صاحب

آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز سے حاصل کی، برادران گرامی اور برادر نسبتی قاری سید حفیظ الرحمن صاحب سے تجوید و قرأت کی تحصیل کی اور قرآن پاک حفظ کیا، اور اس میں وہ کمال پیدا کیا کہ باید و شاید، سالہا سال سے مسجد جامع فتح پوری دہلی میں رمضان المبارک میں قرآن پاک سناتے ہیں، دور و نزدیک سے لوگ آتے ہیں، ہزاروں کے اجتماع میں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے ہر شخص تلاوت قرآن سے محظوظ و مسرور ہوتا ہے بلند آہنگی کے علاوہ آواز میں سوز و گداز ہے، آپ کے بکثرت تلامذہ ہیں۔

مولانائے موصوف نے قرآن پاک کی تعلیم سے فارغ ہو کر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی طرف باقاعدہ توجہ کی، حضرت قبلہ قدس سرہٗ سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور مدرسہ نعمانیہ (دہلی) میں داخل ہو کر ایک عرصہ تعلیم حاصل کی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں سند تکمیل حاصل کی۔ جس کی نقل یہاں پیش کی جاتی ہے:-

الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء، رواہ مسلم شریف فی خطبۃ صحیحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی شرفنا بتنقید الرجال واخرج ائمتنا من حضیض الجرح الی اوج العدل والکمال تنزہ ذاتہ عن سمۃ النقص والزوال والصلوۃ والسلام علی حبیبہ اللبیب صاحب الحسن والجمال ذی الفضل والکمال، صفاتہ مشہورۃ واحادیثہ مسطورۃ تفرد ذاتہ العزیز فھو فرد المطلق وبالاتباع احق، متواتر کلامہ بالکتاب ملحق، الیہ ینتھی اسانید الاثر ونبأ کل فیہ ما عبر وما غبر وعلی آلہ وصحبہ المصابیح الغرر والمفاتیح الدرر۔ اما بعد فیقول العبد الفقیر الی ربہ الغنی القدیر الداعی بالدعاء العریض لمدید محمد المدعو بعبد الرشید بن الفاضل الجلیل والعالم النبیل ذی الفضل العظیم المولوی السید محمد عبد الحکیم المرحوم المغفور الدھلوی، ناظم المدرسۃ النعمانیۃ الاسلامیۃ العربیۃ الواقعۃ فی بلدۃ دھلی ایدھا اللہ تبارک وتعالی وابدھا لما وقع الفراغ للفاضل الادیب الکامل والعالم التقی

العامل المولوی محمد احمد بن مفتی مظہر اللہ صاحب المتوطن فی الدہلی من کتب الفقہ والحدیث واصولہا والتفسیر والادب والبیان والحکمۃ والمنطق وغیر ذلک مما تذکر تفصیلہا علی مدرسی مدرستی الذی اثبتت اسما ھم العالیہ فی الذیل والتمس منی ان اعطیہ قرطاس السند وھو الجدیر بذلک ولست ھناک ولکن اللہ تبارک وتعالیٰ یفعل ما یشاء وھو القدیر علی کل شئ شاء فاجبتہ وعممتہ بالعمامۃ المستحبۃ لما روی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال عممنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسدل لہا بین یدی ومن خلفی۔ رواہ ابوداؤد۔ واوصیہ بالتقوی فانہا السبب لاقوی والمرجوا منہ ان لا یخاف فی اللہ لومۃ لائم وان لا ینسانی واشیانہ فی الدعاء الخیر وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین وآلہ وصحبہ الطیبین الطاھرین الی یوم الدین ۔

تفصیل الکتب

منیۃ المصلی، شرح مائۃ عامل، قدوری، کافیہ، شرح تہذیب، کنز الدقائق شرح ملاجامی، قطبی تصورات، جلالین شریف، مختصر المعانی، ھدایۃ النحو ایساغوجی، قطبی تصدیقات، پارہ تبارک، نور الانوار، سلّم، سبعہ معلقہ تلخیص المفتاح، ملاحسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، مراح الارواح، عربی علم الصیغہ، اصول الشاشی، مقامات، اقلیدس، رشیدیہ، ھدایہ اولین ھدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، بیضاوی شریف، قاضی مبارک تصریح، حمد اللہ، مطول، متنبی، صدرا، امور عامہ، توضیح تلویح اشارات، دیوان حماسہ، صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف، سنن ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، شمائل ترمذی ۔

اس سند پر ان چار حضرات کے دستخط ثبت ہیں ۔

۱۔ مولوی عبدالمجید صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ، دہلی

۲۔ مولوی عبدالخالق صاحب، صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ۔

۳ - مولوی سید محمد موسیٰ صاحب مدرس مدرسہ نعمانیہ ۔

۴ - مولوی عبدالحنان صاحب مدرس مدرسہ نعمانیہ ۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، بلکہ اس کے لئے ڈینٹل سرجری سیکھی اور اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ دہلی کے ماہرین ڈینٹل سرجن آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں

حضرت مولانائے موصوف نے نوعمری ہی سے مسجد جامع فتح پوری میں امامت کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز شاہی امام وخطیب تھے، اور حضرت مولانا محمد مظفر احمد صاحب نائب امام تھے، تقسیم ہند کے بعد جب حضرت مولانا محمد مظفر احمد صاحب پاکستان تشریف لے آئے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب نیابت کے فرائض انجام دینے لگے، کچھ عرصہ بعد حضرت قبلہ کافی ضعیف و نحیف ہو گئے تو امامت و خطابت کا سارا بار حضرت مولانائے موصوف کے دوش پر آ گیا، چناں چہ آپ نے اس فرض کو بحسن و خوبی انجام دیا، اور حضرت کے وصال تک تیس سال کے طویل عرصہ تک اس فرض کو انجام دیکر حق خدمت ادا کیا ۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب کی نیابت و امامت کا اجمالی ذکر کر دیا جائے ۔

سنی مجلس اوقاف (دہلی) نے اپنے فیصلے مورخہ ۲ مارچ ۱۹۴۴ء کی رو سے حضرت مولانا محمد احمد صاحب کو مسجد جامع فتح پوری دہلی کا نائب امام مقرر کر دیا تھا، پھر جب شہید ملت ـــــ لیاقت علی خان مرحوم اس مجلس کے صدر ہوئے تو مجلس کے ایک اجلاس منعقدہ ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو سابقہ فیصلے کی توثیق کر دی گئی ـــــ مئی ۱۹۶۰ء میں حضرت نے ایک تحریر کے ذریعہ اپنے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی محمد مشرف احمد صاحب کو امامت، جانشینی اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں تفویض کیں تھیں، لیکن ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک عملاً مولانا محمد احمد صاحب امامت فرماتے رہے ۔

حضرت کے وصال سے چند روز قبل، حضرت کے ایما پر (بقول سکریٹری وقف بورڈ) مولانا محمد احمد صاحب کو یکم نومبر ۱۹۶۶ء سے مسجد جامع فتحپوری کے منصب امامت و خطابت پر فائز کیا گیا جس کی اطلاع بعد میں دہلی کے اخبارات میں بھی آ گئی، چناں چہ اخبار الجمعیۃ (دہلی) کے شمارہ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی ہے :-

حضرت مفتی صاحب کی خواہش کے مطابق دہلی وقف بورڈ نے اپنے جلسہ منعقدہ ۱۲ نومبر ۱۹۶۶ء میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو مسجد فتحپوری کی امامت

کے لئے فیصلہ کر دیا تھا جس کی اطلاع حضرت مفتی صاحب کو دے دی گئی تھی، اس اطلاع پر حضرت مفتی صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا تھا اور دعا بھی دی تھی۔

اسی طرح اخبار دعوت (دہلی) کے شمارہ مورخہ ۲ر دسمبر ۱۹۶۶ء میں بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی۔

مولانائے موصوف چوں کہ اپنی فنی مشغولیات میں منہمک ہیں اس لئے تقریر و تحریر کی طرف زیادہ توجہ نہ فرما سکے لیکن تقسیم ہند کے بعد چوں کہ ذمہ داریاں زیادہ ہو گئی تھیں اس لئے اس طرف بھی توجہ کی، مولانا کبھی کبھی تقریر فرماتے ہیں، زبان نہایت صاف اور شستہ ہوتی ہے، موزوں و مناسب حال اشعار سے مرصع اور ادبی رنگ لئے ہوئے، دہلی کی ٹکسالی زبان بولتے ہیں، اظہار پر بڑی قدرت ہے، طبیعت میں گداز عشق بھی ہے، حضرت قبلہ قدس سرہ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہیں، اور ایک عرصہ صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں، اس لئے بصیرت قلبی پیدا ہو گئی ہے، ۔زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے مستفیض ہیں، آپ کی سیرت کا ممتاز جوہر استقامت و پامردی ہے چنانچہ ۱۹۴۷ء میں فسادات کے دوران جبکہ مسجد جامع فتح پوری دشمنوں کے نرغے میں تھی آپ حضرت والد ماجد قدس سرہ کی رفاقت میں رہے اور بڑی استقامت کے ساتھ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور حق خدمت ادا کیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تصنیف و تالیف میں مولانا کی کوئی قابل ذکر یادگار نہیں البتہ نمونہ کے طور پر ان کی تحریر کا یہاں ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے ـــــ چند سوالات کے جوابات میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا ایک فتویٰ بعنوان "دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ" دہلی سے شائع ہوا تھا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے ان جوابات کی تصدیق فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

نمونۂ تحریر

سبحان اللہ، سبحان اللہ! کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں کسی مشکک کیلئے تشکیک کی گنجائش رکھی ہو، جو اللہ کے بندے تعصب و نفسانیت سے پاک ہیں ان کے لئے توضوح حق کا ان جوابات میں کافی سامان موجود ہے، رہے وہ لوگ جو آیۂ کریمہ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون کے مصداق ہیں تو ان سے تو قبول حق کی امید رکھنا محالات سے ہے اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ یہ اجوبہ جہاں حق کو ظاہر فرما رہے ہیں وہاں ہدایت و ضلالت کے مظاہر کی شناخت کے لئے بھی ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتے

ہیں، علاوہ ازیں صرف عوام ہی کو گمراہی سے بچا رہے ہیں بلکہ علمائے معاصرین کے لئے بعض تنبیہات ان میں مضمر ہیں، اور اس کا تو صراحت کے ساتھ اظہار فرمایا ہے کہ علماء کو چاہیئے کہ مسئول عنہ کی موافقت یا مخالفت کا اثر ہرگز ہرگز اظہار حق سے ان کو باز نہ رکھے یہ ایسی زرّیں تنبیہ و ہدایت ہے کہ جو ان کے حرز جان بنانے کے قابل ہے، چناں چہ نصوص قطعیہ کا بھی یہی ارشاد ہے فقال تعالیٰ ولا یجرمنکم شنئان قوم علی ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ خبیر بما تعملون۔ امید ہے کہ حضرت کا یہ فتویٰ عوام کی غلط فہمیوں کو دور کرنے والا اور جن خواص کی قسمت میں ہدایت لکھی ہے ان کے عناد کو رفع کرنے والا ہوگا،

نہایت درجہ افسوس ہوتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ جب کسی کے مخالف ہوتے ہیں یا اس کے مقابل اپنا کوئی فائدہ دیکھتے ہیں تو شمہ برابر بھی خوف خدا نہیں رہتا، اس پر وہ بہتان باندھتے ہیں جس سے مخلوق کی نظر میں وہ ذلیل ہو جائے، خواہ اپنا دینی نقصان کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ (ص ۲۳-۲۴)

اولاد امجاد آپ کے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے مولوی مکرم احمد سلمہٗ حافظ قرآن ہیں اور علم تجوید و قرأت سے واقف ہیں، مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ دورۂ حدیث میں ہیں، بڑے ذہین اور نیک و صالح ہیں، حضرت قبلہ قدس سرہ کی صحبت کیمیا اثر سے ایک عرصہ مستفیض رہے، اس لئے طبیعت نے حضرت کی بعض خوبیوں کو قبول کیا ہے، مولیٰ تعالیٰ صاحبزادہ موصوف کو علمی اور روحانی ترقیات سے نوازے، دوسرے صاحبزادے مولوی محمد معظم احمد سلمہٗ بھی حافظ قرآن ہیں، اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں علوم عربیہ کی تحصیل کر رہے ہیں، باقی صاحبزادگان ابھی چھوٹے ہیں، قرآن کریم کی تحصیل میں مصروف ہیں۔

فاضل نوجوان حضرت مولانا منور احمد مرحوم

حضرت مولانا دہلی میں پیدا ہوئے، خوب صورت و خوب سیرت جوان تھے، ابتدائی تعلیم اور کتب عربیہ حضرت قبلہ قدس سرہ سے پڑھیں اسی کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے لئے مدرسہ نعمانیہ دہلی میں داخل ہو گئے اور ایک عرصہ تک پڑھتے رہے پھر مسلسل علالت کی وجہ سے تعلیم

جاری نہ رکھ سکے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ خطاطی، نقاشی، بلاک میکنگ وغیرہ کی تحصیل بھی کی اور اسی کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال حاصل کیا، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز سے شرف بیعت حاصل کیا اور ایک عرصہ صحبت عالیہ سے مستفیض ہوتے رہے جس سے بصیرت قلبی اور گداز دل حاصل ہوا۔

مولانائے مرحوم کو تقریر کا خاص ملکہ تھا بائیس سال کی عمر میں بڑی بے باکی کے ساتھ بڑے بڑے اجتماعات میں فاضلانہ اور پر جوش تقریر فرمایا کرتے تھے، جس کو دیکھ کر سب حیران ہوتے تھے، یہ ملکہ راسخہ جو برسوں کی محنت شاقہ اور ریاضات شدیدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مولی تعالی نے فطری طور پر ودیعت فرمایا تھا، بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ایک دن میں کئی کئی تقریریں کی ہیں، مگر اس کو دور جدید کے علماء کی طرح اپنا پیشہ نہیں بنایا ۔ تقاریر کا اصل محرک خدمت دین اور عشق رسول کریم تھا۔

حضرت مولانا نے مرحوم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق و محبت تھی، ان کی تقاریر میں سوز و گداز اسی عشق سے پیدا ہو گیا تھا ع ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو ۔ علالت کے زمانے میں بھی برابر تقریر فرماتے رہے، ڈاکٹروں اور حکیموں نے منع کیا مگر جوش جنوں کی جولانیوں کے سامنے اہل تدبیر کی واماندگیاں قابل دید تھیں چناں چہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر میں مہلک امراض سل اور دق میں مبتلا ہو گئے اور بڑی بڑی تکلیفیں سہیں۔ اس عمر میں ان کا تحمل اور بردباری دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، زندگی کی کٹھن کٹھن منزل کو اپنی قوت ایمانی سے سر کر لیا، بہت سے واقعات مشاہدہ میں آئے جن سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔

نوعمری کا زمانہ تھا، بازار میں جا رہے تھے کہ ایک حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی، درد و کرب کے آثار چہرے سے نمایاں تھے مگر اُف تک نہ کی، ایک عرصہ ہسپتال میں رہے وہاں ہڈی کو جوڑنے کے لئے بغیر بیہوش کئے دوبارہ ٹانگ کاٹی گئی مگر مجال کیا کہ ایک آہ بھی زبان سے نکل جائے، یہ تحمل و برداشت دیکھ کر خود ڈاکٹر حیران تھے۔

اسی طرح عالم جوانی میں مرض دق و سل میں مبتلا ہو گئے، اسی کے ساتھ ساتھ کمر کے نیچے ایک پھوڑا بھی نکلا جو ناسور کی شکل اختیار کر رہا تھا، ان پے در پے امراض نے زندگی

کو پُر درد بنا دیا تھا، مگر دل کا حال عیادت کرنے والوں پر ظاہر نہ فرماتے، خصوصاً جب حضرت قبلہ قدس سرہٗ تشریف لاتے تو عمداً چہرے کو ہشاش بشاش بنا لیتے کہ کہیں والد ماجد کے قلب نازک کو تکلیف نہ پہنچے ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

جس روز صبح وصال ہونے والا ہے اس روز شام کو حضرت عیادت کیلئے تشریف لائے مزاج پُرسی فرمائی تو حضرت مولانا نے فرمایا "میں بالکل اچھا ہوں" — حالاں کہ یوم وصال قریب آچکا ہے، اللہ اللہ والدین کی دلداریاں ہوں تو اس طرح ہوں — وفاداری سی وفاداری ہے کہ بستر مرگ پر والد محترم علیہ الرحمۃ کے قلب نازک کا پورا پورا خیال رکھا۔

حضرت مولانا کا وصال ۱۹۴۶ء میں ہوا، ایک روز صبح نماز فجر سے قبل بڑے اطمینان قلب کے ساتھ جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی، یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۔ — غسل دے کر کفنایا گیا اور جب دیدار عام کے لئے لایا گیا تو چہرے کی تابناکیاں قابل دید تھیں حاضرین نے بے ساختہ دست و پیشانی کو بوسہ دیا، اور عقیدت کے آنسو بہائے، نماز جنازہ میں ہزاروں انسان شریک ہوئے، جن راہوں سے جلوس جنازہ گزرا وہاں ٹریفک روک دیا گیا، عجب پُر کیف منظر تھا۔

حضرت مولانا کے انتقال کے بعد بعض کرامات ظہور میں آئیں، بعض کا ذکر کیا جاتا ہے :-

(۱) جس وقت غسل دیا جارہا تھا دور دور بادلوں کا نام ونشان نہ تھا لیکن اچانک بادل کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور نعش مبارک پر رحمت کی پھوار برساتا ہوا چلا گیا۔

(۲) انتقال کے چند روز بعد ایک عزیز علی احمد صاحب نے (جو آجکل اٹلی میں ہیں) دہلی کے ایک مقام پر مولانا کو بچشم خود دیکھا، ملاقات ہوئی، گفتگو بھی ہوئی، اس وقت یہ خیال نہ رہا کہ مولانا تو وصال فرما چکے ہیں، جب ملاقات کے بعد مولانا چلے گئے تو علی احمد صاحب کو معًا خیال آیا کہ وہ تو وصال فرما چکے ہیں، مڑ کر جو دیکھا تو دور دور پتہ نہ ملا۔

(۳) تدفین کے کئی روز بعد حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز حضرت مولانا کے مزار واقع درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ پر اہل خانہ کے بچوں کو لے گئے، فاتحہ کے بعد کہا

دیکھتے ہیں کہ قبر کے ایک گوشہ میں ایک تر و تازہ سنگترہ رکھا ہوا ہے کہ اس سے بڑا اور ویسا لذیذ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، اللہ اللہ انتقال کے بعد بھی بچوں کو خوب ضیافت فرمائی، سب بچوں کو تقسیم کر دیا گیا۔

مولانائے مرحوم کی حیات وفا کرتی تو وہ دین و مذہب اور علم و ادب کی بہت خدمت کرتے چھوٹی عمر میں جو کچھ انہوں نے کیا اس سے مستقبل کی ترقیاں بے حجاب نظر آتی تھیں، مگر مولی تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ان کی تقاریر کے ایک دو مسودے محفوظ رہ گئے ہیں، یہاں ایک تقریر سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے :۔

نمونۂ تقریر

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ "صحت کے انوار اس حق (ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے گوشوں پر جھلک رہے تھے" جب ہی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابوبکر :۔

"لم یعرفنی حقیقة غیر ربی"

"یعنی مجھے ٹھیک ٹھیک جیسا کہ میں ہوں کسی نے میرے رب کے سوا نہیں دیکھا" جس کسی نے دیکھا اپنی قابلیت کے لحاظ سے دیکھا لیکن حقیقت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کے علاوہ کسی نے نہ دیکھا، عاشق کہتا ہے ؎

ترا چناں کہ توئی دیدہ کجا بیند ؟
بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک

غور کیجئے! البشریت سرکار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاکہ پیش کروں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور جس راستہ سے گزر فرماتے تو تلاش کرنے والا جان لیتا کہ اس راستہ سے گزر فرمایا ہے کہ وہ راستہ خوشبو سے مہک جاتا تھا، محدث اسحٰق فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا کہ یہ خوشبو، استعمال خوشبو سے تھی بلکہ یہ خلقاً حقیقی خوشبو تھی اور پیدائشی آپ کا جسم مبارک مطہر تھا، شیخ محقق، مدارج شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اس کی سسرال رخصت کرنا چاہا خوشبو نہ تھی، حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کچھ خوشبو مل جائے، حضور نے شیشی طلب فرمائی

اور اس میں عطر ڈالا اور اپنے پسینہ معطر سے تھوڑا سا پسینہ بھی ڈال دیا اور فرمایا کہ اسے لگا دو، جو اس نے یہ خوشبو لگائی تو تمام مدینہ معطر ہو گیا، یہاں تک کہ اہل مدینہ نے اس گھر کا نام بیت الطیّبین رکھا، فاضل بریلوی فرماتے ہیں :-

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ چاہے دلہن پھول

حضور کے دست مبارک وہ تھے جس مریض پر وہ دست شفا پہنچا، مرض دور ہو گیا، نہیں نہیں بلکہ اس مریض میں جان آگئی ——— انگشت مبارک سے اگر سورج کو لوٹنے کا حکم فرماتے ہیں تو آفتاب غروب ہونے پر افق آسمانی پر طلعت ریز ہوتا ہے۔

چہرۂ اقدس کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے اور روئے زیبا کی تابشوں کا یہ منظر ہے کہ آفتاب نبوت، مہتاب رسالت کی چمکیلی کرنیں جب سینۂ پاک ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پر پڑتی ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں :-

لو لم تکن فیہ آیات مبینة   وکان منظرہ ینبیك بالخبر

یعنی اے لوگو! اگرچہ آپ معجزات اور آیات بینات پیش نہ بھی فرماتے تب بھی آپ کا چہرہ وہ تھا، تم کو نبوت کی خبر دے رہا تھا یعنی انوار نبوت و رسالت جھلک رہے تھے اس روئے جاناں میں۔ [1]

فاضل نوجوان مولانا منظور احمد مرحوم

مولانائے مرحوم دہلی میں پیدا ہوئے، قرآن کریم اور علوم عقلیہ نقلیہ کی ابتدائی تعلیم حضرت قبلہ قدس سرہ سے حاصل کی پھر ۱۹۴۲ء میں مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں داخل ہو گئے اور ۱۹۴۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

حضرت مولانائے مرحوم نے انیس سال کی چھوٹی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ میں سند تکمیل حاصل کی اور پورے جامعہ میں اول آئے، ۱۷ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء کو مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، جس میں حضرت قبلہ قدس سرہ، خواجہ حسن نظامی مرحوم، خواجہ محمد شفیع، ڈاکٹر ذاکر حسین (موجودہ صدر جمہوریہ ہند) وغیرہ عمائدین و اکابرین موجود تھے، نتیجہ کا اعلان ہوا تو سر

---

[1] یہ اقتباس مولانائے مرحوم کے ایک مسودے سے لیا گیا ہے جس پر نظر ثانی نہیں کی گئی، جو کچھ لکھا گیا ہے قلم برداشتہ

فہرست مولانائے مرحوم کا نام تھا، سب حضرات حیران رہ گئے، ڈاکٹر ذاکر حسین نے دستار بندی کی رسم ادا کی اور مولانا کو خصوصی مبارک باد دی۔

مولانائے مرحوم نے جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا حضرت قبلہ قدس سرہ کے علاوہ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔

مولانا محمد شریف اللہ، مولانا ولایت احمد مرحوم، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا اشفاق الرحمٰن مرحوم، مولانا سجاد حسین، مولانا عبدالقادر مرحوم، مولانا ناصر خلیق اور مولانا عبدالحنان مرحوم

۱۹۴۶ء میں مولانا درس نظامیہ سے فارغ ہوئے اور دوسرے ہی سال دہلی میں فسادات شروع ہو گئے، مسلمانوں کیلئے عرصہ حیات تنگ ہو گیا، اور ترقی کی راہیں مسدود نظر آنے لگیں، مجلس اوقاف دہلی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو طالب علم جامعہ میں اول آئے گا اس کو اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ ازہر، مصر بھیجا جائے گا مگر فسادات نے اس امید کو بھی خاک میں ملا دیا چناں چہ مولانائے مرحوم خرابی صحت اور تلاش معاش کے سلسلے میں ۱۹۴۷ء کے آخر میں پاکستان تشریف لائے، اور اپنی عمہ محترمہ کے ہاں حیدرآباد قیام کیا یہاں آ کر علالت نے کچھ کام کرنے کی مہلت نہ دی چناں چہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" ——— اور بالآخر مئی ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد ہی میں وصال فرمایا۔ ع گلے بر فت کہ تا آید بصد بہار دگر۔

مولانائے مرحوم کی سیرت میں صبر و تحمل کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، علالت کے زمانے میں بھی جس برداشت کا ثبوت دیا وہ اس عمر کے مریضوں سے مستبعد ہے، ایام علالت میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے،

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ؛ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور

پشیمانیاں ہیں گناہوں پہ لیکن ؛ بڑے ہی مزے کی پشیمانیاں ہیں

دوسری بات جو ایام علالت میں دیکھی گئی وہ والد محترم کی دلداری کا پورا پورا خیال تھا، باوجودیکہ مرض الموت میں مبتلا تھے، اور یقین تھا کہ چند روز میں اس دنیائے فانی سے رحلت کر جائیں گے مگر سہارا لیکر حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی خیریت کا ذکر تھا اور صحت کی خوش خبری، اللہ اکبر دلداری ہو تو ایسی ہو۔

مئی ۱۹۴۹ء کے آخری عشرہ میں جب حالت نازک ہو گئی تو حضرت قبلہ کو اطلاع دی گئی،

حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ عزیمت کی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فرمایا :-

"ہر وقت مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں کہ ایک ہی دوا تریاق کا حکم رکھتی ہے۔"

(محررہ ۱۳ مئی ۱۹۴۹ء از دہلی)

چند روز بعد جب وصال کی اطلاع دی گئی، تو بجائے بےچینی و اضطراب کے سکون و طمانیت سے معمور مکتوب گرامی آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل اللہ عین ابتلا میں کیسے مطمئن ہوتے ہیں یہ اطمینان و سکون دنیا سے معدوم ہوتا جاتا ہے، حضرت نے جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا "مکتوبات مظہری" میں شامل کر دیا گیا ہے، یہاں صرف اس کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ہے :-

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

لِلّٰہِ ما اعطیٰ ولہٗ ما اخذ وعندہٗ اجل مسمّٰی

اندوہ گسا من بکنار شکیبائی آرام گرفتہ باشید

والسلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ! مولیٰ تعالیٰ اس جاں کاہ صدمہ پر تمہیں صبر عطا فرمائے اور اس پر اجر عظیم سے سرفراز فرمائے، مرحوم جن خوبیوں کے مالک تھے ان پر نظر رکھتے ہوئے امید قوی ہے کہ عطایائے عظیم سے ان کو نوازا گیا ہوگا مولیٰ تعالیٰ اس سے بھی زائد ان کے درجات بلند فرمائے۔

الیٰ آخرہ

مولانائے مرحوم کے انتقال کی خبر جب دہلی پہنچی تو ان کے استاد گرامی مولانا ولایت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اگر مولانا کی حیات وفا کرتی تو وہ اپنے زمانہ کے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح ہوتے"[1]۔ مگر افسوس قدرت نے یہ متاع عزیز لے لی، اور جن پھولوں سے چمن کی امیدیں وابستہ تھیں وہ زیر زمیں دفن کر دیئے گئے :-

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

---

[1] حضرت قبلہ رح نے اکثر مکاتیب میں اساتذہ کے ان اقوال کا ذکر کیا ہے جو ہم نے "مکاتیب مظہری" میں شامل کر دیئے ہیں ان مکاتیب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو مرحوم سے بے پناہ محبت تھی۔

مولانا مرحوم کو علم و ادب اور دین و مذہب سے خاص لگاؤ تھا، اگر ان کی حیات وفا کرتی تو نہ معلوم وہ کیا کچھ خدمت کرتے مگر حیف ع خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں ــــ علوم عربیہ سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان کراچی کے لئے دائمی نظام الاوقات کی تقویم حضرت قبلہؒ کی نگرانی میں مرتب کی تھی جو ۱۹۶۷ء میں کوئٹہ سے شائع ہو چکی ہے۔
مولانا مرحوم نے تقریر و تحریر کی طرف بھی توجہ فرمائی، دہلی میں ایک محافل میں تقریریں فرمائیں، ان کی تقریر کا انداز بڑا سنجیدہ و متین ہوتا تھا، حسن اتفاق سے ان کی تقاریر کے دو تین مسودے محفوظ رہ گئے ہیں جو نظر ثانی سے محروم رہے، بہر کیف یہاں تین اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

نمونۂ تقریر

(۱)

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ؕ

انعامات باری تعالیٰ لامتناہی اور بے شمار ہیں، دن کو دیکھئے کہ آپ کے لئے معاش بنایا، آپ اس میں اپنے لئے روزی مہیا کرتے ہیں اور طرح طرح کے اپنے ضروری کام انجام دیتے ہیں، اور آپ کے آرام کے لئے رات کو بنایا، آپ کے لئے زمین کو فرش معتدل بنایا، آپ کے لئے رزق کو پیدا کیا اور قسم قسم کے پھل پیدا کئے اور آپ اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے کہ آپ کے دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سننے کے لئے کان، چلنے کے لئے پیر بنائے ؟
غرض کہ ہر آن انسان پر احسانات باری تعالیٰ کی بارش ہوتی ہے کہ انسان اس میں غرق ہوتا ہے اور کچھ اس کو خبر نہیں ہوتی ــــ لیکن قربان جائیے آقا اور مولیٰ کے کہ ہر وقت اپنے بندہ کی نگہداشت کرتا ہے، اس کو رزق دیتا ہے، حیات اور بقا بخشتا ہے اگرچہ بندہ کی طرف سے ہر ساعت غفلت ہی غفلت ہوتی ہے ؎

تجھ کو اتنا قریب پاتا ہوں ۔۔۔ یاد کرنا بھی بھول جاتا ہوں

خدا کی قسم اگر ایک ادنیٰ سے نعمت کا شکریہ عمر بھر ادا کیا جائے تو اس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ تمام نعمتوں کا ؟ ــــ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ سب سے بڑی نعمت وجود اور حیات ہے، کیوں کہ وجود ہی پر تمام نعمتیں مرتب ہوتی ہیں اور وجود

ہی تمام کمالات کا منبع ہے، یہی وجہ ہے کہ جس ذات میں وجود عین ذات ہو تو وہ ذات منبع کمالات ہوتی ہے جیسا کہ ذات باری تعالیٰ کہ اس میں وجود عین ذات ہے اور واجب تعالیٰ منبع کمالات اور سرچشمۂ عجائبات ہے تو وجود اصل النعمت ہے تو جس ذات کے صدقے میں وجود ملے وہ ذات کتنی بڑی نعمت ہوگی ؟ ——— ہاں ہاں وجود نہیں ملا مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور وسیلے سے، چناں چہ حدیث میں وارد ہے :-

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ

"اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو میں تمام انسانوں اور جنوں کو پیدا نہیں فرماتا"

اور بات بھی یہی ہے کہ اگر محبوب نہیں تو اور چیزوں سے کیا واسطہ ؟ — ایجاد عالم کا سبب کیوں نہ ہوں جب کہ عالم کی جان ہیں، اعلیٰ حضرت بریلوی کیا خوب فرماتے ہیں ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں نہ کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

تو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے کسی نعمت پر بھی احسان نہیں جتایا سوائے آں حضرت کے، چناں چہ فرماتا ہے :-

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا الخ

"بلاشبہ حق تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ انہیں میں سے ان کو رسول مرحمت فرمایا"

تو جب ادنیٰ سی نعمت کا شکر واجب ہے تو کیا نعمت عظمیٰ کا شکر واجب نہ ہوگا ؟ —— اور جب ادنیٰ سی نعمت کا ذکر واجب ہے تو کیا نعمت اعلیٰ کا ذکر واجب نہ ہوگا ؟ ——— جب کہ ہر نعمت کا شکر و ذکر واجب ہے تو کیا نعمت عظمیٰ اور اعلیٰ جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر واجب نہ ہوگا ؟ ——— یقیناً ہوگا ——— یاد رکھئے کہ اس سرچشمۂ نعائم کا شکر ادا کیا تو تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا، کیوں کہ جب اس نعمت کا شکر ادا کیا جس کے طفیل میں وجود ملا اور وجود پر تمام نعمتیں متفرع ہوتی ہیں تو گویا کہ تمام نعمتوں کا شکریہ ادا کیا۔ تو ذکر حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) واجب ہے، اسی کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

"اور اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کرو"

"اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو" ——— یہاں نعمت کی اضافت رب کی جانب ہے تو

اضافت تخصیص کے لئے تو ہے نہیں کیوں کہ تمام نعمتیں اللہ ہی کی ہیں، غیر کی تو ہیں نہیں جو باری تعالیٰ فرمائے کہ اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو اور غیر کی نعمت کا ذکر نہ کرو" ــــــ یہاں اضافت تعظیم کے لئے ہے نعمت کی عظمت بیان کرنے کے لئے کہ اس نعمت کو یاد کرو جو عظیم ہے، جس کو خالق مطلق کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور خصوصی نسبت و تعلق ہے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو! اللہ اللہ این چہ بوالعجبیست کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تو فرماتے ذکر کرو، چرچا کرو اور خود بھی جا بجا اپنے محبوب کا ذکر بکثرت فرمائے اور کہنے والے بدبخت یہ کہیں کہ ذکر محبوب بدعت ہے، ارے ذکر محبوب بدعت نہیں بلکہ بدعت تو تم ہو، تم حضور کے زمانۂ اطہر میں کب تھے؟ آں حضرت کا ذکر تو قرآن شریف میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی تو کیا مصحف مقدس اور حدیث پاک بھی بدعت ہے؟ ــــ میں تو کہتا ہوں کہ حضور کا ذکر شریف جب سے دنیا قائم ہے ہوتا چلا آرہا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے حضور کا ذکر پاک ہوتا رہے گا اور کیوں نہ ہو جس کا ذکر رب العزت بلند کرے اس کو کوئی نیچا کر سکتا ہے؟ ــــ کس کی طاقت ہے کہ اس کو پست کر دے؟ ــــ پست کرنے والے خود پست ہو جائیں گے لیکن نہ ہوگا پست تو ذکر محبوب نہ ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ

اے محبوب ہم نے تمہارے ذکر کو بلند و اعلیٰ کر دیا ہے کسی کی طاقت اور مجال نہیں کہ تمہارے ذکر کو پست کر دے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے، خواہ عالم آخرت ہو یا دنیا، سراسر نعمت اور مجسم رحمت ہیں، چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(حصر کے ساتھ فرماتا ہے) کہ اے محبوب ہم نے تم کو نہیں مبعوث فرمایا مگر عالم کے لئے رحمت بنا کر۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

"اور باری تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا درانحالیکہ آپ ان میں موجود ہوں"

یعنی آپ تو رحمت ہیں عالم کے لئے اور یہ کہیں ہو سکتا ہے کہ جہاں رحمت ہو وہاں عذاب نازل ہو؟ تو معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہاں کے لئے مجسم رحمت ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا

کافر حیوان ہوں یا غیر حیوان ——— خصوصاً مسلمانوں کے لئے بدرجہ اتم رؤف و رحیم ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

"اور مؤمنین پر مشفق و مہربان ہیں"

ان کی رحمت تو دیکھئے کہ اپنی تمام امت کو بخشوایا اور جب تک راضی نہیں ہوئے جب تک اپنی امت پر دوزخ حرام نہیں کرالی ——— پچاس نمازوں کے بجائے پانچ نمازیں فرض کرائیں لیکن ثواب پچاس ہی رکھا ——— اور امتوں کی عبادت کے لئے خاص مواضعات ہوا کرتے تھے لیکن اس امت کے لئے تمام زمین مسجد بنا دی گئی، پچھلی امتوں کی عمریں طویل ہوا کرتی تھیں تو وہ عبادت میں سبقت لیجاتے ہوئے نظر آنے لگے لیکن قربان جائیے فضل کریم کے کہ اس قصیر عمر والی امت کو ایک ایسی شب بہار کہ مرحمت فرما دی جس کی عبادت ایک ہزار ماہ سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح عبادت میں امت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سبقت لیجانے والوں میں شامل کر دیا، اللہ اللہ بڑی بڑی عمر والے پیچھے رہے جاتے ہیں اور چھوٹی عمر والے آگے بڑھ رہے ہیں، کیا عرض کیا جائے بیشمار نعمتیں اور رحمتیں ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہمیں ملیں، ملتی ہیں اور ملتی رہیں گی، چناں چہ آپ فرماتے ہیں :-

اَللّٰهُ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ

"اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں"

(۲)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ

انسان جبھی کوئی شئے خریدتا ہے جب کہ وہ اس کو پسندیدہ ہو، اور کلیہ قاعدہ ہے عقل کا مقتضی بھی یہی ہے ——— "اشترا" کے معنی عربی میں "خریدنے" کے ہوتے ہیں تو آیت شریفہ کے یہ معنی ہوئے کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو بعوض جنت کے خرید لیا ہے ——— یعنی اے مسلمانوں ہمیں تمہاری جانیں بھا گئیں ہیں اور پسند آگئی ہیں اس لئے ہم نے تم کو جنت دے کر ان کو خرید لیا اور اپنا لیا ہے۔

اب یہاں غور طلب دو امر ہیں ایک تو یہ کہ آیا یہاں حقیقی معنوں میں بیع و شرا ہے ؟ دوسرا یہ کہ پسندیدگی کی وجہ کیا ہے ؟ ——— حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ

کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ تمہارا معبود ایک ہے تمہارا خالق واحد ہے، وہی اور صرف وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں وہی سب کا خالق و مالک ہے سب اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔

یہ آواز اس ماحول میں بالکل نوکھی اور نرالی تھی، جب کہ ہر طرف شرک و کفر پھیلا ہوا تھا، حتیٰ کہ وہ جگہ جو توحید کا منبع اور مرکز تھی وہ اب کفر و شرک کا مرکز بن چکی تھی، لوگوں کے دلوں میں کفر و الحاد راسخ ہو چکا تھا، یہی وجہ تھی کہ کسی نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنوں کہا، کسی نے مسحور کہا، کسی نے دیوانہ کہا ـــــ قسم قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں دیں لیکن وہ صبر و ضبط کا مستحکم پہاڑ اپنی جگہ پہ ڈٹا رہا، اور ایک آواز حق بلند فرماتا رہا کہ اے دنیا کے انسانوں ! تباہی اور ہلاکت کی طرف جانے والوں ! اپنے خالق و مالک کے سرکشوں ! ظلم اور شرک کے متوالوں ! ادھر آؤ ـــ ذات واحد کی طرف متوجہ ہو، اسی کے آگے سرنگوں ہو، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس لائق نہیں کہ اس کے آگے جھکا جائے، اس کی سزاوار نہیں کہ اس سے ڈرا جائے اس کا محکوم بنا جائے، سوائے ایک ذات خدا کے۔

چند ازلی شریف الطبع انسانوں نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو لبیک کہا اور سرکار کے دست مبارک پر بیعت کی، اپنی جانوں اور مالوں کو اپنے مولیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیا یعنی اپنا سب کچھ اپنے مالک کے ہاتھ سونپ دیا۔

یہ وہ لوگ تھے جو صبر و ضبط، تحمل و بردباری اور انسانیت و شرافت کا پتلا بن چکے تھے، یہ لوگ تھے جو جذبۂ ایمانی اور اخوت اسلامی کا مجسمہ بن چکے تھے، یہ وہ لوگ تھے جن میں اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سرایت کر چکا تھا، یہ وہ لوگ تھے جو ایثار و قربانی کا پیکر بن چکے تھے، یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے پائے ثبات کو دنیا میں تصور انسانی آنے والی مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت مصائب و تکالیف متحرک نہیں کر سکتی تھیں، جنہوں نے میدان عمل میں آکر مصائب کے پہاڑوں کی بھیانک گھاٹیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ عبور کر لیا، یہ وہ لوگ تھے جن کو اپنے مولیٰ کی حقیقی معرفت حاصل ہو چکی تھی، جو نور حق سے مستنیر ہو چکے تھے، جنہوں نے راہِ حق میں اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو قربان کر دیا تھا، جن کو ہدایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سر کٹا کر جینا سکھا دیا تھا ـــــــــــ

مولانائے مرحوم کا انتقال اکیس سال کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے حضرت یکتا دہلوی نے یہ مادۂ تاریخ نکالا ہے :-

ملا کر الف یکتا اللہ کا لکھ
خدا کا ہے محبوب منظور احمد
۱۹۴۹ء

راقم الحروف محمد مسعود احمد

راقم الحروف کی دہلی میں ولادت ہوئی، قرآن کریم اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں حضرت قبلہ والد ماجد قدس سرہ سے پڑھیں، ۱۹۴۰ء میں مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی میں داخلہ لیا اور وہاں باقاعدہ علوم عربیہ کی تحصیل شروع کی مگر حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی علمی رہنمائی برابر رفیق راہ رہی، مدرسہ مذکور میں تقریباً چار سال عربی علوم و فنون کی تحصیل کے بعد ۱۹۴۵ء میں اورینٹل کالج مسجد فتح پوری، دہلی میں داخلہ لیا اور یہاں دو سال فارسی علوم و ادب کی تحصیل کی، ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونیورسٹی (سولن) سے منشی فاضل (Honours in Persian) کا امتحان پاس کیا سنہ مذکور میں راقم کے برادر مرحوم مولانا منظور احمدؒ پاکستان تشریف لے آئے تھے اور یہاں آکر سخت علیل ہو گئے چنانچہ راقم ان کی تیمارداری کے لئے ۱۹۴۸ء میں پاکستان آیا اور حیدرآباد میں اپنی عمہ مکرمہ کے ہاں قیام کیا ۱۹۴۹ء میں برادر موصوف انتقال فرما گئے اور راقم مستقل طور پر یہیں کا ہو کر رہ گیا ——— برادر مرحوم کے سانحۂ ارتحال نے زندگی کو غمناک بنا دیا تھا، مگر عمہ ممدوحہ کی بے پناہ شفقتوں نے بڑی ہمت افزائی فرمائی اور پاکستان میں تعلیم کا سلسلہ پھر جاری کیا چنانچہ ۱۹۵۲ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ——— ۱۹۵۴ء میں پہلے مذکورہ یونیورسٹی سے ادیب فاضل (Honours in Urdu) کا امتحان پاس کیا پھر انٹرمیڈیٹ کا۔ ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اس کے بعد سنہ مذکور ہی میں سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد میں ایم۔ اے (اردو) میں داخلہ لے لیا، یہاں ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں جیسا استاد کامل نصیب ہوا جن کی صحبت کیمیا اثر نے قلب و دماغ کو جلا بخشی، ۱۹۵۸ء میں مذکورہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا اور بفضلہ تعالیٰ پوری یونیورسٹی میں اوّل رہا جس کے صلے میں گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور وائس چانسلر کی طرف سے سلور میڈل دیا گیا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اور مشفقین و محسنین کی تعلیم و تربیت اور دعاؤں کے شیریں ثمرات ورنہ احقر کس لائق تھا؟

راقم نے جن اساتذہ گرامی سے باقاعدہ طور پر یا کچھ عرصہ کے لئے استفادہ کیا ہے، تحدیث نعمت کے طور پر ان کے اسماء گرامی تحریر کرتا ہوں :-

عربی علوم و فنون کے اساتذہ

حضرت قبلہ والد ماجد قدس سرہ، مولانا محمد شریف اللہ، مولانا سجاد حسین، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا ولایت احمدؒ

مولانا اشفاق الرحمٰنؒ، مولانا عبدالقادرؒ، اور مولانا ناصر خلیق۔

فارسی علوم کے اساتذہ

حضرت قبلہ والد ماجد قدس سرہ، مولانا محبوب الٰہی، مولانا محمد ادریسؒ، اور مولانا عبدالسمیع۔

انگریزی علوم کے اساتذہ

ماسٹر حبیب اللہ مرحوم، حاجی محمد سلیمان، حاجی عبدالخالق، ماسٹر رضی الرحمٰن، پروفیسر مقبول احمد پروفیسر عبدالرشید، پروفیسر این۔ ایم ناز، پروفیسر نیاز احمد، اور پروفیسر جلیل احمد۔

ادب اردو کے اساتذہ

پروفیسر الحاج ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر خان رشید اللہ خان، ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی اور پروفیسر غلام مرتضیٰ خاں۔

۱۹۵۶ء میں راقم دہلی حاضر ہوا تھا، حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ العزیز نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرما کر سکون جاوداں بخشا، فی الحقیقت یہ روحانی تعلق بہار زندگی ہے اگر بیعت نہ ہوتا تو باوجود تحصیل علوم کے ناتمامی کا شدید احساس رہتا۔ علوم و فنون ذہن کی اصلاح تو کر سکتے ہیں مگر دل کی اصلاح ان کے بس کی بات نہیں بلکہ دماغ کی اصلاح بھی دل ہی کی روشنی میں ہوتی ہے ؎

کاروبار جہاں سنورتے ہیں ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے

راقم کی علمی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء ہی سے ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی قبل ۱۹۵۴ء سے جب لیوپولڈ اسد کی کتاب "اسلام ایٹ دی کراس روڈز" کے بعض ابواب کو اردو میں منتقل کیا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں سندھ یونیورسٹی کے انعامی مقابلہ میں حصہ لیا اور "ولی دکنی اور چاسر" کی شاعری کے تقابلی مطالعے پر ایک مضمون پیش کر کے واحد انعام حاصل کیا۔ ۱۹۵۸ء میں ہندوستان کے مشہور فاضل ڈاکٹر تارا چند کی کتاب "دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر" کا اردو ترجمہ کیا، اور ایک مبسوط مقدمہ لکھا، یہ ترجمہ "تمدن ہند پر اسلامی اثرات" کے نام سے ۱۹۶۴ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔ ۱۹۵۸ء ہی میں سندھ

یونیورسٹی کے رجسٹرار محمد حسین ترک کی کتاب "ذی اکانمک ہسٹری آف حیدر آباد" کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۵۸ء ہی میں "حیدر آباد کی معاشی تاریخ" کے نام سے حیدر آباد سے شائع ہوا، سنہ مذکور ہی میں بعض رفیقوں کی مندرجۂ ذیل کتابوں کے اردو تراجم میں معاونت کی :-

(۱) ایچ - اے - آر - گب : محمڈنزم

(۲) میکڈانلڈ : اسلامک جیوریس پروڈنس

۱۹۵۸ء میں ایم - اے کرنے کے فوراً ہی بعد پروفیسر ائی - ایس - طاہر علی (پرنسپل شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میرپور خاص) کی اعانت و عنایت اور اللہ کے فضل و کرم سے مذکورہ کالج میں ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو عارضی طور پر بحیثیت لیکچرار تقرر ہوا، اسی سال مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن، لاہور کے اجلاس منعقدہ نومبر ۱۹۵۸ء میں انٹرویو دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہا۔ ۱۹۶۰ء میں دو سال کا عبوری دور گزر جانے کے بعد گورنر مغربی پاکستان نے ملازمت کو مستقل کر دیا، ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء سے ۱۸ اگست ۱۹۶۶ء تک آٹھ سال گورنمنٹ کالج میرپور خاص میں کام کرتا رہا ـــــــ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کو مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن، لاہور کے اجلاس میں اردو پروفیسر کی ایک اسامی کے لئے انٹرویو دیا، اور بفضلہٖ تعالیٰ اس میں کامیاب رہا، چناں چہ گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ کے لئے بحیثیت پروفیسر انتخاب کیا گیا، ۱۹ اگست ۱۹۶۶ء کو میرپور خاص سے یہاں آکر چارج لیا، فی الحال یہیں کام کر رہا ہوں -

میرپور خاص سے کوئٹہ تبادلے کے بعد کالج کے قدیم رفقاء نے جو خطوط لکھے اور ان میں جن نیک جذبات کا اظہار فرمایا وہ تحدیثِ نعمت اور اظہارِ تشکر و امتنان کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں، حاشا و کلا تفاخر مقصود نہیں، حضرت کے فیضِ تربیت کا اعجاز دکھانا ہے کہ مجھ جیسے نااہل شخص کو بھی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا، ورنہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں سے خوب واقف ہوں۔

(۱)

راجہ ایف - ایم ماجد، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج میرپور خاص

ـــــــ کلاس I منتخب ہونے پر دلی مبارک باد قبول فرمائیے، آپ کی ذات سے اس عہدے کو شرف پہنچے گا، اگر حقیقی معنوں میں کوئی اس کا حقدار ہے تو وہ آپ ہیں، میں صمیم قلب سے آپ کے لئے نیک تمناؤں کا حامل ہوں اور دعا گو ہوں کہ خدا آپ کو اس سے بھی اعلیٰ مدارج عطا فرمائے آمین۔

(از لاہور، ۲۷ اگست ۱۹۶۶ء)

(۲)

عبدالباری صاحب، استاد تاریخ عمومی، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

آپ کی ذات بابرکت کی موجودگی میرے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی۔

(از میرپور خاص، ۳۱ اگست ۱۹۶۶ء)

(۳)

عبدالعزیز خاں صاحب، استاد شعبۂ انگریزی، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

ہم آپ کو بہت ہی یاد کرتے ہیں، آپ کی مفارقت کو میرپور خاص کی فضائیں محسوس کر رہی ہیں ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پھر اس علاقے میں بھیجے۔

(مرسلہ ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء)

ترجمہ انگریزی

(۴)

مسعود علی صاحب، استاد تاریخ اسلام، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

آپ کی جدائی نے ہمارے حلقے میں خلا پیدا کر دیا مگر آپ کی ترقی کی خاطر یہ قربانی بھی گوارہ ہے، فی الحقیقت ہمارے درمیان آپ کی موجودگی باعث برکت و صد رحمت تھی، آپ کی علمی بصیرت اور مفید مشورے قابل قدر تھے اور سکون بخشنے والے تھے۔ اب ہمیں اس کا شدید احساس ہے۔

(از میرپور خاص، ۳ ستمبر ۱۹۶۶ء)

(۵)

غلام حسین سجادری، استاد عربی، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

آپ کے جانے سے جو کالج میں خلا پیدا ہو گیا ہے وہ شاید ہی پُر ہو سکے، ہر انسان میں قادر حکیم نے الگ الگ خوبیاں رکھی ہیں جس طرح جسم کے تمام اعضاء اپنا جداگانہ مقام رکھتے ہیں تاہم قلب و جگر اور دماغ و نظر کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا واصدق ما قال

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

آپ بحیثیت استاد کے ایک ایسے معلم تھے جس سے نہ فقط طلباء (مگر) بلکہ اساتذہ بھی (فیضان) فیض یاب تھے ــــــ ویسے تو تبادلہ ایک رسم بن چکا ہے لیکن بعض رسومات باعث خوشی ہوتی ہیں اور بعض باعث رنج و غم اور یہ اس ثانی الذکر میں سے ہے۔

(از میرپور خاص، ۷ ستمبر ۱۹۶۶ء)

(۶)

شمشاد علی خاں صاحب، استاد شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

مجھے جناب کی ترقی اور بہتری پر انتہائی خوشی ہے لیکن آپ کی موجودگی میرے لئے بہت بڑا سہارا تھی، وہ سہارا جاتا رہا، اس کے باعث اکثر پریشان ہو جاتا ہوں، دوسرے یہ کہ میں یوں تو آپ سے کم کم ہی ملتا تھا لیکن جب بھی ملتا اور بیٹھتا تو کچھ نہ کچھ سیکھ لیتا، اب لگتا ہے کہ وہ سلسلہ بھی جاتا رہا، میرے حق میں دعا فرمائیے۔

(از میرپور خاص، ۷ ستمبر ۱۹۶۶ء)

آغاز ملازمت سے پہلے ہی طالب علمی کے زمانے میں مضمون نگاری کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، پھر ۱۹۵۹ء میں ملازمت کے بعد تحقیقی مقالات کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا اور بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دس برسوں میں ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا، جو مضامین اور مقالات شائع ہو چکے ہیں ان کی ایک اجمالی فہرست تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کی جاتی ہے، یہ تفصیلات محض تحدیث نعمت کے طور پر پیش کی جا رہی ہیں:-

۱۹۵۷ء "محراب حرم" (لاہور) کے اپریل کے شمارے میں ایک مضمون بعنوان "نقطۂ کمال" شائع ہوا۔

۱۹۵۹ء (۱) گورنمنٹ کالج، میرپور خاص کے مجلہ لطیف کے سالنامے میں ایک مقالہ بعنوان "اسلامی رواداری" شائع ہوا جس کو بعد میں نیو کاسل (انگلستان) کے رسالہ سفر شش کے شمارہ ۱۹۶۰ء میں بھی شائع کیا گیا (۲) ایک مقالہ بعنوان "غمگین دہلوی" ماہنامہ فاران (کراچی) کے شمارہ ستمبر میں شائع ہوا (۳) ایک مقالہ بعنوان "حضرت غمگین، غالب کی نظر میں" رسالہ اردو (کراچی) کے شمارہ اکتوبر میں شائع ہوا (۴) ایک مقالہ بعنوان "سماع" رسالہ فاران (کراچی) کے شمارہ نومبر میں شائع ہوا۔

۱۹۶۰ء (۵) ایک مقالہ بعنوان "ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد" رسالہ فاران (کراچی) کے شمارہ مارچ میں شائع ہوا (۶) ایک مقالہ بعنوان "حضرت غمگین شاہجہان آبادی" رسالہ برہان (دہلی) کے تین شماروں مئی، جون، اور جولائی میں مسلسل شائع ہوا (۷) ایک مقالہ بعنوان "خواجہ سنور داوران کی فارسی رباعیات" رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دو شماروں اکتوبر اور نومبر میں بالترتیب شائع ہوا (۸) ایک مقالہ بعنوان "جمال الدین ہانسوی

الخطیب" رسالہ برہان (دہلی) کے دو شماروں نومبر اور دسمبر میں مسلسل شائع ہوا (۹) ایک مقالہ بعنوان "حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی" رسالہ اردو (کراچی) کے شمارہ اپریل میں شائع ہوا، (۱۰) ایک مضمون بعنوان "جگر مراد آبادی" حیدر آباد سندھ کے ایک سالنامے میں شائع ہوا

سنہ ۱۹۶۱ء (۱۱) ایک مقالہ بعنوان "حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی" رسالہ برہان (دہلی) کے دو شماروں اپریل و مئی میں شائع ہوا۔ (۱۲) ایک مقالہ بعنوان "حضرت غمگین اور مرزا غالب کے جواب میں ان کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب" رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے مئی کے شمارے میں شائع ہوا (۱۳) ایک مقالہ بعنوان "آقائے سرہندی" رسالہ قومی زبان (کراچی) کے لئے لکھا گیا جو بہت بعد میں ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ (۱۴) ایک مفصل و مبسوط مقالہ بعنوان "شیخ احمد سرہندی" رسالہ معارف (اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء سے فروری ۱۹۶۲ء تک بالترتیب نو قسطوں میں شائع ہوا، اس مقالہ کو ماہنامہ الفرقان (لکھنو) نے ستمبر ۱۹۶۱ء سے اپریل ۱۹۶۲ء تک آٹھ قسطوں میں بالترتیب شائع کیا، اسی مقالہ کا ایک باب بعنوان "اکبری دور" رسالہ ایشیا (لاہور) کے نومبر ۱۹۶۱ء کے شمارے میں شائع ہوا (۱۵) ایک مقالہ بعنوان "اسلام اغیار کی نظر میں" رسالہ الاسلام (دہلی) کے اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوا (۱۶) ایک مضمون بعنوان "اقبال اور نظریہ پاکستان" رسالہ فاران (کراچی) کے اگست کے شمارے میں شائع ہوا۔

سنہ ۱۹۶۲ء (۱۷) ایک مفصل و مبسوط مقالہ "شاہ محمد غوث گوالیاری" کے عنوان سے رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے پانچ شماروں میں (جولائی تا دسمبر) مسلسل شائع ہوا، بعد میں یہ مقالہ ترمیم و اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں ۱۹۶۴ء میں میرپور خاص (مغربی پاکستان) سے شائع ہوا، (۱۸) ایک مقالہ بعنوان "الجواہر الخمسہ" رسالہ برہان دہلی میں اپریل کے شمارے میں شائع ہوا (۱۹) ایک مضمون بعنوان "ولی کے محاسن سخن" رسالہ لطیف گورنمنٹ کالج، میرپور خاص کے سالنامہ میں شائع ہوا (۲۰) ایک مضمون بعنوان "بابائے اردو سے چند ملاقاتیں" رسالہ قومی زبان (کراچی) کے یکم مئی ۱۹۶۲ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

(۲۱) ایک مقالہ بعنوان "غالب کے متصوفانہ خیالات" رسالہ صریر خامہ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ کے سالنامہ میں شائع ہوا۔

سنہ ۱۹۶۳ء (۲۲) ایک مقالہ بعنوان "میر سید علی غمگین" رسالہ نوائے ادب (بمبئی) کے اپریل سنہ ۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا (۲۳) ایک مقالہ بعنوان "مکاتیب غالب"۔

رسالہ لطیف (میرپورخاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا (۲۴) ایک انگریزی مضمون بعنوان "طلسم ملکیت" (The Fallacy of Possession) رسالہ مذکور میں شائع ہوا (۲۵) ایک مقالہ بعنوان "بارھویں صدی ہجری میں قرآن پاک کے اردو تراجم اور تفاسیر" رسالہ نوائے ادب (بمبئی) کے جولائی کے شمارے میں شائع ہوا (۲۶) "رسائل فتوتیہ" کے عنوان سے ایک مقالہ رسالہ الفرقان (لکھنو) کے مئی ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ مقالہ مذکور کا ابتدائی حصہ رسالہ المظہر (کراچی) میں بھی شائع ہوا۔

۱۹۶۴ء (۲۷) "علامہ اقبال اور مجدد الف ثانی" کے عنوان سے ایک مقالہ رسالہ اقبال ریویو (کراچی) کے جنوری کے شمارے میں شائع ہوا، بعد میں اس مقالہ کا ایک حصہ رسالہ مخزن (بالا) میں بھی شائع ہوا۔ (۲۸) ایک مقالہ بعنوان "اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام عبدیت" رسالہ اقبال ریویو (کراچی) کے جولائی کے شمارے میں شائع ہوا (۲۹) ایک مقالہ بعنوان "پاک و ہند میں قرآن حکیم کا پہلا ہندی ترجمہ اور تفسیر" رسالہ لطیف (میرپورخاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا۔ (۳۰) ایک مقالہ بعنوان "مرزا غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب" رسالہ اردو نامہ (کراچی) کے شمارہ اکتوبر و دسمبر میں شائع ہوا،

۱۹۶۵ء (۳۱) ایک مقالہ بعنوان "شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں" رسالہ اقبال ریویو (کراچی) کے جنوری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہوا، (۳۲) ایک مقالہ بعنوان "حضرت مجدد مغرب میں" رسالہ فکر و نظر (کراچی) کے ستمبر کے شمارے میں شائع ہوا، (۳۳) ایک مقالہ بعنوان "رباعیات نگین" مجلہ لطیف (میرپورخاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا (۳۴) ایک انگریزی مضمون بعنوان "مغز و پوست" (The Nut And The Shell) رسالہ مذکور میں شائع ہوا،

۱۹۶۶ء (۳۵) ایک مفصل و بسوط مقالہ بعنوان "اردو کے مختلف نام اور ان کی تاریخ" سہ ماہی نوائے ادب (بمبئی) کے دو شماروں جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوا (۳۶) ایک مضمون بعنوان "فارسی پر اردو کے اثرات" مجلہ لطیف (میرپورخاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا (۳۷) دوسرا انگریزی مضمون بعنوان "اللفظ" (The Word) رسالہ مذکور ہی میں شائع ہوا

۱۹۶۷ء (۳۸) ایک مقالہ بعنوان "عبدالرشید خاں لائق" ماہنامہ قومی زبان (کراچی) کے اکتوبر اور نومبر کے شماروں میں شائع ہوا۔ (۳۹) ایک مقالہ بعنوان "خیر مکی

زبانوں میں تصانیف اقبال کے تراجم" مجلہ صریر خامہ (شعبۂ اردو) سندھ یونیورسٹی (حیدرآباد) کے سالنامہ میں شائع ہوا، (۴۰) ایک مقالہ بعنوان "شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ" ماہنامہ ثقافت (لاہور) (موجودہ المعارف) کے نومبر کے شمارے میں شائع ہوا (۴۱) ایک مقالہ بعنوان "آداب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" ماہنامہ سلسبیل (لاہور) کے نومبر کے شمارے میں شائع ہوا۔

۱۹۶۸ء (۴۲) ایک مقالہ بعنوان "شعر و شاعری" ماہنامہ فاران (کراچی) کے اگست کے شمارے میں شائع ہوا، (۴۳) دوسرا مقالہ بعنوان "اردو کی ترقی پر تقسیم ہند کے اثرات" مجلہ بولان (کوئٹہ) کے سالنامہ میں شائع ہوا، (۴۴) تیسرا مقالہ بعنوان "حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ" روزنامہ "سعادت" (لائل پور) میں شائع ہوا، (۴۵) چوتھا مقالہ بعنوان "یکتا دہلوی اور ان کا غیر مطبوعہ کلام" ماہنامہ قومی زبان (کراچی) کے لئے لکھا گیا۔

مندرجہ ذیل مضامین تیار ہیں

(۴۶) —— قرآن حکیم اپنے آئینے میں

(۴۷) —— مکاتیب عبدالواحد یکتا دہلوی

(۴۸) —— پاک ہند کی جنگ کا اثر اردو ادب پر

(۴۹) —— سعادت

ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "میر سید علی غمگین" "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" (لاہور) میں شامل کیا گیا ہے

مندرجہ بالا مطبوعہ و غیر مطبوعہ مقالات و مضامین کے علاوہ ڈاکٹریٹ کے لئے ایک مبسوط اور مفصل مقالہ بعنوان "قرآن پاک کے اردو تراجم و تفاسیر (ایک تاریخی جائزہ)" لکھا ہے، یہ مقالہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۵ء تک تقریباً سات سال کے طویل عرصہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے، ٹائپ شدہ فل اسکیپ سائز کے ایک ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، چوں کہ ہنوز اشاعت پذیر نہیں ہوا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افادیت عامہ کے لئے اس کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

بادیٔ النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں قرآن پاک کے ترجمے اور تفسیریں معدودے چند ہوں گی، مگر پانچ سال مسلسل تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جزوی اور مکمل قرآن کے اردو ترجموں کی تعداد ننو ہے اور تفسیریں تقریباً چار سو ہیں —— تحقیق کے سلسلے میں پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے تقریباً ۱۱۱ کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا اور تقریباً چھ سو کتابیں بالواسطہ

یا بلا واسطہ مطالعہ کی گئیں، مقالہ کا اجمالی خاکہ یہ ہے :۔

دیباچہ کے بعد مفصل و مبسوط مقدمہ ہے جس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے :۔
(۱) قرآن حکیم اپنے آئینے میں (۲) قرآن حکیم کے قدیم نسخے (۳) تفسیر اور اس کے طریقے (۴) ابتدائی تفاسیر پر تاریخی نظر (۵) ابتدائی تفاسیر پر تنقیدی نظر (۶) عربی تفاسیر کا عہد بعہد ارتقاء (۷) پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی تبلیغی کوششیں (۸) پاک و ہند میں پہلا ترجمہ اور تفسیر (۹) پاک و ہند کی عربی تفسیریں (۱۰) پاک و ہند کی درسی تفسیریں (۱۱) فارسی زبان میں پہلا ترجمہ اور تفسیر (۱۲) فارسی تراجم و تفاسیر کا عہد بعہد ارتقا (۱۳) مختلف مشرقی اور مغربی زبانوں میں قرآن حکیم کے ترجمے اور تفسیریں (۱۴) مغربی اور مشرقی زبانوں میں جماعت احمدیہ کے ترجمے اور تفسیریں (۱۵) پاکستان کی بعض اہم زبانوں میں ترجمے اور تفسیریں۔

مقدمہ کے بعد اصل مقالہ شروع ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل نو ابواب پر مشتمل ہے :۔

پہلا باب : ـــــــ دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کی تفسیریں
دوسرا باب : ـــــــ بارھویں صدی ہجری کی تفسیریں
تیسرا باب : ـــــــ تیرھویں صدی ہجری کی تفسیریں
چوتھا باب : ـــــــ (ا) چودھویں صدی ہجری کی تفسیریں
پانچواں باب : ـــــــ (ب) چودھویں صدی ہجری کی تفسیریں
چھٹا باب : ـــــــ مختلف مکاتب فکر اور ان کی تفسیریں
ساتواں باب : ـــــــ دور حاضر کے مفسرین ـــــ ان کے مفسرانہ اور ادیبانہ اسالیب
آٹھواں باب : ـــــــ تیرھویں صدی ہجری کے مترجمین قرآن
نواں باب : ـــــــ چودھویں صدی ہجری کے مترجمین قرآن

ابواب کے بعد کتب خانوں کی فہرست ہے، اس کے بعد مآخذ و مراجع کی فہرست کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، حصۂ اول میں تفاسیر قرآن، حصۂ دوم میں تراجم قرآن اور حصۂ سوم میں دیگر مآخذ کی جامع فہرست ہے۔

مقالات کے علاوہ راقم کی چند مطبوعہ کتابیں بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱)— حیدرآباد کی معاشی تاریخ (مصنفہ محمد حسین ترک) مترجمہ راقم الحروف مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۸ء
(۲)— شاہ محمد غوث گوالیاری، مطبوعہ میرپور خاص ۱۹۶۴ء
(۳)— تمدن ہند پر اسلامی اثرات، (مؤلفہ ڈاکٹر تاراچند) مترجمہ راقم الحروف مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۴ء
(۴)— دائمی تقویم، (مصنفہ مولوی منظور احمد) مرتبہ راقم الحروف مطبوعہ کوئٹہ، ۱۹۶۷ء
(۵)— مظہر الاخلاق، (مصنفہ حضرت شاہ محمد مظہر اللہ) مرتبہ راقم الحروف مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۸ء
(۶)— ارکانِ دین، (" ") مرتبہ راقم الحروف مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

مندرجہ ذیل کتابیں زیر تدوین ہیں

(۱) مکاتیب مظہری، جلد اوّل، (حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رح کے دو ہزار مکاتیب گرامی کا انتخاب، مبیضہ تیار ہو گیا ہے ۱۹۶۹ء میں اشاعت متوقع ہے)

(۲) فتاوی مظہری، جلد اوّل، (حضرت مفتی صاحب ممدوح رح کے علمی اور تحقیقی فتووں کا مجموعہ، مسودہ تیار ہو گیا ہے، تبییض کا کام باقی ہے، ۱۹۷۰ء تک اشاعت متوقع ہے)

(۳) مظہر العقائد، (مصنفہ حضرت مفتی صاحب ممدوح رح، ترتیب و تحشیہ راقم الحروف)

(۴) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، (سوانح اور علمی و اصلاحی کارناموں کا تفصیلی اور تحقیقی جائزہ)

(۵) مکاشفات الاسرار، (میر سید علی غمگین دہلوی کے دیوان رباعیات (اردو) مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن کی ترتیب و تحشیہ)

(۶) خطوط مشاہیر، (راقم الحروف کے نام پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے فضلاء کے علمی اور ادبی خطوط کا مجموعہ)

(۷) ویرونا کے دو شریف زادے (مصنفہ ولیم شیکسپیئر، ترجمہ اردو راقم الحروف، مبیضہ تیار ہے)

آجکل راقم گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ میں بحیثیت پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو کام کر رہا ہے تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے مولیٰ تعالیٰ دین وملت اور علم وادب کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ متاع حیات رائیگاں نہ جائے آمین۔

راقم کی اولاد میں ایک صاحبزادی ہیں۔

ڈاکٹر مولوی محمد سعید احمد سلمہ

مولوی سعید احمد سلمہ دہلی میں پیدا ہوئے، صاحبزادگان میں حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے محبوب فرزند ہیں بچپن سے لے کر جوانی تک حضرت کی صحبت کیمیا اثر میں گزری، اس لئے ان کی سیرت میں حضرت کی بعض خوبیاں نظر آتی ہیں، قرآن کریم اور عربی وفارسی کی تعلیم حضرت قبلہ سے حاصل کی، کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں بھی پڑھا، مشرقی پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کی سند حاصل کی، جے پور سے فن طب میں سند حاصل کی اور کلکتہ سے ہومیوپیتھی میں ڈی۔ ایچ۔ پی کی ڈگری لی، دس پندرہ سال سے پریکٹس کر رہے ہیں اور دہلی کے کامیاب رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹیشنر ہیں، فن طب میں برادر گرامی مولانا مشرف احمد صاحب کی صحبت میں مہارت حاصل کی اور یونانی علاج بھی کرتے ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے فیض کو جاری رکھے آمین۔

عزیز موصوف نے چوں کہ حضرت قبلہ کی صحبت میں ایک عرصہ گزارا ہے اس لئے سخن فہمی وسخن سنجی کا ذوق سلیم ہے، آواز میں بھی سوز ہے اس لئے گداز قلب سے خالی نہیں، قرآن کریم اور اشعار خاص سوز وگداز سے پڑھتے ہیں، حضرت کو عزیز موصوف سے جو خاص انسیت ومحبت تھی ان خطوط سے واضح ہوتی ہے جو ۱۹۴۶ء میں سفر حج کے دوران کراچی اور کامران سے دہلی بھیجے تھے اور جو سفر حج کے تذکرے میں مناسب مقام پر نقل کر دئے گئے ہیں۔

عزیز موصوف کی اولاد میں ایک صاحبزادے غضنفر سلمہ اور ایک صاحبزادی ہیں مولیٰ تعالیٰ دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

پندرھواں باب

خلفاء وسفراء

خلفاء و سفراء

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کے خلفاء اور سفراء پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں، مریدین و معتقدین کی تعداد تو ہزاروں سے متجاوز ہے اور ان کا دائرہ بہت وسیع ہے چنانچہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان، شمالی ہند، جنوبی ہند، مشرقی ہند اور وسط ہند وغیرہ میں بکثرت مریدین و معتقدین موجود ہیں جن کی جامع فہرست پیش کرنا تقریباً ناممکن ہے ورنہ ان پر بھی ایک علیحدہ باب قائم کیا جاتا، صرف کراچی (مغربی پاکستان) میں تقریباً چھ سو مریدین ہوں گے، معتقدین اور مخلصین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں مریدین و معتقدین کی مجموعی تعداد کتنی ہوگی۔

حضرت قدس سرہ کے خلفاء و سفراء کی صحیح تعداد بھی معلوم نہ ہو سکی، تلاش و جستجو کے بعد بعض حضرات کے اسماء گرامی معلوم ہوئے ہیں وہ پیش کئے جاتے ہیں:-

خلفاء

پاکستان

(۱) حضرت العلامہ مفتی محمد محمود صاحب الجوہری خلف الرشید حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب ؒ - حیدر آباد

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب خلف اکبر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ العزیز - کراچی

(۳) حضرت الحاج حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب فرزند نسبتی حضرت مفتی اعظم ؒ - بہاولپور

(۴) صاحبزادہ مولانا ابو الخیر محمد زبیر صاحب خلف الرشید حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب - حیدر آباد

ہندوستان

(۵) حضرت مولانا حافظ قاری مفتی محمد مشرف احمد صاحب خلف اصغر حضرت مفتی اعظم ؒ - دہلی

(۶) حضرت مولانا مفتی محمد مقبول الرحمن رحمۃ اللہ علیہ — سیوہارہ (ضلع بجنور بھارت)

(۷) سید ابو الکمال احمد ضیاء الدین کاظمی شمسی طہرانی — علی گڑھ (بھارت)

سفراء

پاکستان

(۱) جناب بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ — کراچی (مغربی پاکستان)

۲	جناب حافظ محمد صالحین صاحب	کراچی (مغربی پاکستان)
۳	جناب حکیم محمد ذاکر صاحب	"
۴	جناب صوفی فضل احمد صاحب	"
۵	جناب محمد یوسف صاحب	"
۶	جناب سید نواب علی شاہ صاحب	حیدر آباد
۷	جناب قاضی صفدر حسن صاحب صدیقی	لاہور
۸	جناب محمد احمد صاحب قریشی	"

ہندوستان

۹	جناب حکیم محمد عاقل صاحب مظہری چشتی	دھام پور (ضلع بجنور بھارت)
۱۰	جناب مولانا غلام احمد صاحب مظہری	ٹونک (راجستھان، بھارت)
۱۱	جناب محمد عثمان صاحب	"

مندرجہ بالا خلفاء میں حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب اور صاحب اور ابو الخیر محمد زبیر صاحب کے حالات تذکرۂ ہذا کے پہلے حصے میں اعلیٰ حضرت محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کے باب میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ قدس سرہ کے ذیل میں بیان کر دیئے گئے ہیں ——— حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد صاحب کے حالات دوسرے حصے میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ کی اولاد امجاد کے باب میں بیان کر دیئے گئے ہیں، باقی خلفاء و سفراء میں جن جن حضرات کے حالات معلوم ہو سکے وہ مختصراً تحریر کیے جا رہے ہیں۔

جن حضرات سے رابطہ قائم ہو سکا انہوں نے ازراہ کرم اپنے حالات خود تحریر کر کے بھیجے، راقم نے ان کو مختصراً اپنے طور پر پیش کر رہا ہے، بعض حضرات نے اپنے حالات کے ساتھ حضرت علیہ الرحمۃ کی کرامات بھی تحریر فرمائیں جو بکثرت ہیں اور ان کے مشاہدے میں آئی ہیں چونکہ کرامات سے متعلق باب کی کتابت مکمل ہو چکی تھی اس لئے مجبوراً ہر ایک کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی نوشتہ کرامات بھی پیش کی جائیں گے۔

الحاج مولانا حافظ قاری محمد حفیظ الرحمٰن صاحب

تقریباً ۱۹۱۳ء میں کھرڑ (خان پور ضلع انبالہ) میں قاری صاحب کی ولادت باسعادت ہوئی،

آپ کا تعلق شہر سمانہ کے سادات عظام سے ہے، اجدادین حضرت شاہ بہلول، حضرت شاہ عثمان اور حضرت شاہ اسماعیل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات اب بھی سمانہ میں مرجع خلائق ہیں۔

قاری صاحب کے والد ماجد قدس سرہ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن تھا جو پاکستان ہجرت کے بعد بہاول پور میں وصال فرما گئے، قاری عبدالرحمٰن مرحوم بلند پایہ قاری تھے، مدرسہ رحمانیہ (کھرڑ) کے مہتمم بھی تھے، سبعہ قرأت پر عبور کامل حاصل تھا، ہزاروں تلامذہ پنجاب وغیرہ کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں ——— آپ نہ صرف ایک باکمال قاری تھے بلکہ سلسلۂ چشتیہ کے ایک برگزیدہ اور باکرامت بزرگ تھے، شہر سمانہ اور گرد و نواح میں سینکڑوں گاؤں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے، مغربی پاکستان میں بھی آپ کے ہزاروں مریدین و معتقدین پھیلے ہوئے ہیں۔

قاری حفیظ الرحمٰن صاحب نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا، قرآن پاک حفظ کیا اور سبعہ قرأت میں مہارت تامہ پیدا کی، فقہ و حدیث وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کی، کچھ عرصہ لاہور میں مدرسہ حزب الاحناف میں مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب سے بھی انہیں علوم کی تحصیل کی۔

قاری صاحب بچپن ہی سے عبادات و ریاضات کی طرف مائل تھے، ایام شیر خوارگی میں آپ کے والد مرحوم نماز تہجد کے وقت ایک درویش (جن کو بابا ٹونڈہ کہتے تھے) کی گود میں لٹا آیا کرتے تھے، وہ ذکر جہری فرمایا کرتے تھے، انہیں کی صحبت کا اعجاز تھا کہ جب قاری صاحب نے زبان کھولی تو ذکر اسم ذات جاری تھا، بچپن کے ایام میں کبھی کھیل کود کی طرف رغبت نہ ہوئی بلکہ نہر کے کنارے جب کبھی کوئی کھیل کھیلتے تو یہی کہ گیلی مٹی سے مسجدیں بنایا کرتے تھے جو بعد میں حقیقت بن کر سامنے آئیں چناں چہ آپ نے بکثرت مساجد تعمیر کرائیں، صرف پاکستان میں بائیس مساجد کا یا تو سنگ بنیاد رکھا ہے یا تعمیر کرائی ہیں، کراچی میں کلیٹن روڈ کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد بھی آپ ہی نے رکھا تھا، تعمیر مساجد میں آپ کے ذوق و شوق کو دیکھ کر آیت قرآنی یاد آتی ہے :-

انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر الخ

تعلق مع اللہ ہی کی وجہ ہے کہ آپ کو حضرات اہل اللہ اور مزارات اہل اللہ سے بے پناہ انس و محبت ہے، کلفتیں اٹھا کر سختیاں جھیل کر مزارات پر حاضر ہوتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بیحد عشق و محبت ہے بلکہ مخلوق الٰہی سے تعلقات کی بنیاد بھی یہ ہے جہاں ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے رات رات بھر گزار دیتے ہیں اور کچھ خبر نہیں ہوتی ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

رب تبارک و تعالیٰ اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے یہی عشق کا ل دوبار کشاں کشاں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے لئے لے گیا، زیارت کی سعادت نے عشق کو اور جلا بخشی اور قلب میں گداختگی پیدا ہوگئی۔

قبلہ قاری صاحب اکیس سال کی عمر میں تقریباً ۱۹۳۴ء میں دہلی تشریف لائے جہاں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد مسنون ہوا، اسی زمانے میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں بحیثیت مدرس تجوید و قرأت آپ کا تقرر ہو گیا، ۱۹۴۷ء تک یہیں پڑھاتے رہے، تقسیم ہند نے فسادات کی آگ کو بھڑکایا تو دہلی کی فضائیں تنگ ہوگئیں چنانچہ مجبوراً ہجرت فرما کر پاکستان میں بہاول پور کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کی، جہاں اوّل اوّل کپڑے کی تجارت کی بعد میں نواب بہاول پور نے دو مربعے زرعی زمین عنایت فرمادی جس سے گزر بسر معقول طور پر ہونے لگی، قاری صاحب آجکل بہاول پور ہی میں مقیم ہیں۔

قبلہ قاری صاحب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد مرحوم حضرت قاری عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے اجازت مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا اور آپ ہی کو سجادہ نشین بنایا ——— سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت و خلافت کی یہ صورت ہوئی کہ ۱۹۵۰ء میں جب قاری صاحب پہلی مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو واپسی میں دوران سفر ایک خواب میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی جو خلافت و اجازت کی طرف مشیر تھی، چنانچہ جب یہ خواب حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں دہلی عرض کیا گیا تو آپ نے اجازت و خلافت سے نوازا اور ایک صاحب ڈاکٹر کلیم الرحمٰن کو بیعت کرنے کی ہدایت فرما کر سلسلہ کا آغاز بھی فرمادیا، دونوں سلاسل میں قاری صاحب کے مریدین و معتقدین اور تلامذہ ہندوستان اور پاکستان میں موجود ہیں ——— اجازت کے سلسلے میں قاری صاحب کے نام حضرت نے جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا تھا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

موصولہ ۱۹۵۲ء

ربیع فوادی و منتہائے مرادی سلمکم

وعلیکم السلام و علی من لدیکم من قبل العلام ——— کلیم الرحمٰن صاحب نے خط لکھا تھا جس کے جواب میں ان کو تمہارے سپرد کر دیا تھا لیکن جب تم نہ ملے اور ان کا خط آیا تو اس میں اپنا پتہ نہ لکھا، اس لئے ان کے پتے پر جواب نہ دیا جا سکا)۔ خیر وہ آئیں تو بیعت کر لینا ورنہ خیر اور دوسرے اللہ کے بندوں کو بھی اپنے مولیٰ کا نام سکھلاؤ، اسی سے سلسلے میں ترقی ہو جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ، یہ انہی حضرات کا فیضان ہے جس نے فقیر کے قلب میں ڈالا اور ایک موقع بھی پیش کر دیا

——— فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

قاری صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے اور حضرت قبلہ کو قاری صاحب سے بیحد انس و محبت تھی، اس محبت کی بڑی وجہ یہ نہ تھی کہ قاری صاحب حضرت کے فرزند نسبتی تھے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ قاری صاحب عاشق رسول ہیں، حضرت کے مکاتیب گرامی جو قاری صاحب کے نام موصول ہوئے ان سے انتہائی محبت والفت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ تمام مکاتیب "مکاتیب مظہری" کی جلد اوّل میں شامل کر دئے گئے ہیں یہاں صرف دو مکاتیب گرامی پیش کئے جاتے ہیں پہلا علالت کی خبر سن کر ارسال فرمایا ہے اور دوسرا حج بیت اللہ شریف کی خبر سن کر ارسال فرمایا ہے :-

(۱)

موصولہ ۱۹۴۲ء

اعزی قاری صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ و اوصلکم الیٰ غایۃ ما یتمناکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ——— صحیفۂ شریفہ موصول ہو کر باعث تسکین خاطر ہوا لیکن چونکہ قلب نہایت درجہ مجروح ہو چکا ہے، آپ کی بیماری کی خبر کی تاب نہ لا سکا، کیا بتلاؤں کس درجہ قلق و اضطراب ہے، بہت تسکین دیتا ہوں لیکن یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ اب بس کا نہیں رہا، بڑا فکر ہے کہ ان آخری ایام میں جب مخلوق کی جانب ایسی توجہ ہے تو انجام کی کیا کیفیت رہے گی، آپ کی دعا اس وقت مقرون اجابت ہے دعا کریں کہ مولیٰ تعالیٰ ہماری آپ کی توجہ صرف اپنی طرف رکھے ——— فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

(۲)

مرسلہ ۲ مئی ۱۹۵۱ء

عزیز وافر تمیز اوصلکم اللہ تعالیٰ الیٰ غایۃ ما یتمناکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— فقیر ہمہ تن آپ کی طرف متوجہ ہے اور اس خوشی کا اندازہ تحریر میں نہیں آسکتا، اس تعالیٰ کا بیحد شکر ہے کہ اس نے میرے چاہیتے عزیز کو ایک ایسی نعمت سے عطا فرمانے کا ارادہ فرمالیا ہے جس کے استحقاق کی قابلیت اپنے میں ہم موجود نہیں پاتے اپنی حاضری کے وقت بھی بار بار مسجد نبوی کے در و دیوار پر نظر اٹھاکر یہ سوچا رہتا تھا کہ یہ منظر خواب میں مجھے میسر ہے یا واقع میں یہ نعمت مجھے عطا کی گئی ہے ! ——— یہی اس وقت حال ہے، امید ہے کہ مجھے دعا سے نہ بھولیں گے۔ فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

قبلہ قاری صاحب راقم الحروف پر بڑی شفقت فرماتے ہیں، اس فقیر پر آپ کے بیشمار احسانات ہیں، جن کا صلہ مولیٰ تعالیٰ اخزانۂ غیب سے عطا فرمائے آمین، آپ کے بھائیوں میں مولوی عبدالرحیم صاحب بھی بڑی محبت فرماتے ہیں ان کے بھی اس فقیر پر احسانات ہیں فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

قاری صاحب کی اولاد امجاد میں چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں جن میں ایک صاحبزادی وصال کر گئیں، بقیہ تین صاحبزادیاں ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں صاحبزادگان میں بڑے صاحبزادے سید محمد طاہر ملازمت کے ساتھ ساتھ ایم۔اے کی تیاری کر رہے ہیں دوسرے صاحبزادے سید محمد عارف ایم۔اے کر چکے ہیں اور شکار پور میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرر ہیں، تیسرے صاحبزادے سید محمد زید ایل۔ایل۔بی کر رہے ہیں اور چوتھے صاحبزادے سید محمد فاخر میٹرک میں پڑھ رہے ہیں، ماشاء اللہ تمام صاحبزادگان نیک صالح اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں، تذکرۂ ہٰذا کے بیسویں باب میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ نسب کے ذیل میں قاری صاحب کی اولاد امجاد کا نام بنام ذکر کردیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی مقبول الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ابتداء میں کیرت پور میں مقیم رہے پھر سیوہارہ (ضلع بجنور۔بھارت) میں مستقل قیام فرمایا آپ کے والد بزرگوار سلسلۂ چشتیہ کے ایک برگزیدہ بزرگ اور سجادہ نشین تھے آپ کا سلسلہ

ارادت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

چوں کہ مفتی صاحب مرحوم کے والد بزرگوار مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے رفیق تھے اس لئے مفتی صاحب کی دینی تعلیم مدرسہ دیوبند میں ہوئی، مفتی صاحب حافظ قرآن بھی تھے اور عربی علوم کے علاوہ بمبئی یونیورسٹی سے فارسی میں بھی سند حاصل کی تھی، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ سرکاری محکمے میں اہل مد مقرر ہو گئے تھے۔

ابتدا میں حضرت خلیل احمد صاحب چشتی سے بیعت ہوئے لیکن جب وہ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تو پھر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت گرامی سے مستفیض ہوئے اور منازل سلوک طے کئے حضرت ہی نے مفتی صاحب کو اجازت اور خلافت سے نوازا، ہندوستان میں آپ کے بکثرت مریدین ومعتقدین ہیں، سیوہارہ کے گردونواح میں آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، "محبوب الٰہی" کے لقب سے گاؤں گاؤں اور گھر گھر آپ کا شہرہ تھا۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب گورنر مشرقی پنجاب (بھارت) سے بھی مفتی صاحب کی عزیزداری ہوتی تھی مفتی صاحب کے بہنوئی بھی ممبر پارلیمنٹ تھے، ان کے وصال کے بعد ان کے صاحب زادگان محمد قاسم صاحب اور محمد عاقل صاحب اور بیوہ ہمشیرہ کی مفتی صاحب نے کفالت کی، آخر میں ملازمت چھوڑ کر خدمت خلق میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے، آخیر عمر تک شادی بھی نہیں کی، تقریباً ستر سال کی عمر میں سیوہارہ میں وصال فرمایا [۱]

سید ابوالکمال احمد ضیاء الدین کاظمی شمسی طہرانی

جناب کاظمی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری وباطنی دونوں سے نوازا ہے، آپ پہلے ٹونک (راجستھان) میں مقیم تھے مگر آجکل علی گڑھ (یو، پی) میں مسلم یونیورسٹی میں تقابل السنہ پر تحقیق کر رہے ہیں، راقم نے بذریعہ مراسلت حضرت قبلہ قدس سرہٗ کے مکاتیب گرامی وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ مختصراً اپنے حالات وکوائف بھی تحریر فرمادیں، ممدوح نے وعدہ فرمایا تھا مگر اپنی علمی مصروفیات کی وجہ سے ارسال نہ فرما سکے،

---

[۱] مفتی صاحب کے حالات جناب سردار جوگندر سنگھ اسسٹنٹ ڈائرکٹر شعبۂ السنہ مشرقی پنجاب (بھارت) نے راقم الحروف کو از راہ نوازش وکرم ارسال فرمائے تھے، سردار صاحب موصوف مفتی صاحب سے بیعت تھے لیکن بعد میں حضرت قبلہ کی طرف رجوع کیا اور بے انتہا عقیدت ومحبت ہو گئی، حضرت کی صحبت سے مستفیض ہو کر بڑا کمال حاصل کیا اس وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے، پٹیالہ میں مقیم ہیں، راقم سے بہت محبت فرماتے ہیں، فجزاہم اللہ احسن الجزاء

جناب کاظمی صاحب نے جو مکتوب گرامی ارسال کیا تھا اس سے مجملاً کچھ ان کے متعلق معلوم ہو سکتا ہے اس لئے سر فہرست وہی مکتوب پیش کیا جاتا ہے :-

۴۲ - آفتاب مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ — یو - پی

۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء

شہزادۂ اعلیٰ حضرت دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - آپ کا کرم نامہ ٹونک (راجستھان) پہنچا، فقیر کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ سندی ومولائی اعلیٰ حضرت محمد مظہر اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے سوانح پاک اور مکاتیب گرامی شائع فرما رہے ہیں - فقیر سے اعلیٰ حضرت کا ۱۲ سال (بارہ برس) روحانی تعلق رہا اور تا ابد یہ رشتۂ روحانی انشاء اللہ قائم رہے گا - فقیر کے پاس اعلیٰ حضرت کے متعدد مکتوبات ہیں، کیا آپ کو اصل مکتوبات درکار ہیں یا ان کی نقول ترتیب کر کے ارسال خدمت کر دوں ؟ - جیسا حکم ہو مطلع فرمائیے، مکاتیب مختلف موضوعات پر ہیں -

فقیر اعلیٰ حضرت کے ارشاد سے منصب دار الافتاء چھوڑ کر علی گڑھ آیا تھا، اور یہاں مختلف علوم میں سند فراغت حاصل کی، ایل - ایل - بی کا امتحان بھی پاس کیا، اعلیٰ حضرت نے وکالت سے مطلقاً منع فرمایا تو وکالت چھوڑ دی، اعلیٰ حضرت نے حکم دیا کہ فقیر کو علمی کام مل جائے گا بحمد اللہ اعلیٰ حضرت کی حیات ظاہری میں ہی فقیر ریسرچ فیلو آف یو - جی - سی ہو گیا، آجکل انگریزی میں قدیم السنہ کے تقابلی مطالعے پر کتاب لکھ رہا ہوں -

مرسلہ

سگ بارگاہ مظہری

سید ابو الکمال احمد ضیاء الدین کاظمی شمسی طہرانی عفرلہٗ

مندرجہ بالا مکتوب موصول ہونے کے بعد تقریباً دو ماہ تک انتظار کیا پھر یاد دہانی کے طور پر ایک اور خط ارسال کیا، اس کے جواب میں ایک مکتوب محررہ ۵ رجون ۱۹۶۸ء صادر ہوا، اس میں پھر وعدہ دہرایا گیا اور تحریر کیا :-

"فقیر مکتوبات صاف کر رہا ہے اس تاخیر سے آپ پریشان ہرگز نہ ہوں، فقیر مختصر طور پر اپنے حقیر حالات زندگی بھی لکھ رہا ہے بالخصوص جو حضرت آقائے نعمت رضی اللہ عنہ کی نظر کیمیا اثر

سے متعلق ہیں، آپ کے حسب منشاء سب چیزیں ارسال کرنے والا ہوں"۔

لیکن ڈھائی ماہ گزر جانے کے بعد بھی نہ معلوم کن وجوہات کی بنا پر موعودہ چیزیں ارسال نہ فرما سکے، چوں کہ خلفاء و سفراء کے باب کی کتابت میں پہلے ہی کافی تعویق ہو گئی تھی اس لئے سر دست یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت تو اتنے ہی پر اکتفا کیا جائے، بعد میں حالات ملنے پر دوسرے اڈیشن میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

جناب کاظمی صاحب کو مکتوب نگاری کا اچھا ملکہ ہے، حضرت قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں جو مکاتیب ارسال فرماتے تھے ان میں محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ شان ادبیت اور شان علمیت نمایاں نظر آتی ہے ـــــ فروری ۱۹۶۸ء میں راقم دہلی حاضر ہوا تھا، حضرت علیہ الرحمہ کے کاغذات میں سوانحی مواد کی تلاش کے دوران جناب کاظمی صاحب کا ایک مکتوب گرامی نظر آیا جو انہوں نے حضرتؒ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا، یہاں قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے پیش کیا جاتا ہے:۔

(مکتوب گرامی)

بحضور سرکار دولتمدار، زیب مسند مظہریہ، قیم طریقۂ احمدیہ، وارث نسبت صدیقیہ، چشم و چراغ دودمان مجددیہ، مصدر کمالات صمدیہ، سیدنا و سندنا حضور پُر نور، لامع النور، فیض گنجور، کریم موفور، ملجانا و ملاذنا مفتیٔ اعظم اعلیٰ حضرت مظہر اللہ شاہ صاحب دام اقبالہم و دامت برکاتہم العالیہ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عیدگاہ ما غریباں کوئے تو ... عشرت صد عید دیدن روئے تو
صد ہلال عید قربانت کنم ... اے ہلال عید ما ابروئے تو

عید آمد و افزود غمم را غم دیگر
ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

ساقیا! آمدن عید مبارک بادت ... واں مواعید کہ کردی نہ رود از یادت

بعد ادائے آداب قدم بوسی و اظہار مراسم سجدہ پاشی فقیر سراپا تقصیر عریضہ می دارد کہ ہر دو مکتوب قدسی منسوب موصول شدند، چناں انبساط ظاہری و ابتہاج باطنی دست داد کہ از حیطۂ تحریر بیرون است

خداوند عالم ذات شریف را ہموارہ بر ما غریبان و دور افتادگان سایہ گستر دارد، از ہر لفظ مکاتیب قدسی اسالیب فقیر حقیر را محسوس می شود کہ نسبت شریفۂ حضورؐ در پہناے قلب القا می شود، و دریں معاملہ خاندان عالیہ حضور اعلیٰ نقشبندیہ مجددیہ اختصاص کلی دارد، زیرا کہ مشائخ ایں گروہ، ملک شکوہ، از دور القاء نسبت می فرمایند، ایں کار نزد آں بزرگاں از بازی طفلانہ است، امام شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ معترف ایں کمال نقشبندیاں بودہ است چناں کہ در کتاب قول الجمیل خود تحریر می فرمایند:-

"وللنقشبندیۃ تصرفات عجیبۃ من جمیع الھمّۃ علی مرادفیکون علی وفق الھمّۃ والتأثیر فی الطالب ودفع المرض عن المریض وافاضۃ التوبۃ علی العاصی والتصرف فی قلوب الناس حتی یحبوا ویعظموا فی مدارکھم حتی تمثل فیھا واقعات عظیمۃ الاطلاع علی نسبۃ اھل اللہ من الاحیاء واھل القبور والاشراف علی خواطر الناس وما یختلج فی الصدور وکشف الوقائع المستقبلۃ ودفع البلیۃ النازلۃ وغیرھا ونحن ننبھک علی نموذج منھا"

دریں باب ہمیں جا تحریر می فرمایند:-

واذا غاب الطالب فانھم یتخیلون صورتہ ویتوجھون الیھا۔

(قول الجمیل، ص ۵۶-۵۷)

ازیں جا معلوم شد کہ معیار کشف و کرامات مشائخ نقشبندیہ چہ قدر بلند و بالا است، چوں ایں فقیر از پنج یا شش سال زیر پرورش و تربیت حضورؐ است و حضور والا ایں فقیر را از شجرۂ شریفہ و نسبت منیفہ مشرف گردانیدہ اند پس چرا بہ درہاے دیگراں بروم، آں چہ حضور والا در مکتوبات شریفہ تعلیم فرمودہ اند بر آں عمل پیرا ہستم و انشاء اللہ تا زیست بریں عمل و نسبت خواہم ماند:-

بریں بودہ ام ہم بریں بگذرم   یقیں داں کہ خاک سپے مظہرم

فقیر قبل نسبت حضور والا بسیار مشائخ و سالکین دیدہ است لیکن "قلب بے حاصل" را از ہیچ جا اکسیر مراد دست نداد تا آں کہ از عنایات الٰہی ذات شریفہ را یافتم و دریں باب سلوک بذریعہ مراسلات و مکاتیب حضور والا ایں عاجز را سرفراز فرمودند۔ از خواندن شجرۂ شریفہ حضور حالت عجیب پدید آمد و رفتہ رفتہ در معمولات زندگی انقلاب عظیم پیدا شد، دشمنان و دوستان ایں انقلاب را معلوم و محسوس کردند و در محافل و مجالس ذکرہا جاری کردند فقیر از پنج یا شش سال

ودریں معاملہ حسب ہدایات حضور در ذکر اسم ذات شریف و ذکر نفی و اثبات و تہذیب لطائف خمسہ مصروف شدہ بود، و یوماً فیوماً ارتقائے روحانی پیدا شد کہ از حد امکان خارج بود ازیں جہت فقیر حقیر از ذات گرامی حضور اعتقاد عظیم دارد و خدا داند کہ درباره حضور چہ خیال دارد :-

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیا خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
(امیر خسرو)

چوں ایں فقیر قبل از پنج یا شش سال بصورت معنوی از حضور بیعت شدہ و حضور والا ارتقائے نسبت روحانی بطریق نقشبندیہ اویسیہ فرمودند پس چرا بدر غیر بروم زیرا کہ دل یک است و الفت بیش از یکے در دل کجا گنجد؟ ۔ برائے اتمام کار فقیر یک نگاہ حضور کافی است :-

چہ حسن استقامت کار جامی طفیل عاشقاں یا بد تمامی

روشن از عکس جہالت عالم امکان ما یک نگاہ ناز جاناں قیمت ایمان ما

تقاضائے اجازت دادن برائے آمدن دہلی شریف ازیں سبب است کہ بسا اوقات قلب بے اختیار شود و سراسیمگی و بیقراری بحد وافر رونما ید ازیں جہت اجازت خواہم کہ از دولت دیدار مشرف شوم، صحبت حضور و طلعت حضور عقدہ کشائے معاملات دل است :-

فرض کردم کہ بیاد تو دلم خورسند است لیکن ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج؟

سوائے ذات شریفہ حضور از غیر کارے ندارم، امید واثق است کہ ایں نسبت و عقیدت در دنیا و آخرت قطعاً دست گیر خواہد شد :-

من بہ دست مظہر اللہ شاہ دستے دادہ ام
مرشد من، خضر من، مہدی من، مولائے من

حضور والا حسب فرمان امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ عنہ در صورت مثالی ایں فقیر را توجہ دہند زیرا کہ حوصلۂ ایں فقیر بس نکند، ہمہ شبہا در مساجد گورستان قیام کنم لیکن طبع حزین سیر نمی شود، از کرم حضور ختم مجددیہ شریف و ختم خواجگان شریف ہر روز تنہا بخوانم

ا؎ حضور والا نود نام شریف تحریر فرمودہ اند آیا نود نام خوانم یا نود و نہ نام خوانم زیرا کہ در کتب فقیر نود و نہ نام نوشتہ اند۔ اگر حضور والا نود نام فرمودہ اند آں چہا اند؟ تصریح

بفرمایند۔

۲۔ نقشے کہ حضور والا تحریر فرمودہ اند از چہ زبان اظہار تشکر و امتنان نمایم درین نقش پاک ذہن فقیر از فہمیدنش چند امور قاصر است و ہو ہٰذا:۔ "یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم یا کریم" در بالائے ہر نقش و "اکرم از کرم انہ کرم" بزیر ہر نقش بنویسم یا نہ؟

۷۸۶

۸	۱۱	۱۴	۱
۱۳	۲	۷	۱۲
۳	۱۶	۹	۶
۱۰	۵	۴	۱۵

نقشے کہ با عداد (۳۴) حضور والا پُر فرمودہ اند ایں برائے رفتار است تا کہ اندازۂ رفتار شود و ازیں رفتار پُر کنم یا چیزے دیگر است؟۔ اسمے کہ از اسمائے شریف الٰہی پُر کنم در مربع باشد یا در مثلث؟۔ حروف را پُر کنم یا اعداد؟ اگر اسم شریف الٰہی پنج حرفی باشد پس چرا پُر کنم، در مربع؟۔ حضور والا از مثال تصریح فرمایند۔ مثلاً در باب "اتحاد زوجین" یک نقش پُر فرمایند تا با آسانی در فہم عاجز بیاید، عین بندہ پروری است۔

۳۔ استخارۂ مسنونہ کہ حضور والا تحریر فرمودہ اند در کدام امور می نمایم۔ برائے کشف وقائع آئندہ استخارۂ مجربہ و معمولہ مشائخ نقشبندیہ چیست؟۔ آں را حضور والا نیز تحریر فرمایند۔

در استخارۂ مسنونہ کہ دو رکعت بہ نیت استخارہ ادا کنم چہ سورتہائے قرآنیہ بخوانم؟ آیا دریں استخارہ تخصیص خواندن سورت است یا نہ؟

حضور والا را و شہزادگان و اہلِ مجلس حضور والا را عید قرباں مبارک باد۔

فقط سگ بارگاہ مظہری

فقیر حقیر ابو الکمال احمد شمسی کاظمی طہرانی نقشبندی مجددی مظہری
غفر اللہ لہٗ

جناب الحاج حکیم محمد ذاکر صاحب

۲۸ فروری سنہ ۱۹۰۱ء میں کوچہ رحمان (دہلی) میں ولادت ہوئی، اسی محلّے میں آپ کی ذاتی حویلی بھی تھی، سات برس کی عمر میں مدرسہ نعمانیہ (دہلی) میں داخل ہوئے جہاں تقریباً سات سال تک قرآن کریم اور کتب دینیہ کی تحصیل کی، فارغ ہونے کے بعد ذریعہ معاش کے طور پر کام کرتے رہے، کچھ عرصہ بعد "ذاکر ہوزری ورکس" کے نام سے ایک کارخانہ قائم کیا اور فراخی کے ساتھ گزر بسر ہونے لگی۔

حکیم صاحب کو ابتداء ہی سے صوم وصلوٰۃ کا شوق تھا، اس ذوق وشوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے اب تک کہ تقریباً پچپن سال ہوتے ہیں نماز باجماعت کبھی قضا نہیں کی، حکیم صاحب نماز کے لئے اکثر مسجد فتحپوری آتے تھے جہاں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی اقتداء میں اکثر نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہ کرم نے دل کو موہ لیا ؎

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلا دل کا

چناں چہ ۱۹۲۷ء میں آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرتؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے، اور حضرت کی صحبت کیمیا اثر سے بیس سال مستفیض ہوئے، خصوصاً جب ۱۹۴۵ء میں حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تو حکیم صاحب بھی اسی سال تشریف لے گئے دیار مقدس میں مختلف مقامات پر مختلف صحبتوں میں حضرت نے خوب خوب نوازا۔

حکیم صاحب تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی، یہاں آکر اپنا پرانا کام شروع کرنا چاہا مگر حالات نے مساعدت نہ کی، ناچار عالم حرماں نصیبی میں حضرت کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے حضرت نے چند تعویذات مرحمت فرمائے اور خدمت خلق کا حکم دیا چناں چہ کراچی آکر حکیم صاحب نے عملیات کا سلسلہ شروع کر دیا اور حکمت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، آنکھوں کے امراض میں آپ خاص مہارت رکھتے ہیں، ہزاروں مریض مستفید ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔

حکیم صاحب کے پاکستان آنے کے بعد حضرت نے بڑی محبت وشفقت کے ساتھ یاد فرمایا جس سے دلی تعلق کا پتہ چلتا ہے، یہاں ایک مکتوب گرامی پیش کیا جاتا ہے:۔

مرسلہ مارچ ۱۹۵۰ء

محبی گرامی قدر خجستہ سیر فضلکم اللہ تعالیٰ امن مکرہات الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــــ مکتوب گرامی موصول ہو کر باعث مسرت ہوا، افسوس تم جیسے احباب نے مفارقت کر کے دنیا سے دل سرد کر دیا، ایک وہ زمانہ تھا کہ بعد جمعہ احباب کا مجمع ہوتا تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ اگرچہ مجمع تو خاصا ہوتا ہے لیکن احباب میں خال خال ہی نظر آتے ہیں باقی سب دوسرے لوگ ــــــ خیر جہاں رہو خوش رہو، فقیر کے لئے دعا کرتے رہو، اگرچہ تمہاری مفارقت بے چین کرتی ہے لیکن تمہیں اطمینان سے دیکھتے ہوئے چین بھی آجاتا ہے، اپنے اوراد

سے غافل نہ ہو اور فقیر کو نہ بھولو، انشاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگے، دوسرے احباب سے ملیں تو ان سے سلام کہدیں۔

فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

پاکستان آنے کے بعد حکیم صاحب نے دوسرا حج کیا، حج سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۶۱ء میں حضرت نے سفارتاً اجازت مرحمت فرمائی چناں چہ ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں :۔

محب گرامی قدر او صلکم اللہ تعالیٰ الیٰ غایۃ ما یتمناکم

السلام علیکم و قلبی لدیکم، بفضلہ تعالیٰ فقیر بخیریت ہے ـــــــ جو لوگ مرید ہونا چاہتے (ہیں) اگر ان میں خلوص ہے تو تم ان کو توبہ کرادو، توبہ کراتے وقت اپنی جگہ مجھے خیال کرلینا۔ مجھے تو یاد نہیں رہتا کوئی تمہارے پاس آنے والا نظر آئے تو اس کو لکھدیں وہ میرے پاس سے شجرے لے کر پہنچا دے گا، اپنے بھائیوں سے ملتے رہو اور اگر کسی دن جمع ہو کر ختم خواجگان پڑھیں اور مسائل میں بہار شریعت اور تصوف میں جو کتاب ملے اس کو پڑھتے رہیں تو زیادہ بہتر ہو۔

فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

نومبر ۱۹۶۱ء میں ایک تحریر کے جواب میں بھی یہ الفاظ تحریر فرمائے :۔

"اپنے ہاتھ پر میری بیعت لے لیا کرو، اس کی تم کو اجازت ہے"

سفارتاً اجازت ملنے کے بعد حکیم صاحب نے سلسلہ بیعت و ارشاد شروع کردیا اور مریدین کی فہرست حضرت کی خدمت میں ارسال کرتے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں جب حضرتؒ دوبارہ پاکستان تشریف لائے تو خدمت بابرکت میں برابر حاضری دیتے رہے اور مستفیض ہوئے، حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی تو تیسری بار حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے، مقامات مقدسہ کی زیارت سے سکون ملا، وطن واپس آئے، چند سال بعد ۱۹۶۶ء میں جب حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے انتقال پُر ملال کی خبر سنی تو اضطراب بے چینی حد سے بڑھ گئی، کسی طرح چین نہ آتا ـــــ چناں چہ پھر چوتھی بار سکون قلبی کی تلاش میں زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے، حج سے واپسی کے بعد خاموشی کے ساتھ خدمت خلق میں مصروف ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے فیض روحانی کو جاری رکھے اور بیش از بیش ترقیات سے نوازے، آمین۔

جنابِ قاری حافظ سیّد نواب علی صاحب

سید صاحب ۱۹۰۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا اسم گرامی قاری عبدالخالق تھا ابتدائی پندرہ سال لکھنؤ میں گزارے پھر بیس سال اکبر آباد رہے اور یہیں قاری عبدالمالک صاحب سے قرأت اور علم تجوید کی تحصیل کی اور کمال حاصل کیا اس کے بعد دہلی چلے آئے، ۱۹۵۹ء تک یہاں رہے، یہاں تجارت بھی کی، کچھ عرصہ علی گڑھ بھی رہے، ۱۹۵۹ء میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے اجازت لے کر پاکستان آ گئے، آجکل لطیف آباد، حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں۔

سید صاحب تقریباً تیس سال قبل حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، ۱۲ سال حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اور منازل سلوک طے کئے، ۱۹۵۶ء کے قریب حضرت نے سفارتاً اجازت مرحمت فرمائی اور مستقل اجازت کے لئے بھی ایک دوسرے مکتوب میں وعدہ فرمایا جس مکتوب میں سفارتاً اجازت عطا فرمائی ہے وہ پیش کیا جاتا ہے:-

مرسلہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۶ء

محبی سلمکم و اوصلکم الی غایۃ ما یتمناکم

السلام علیکم و قلبی لدیکم۔ تمہاری مرضی اگر یہی ہے کہ میں خود بیعت کر دوں عبدالعزیز سلمہم کو تو پھر ایسا ہی کیا جائیگا، لیکن اب میں لوگوں کو کم بیعت کرتا ہوں اس لئے مناسب تو یہی تھا کہ تم خود ہی میری بیعت لیتے ——————— فقط والسّلام

(دام) محمد مظہر اللہ عفی عنہ

جس زمانے میں سید صاحب حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں دہلی حاضر تھے اس زمانہ کا ایک واقعہ خود سید صاحب نے بیان فرمایا ہے جس سے ان کی قلبی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے واقعہ یہ ہے:-

علی گڑھ میں ایک وکیل صاحب کا لڑکا کھو گیا تھا، چناں چہ چند لوگ تعویذ کے لئے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سید صاحب بھی موجود تھے حضرت نے تعویذ کے لئے قلم اٹھایا ہی تھا کہ سید صاحب نے ایک ذاتی مشاہدے کے تحت ان لوگوں سے لڑکے کا نام پوچھا جواباً انیس الرحمٰن بتایا گیا، تو اس پر سید صاحب نے اچانک کہا کہ لڑکا ۱۲ بجے تک آ جائیگا"

——— حضرت نے فرمایا کہ اگر لڑکا نہ آئے تو پھر تعویذ لیجانا" ———

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت نے جب سید صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ "ابھی ابھی ایک قدآور بزرگ نظر آئے جن کے سر پر عربی عمامہ تھا، چہرہ پر ناک کے قریب موٹا مسّہ تھا ——— انہوں نے فرمایا کہ لڑکا بارہ بجے آجائیگا، میں نے وہی بات کہدی" ——— حضرت نے فرمایا کہ یہ دادا پیر حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ تھے اور سید صاحب کی پیٹھ تھپکی۔

سید صاحب کی اولاد میں ایک صاحبزادے محمد مطلوب بقید حیات ہیں، مریدین و معتقدین دہلی، علی گڑھ، کانپور، اور حیدر آباد میں موجود ہیں۔

جناب قاضی صفدر حسن صاحب صدیقی

قاضی صاحب کی دہلی میں ولادت ہوئی، آپ نسباً صدیقی، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی ہیں، آپ کے والد ماجد قاضی حید حسن صدیقی بڑے نیک اور متقی تھے، آپ کے اسلاف میں بہت سے اولیاء اللہ گزرے ہیں، آپ کے نانا مولوی احمد دین رحمۃ اللہ علیہ زبردست مقرر اور متورع انسان تھے، بمبئی کی کسی مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی تعلیم تو آئی۔ کام تک ہے مگر تجربہ کافی ہے، تقریباً ۳۵ سال سرکاری ملازمت کرتے ہو گئے، آجکل دفتر ڈی سی، پی اینڈ ٹی (لاہور) میں اسٹینوگرافر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور اس وقت عمر تقریباً ۵۶ سال ہے۔

قاضی صاحب ابتداء ہی سے حضرت کے معتقد تھے اور اس گھرانے کا خاص احترام کرتے تھے، پانچ سال کی عمر سے ہی اپنے دادا مرحوم کے ساتھ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے، مگر حقیقی بیعت پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۶ء میں ہوئی، قاضی صاحب ابتداء سے صوم و صلوٰۃ کے پابند تو تھے مگر ظاہر شریعت کے مطابق نہ تھا، انگریزی تہذیب کے دلدادہ تھے، لیکن جب بیعت سے مشرف ہوئے تو کایا ہی پلٹ گئی، اتباع سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا سرشار کیا کہ انگریزی تہذیب کے لبادے کو اتار پھینکا اور اللہ کے رنگ میں رنگ گئے، سچ ہے ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے ۔۔۔ یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

چوں کہ قاضی صاحب لاہور میں مقیم تھے اور حضرت علیہ الرحمہ دہلی تشریف رکھتے تھے اس لئے دوری کی وجہ سے براہ راست صحبت سے مستفیض نہ ہو سکتے تھے چناں چہ حضرت ہی کے حکم سے مولانا عبدالغفور مدنی کے خلیفہ حضرت مولانا علاؤالدین نے منازل سلوک طے کرائے پھر جب ۱۹۶۱ء میں حضرت مرحوم پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو ایک اجتماع میں قاضی صاحب کو سفارتاً اجازت سے نوازا۔

قاضی صاحب سے حضرتؒ کو بیحد محبّت و انسیت تھی اس کا اندازہ ان خطوط گرامی سے ہوتا ہے جو حضرت مرحوم نے قاضی صاحب کے نام ارسال فرمائے ہیں، یہاں صرف دو مکاتیب گرامی پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

مرسلہ ۱۹۶۱ء

عزیزی ارشدی سلمہم رفع قدرہم ونور قلبہم

وعلیکم السلام ورحمتہ ربکم المنعام وبرکاتہ علی التمام، العزیز کی خیریت اور اپنے مولیٰ کی طرف توجہ تام کا علم باعث خوشنودی ہوا، مولیٰ تمہیں اپنی طرف متوجہ رکھے، یہ بڑی دولت ہے، اپنے تئیں عاجز خیال کرنا، قوت لاریبی میسر آنے کا نہایت عمدہ ذریعہ ہے، بیشک تمہیں ہر آن ترقی میسر آنے والی ہے، فقیر تمہارے لئے دعا کرتا ہے، وہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوبوں میں داخل فرمائے اور تمہیں فقیر ناکارہ کا وسیلہ گردانے، تہجد کے وقت دلائل الخیرات پڑھنے کی اجازت ہے، فقیر کے لئے بھی دعا کرتے رہیں، فقط والسلام مع الدّعا

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

(۲)

مرسلہ ۱۹۶۲ء

فروغ صبح سعادت ثبتہ اللہ علی طریق السّواء

وعلیکم السلام ورحمتہ ربکم المنعام۔ بعد دعوات استقامت برجادۂ نبوی مطالعہ کریں کہ باطنی کیفیت کے اضافہ کی خبر باعث مسرّت ہوئی اللّٰھم زد فزد، جس قدر ہو سکے مراقبہ میں اضافہ کریں تمہارے اعمال محبوب ہیں لیکن یہ مراقبہ کے لئے صرف تائید ہیں اصل شئے مراقبہ ہے، فقط والسلام

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

قاضی صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اور حضرات نقشبندیہ خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے جو علاقۂ خاص ہے اس سلسلے میں موصوف ہی کے نوشتہ دو واقعات پیش کرتا ہوں :-

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان محفل منعقد ہے، حضرت قبلہ علیہ الرحمہ قاضی صاحب کا بازو پکڑ کر محفل کے دروازے میں داخل کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں "گھبراتا کیوں ہے اندر جا" جب قاضی صاحب اندر گئے تو رنگ محفل دیکھ کر حیران رہ گئے ——— دروازے کے قریب جو حضرات بیٹھے تھے جب قاضی صاحب نے ان سے مصافحہ کرنا چاہا تو حضرت مرحوم نے فرمایا "نہیں نہیں وہ دیکھو حضرت مجدد الف ثانی تشریف فرما ہیں ان کی دست بوسی کرو" ——— چناں چہ تعمیل حکم میں دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دعا فرمائی۔

جب یہ خواب حضرت کی خدمت میں دہلی عرض کیا گیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ "مبارک ہے اس سال سرہند شریف کی زیارت سے مشرف ہو گئے" ——— اُس سال جو جماعت سرہند شریف جانے والی تھی اس کے تمام کاغذات وغیرہ مکمل ہو چکے تھے مزید کسی شخص کی گنجائش نہ تھی، جب قائد جماعت سے قاضی صاحب نے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "اس تنگ وقت میں آپ کے لئے کچھ نہیں ہو سکتا" ——— قاضی صاحب نے جواباً کہا کہ "میں خود نہیں آیا مجھے بھیجا گیا ہے، انشاء اللہ ضرور جاؤں گا ورنہ جماعت نہیں جائیگی" ——— چناں چہ ایسا ہی ہوا راہیں کھل گئیں اور قاضی صاحب کے لئے بر وقت غیب سے انتظام ہو گیا اور وہ تشریف لے گئے۔

قیام سرہند شریف کے دوران ایک رات درگاہ شریف میں قاضی صاحب مراقبہ کر رہے تھے درگاہ بند کرنے کا وقت آیا تو مجاور نے سب لوگوں کو باہر چلے جانے کی ہدایت کی، قاضی صاحب سے بھی کہا، مگر وہ خاموشی کے ساتھ مراقبے میں مصروف رہے، مجاور چلا گیا، قاضی صاحب کہتے ہیں کہ اس عالم تنہائی میں انہوں نے بچشم سر دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی سامنے تشریف فرما ہیں، اُس وقت اس خواب کی تعبیر کھلی آنکھ دیکھ رہے تھے جو سفر سرہند شریف کی تمہید بنا تھا۔

دل کو امید وصل ہے تمہید اضطراب
تسکین اضطراب ہے تائید اضطراب

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات خواب میں وسیع و عریض میدان دیکھا جہاں چھڑکاؤ کیا گیا ہے، بیچ میں ایک محفل سجی ہوئی ہے، ہر طرف نور ہی نور نظر آتا ہے، ایک عالی شان چاندی کا تخت ہے، دور سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز

ہیں اور دائیں بائیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جمع ہیں، بڑا بھاری دربار لگا ہوا ہے۔

ایک طرف یہ دربار ہے اور دوسری طرف حضرت قبلہ علیہ الرحمہ قاضی صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر اس دربار میں جا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ "میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ"۔ یہاں تک کہ دربارِ نبوی کے قریب پہنچ گئے، حضرت مرحوم نے قاضی صاحب کو جناب رسالت مآب میں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ "حضور یہ بھی آپ کے غلاموں میں ادنیٰ غلام ہے"۔ اس کے بعد دعا مانگی گئی۔

اس خواب کے کچھ عرصہ بعد حضرتؒ پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے ایک اجتماع میں قاضی صاحب کو سفارت سے نوازا گیا قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت نور کا وہی سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا جو خواب میں ملاحظہ کیا تھا۔

جنابِ محمد احمد صاحب قریشی

آپ کے جدِ امجد قاضی فیاض احمد صاحب مرحوم اہل دل تھے دہلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، والد ماجد نور احمد صاحب مرحوم تجارت پیشہ تھے اور دہلی کے مشہور عالم حضرت شاہ کرامت اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے لیکن مرحوم حضرت قبلہ قدس سرہٗ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مرحوم کے دونوں صاحبزادگان جناب بشیر احمد صاحب اور جناب محمد احمد صاحب حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں۔

قریشی صاحب نے قرآن کریم کا آغاز حضرت ہی کی صحبت کیمیا اثر میں کیا اور کچھ فارسی کی کتابیں بھی پڑھیں، کچھ عرصہ مدرسہ نعمانیہ (دہلی) میں بھی پڑھا لیکن بعد میں حضرتؒ کے ایماء پر آپ کے والد مرحوم نے مسلم ہائی اسکول مسجد فتحپوری دہلی میں داخل کرا دیا تھا جہاں سے میٹرک کیا، پاکستان آنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور سے ایف۔ اے پاس کیا پھر منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا، ۱۹۵۹ء میں سٹی اینڈ گلڈ- لندن سے ریڈیو انجینیرنگ کا امتحان پاس کیا اور اس میں بڑی مہارت پیدا کی۔

ملازمت کا آغاز دہلی سے ہوا ۱۹۴۱ء میں سرکاری ملازمت میں بحیثیت لوئر ڈویژن کلرک داخل ہوئے ۱۹۴۴ء میں اپر ڈویژن کا امتحان پاس کیا، پاکستان آنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں ایس۔ اے۔ ایس (سپارڈینیٹ اکاؤنٹس سروس) کا امتحان پاس کیا اور

رفتہ رفتہ ترقی کرکے آج بفضلہ تعالیٰ محکمہ ڈاک وتار میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹس آفیسر لگے ہوئے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا بچپن ہی سے حضرت علیہ الرحمہ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، لیکن انگریزی تعلیم اور دفتری ماحول نے اپنا اثر دکھایا جب بیعت کا خیال دل میں آیا تو عزم صمیم کیساتھ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور پھر ۱۹۴۷ء میں حضرت کے دست مبارک پر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے، کچھ عرصہ بعد اہل خانہ کو بھی بیعت کرا دیا ــــــ حضرت علیہ الرحمہ نے قریشی صاحب کی بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ تربیت فرمائی اس کا اندازہ ان مکاتیب گرامی سے ہوتا ہے جو قریشی صاحب کے نام حضرت نے ارسال فرمائے ہیں۔ ہم یہاں صرف تین مکاتیب گرامی پیش کرتے ہیں:-

(۱)

مرسلہ ۱۹ راگست ۱۹۵۰ء

سالک مسالک طریقت عزیز دل نواز جعلکم اللہ من اولیائہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــــ صحیفۂ رفیعہ موصول ہوکر باعث بے حد مسرت ہوا اللہم زد فزد، جو حالت تم نے اپنی لکھی ہزاروں میں سے کسی کو حاصل ہوتی ہے، متوجہ الی اللہ رہیں اور ترقیات لامتناہیہ کے لئے خواہاں۔ امید ہے کہ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوبوں میں اٹھائے

فقط والسلام

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

(۲)

مرسلہ ۴ راگست ۱۹۵۴ء

محب صادق مالالیلق

السلام علیکم وقلبی لدیکم۔ فقیر تمہارے خلوص سے بھی واقف ہے اور اضطراب سے بھی لیکن مرضی مولیٰ تعالیٰ کے آگے سر نیاز خم ہے، فقیر کب چاہتا ہے کہ تم جیسے محبوب سے مفارقت رہے جدائی کے وقت کی حالت کا جو ذکر کیا ہے اس کا علم تمہارے بیان سے پہلے ہی حاصل ہے فقیر نے تو اسی وجہ سے تمہاری طرف زیادہ التفات نہ کیا کہ پھر تم کو وقت مفارقت زیادہ حزن وملال پریشان نہ کرے۔

ــــــ فقط والسلام

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

(۳)

سالک مسالک طریقت نور قلبہ بنور الیقین

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعام۔ سیر وسلوک کے امتحانات سے اطلاع پا کر بغایت درجہ مسرت حاصل ہوئی۔ اللّٰھم زد فزد۔ یہ سب کچھ محبت کی فراوانی کا ثمرہ ہے جس قدر محبت میں زیادتی ہوگی منازل ترقی پر جلوہ ہوتا رہے گا اور ہر روز ترقی ملاحظہ کریں گے۔ فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

منازل سلوک طے کرانے کے بعد ۱۹۶۵ء میں حضرتؒ نے سفارتاً اجازت سے نوازا جو حضرت کے تعلق قلبی کا آئینہ دار ہے، اس سلسلے میں حضرتؒ نے جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے :۔

عزیز گرامی قدر خجستہ سیر سلمکم المولی المقتدر۔

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعام ــــــــ تمہارے حالات پڑھنے سے بہت مسرت ہوئی ہے، تمہیں سفارتاً اجازت دی جاتی ہے کہ کوئی بیعت ہونا چاہے تو اپنے ہاتھ پر میری بیعت لے لو اور اس کو توجہ دیتے رہو اور علاقہ حضرت مولائی وملجائی مرشدی حضرت (سید صادق علی شاہ) رحمۃ اللہ علیہ سے مضبوط رکھو ــــــــ فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

قریشی صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اور آپ کے بزرگان سلف سے جو تعلق ومحبت ہے اس کا اندازہ ان دو واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جو خود قریشی صاحب نے احقر کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمائے ہیں :۔

ایک دفعہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر امتحان کی وجہ سے حضرت مرحوم کی خدمت اقدس میں دہلی حاضر نہ ہو سکے، اس محرومی کا قلب پر گہرا اثر تھا اور سخت قلق واضطراب کا عالم تھا، اسی روز رات خواب میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرتؒ نے دلاسا دیا اور تشریف لے گئے۔ صبح قریشی صاحب جب بیدار ہوئے تو ان کی چچی مرحومہ نے فرمایا کہ آج تو تمہارے حضرت صاحب تشریف لائے تھے، انہوں نے حضرت کا حلیہ مبارک حتی کہ طریقۂ نشست اور نشست کی جگہ سب ہی بتائی جو قریشی صاحب نے خواب میں ملاحظہ کی تھی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرتؒ نے قریشی صاحب کو دادا پیر حضرت سید صادق علی شاہ

رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری کی شدید تاکید فرمائی، حضرت ممدوح کا مزار مبارک موضع رتڑ چھتڑ (مکان شریف) ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب بھارت میں واقع ہے، یہاں مسلمانوں کا نام و نشان نہیں، ان علاقوں میں جانا بھی خطرے سے خالی نہ تھا، ویزا کا حاصل کرنا بھی مشکل ترین امر تھا مگر جب ارشاد گرامی کے مطابق دل میں لگن لگی تو تمام مشکلات اور رکاوٹیں خود بخود ختم ہوتی چلی گئیں اور حکومت کی طرف سے فوراً اجازت مل گئی۔ چناں چہ پاکستان اور ہندوستان کے مریدین پر مشتمل ایک جماعت حضرت کے صاحبزادہ گرامی مفتی محمد مشرف احمد صاحب کی قیادت میں مکان شریف حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئی، اس علاقے میں اس جماعت کی جو قدر و منزلت ہوئی اس نے اور حیرت زدہ کر دیا، ڈیرہ بابا نانک تھانہ کے انچارج نے تو اپنے ہاں قیام و طعام کے لئے بھی درخواست کی، ان واقعات سے جہاں اہل تعلق کے تعلق قلبی کا اعجاز مشاہدے میں آتا ہے وہاں بزرگان دین کے تصرفات باطنیہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

قریشی صاحب کو حضرت کے خانوادۂ عالی سے بھی بے انتہا عقیدت و محبت ہے راقم الحروف کے ساتھ خاص تعلق و انسیت ہے اس فقیر پر قریشی صاحب کے بہت سے احسانات ہیں، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ آجکل قریشی صاحب لاہور میں مقیم ہیں ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں دو صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سعادت دارین سے نوازے۔ آمین۔

جناب حکیم محمد عاقل صاحب مظہری چشتی

حکیم صاحب کے جد اعلیٰ نواب نجیب الدولہ خاں مرحوم کے ہمراہ قصبہ جھنڈا سے آئے جو مغربی پاکستان میں پشاور کے نزدیک واقع ہے، حکیم صاحب کے اجداد کا تعلق خاندان سادات سے ہے، موصوف کے اسلاف میں میاں احمد صاحب ولی کامل بزرگ گزرے ہیں، ممدوح کے دو بھائی تھے میاں منا صاحب اور میاں زکریا صاحب یہ بھی ولی کامل تھے۔ میاں احمد صاحب کے ایک صاحبزادے میاں محمد شعیب تھے، یہ بھی بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں، دھام پور (ضلع بجنور، بھارت) کی جامع مسجد کے امام بھی رہے، محراب مسجد کے کتبے پر موصوف کا نام کندہ ہے، دھام پور میں ان کی کرامات مشہور خاص و عام ہیں، محمد شعیب صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے میاں محمد سعید صاحب جامع مسجد کے امام ہوئے پھر ان کے بعد ان کے

کے صاحب نے ادے میاں محمد عمر صاحب امام ہوئے جو بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں اگرچہ امامت سے سبکدوش ہو چکے ہیں، حکیم محمد عاقل صاحب موصوف ہی کے فرزند ارجمند ہیں، مسلکاً حنفی اور مشرباً چشتی ہیں دھامپور میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہیں، اس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس سال ہوگی ۔

حکیم صاحب طبیہ کالج (دہلی) کے سند یافتہ ہیں، ۱۹۴۷ء سے دھامپور میں بڑی کامیابی کیساتھ مطب فرما رہے ہیں ——— دینی خدمات میں بھی حکیم صاحب پیش پیش ہیں چنانچہ دھامپور میں حضرت علیہ الرحمہ کے نام نامی پر ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جو مدرسہ مظہر العلوم نوریہ کے نام سے مشہور ہے، اس میں قرآن حکیم کے علاوہ معقولات و منقولات کا درس دیا جاتا ہے اور اطراف و اکناف کے طلبہ مستفید ہوتے ہیں، یہ مدرسہ برسوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے ۔

۱۹۴۴ء میں جب کہ حکیم صاحب طبیہ کالج میں تعلیم پا رہے تھے تو دہلی میں تقریباً تین سال مسلسل قیام فرمایا چنانچہ اس عرصے میں برابر جمعہ کے روز حضرت کی مجلس میں شریک ہونے مسجد فتحپوری تشریف لاتے رہے اور حضرت کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے ۱۹۴۷ء میں وطن عزیز دھامپور واپس آگئے، اور یہاں مطب کا آغاز کیا ۔

حکیم صاحب کے والد ماجد میاں محمد عمر صاحب اکثر مرید ہونے کے لئے تحریک و ترغیب فرماتے رہتے، شیخ طریقت کے انتخاب میں ذرا تذبذب تھا کبھی حضرت صدر الافاضل مولینا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سامنے آتا تو کبھی حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی کا، بالآخر جب استخارہ کیا گیا تو حکیم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ قدس سرہٗ مسجد فتحپوری میں لوگوں کو بیعت فرما رہے ہیں، چوں کہ یہ خواب حضرت ہی سے بیعت کے لئے مشیر تھا اس لئے حکیم صاحب دہلی جاکر حضرت کے دامن مبارک سے وابستہ ہوگئے، بیعت کے وقت جو کیفیت گزری وہ خود حکیم صاحب نے اس طرح تحریر فرمائی ہے :-

"بیعت ہوتے وقت راقم الحروف پر عجیب کیفیت طاری تھی، ایک نور کی بارش اور عجیب سا سماں تھا جو لائق بیان نہیں" (مکتوب محررہ اگست ۱۹۷۸ء از دھامپور)

بیعت کے بعد حضرت نے طریقۂ ذکر تلقین فرما کر رخصت فرما دیا، کچھ عرصہ بعد حکیم صاحب کو صرف جو کھانے کی ہدایت فرمائی، بعد رات سوتے وقت حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی تصانیف کے مطالعے کی ہدایت فرمائی، جب اس ہدایت پر عمل کیا تو عجیب و غریب مشاہدات پیش آئے ایک واقعہ خود حکیم صاحب کی زبانی سنیئے :-

"اکسیر ہدایت کا مطالعہ کر رہا تھا کہ موسم سرما کا آ گیا، ایک رات بعد عشاء ایک صاحب آ گئے ـــــــ کمبل پوش، گھنی داڑھی، گٹھیلے، چہرہ بارعب، آنکھیں نہایت چمکیلی، چارپائی کو جنبش دے کر فرمایا کہ "دیکھ غزالی کھڑا ہے" ـــــــ بس پہلی نظر تو ان پر پڑی پھر ـــــــ یہ حال کہ خود قابو میں نہ رہا"

(مکتوب مذکور)

حضرت نے روحانی تربیت کے بعد حکیم صاحب کو سفارشاً اجازت مرحمت فرما کر دولت بیکراں سے نوازا، حضرت علیہ الرحمۃ کو حکیم صاحب سے بڑی انسیت و محبت تھی اس کا اندازہ ان کلمات سے ہوتا ہے جو خود حکیم صاحب نے تحریر فرمائے ہیں، مکتوب مذکور (محررہ ۷ اگست ۶۸ء از دھام پور) سے یہاں تین اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

① "حضرت کو احقر کا بہت خیال تھا، فرماتے تھے کہ "میں تورات کو بھی تیرے قریب ہوتا ہوں تو سوتا ہے اس وقت بھی تیری نگرانی کرتا ہوں، تو اپنے پر ہم کو قیاس کرے"

② "ایک بار احقر دہلی پہنچا اور بضد دریافت کیا کہ حضور کو حالات کا علم کیوں کر ہوتا ہے، فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم میں اور تم میں کیا فرق ہو" ـــــــ "لال قلعہ، گنگا جمنا، اور جنگل پہاڑ ہماری راہ میں حائل نہیں ہیں، جہاں اپنے پر قیاس نہ کرو"

③ "ایک بار فرمایا کہ اکثر حضرت سید شاہ صادق علی رحمۃ اللہ علیہ آتے ہیں تو وہ بھی تمہارے حالات بیان کر دیتے ہیں"۔ راقم الحروف نے عرض کیا "ان کا تو انتقال بھی ہو گیا" ارشاد فرمایا کہ "وہ عالم برزخ میں ہیں"

حکیم صاحب نے بیعت ہونے کے بعد جو مشاہدات کئے اور جو کرامات ان کے سامنے آئیں ان کو بھی مختصراً بیان کیا جاتا ہے :-

①

ایک روز شجرہ شریف پڑھ کر سو گئے، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ بہت سے بزرگ، بلند قامت نورانی صورت، لمبی لمبی داڑھیاں، نیچے نیچے کرتے پہنے جمع ہیں، اسی مجمع میں سے کسی نے باآواز بلند کہا:
"خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لا رہے ہیں"
یہ آواز اس طرح پیدا ہوئی کہ سب اہل خانہ بیدار ہو گئے

(۴)

حکیم صاحب پر ایک دور ایسا آیا کہ مریضوں سے دل اچاٹ ہوگیا، طبیعت تنہائی پسند ہوگئی خلوت پسندی نے معاش کے راستے بند کردیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ نانِ جویں بھی مشکل سے میسر آتی لوگوں نے حضرتؒ کی خدمت میں دہلی عرض کیا، وہاں سے حکیم صاحب کے نام حکم آیا کہ "فلاں تاریخ کو سرہند حاضر ہو جاؤ" ——— حضرت بھی اسی تاریخ کو سرہند تشریف لے جا رہے تھے، چناں چہ حکیم صاحب نے سرہند شریف کا مصمم ارادہ کیا اور اہلیہ سے کہا کہ "حضرت کو کھلانے کی نیت سے جو مرغ پالا ہے اس کو ذبح کر کے پکا دو" انہوں نے جواب دیا "گھر میں نمک، مرچ گھی وغیرہ کچھ بھی تو نہیں، پکاؤں کس طرح؟ - کسی نہ کسی طرح پکا بھی دوں تو حضرت کے ساتھ بہت سے لوگ ہوں گے، کس طرح کفایت کرے گا؟ - پھر ریل میں سفر کس طرح کرو گے زادِ راہ بھی تو نہیں وغیرہ وغیرہ" ——— حکیم صاحب نے کہا "تعمیل حکم میرا کام ہے اور بس" -

چناں چہ کسی نہ کسی طرح مرغ پکا دیا گیا، حکیم صاحب شام پانچ بجے والی گاڑی سے سوار ہونے کے لئے جو سہارن پور جاتی تھی، گھر سے چل پڑے۔ ہاتھ خالی ہیں لیکن کششِ آرزو کشاں کشاں لیے چلی جا رہی ہے، راستے میں ایک شخص ملا اس کو معجون بنوانی تھی حکیم صاحب کو تیس روپے پیش کئے، تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ ایک صاحب عبدالوحید قریشی ملے، ان کو جب معلوم ہوا کہ حکیم صاحب سرہند شریف جا رہے ہیں اور حضرت بھی تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں بھی چلتا، حکیم صاحب نے کہا "چلو کرایہ میں دے دوں گا" وہ بھی ساتھ ہو لیے، ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک اور شخص ملا، اس کو بھی کوئی دوا بنوانی تھی، حکیم صاحب کو چالیس روپے پیش کئے ——— اس طرح اسٹیشن پہنچتے پہنچتے ستر روپے ہو گئے - گھر سے خالی ہاتھ چلے تھے، راستہ میں دامن مراد بھر دیا گیا،

حکیم صاحب اپنے رفیق کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گئے اور سہارن پور پہنچے یہاں گاڑی تبدیل کر کے اس گاڑی میں بیٹھنا تھا جو دہلی سے آ رہی تھی اور جس میں حضرت رح تشریف فرما تھے لیکن جب گاڑی آئی تو حضرت کو نہ پایا، ناچار خود ہی سوار ہو گئے کہ حکم یہی تھا، جب سرہند شریف کے اسٹیشن پہنچے تو وہاں حضرت کو موجود پایا، سخت حیران ہوئے، سلام عرض کیا، دعا سے نوازا، نماز فجر اسٹیشن پر ہوئی پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ

کے روضہ شریف پر حاضر ہوئے، بعد میں ناشتے کی تیاری شروع ہوئی، ہر شخص نے اپنا اپنا ناشتہ پیش کیا، حضرت نے فرمایا کہ "حکیم صاحب کہاں ہیں"؟ ——— حاضرین نے ایک اور حکیم صاحب کے لئے کہا یہ حاضر ہیں۔ فرمایا نہیں، ہمارے ایک حکیم صاحب اور ہیں"۔ چناں اب حکیم محمد عاقل صاحب متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ "غلام حاضر ہے"۔ حضرت نے فرمایا :-

"لاؤ میاں، کہاں ہے مرغ؟ ——— بہت زور دیا جا رہا تھا کہ پکاؤ"

یہ سن کر حکیم صاحب حیران رہ گئے، کہاں دہلی، کہاں دھام پور! مرغ کے سلسلے میں بات بھی ہوئی تو گھر کی چہار دیواری میں، حضرت نے کہاں سے سن لیا؟ ——— ہاں جب چشم بصیرت وا ہو جاتی ہے تو حواس خمسہ میں قیامت کی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں، یہ بات اہل دل ہی کے سمجھ میں آسکتی ہے، اہل عقل کیا جانیں کہ ان کا بھروسہ ظاہری اسباب و علل پر ہے، باطنی علت و معلول کی دنیا ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔

(۳)

سرہند شریف سے چلتے وقت جب اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مراد آباد جانے والی گاڑی آرہی ہے، حکیم صاحب کو اسی گاڑی سے جانا تھا، حضرتؒ کو دوسری گاڑی سے جو بعد میں آنے والی تھی ——— حکیم صاحب نے عرض کیا :-

"میں اس گاڑی میں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ حضور والا میرے بعد جائیں گے یہ بے ادبی مجھ سے نہ ہو سکے گی"۔

دریائے محبت جوش میں آیا، حضرتؒ نے حکیم صاحب کو قریب بلا کر گلے لگا لیا اور فرمایا کہ "ہم بہت راضی و خوش ہیں" پھر فرمایا "سوار ہو جاؤ، وہی ہو گا جو تم چاہتے ہو" ——— حکیم صاحب سوار ہو گئے، گاڑی چل پڑی، ابھی دو تین اسٹیشن گزرے ہوں گے کہ ایک اسٹیشن پر روک دی گئی ——— معلوم ہوا کہ پہلے دہلی والی گاڑی جائیگی پھر یہ گاڑی چلے گی ——— وہی ہوا جو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا۔ دہلی پہنچ کر حکیم صاحب کے نام جو حضرت کا مکتوب گرامی آیا، اس میں تحریر تھا :-

"فقیر تمام راستے تمہارے قلب پر مطلع ہوتا رہا، دیکھا کہ ہماری گاڑی آگے نکل گئی اور تمہاری بعد میں چلی"۔

(۴)

۱۳۱۷ھ میں ۲۷ رمضان المبارک کو دوپہر کے وقت حکیم صاحب قیلولہ کر رہے تھے، گرمی سخت تھی، لو چل رہی تھی، اچانک ایک ندائے غیبی سنی، کہنے والا کہہ رہا ہے :-

"سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں"

آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام جگہ بقعہ نور بنی ہوئی ہے، نہ وہ مکان ہے جہاں سو رہے تھے، نہ وہ جگہ ہے، ایک وسیع و عریض میدان ہے، دھوپ خوب کھل رہی ہے مگر تیزی بالکل نہیں ہا آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ کھلتی نہیں، چکاچوند ہو ہو جاتی ہے ــــــ یہ گمان ہوا کہ شاید عالم خواب ہے مگر جب انگلی کو دانتوں میں دبایا تو معلوم ہوا کہ عالم بیداری ہے بہت دیر تک یہ حالت قائم رہی۔

(۵)

ایک دفعہ حضرتؒ دھام پور تشریف لے گئے، بکثرت لوگ مرید ہوئے، جس مکان کی بالائی منزل پر حضرتؒ کو ٹھہرایا تھا اس کے مالک اور ان کی اولاد حضرت غوث اعظمؒ سے خاص محبت رکھتے تھے، جب حضرت سے ان لوگوں کو داخل سلسلہ کرنے کے لئے عرض کیا گیا تو فرمایا :-

"میاں حکیم صاحب ان کو تو خاندان قادریہ میں بیعت کرنا ہوگا، اس لئے ان سب کی رغبت اسی طرف پاتا ہوں"

حضرت کے علم میں بظاہر ان لوگوں کے رجحانات نہ تھے مگر علم باطن سے سب کچھ دریافت فرما لیا۔

(۶)

قیام دھام پور کے زمانے میں حکیم صاحب نے اپنے پانچ سالہ صاحبزادے کو بیعت کے لئے پیش کیا، تو فرمایا :-

"ابھی اس مسافر کو نہ بھیجو، جلدی نہ کرو"

اس واقعہ کے ایک سال بعد ہی صاحبزادے کا انتقال ہو گیا، انتقال سے قبل اس سے جو باتیں ظاہر ہوئیں وہ اس عمر کے بچوں سے مستبعد ہیں ــــــ صاحبزادے کے انتقال کی خبر جب حضرتؒ کو ملی تو حکیم صاحب کو صبر کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ "بیوی کو صبر کرلو" ــــ چنانچہ صاحبزادے کے انتقال کے آٹھ روز بعد ان کا بھی

انتقال ہوگیا۔

(۷)

بیوی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد جب حکیم صاحب نے دوسری شادی کرنا چاہی اس سلسلے میں حضرتؒ کو خط لکھا تو جواباً تحریر فرمایا :۔

"کہیں پیغام نہ دو، اگر فقیر کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو جو گھر میں ہے اسی سے شادی کر لو، تمہیں نہیں معلوم کہ مرحومہ نے اپنی بہن کو کیا وصیت کی ہے"۔

حکیم صاحب کی بیوی کے والدین کا انتقال ہوگیا تھا، ایک سالی تھیں جو حکیم صاحب کی کفالت میں آگئیں، حضرتؒ کا اسی طرف اشارہ تھا ـــــــ حکیم صاحب نے اپنی والدہ سے حضرتؒ کے مکتوب گرامی کا ذکر کیا تو انہوں نے مرحومہ کی بہن سے حقیقت حال دریافت کی، معلوم ہوا انتقال والی رات مرحومہ نے اپنی بہن سے کہا تھا :۔

"یہاں کا نمک کھایا ہے، اب یہاں سے نہ جانا، پوری طرح خدمت کرنا"۔

(۸)

ایک دفعہ حکیم صاحب نے فتوحات رجوعات کے لئے عمل کیا، کامیابی کے بالکل قریب تھے کہ حضرتؒ کا والا نامہ صادر ہوا جس میں تحریر تھا :۔

"فقیر کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو جو کچھ بھی پڑھ رہے ہو ختم کر دو اور راضی برضا رہو"۔

(۹)

ایک دفعہ دھام پور کے صوفی غلام محمد مرحوم کے صاحبزادے سبحان علی سخت بیمار ہوگئے تمام آسرے ٹوٹ چکے تھے، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا حضرتؒ کی خدمت میں دعا کے لئے دہلی عرض کیا گیا۔ خط بھیجنے کے دوسرے ہی روز صبح نماز فجر کے بعد صاحبزادہ موصوف پر غشی طاری ہوگئی، برابر بیہوش پڑے رہے، کافی دیر بعد عزیزوں نے بمشکل بیدار کیا تو آنکھیں کھولیں اور کہا :۔

"میں اچھا ہو جاؤں گا، میں نے پہچان لیا ہے، حکیم محمد عاقل مظہری مجھے علاج کے لئے دہلی لے گئے ہیں، مگر وہاں ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو مجھے مسجد فتح پوری میں لیجا کر ڈال دیا کہ اس کمزوری کی حالت میں کہاں لیجاؤں، جب حضرت صاحب نے مجھے دیکھا تو مسکرائے، میرے بدن پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ یہ اچھا ہوگیا، پھر حکیم صاحب مجھے اپنی

پیٹھ پر اٹھا کر لے آئے۔ اتنے میں مجھے تم لوگوں نے جگا دیا۔"

اس واقعہ کے دوسرے روز حضرتؒ کا گرامی نامہ ملا جس میں تحریر تھا :-

"دعا کی جا رہی ہے، خدا صحت فرما دے گا۔"

دعاؤں کی تاثیر دیکھنی ہو تو حضرات اہل اللہ کے ہاں دیکھئے، قرآن کریم اس پر شاہد عادل ہے :-

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ الخ
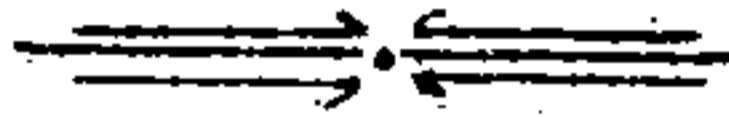
سولھواں باب

معاصرین علماء وصوفیہ

معاصرین علماء و صوفیہ

حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے چوں کہ ۹۳ سال کی عمر طویل پائی اس لئے معاصرین علماء و صوفیہ کی ایک طویل فہرست ہے ابتدائی عہد کے علماء و صوفیہ کا علم حضرت کی تصانیف سے ہوتا ہے چناں چہ رؤیت ہلال کے بارے میں ۱۳۰۷ھ میں دہلی سے ایک فتویٰ شائع ہوا تھا اس میں حضرت نے ضمناً ان حضرات کا ذکر کیا ہے جو حضرت کے عہد مبارکہ میں گزرے ہیں، مثلاً :-

(۱) مولانا شاہ ابو الخیر صاحب (۲) مولانا عبد الحکیم دہلوی (۳) مولانا سید نذیر حسین (۴) مولانا محمد شاہ صاحب (۵) مولانا ابو محمد عبد الحق (۶) مولانا عبد الرشید صاحب (۷) مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب (۸) مولانا کرامت اللہ صاحب (۹) مولانا محمد عمر صاحب (۱۰) مولانا احمد سعید صاحب، (۱۱) مولانا عبد العلی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء میں دہلی سے حضرت کا ایک محققانہ فتویٰ "کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس فتویٰ پر پاک و ہند کے بہت سے علماء کرام نے تصدیقی دستخط ثبت کئے تھے یہ سب کے سب کسی نہ کسی طرح حضرت سے واقف تھے اور حضرت کی علمیت و تفقہ کے دل سے معترف، چناں چہ بعض حضرات نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ ان حضرات میں یہ علماء کرام شامل ہیں :-

(۱) مولانا احمد علی محدث، صدر المدرسین مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتح پوری، دہلی (۲) مولانا سید حامد دہلوی (۳) مولانا یار محمد دہلوی (۴) مولانا عماد الدین سنبھلی (۵) مولانا عبد السبحان، مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری (۶) مولانا محمد نسیم احمد، شاہی امام سنہری مسجد، دہلی (۷) مولانا سید طاہر حسین شاہی امام عیدگاہ، دہلی، (۸) مولانا عبد المجید بسری، مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، (۹) مولانا محمد سلیمان چشتی پھلواری، (۱۰) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۱۱) مولانا احمد مختار الصدیقی، صدر جمعیۃ علمائے صوبہ بمبئی (۱۲) مولانا معوان حسین مجددی خلف مولانا ارشاد حسین رامپوری (۱۳) مولانا محمد ابراہیم الباسنی، ناظم جمعیۃ الاحناف صوبہ ہند (۱۴) مولانا محمد کریم علی، ناظم اعلیٰ جمعیۃ الطلباء صوبہ متحدہ (۱۵) مولانا ہادی احمد (۱۶) مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری ندوی (۱۷) مولانا ابو النصر کمال الدین، مہتمم مدرسہ قادریہ محمودیہ، موضع اویسی، ضلع پشاور (۱۸) مولانا

شاہ سلامت اللہ (۱۹) مولانا محمد خلیل اللہ محدث مدرسہ مطلع العلوم، ریاست رام پور (۲۰) مولانا محمد ہدایت اللہ رام پوری (۲۱) مولانا محمد رشید الرحمن رام پوری (۲۲) مولانا حبیب النبی رام پوری (۲۳) مولانا مقصود احمد رام پوری (۲۴) مولانا یار محمد کابلی (۲۵) مولانا عبد الاحد کابلی (۲۶) مولانا نذیر پشاوری (۲۷) مولانا احمد الدین کنجالی ضلع شاہ پور (۲۸) مولانا غلام احمد پشاوری ساکن نوشہرہ (۲۹) مولانا فضل جان جلال آبادی، کابل (۳۰) مولانا سید مبارک علی ہمدانی قصوری، (۳۱) مولانا سید عبد الحق شاہ قصوری (۳۲) مولانا عبد الرحمن قصوری (۳۳) مولانا عطا محمد جہلمی (۳۴) مولانا نجم الدین ساکن بسی (۳۵) مولانا محمد صدیق دیوبندی (۳۶) مولانا محمد ضیاء الدین چھچھری (۳۷) مولانا نظر محمد نقشبندی سندھی، مدرس مدرسہ احمدیہ مجددیہ (۳۸) مولانا محمد احمد دہلوی (۳۹) مولانا محمد ابراہیم خلیل چشتی (۴۰) مولانا محمد شمس الاسلام نبیرہ مولانا عبد الحکیم دہلوی (۴۱) مولانا محمد عبد الحنان، مدرس مدرسہ اسلامیہ نعمانیہ دہلی (۴۲) مولانا محمد شریف اللہ مدرس مدرسۂ مذکور (۴۳) مولانا عبد الاحد دہلوی (۴۴) مولانا محمد الف خاں، فاروقی سرہندی، مدرس مدرسہ نعمانیہ مذکور (۴۵) مولانا ریحان علی مجددی (۴۶) مولانا عبد الحمید لدھیانوی، (۴۷) مولانا غلام علی، مہتمم مدرسہ تفضیلیہ حنفیہ دہلی (۴۸) مولانا عبد الغفور (۴۹) مولانا محمد دین بلند شہری، (۵۰) مولانا محمد اجمل قادری سنبھلی۔

اسی طرح ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء میں حضرت قبلہ کا ایک اور فتویٰ "تحقیق الحق" کے نام سے دہلی سے شائع ہوا، اس میں بکثرت علماء کے تصدیقی دستخط ہیں، یہ سب حضرت کے معاصرین میں تھے اور حضرت کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے من جملہ ان کے چند حضرات یہ ہیں:۔

(۱) شیخ المفسرین مولانا محمد صدیق، پروفیسر فتح پوری کالج (۲) مولانا سید حمید شاہی امام جامع مسجد دہلی، (۳) مولوی قطب الدین، امام مسجد شاہی ترکمان دروازہ دہلی (۴) مولوی محمد عبد الغفور عارف مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (۵) مولانا محمد شفیع وارثی (۶) مولانا محمد عبد الغفار خلف الرشید مولانا عبد الوہاب دہلوی (۷) مولانا ملا جان، مدرس مدرسہ تفضیلیہ دہلی (۸) مولانا مستجاب خاں مدرس مدرسہ مذکور (۹) مولانا محمد عبد الخالق مدرس مدرسہ مذکور (۱۰) مولانا ابراہیم خلیل نقشبندی دہلوی (۱۱) حافظ محمد حسین واعظ (۱۲) مولانا محمد حمید اللہ مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری (۱۳) مولانا محمد عبد السبحان، مدرس مدرسہ مذکور (۱۴) مولانا عبد الحمید مدرسہ مذکور (۱۵) مولانا عبد الرزاق، مدرس مدرسہ مذکور (۱۶) مولانا غلام قادر دہلوی تلمیذ رشید مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم (۱۷) مولانا محمد عبد المجید مدرس دار العلوم

معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف (۱۸) مولانا سید حامد بخاری دہلوی (۱۹) مولانا حبیب اللہ قادری خطیب خیر المساجد خیر نگر (۲۰) مولانا محمد حسین بریلوی میرٹھی (۲۱) مولانا یوسف علی مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ (۲۲) مولانا ابو الجلیل سید محمد احمد قادری الوری (۲۳) مولانا عبد الحفیظ قادری مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی (۲۴) مولانا محمد عبد القادر فرنگی محلی (۲۵) مولانا محمد روح اللہ فرنگی محلی (۲۶) مولانا امجد علی اعظمی (۲۷) مولانا محمد عبد الحئی، مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف (۲۸) مولانا حامد حسین مدرس مدرسہ مذکور (۲۹) مولانا محمد جلیل مدرسہ مذکور (۳۰) مولانا ابو الاعجاز امتیاز احمد انصاری مدرس مدرسہ مذکور (۳۱) مولانا محمد ابراہیم قادری بدایونی (۳۲) مولانا محمد عبد الحامد بدایونی، شمس العلوم، بدایوں (۳۳) حضرت مولانا محمد عبد اللہ مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف نے تصدیقی دستخط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے :-

لِلّٰہ در الفاضل المجیب قد سلک جادۃ التحقیق و اجاد جوابًا مفصلاً مبرھنًا باصول الدین والشرع، ھٰذا ینبغی ان یفصل ولقد احسن ومعان نظرہ فی موارد ہ ومامدہ ۔

(۳۴) مولانا محمد حمایت علی، مدرس دار العلوم میرٹھ نے ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے :-

انی رأیت ما اجاب المفتی محمد مظہر اللہ الذی ھو من العلماء العظام الشھیر بکثرۃ ھدہٖ وعزیز فضلہ بین الخواص والعوام ومتع المسلمین اللہ تعالیٰ بطول بقائہ الیٰ یوم الدین بجاہ سید المرسلین، آمین، فالحق انہ قد تجوز و اجاد فیما اجاب وافاد فجزاہ اللہ تعالیٰ عن المستفیدین خیر الجزاء وجعلہ بہ ممن یستحق المدح والثناء۔ کاتبہ الحافظ السید محمد حمایت علی غفر لہ الولی ۔

حضرت کی علمیت تفقہ اور زہد و تقویٰ کا شہرہ دور دور تھا، ایک مرتبہ مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے راقم الحروف کے نام ایک مکتوب (محررہ ۱۶ جولائی ۱۹۵۹ء) میں تحریر فرمایا تھا "آپ کے والد صاحب کے بھی نام سے کون ناواقف ہوگا" ____ حقیقت یہ ہے کہ پاک و ہند اور بیرون ہند کے اکثر و بیشتر علماء حضرت کی ذات گرامی سے متعارف تھے اور احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اکثر علماء کے اسماء گرامی اوپر ذکر کئے جا چکے ہیں، چند علماء و صوفیہ کے حالات

معلوم ہو سکے ہیں جو حضرت سے خاص تعلق خاطر رکھتے تھے، ان کی اجمالی سوانح اور جن حضرات کی راقم نے خود زیارت کی ہے ان کے اجمالی خاکے پیش کئے جاتے ہیں :-

حضرت خواجہ محمد حسن جان نقشبندی مجددی رح

حضرت ممدوح، حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ابن امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی اولاد امجاد سے تھے، آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (بن خواجہ عبدالقیوم بن شاہ فضل اللہ صاحب عمدۃ المقامات) بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم تھے، افغانستان سے ہجرت کر کے سابق صوبۂ سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔

حضرت خواجہ محمد حسن جان رح کی ولادت باسعادت ۶ شوال المکرم ۱۲۷۸ھ کو قندھار میں ہوئی علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد اور دیگر علماء عصر سے کی، متبحر عالم اور باکمال صوفی تھے، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرماتے تھے ـــــ زہد و علم کے علاوہ آپ کی سیرت مبارکہ کی امتیازی خوبی استقامت و ثابت قدمی تھی، ۱۳۵۴ھ میں زلزلہ کے زمانے میں آپ مع اہل وعیال کوئٹہ میں مقیم تھے، گھر کے گیارہ افراد آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے لقمۂ اجل بن گئے مگر ثبات واستقامت میں ذرا تزلزل نہیں آیا، اپنی نگرانی میں تجہیز و تکفین کرائی اور اپنے ہاتھوں سے سب کو علیحدہ علیحدہ دفن فرمایا، ایسی مثالیں تاریخ عزیمت میں بہت کم ملیں گی ؎

نشانِ مرد مومن با تو گویم ۔۔۔ چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

صوبہ سندھ کی سیاست میں بھی آپ نے عملی و نظری طور پر حصہ لیا، آپ مولانا اشرف علی تھانوی کی طرح ایسی جماعت میں شرکت حرام سمجھتے تھے جس کی پیشوائی غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو اسی لئے جب خلافت کمیٹی کا سرپرست آنجہانی گاندھی کو بنایا گیا تو آپ نے مخالفت کی، جب مسلم علماء نے ہندوستان کے مسلمانوں کو افغانستان ہجرت کرنے کی ترغیب و تحریک کی اور لوگوں کے قافلے جوق در جوق افغانستان جانے لگے تو آپ نے سخت مخالفت کی، ترک موالات کی تحریک کو اسلامی روح کے منافی سمجھتے تھے، غیر مسلموں سے موالات و مواخات اور نصاریٰ سے ترک موالات ایک عجیب وغریب بات لگتی تھی جس کو ایک مسلمان فقیہ کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا، ـــــ آپ بڑے باکمال سخن سنج و سخن گو تھے، مگر شعر گوئی کو اپنا شعار نہیں بنایا، جب کبھی شعر کہا تو ڈوب کر، چنانچہ اپنے مرحوم صاحبزادے کے فراق میں جو مرثیہ کہا ہے اس کا

مطلع ہے :-

بے تو اے راحت دل نعمت دنیا چہ کنم
جان شیریں چہ کنم دیدۂ بینا چہ کنم

علم سے جو قلبی لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے کتب خانے میں بیش بہا علمی نوادرات جمع تھے، ساتویں صدی ہجری کے مسلمان مصنفین کی خود نوشتہ تصانیف موجود تھیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خود نوشتہ مکاتیب گرامی کا ایک اہم مجموعہ تھا جو آپ نے مخدوم معین الدین ٹھٹوی کو لکھے تھے، اس کے علاوہ اور بہت سے نوادرات تھے جو اب ان کے صاحب زادگان کے پاس محفوظ ہیں۔

آپ کی تبحر علمی کا اندازہ ان تصانیف سے ہوتا ہے جو آپ نے یادگار چھوڑی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں :-

(۱) شفاء الامراض (۱۳۱۴ھ) (۲) انیس المریدین (۱۳۱۶ھ) (۳) پنج گنج (۱۳۲۰ھ) (۴) سفرنامہ عربستان (۱۳۳۲ھ) (۵) تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء (۱۳۳۶ھ) (۶) انساب الانجاب (۱۳۴۰ھ) (۷) شرح حکم شیخ عطاء اللہ سکندری (۱۳۴۴ھ) (۸) الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ (۱۳۴۶ھ) (۹) طریق النجات مع رسالۃ التنویر فی اثبات التقدیر (۱۳۴۹ھ) (۱۰) رسالہ در قواعد تجوید (۱۳۴۹ھ) (۱۱) العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعت (۱۳۶۰ھ) (۱۲) الاشارۃ الی البشارۃ، (۱۳) رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ فی القریٰ، (۱۴) لغات القرآن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت خواجہ محمد حسن جان کا وصال ۱۳۶۵ھ میں ٹنڈو سائیں داد (مغربی پاکستان) ہوا۔

حضرت خواجہ عبد اللہ جان المعروف بہ شاہ آغا خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر ہیں، ۸ جمادی الاوّل ۱۳۰۵ھ میں ــــ ٹنڈو سائیں داد (مغربی پاکستان) میں ولادت ہوئی۔ مادۂ تاریخ ولادت ہے "نجم برج فضل و کمال" ــــ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی پھر دیگر اساتذہ سے علوم عقلیہ نقلیہ میں کمال حاصل کیا، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے والد مرحوم کے جانشیں ہیں، فی الحقیقت آپ کی صحبت فیض سے خالی نہیں۔

بڑے متورع و متقی بزرگ ہیں فی زمانہ ایسا زہد و تقویٰ شاذ و نادر ہی ملے گا، سلف صالحین کی سچی یادگار ہیں، علم و ادب کا ایسا شوق ہے کہ باوجود کبر سنی اور ضعف و نقاہت مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں آپ کی گفتگو علمیت و معلومات سے بھرپور ہے۔ بیشمار مریدین و معتقدین ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی کتاب مونس المخلصین خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز سے بے حد محبت و النسیت فرماتے ہیں، اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۷ء میں کوئٹہ کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا سالم صاحب (ابن حضرت شاہ ابوالخیر رح) کے ہاں کھانے پر مدعو تھے یہ فقیر بھی مدعو تھا، برسوں کے بعد ہاں ملاقات ہوئی، حضرت مولانا سالم صاحب نے تعارف کرایا تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ "آپ کے والد مرحوم سے ہم کو خاص تعلق و محبت ہے اسی نسبت سے آپ سے بھی محبت ہے، ہمارے ہاں ضرور تشریف لائیں خوشی ہوگی" ــــ چناں چہ احقر حاضر ہوا بڑی شفقت فرمائی اور باوجود ضعف و نقاہت ایک گھنٹے نشست رہی، خصوصی دعاؤں سے نوازا اور اپنی تالیف مونس المخلصین عنایت فرمائی۔

الحمد للہ کہ حضرت ممدوح بقید حیات ہیں اور ٹنڈو سائیں داد (مغربی پاکستان) میں اپنے والد مرحوم کی جانشینی کے فرائض انجام دے رہے ہیں تین چار ماہ کوئٹہ میں قیام فرماتے ہیں اور اس علاقے کے لوگوں کو بھی اپنے علمی اور روحانی فیض سے مستفیض فرماتے ہیں۔

مولانا محمد ہاشم جان صاحب

آپ خواجہ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحب زادے ہیں، خوبصورت و خوب سیرت، آپ کو دیکھ کر بیساختہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ــــ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کی جائے ــــ آپ ۱۳۲۲ھ میں ٹنڈو سائیں داد میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی پھر اجمیر شریف تشریف لے گئے اور وہاں دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں داخلہ لے لیا، مشہور فلسفی اور عالم حضرت مولانا معین الدین اجمیری اور دیگر اساتذہ سے پڑھا اور سند تکمیل حاصل کی، اجمیر شریف ہی میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین رح) سے فن طب کی تحصیل کی اور بڑی مہارت پیدا کی۔

اس میں شک نہیں کہ مولانائے ممدوح متبحر عالم، باکمال مقرر اور ماہر طبیب ہیں، ان

ان کی تقاریر سے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف اور رواں بولتے ہیں کہ اہل زبان کا گمان ہوتا ہے، موسم گرما میں کوئٹہ تشریف لاتے ہیں اور تین چار ماہ قیام فرماتے ہیں، آپ کے دولت کدے پر کتب خانہ میں بکثرت قلمی نوادر ہیں جو قابل دید ہیں۔

حضرت مولانائے ممدوح کو حضرت قبلہؒ سے خاص لگاؤ اور محبت ہے، اور حضرت کو بھی بہت محبت و انسیت تھی چناں چہ ایک مرتبہ جب دہلی تشریف لے گئے تو حضرت نے اپنے کمرۂ خاص میں ٹھہرایا، حالاں کہ اس کمرے میں عام طور پر مہمان نہیں ٹھہرتے تھے۔ بہت کم حضرات اس کمرے میں اقامت گزیں ہوئے ہیں، صرف وہی لوگ ٹھہرے ہیں جن سے حضرت کو بے انتہا محبت تھی، مثلاً حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری، حضرت نور المشائخ ملا شور بازار کابلی، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم میرٹھی، حضرت صدر المشائخ مفتی عثمان مجددی، حضرت مفتی محمد محمود الوری وغیرہ وغیرہ ــــــــــ

کوئٹہ کے زمانۂ قیام میں حضرت مولانائے ممدوح نے راقم پر بڑا کرم فرمایا اور دو بار غریب خانے پر تشریف لائے، یہ اسی تعلق خاطر کا مظہر ہے جو مولانائے موصوف کو حضرت قبلہؒ سے ہے۔

حضرت مولانا بھی ٹنڈو سائیں داد میں اقامت گزیں ہیں، کوئٹہ میں بھی دولت خانہ ہے موسم گرما میں تشریف لاتے ہیں اور اس علاقے کے لوگوں کو اپنے علمی اور روحانی فیض سے مستفیض فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ مولانائے ممدوح کے فیض کو جاری و ساری رکھے آمین

حضرت مولانا محمد اسحاق جان صاحب سرہندی مجددی آپ حضرت خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کے برادر خورد خواجہ محمد حسین جان رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل جان سرہندی کے فرزند رشید ہیں، آپ کے جد امجد متبحر عالم اور باکمال شاعر تھے، سرہندی تخلص کرتے تھے[1]، ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے جو ان کے کمال شاعری پر شاہد عادل ہے، آپ کے والد ماجد بھی باکمال شاعر تھے اور روشن تخلص کرتے تھے، ان کا دیوان بھی شائع ہو چکا ہے جس سے موصوف کی علمیت اور

---

[1] آپ کی شاعری پر راقم کا ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "آفتاب سرہندی" ماہنامہ "قومی زبان" کراچی ۱۹۶۷ء میں شائع

کمال شاعری کا اندازہ ہوتا ہے ——— حضرت مولانا محمد اسحٰق جان المعروف بہ پیر سرہندی عالم اور شاعر ہیں سخن فہمی کا بڑا نکھرا ہوا ذوق رکھتے ہیں، اور خوب شعر کہتے ہیں، آپ کی تصانیف میں سفرنامہ ایران اور سفرنامہ شام قابل ذکر ہے۔

مولانا کو حضرت سے بڑی محبت و انسیت ہے۔ اکثر حضرت کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، حضرت بھی آپ پر بڑی شفقت اور محبت فرماتے تھے، چنانچہ ۱۹۶۲ء میں جب دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو ایک دن میرپور خاص میں آپ کے ہاں اقامت گزیں ہوئے ——— حضرت مولانا بھی دہلی تشریف لے گئے ہیں، نوعمری کے زمانے میں بھی اور پھر اس کے بعد بھی، اس لئے یہ تعلق و محبت دیرینہ ہے۔

مولانا ئے موصوف خطوط نگاری میں بڑا کمال رکھتے ہیں اور بہت خوب تحریر فرماتے ہیں یہاں ایک مکتوب نقل کیا جاتا ہے جو راقم کے نام ارسال فرمایا تھا:۔

رفتی ز دیدہ، یاد تو از دل نمی رود
از شیشہ گر گلاب رود بو نمی رود

منبع اخلاق و اشفاق سلمکم ربکم و ابقاکم

سلام و دعا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ پروفیسر صاحبان میری مشایعت میں پہل قدمی کرتے ہیں، وہ اپنی صداقت و مودت کا دم بھرتے ہیں عزیز م قدیر سلیم سب سے پیش پیش ہیں مگر آپ کے ساتھ قدیمی محبت اور جدی رشتہ لازوال ہے:۔

پھولوں کو ناز حسن اگر ہے تو ہو جگر
کانٹے بھی ہیں غرور گلستاں لئے ہوئے

افسران کے اس طبقہ سے میری محبت ہوتی ہے جو علم دوست ہو، غرور و نخوت سے مبرا ہو:۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جارہا ہوں میں (جگر)

حضرت مرحوم والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد جوں جوں فرقت زیادہ ہوتی جائیگی اضافہ ہوتا رہیگا کیوں کہ اس جیسا محسن اعظم کوئی نہیں تھا جس کے نمک سے گوشت پوست بنا جس کی تربیت کاوش و کوشش سے انسان بنے، ایسے شخص کو بھلا نا سراسر ناانصافی ہے میرا بھی یہی حال ہے مرور ایام کے ساتھ یاد تازہ ہوتی جاتی ہے، کبھی کبھی خواب میں زیارت ہوتی ہے، دو آنا گے بیٹھے نے

اورنگ زیب کو کیا خوب جواب دیا تھا :۔

ہجر دارا بردل ما کمتر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بودہ ، ما پدر گم کردہ ایم

حضرت سالم صاحب شریت کا پیالہ ہیں زید صاحب اس سے بھی زیادہ ——— اس قحط الرجال میں ان کا مثیل بھی مشکل ہے،

زاہد بہ نماز و روزہ خبطے دارد　　عاشق بہ مئی مدام ربطے دارد
معلوم نہ شد کہ یار مسرور زکیست　　ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

خبر نہیں کہ آپ کو کب یہ ان پانی میرپور لائے گا، موسم بہت خوشگوار ہے دن کو ہوا زیادہ ، راتیں پُر کیف :۔

خوش آں زماں کہ بیائی گویم و پرسم
خوش آمدی و خوش ہستی و خوش است　　(روشن)

میں نے گزشتہ سال کے سفر میں بلاد اسلامیہ کا سفر نامہ لکھا تھا جو تین چار سو صفحات پر مشتمل ہے مصروفیت کی زیادتی کی وجہ سے نکل نہ کر سکا، سفر نامہ ایران کی آپ نے تصحیح و تدوین کی اس لئے شہرۂ آفاق ہو گیا، ملتمس ہوں کہ اس پر بھی نظر عاطفت ہو، ——— اب تو زمینداری عذاب ہو گئی ہے اس ماہ میں فقط کل اتوار کو گھر میں رہا، اقبال تو کام کی ترغیب دیتا ہے ہم گوشۂ عزلت کی تلاش میں ہیں :۔

بیا را بزم بر ساحل کہ آں جا　　نوائی زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط با موجش درآویز　　حیات جاوداں اندر ستیز است

زیادہ کیا لکھوں :۔

جفاکشانِ محبت لب از فغاں بستند　　گرہ ز جبہ کشادند بر دہاں بستند

عاصی دعا گو
محمد اسحاق مجددی

(محررہ ۵ جون ۱۹۶۷ء، از میرپور خاص۔ کوئٹہ)

نور المشائخ حضرت ملا شور بازار کابلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ملا شور بازار کابلی قدس سرہ العزیز ۷ جمادی الاول ۱۳۰۲ھ کو خاندان مجددیہ میں

پیدا ہوئے ۔۔۔۔۔۔ معاصرین علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے بعد اپنے والد ماجد حضرت غلام قیوم رحمۃ اللہ علیہ سے علوم باطنیہ کی تحصیل کی اور کمال حاصل کیا، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسند مشیخت میں فائز ہوئے، آپ کے مریدین افغانستان، ایران، پاکستان، ہندوستان اور حجاز میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ کے صاحب ارکان میں حضرت صدر المشائخ فضل عثمان صاحب اور حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم صاحب نے خاص امتیاز حاصل کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران حضرت ملا شور بازار نے نہایت جوش و خروش سے مسلمانوں کی مدد کی، اور افغانستان کے جنوبی محاذ (وزیرستان) پر عملی جہاد میں بھی حصہ لیا، انہیں کی روحانی قوت اور توفیق الٰہی سے انگریزوں کو شرمناک شکست اٹھانی پڑی اور افغانستان کو حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

شاہ امان اللہ نے ملا شور بازار کو "نور المشائخ" کے خطاب سے نوازا اور "تمغۂ المعالی" عطا فرمایا یہ تمغہ افغانستان کی تاریخ میں آج تک کسی کو نہیں دیا گیا ۔۔۔ لیکن اس کے باوجود جب شاہ امان اللہ سے بچہ سقہ نے حکومت چھین لی اور امان اللہ سے چند خلاف شرع باتیں سرزد ہوئیں تو حضرت نور المشائخ بادشاہ سے ناراض ہو کر کاٹھیاواڑ تشریف لے گئے اور امان اللہ کی پے در پے درخواست کے باوجود برابر انکار فرماتے رہے آپ نے بادشاہ سے یہی کہا کہ جب تک وہ خلاف شرع باتیں ترک نہیں کرے گا وہ وطن واپس نہیں ہوں گے۔

جب امان اللہ خان اٹلی چلے گئے اور افغانستان پر بچہ سقہ قابض ہو گیا تو اس غاصبانہ قبضہ کو آپ نے گوارہ نہ کیا، بچہ سقہ کا کردار بھی اچھا نہ تھا اس لئے حضرت نور المشائخ نے محمد نادر شاہ شہید کو افغانستان آکر حکومت سنبھالنے کی دعوت دی، محمد نادر شاہ، امان اللہ خاں کی مذہب میں مداخلت سے سخت ناراض تھے اور ترک وطن کر کے فرانس میں مقیم تھے، چنانچہ حضرت نور المشائخ کے ایماء پر پیرس سے روانہ ہوئے اور افغانستان جاتے ہوئے بمبئی میں حضرت نور المشائخ سے ملاقات کی، اس کے بعد شمال مغربی سرحدی علاقے کی طرف روانہ ہو گئے ۔ حضرت نور المشائخ بھی پشاور، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور لکی مروت وغیرہ تشریف لے گئے اور مریدین کو نادر شاہ کیساتھ مل کر جہاد کی ترغیب کی، بالآخر نادر شاہ کو کامیابی ہوئی چنانچہ اس نے حضرت نور المشائخ کو افغانستان کا "وزیر عدلیہ" مقرر کیا ۔۔۔۔۔۔ لیکن کچھ عرصہ بعد نادر شاہ کو ملک و قوم کے دشمن عبد الخالق نے شہید کر دیا، ملک میں بد امنی پھیل گئی لیکن اس نازک موقعہ پر حضرت

نورالمشائخ نے اپنی تقاریر اور بیانات سے ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر ساری فوج اور عوام کو ظاہر شاہ کا وفادار بنادیا۔ اور ظاہر شاہ کو تخت سلطنت پر متمکن کیا۔

حضرت نورالمشائخ نے ملت اسلامیہ کے لئے نمایاں خدمات انجام دی ہیں، بمبئی کے زمانۂ قیام میں قائد اعظم محمد علی جناح ایک وفد لے کر آپ کے پاس آئے جس میں خواجہ ناظم الدین مرحوم شہید ملت لیاقت علی خان اور عبدالرب نشتر مرحوم شریک تھے، آپ نے مسلمانوں کی اعانت کا ان کو یقین دلایا چنانچہ کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقوں میں آپ کے مریدین نے ملت اسلامیہ کے مقصد عالی کی پوری پوری تائید کی اُدھر صوبۂ سرحد میں اسمٰعیل خان وغیرہ میں بھی اپنے اثر و رسوخ سے پورا پورا کام لیا، پاکستان کی تشکیل کے بعد جب پاکستان و افغانستان کے درمیان رنجش کی صورت ہو گئی تھی حضرت نورالمشائخ نے اس خلیج کو کم کرنے کی پوری پوری کوشش فرمائی، پاکستان تشریف لائے حکومت پاکستان کے سرکاری مہمان ہوئے اور جگہ جگہ تقاریر فرما کر فضا کو بڑی حد تک ہموار کیا۔

حضرت نورالمشائخ نے وفات سے چھ سال قبل آخری اور تیسرا حج فرمایا، واپسی پر گوشہ نشین ہو گئے، وفات سے تین روز قبل فرمایا کہ "آج سے تین دن بعد میں نہ ہوں گا" ۔ مریدین کو قرآن اور سنت کی پیروی کی تلقین و وصیت فرمائی اور بالآخر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ کو کابل میں آپ نے وصال فرمایا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ [1]

حضرت نورالمشائخ جب بھی ہندوستان تشریف لاتے حضرت قبلہؒ سے ضرور ملاقات فرماتے، دونوں حضرات عزت و تکریم میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش فرماتے جو خلوص دل اور محبت حقیقی کی آئینہ دار ہے ——— تقسیم ہند سے تقریباً سات آٹھ سال قبل حضرت نورالمشائخ دہلی تشریف لائے، حضرت قبلہؒ نے کھانے پر مدعو کیا، رنگا رنگ کھانے پکائے گئے، مگر سب کے سب دہلوی طرز کے۔ ان میں سے کوئی کھانا کابلی نہ تھا ——— حضرت نورالمشائخ اور ان کے ساتھ بیس تیس کابلی مریدین دعوت کے لئے تشریف لائے، مسند پر رونق افروز ہوئے، کھانا چنا گیا، بسم اللہ کر کے جب شروع کیا گیا تو وہ کابلی حضرات جو جفاکشی اور سختی کے عادی تھے اور آدھ پکرے گوشت کے دلدادہ، نرم نرم کھانے دیکھ کر مایوس ہو گئے اور ہاتھ کھینچ لیا، ہمارے لئے یہ چیز ایک معمہ تھی، حضرت نورالمشائخ نے فارسی

[1] پاکستان ٹائمز، ۲۰ ستمبر ۱۹۶۴ء

میں فرمایا کہ "تبرک ہے کھاؤ" چناں چہ ذوق وشوق سے سب نے کھایا، مگر یہ گتھی اس وقت تک سلجھی جب تک راقم کابلی کھانوں سے متعارف نہیں ہوگیا۔

حضرت نورالمشائخ کی عقیدت ومحبت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے کھانے کو کھانا سمجھ کر نہیں بلکہ تبرک سمجھ کر نوش فرمایا اور مریدین کو بھی یہی ہدایت فرمائی۔

حضرت صدرالمشائخ فضل عثمان مجددی آپ حضرت نورالمشائخ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں جس زمانے میں افغانستان میں عریانیت اور غیر شرعی امور کی ترویج ہوئی تو آپ نے سخت مخالفت کی چناں چہ اسی وجہ سے آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے اور پاکستان میں قیام فرمایا، لاہور میں گل برگ میں کافی عرصہ سے مقیم ہیں، صدر پاکستان محمد ایوب خاں نے آپ کی بڑی قدر ومنزلت کی ـــــ حضرت صدرالمشائخ کو حضرت قبلہ سے بڑی محبت وانسیت ہے، دو تین مرتبہ دہلی بھی تشریف لے گئے اور حضرت کے کمرۂ خاص میں مقیم رہے ہیں، پھر جب ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے زمانۂ قیام میں حضرت کی پُرشکوہ دعوت کی اور ایک اونی جبہ پیش کیا۔ چوں کہ حضرت نمائش وظاہرداری سے بہت بچتے تھے اس لئے زیب تن نہیں فرمایا لیکن حضرت صدرالمشائخ نے ازراہ محبت وعقیدت خود اپنے ہاتھ سے حضرت کو پہنایا۔

حضرت صدرالمشائخ اس راقم پر بھی بڑا کرم فرماتے ہیں، ۱۹۵۸ء میں میرپور خاص تشریف لائے تو راقم کی درخواست پر کالج تشریف لائے اور اپنے ساتھ کھانے کیلئے لے گئے، پھر دیر تک صحبت رہی، کراچی میں بھی ملاقاتیں ہیں اور لاہور میں تو بارہا ملاقاتیں ہوئی ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے روحانی فیض کو جاری رکھے، آمین۔

حضرت ضیاءالمشائخ محمد ابراہیم مجددی آپ حضرت نورالمشائخ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور اس وقت کابل میں قلعہ جواد میں حضرت نورالمشائخ کے جانشین ہیں، راقم کی صرف ایک بار میرپور خاص میں ملاقات ہوئی تھی جب ممدوح حضرت پیر محمد اسحاق جان کی کوٹھی پر فروکش تھے، ملاقات کر کے قلبی مسرت ہوئی۔

حضرت قبلہ سے ملاقات اور دہلی حاضری کا ذکر فرماتے تھے، نہایت ہی حسین وجمیل ہیں چہرہ پر نور ہی نور معلوم ہوتا تھا، عربی فارسی کے علاوہ کئی جدید زبانوں سے واقف ہیں، متبحر عالم اور اہل دل ہیں، شریعت مطہرہ پر سرتاپا عامل ہیں، جب افغانستان میں شاہ ظاہر شاہ

نے عریانیت کو جبراً عام کیا تو آپ نے اس کی سخت مخالفت فرمائی، اس جرم کی پاداش میں کئی سال قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بہر کیف حکومت کے دباؤ کے باوجود حضرت ضیاءالمشائخ اپنے مسلک پر مستقیم رہے اور ذرا متزلزل نہ ہوئے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حضرت شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیرؒ

حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور و معروف شیخ طریقت اور صاحب کشف بزرگ تھے، ترکمان دروازہ (دہلی) کے قریب خانقاہ مظہریہ سعیدیہ میں مستقلاً اقامت گزیں تھے، یہ وہی خانقاہ ہے جہاں شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ درس حدیث دیا کرتے تھے اور بانی مدرسہ دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت شاہ صاحب کا شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ یہ دونوں حضرات اس خانقاہ کا اس قدر احترام کرتے کہ جب کبھی تشریف لاتے تو جوتیاں گلی میں اتار کر خانقاہ میں داخل ہوتے حالاں کہ خانقاہ کے اندر عام طور سے لوگ جوتیاں لیجاتے ہیں اور مسجد درگاہ کے قریب اتارتے ہیں، مگر یہ حضرات احترام و تکریم میں سب پر سبقت لے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت ۷، ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ میں خانقاہ شریف میں ہوئی۔ (انساب الطاہرین) والد ماجد کا اسم گرامی شاہ محمد عمرؒ اور جد امجد کا اسم شریف شاہ احمد سعیدؒ تھا آپ نسباً فاروقی ہیں، سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے ہندوستان کے مشہور عالم اور صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔

حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے زہد تقویٰ اور بزرگی کا دہلی میں بڑا چرچا تھا، آپ بڑی شان و شوکت اور رعب داب کے ساتھ رہتے تھے، ارتضیٰ حسین المعروف بہ ملا واحدی نے چشم دید حالات اس طرح قلم بند کئے ہیں:۔

> "شاہ ابوالخیر جلالی درویش تھے، پٹھانوں کی عقیدت مندی نے اور بارعب بنا دیا تھا، باہر نکلتے تو ساٹھ ستر پٹھان جلو میں ضرور ہوتے، خانقاہ کے دروازے پر بھی پٹھانوں کا پہرہ رہتا تھا، دلی والے شاہ ابوالخیر سے بڑا حسن ظن رکھتے تھے۔" (ص۔ ۳۲۴)

لیکن باوجود اس رعب و دبدبہ کے نمود و نمائش سے کوسوں دور رہتے تھے اور اہل دول کی صحبت سے بھی بچتے رہتے تھے چنانچہ ۱۹۱۱ء میں دربار دہلی کے موقع پر میرٹھ جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے کہ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے اہل دنیا پریشان نہ کریں۔ میرٹھ کے زمانہ قیام میں مؤتمر الانصار کے نام سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے خود شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ تشریف لائے، مولانا اشرف علی کے برادر حافظ محمد احمد صاحب بھی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ان حضرات کی حاضری سے حضرت شاہ صاحب کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہے، مشاہیر علماء و صوفیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، صوفیہ میں پنجاب کے مشہور بزرگ پیر جماعت علی شاہ، اور راجپوتانہ کے مشہور و معروف صوفی اور عالم حضرت مولانا رکن الدین شاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، علماء میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ظفر علی خاں وغیرہ حاضر ہوتے رہے ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت شاہ صاحب کا خاص احترام کرتے تھے۔

بادشاہ اور نوابین تک حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے چنانچہ ۱۹۰۳ء میں میر محبوب علی خاں (تاجدار حیدرآباد دکن) خود آپ سے ملنے آئے شاہان افغانستان امیر حبیب اللہ خان اور غازی امان اللہ خان آپ سے عقیدت رکھتے تھے، والی ریاست رامپور نے بڑی عقیدت سے شاہانہ دعوت دی تھی۔

حضرت شاہ صاحب حضرت قبلہ قدس سرہٗ سے بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے حضرت کبھی کبھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کا معمول تھا کہ صبح دہلی کے روشن آراء باغ میں تشریف لیجاتے اور علیحدہ ایک گوشہ میں مراقب ہو جاتے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بھی تشریف لیجاتے اور ساتھ ہی ذرا پیچھے ہٹ کر مصلے بچھاتے اور مراقب ہو جاتے یہ کیفیت ایک عرصہ رہی، ایک دن حضرت شاہ ابوالخیر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "اب تم ہمارے مرید ہو ہی گئے"۔ یہ واقعہ خود حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے شاہ ابوالخیرؒ کے صاحبزادے حضرت زید صاحب سے بیان فرمایا، موصوف نے راقم سے بیان فرمایا، ایک ملاقات کا عجیب و غریب واقعہ حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادے حضرت زید صاحب نے اس طرح تحریر فرمایا ہے:۔

جناب مولانا مولوی مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد شریف فتح پوری، دلی، اکثر آپ کے پاس آتے تھے اور آپ بھی ان پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے، ایک مرتبہ مولوی صاحب آئے اتفاق سے اسی وقت ایک دوسرے صاحب بھی ملاقات کیلئے آئے ہوئے تھے، دربان نے ہر دو صاحبان کی اطلاع کی، آپ نے دوسرے شخص کے متعلق فرمایا کہ یہ اپنے گھر میں ایسے کام کرتا ہے، (آپ نے اس کی بعض خامیوں کا ذکر کیا) اور یہ مجھ سے ملنے آیا ہے، یہ سن کر جناب مولوی صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پردہ پوشی بہتر تھی، آپ نے کیوں اس کے عیوب کو ظاہر کیا، پھر مولوی صاحب کو دوسرا خیال آیا کہ اب اس وقت گھر لوٹ جانا بہتر ہے اس دوسرے خیال کے آتے ہی آپ نے دربان سے فرمایا مولوی مظہر اللہ کو بھیجو، چناں چہ مولوی صاحب آپ کے پاس آ گئے چوں کہ پہلے خیال کا اثر دل میں موجود تھا آپ نے مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"مولوی مظہر سب ایک طرح کے نہیں ہوتے ہیں
کسی سے نرمی کسی سے سختی کرنی پڑتی ہے میں
کیا کروں یہ نااہل اسی قابل تھا"

یہ فرما کر آپ نے مولوی صاحب کی تشفی کر دی اور وہ خیال رفع ہو گیا۔[1]

حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے روحانی طور پر ایسی بالغ نظری عطا کی تھی کہ دل کے خطرات تک دریافت فرمالیا کرتے تھے، آپ کے کشف و کرامات کے بیشمار واقعات مشہور ہیں۔

حضرت شاہ صاحب شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے، مکہ معظمہ میں قیام کے دوران نعتیہ مجالس میں شریک ہوتے اور اپنے کلام بلاغت نظام سے حاضرین کو محظوظ فرماتے، ان مجالس میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک ہوتے تھے اور حضرت شاہ صاحب کے اشعار سن کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی، یہ اشعار مکہ معظمہ میں اپنی مجالس میں پڑھ کر

---

[1] ابوالحسن زید: بزم خیر در جواب بزم جمشید، مطبوعہ دہلی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء، ص ۸۰-۸۱

سناتے تھے ؎ دلربائی میں دونوں یکساں ہیں — چشم الطاف و غضب کی آنکھ
کحل مازاغ سے مکحل تھی! — خیر اس نیّر عرب کی آنکھ

حضرت شاہ صاحب رامپور کے زمانۂ قیام میں مشاعروں میں شرکت فرماتے، نواب میرزا داغ دہلوی اور منشی امیر احمد مینائی آپ کے اشعار پر خوب خوب داد دیتے، آپ کا دیوان موجود ہے۔

حضرت شاہ صاحب ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۹۲۴ء میں خانقاہ مظہریہ دہلی میں وصال فرما گئے۔

صاحبزادگان

حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کے صاحبزادگان بھی حضرت کا پورا پورا احترام اور عزت فرماتے ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے حضرت بلال صاحب ہیں جو کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں، علم و فضل میں یکتا ہیں، گوشہ نشین ہو گئے ہیں مخلوق سے ملنا ترک کر دیا ہے، راقم کی صرف ایک بار ملاقات ہوئی، پھر ملاقات نہ ہو سکی، محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

منجھلے صاحبزادے حضرت ابوالحسن زید صاحب ہیں، خانقاہ مظہریہ سعیدیہ میں اپنے والد مرحوم کے جانشین ہیں، علم و فضل، زہد و ورع ہر لحاظ سے باکمال ہیں، ان کے متعلق اتنا ہی کہدینا کافی ہوگا ع — جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

جامعہ ازہر (مصر) کے فارغ ہیں، باوجود علم و فضل بہت سادہ مزاج ہیں، شہرت اور نام و نمود سے ہمیشہ گریز فرماتے ہیں، گوشۂ عزلت سے مہتاب بن کر چمکے ہیں، حضرت قبلہ آپ سے اور آپ حضرت قبلہ سے بیحد محبت فرماتے تھے، حضرت کے پاس اکثر تشریف لاتے تھے اور جب کبھی بھی ملاقات ہوتی تو حضرت کی مسرتوں کا اندازہ تبسم پنہاں سے چل جاتا، یہ حضرت کے تعلق خاطر کا اعجاز ہے کہ حضرت کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی۔ اور اس طرح حق محبت ادا کیا۔

حضرت مولانا تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے ہیں، مطالعہ کا بڑا شوق ہے، آپ کا کتب خانہ علمی نوادر سے معمور ہے کئی سو قلمی کتابیں موجود ہیں، آپ کی کئی تصانیف بھی ہیں، —— آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں مرید بھی فرماتے ہیں، آپ کے بکثرت مریدین و معتقدین ہیں، اہل دہلی آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، حضرت قبلہ قدس سرہٗ

کے بعد اب دہلی میں آپ ہی کی ذات مرجع خلائق ہے۔ اور آپ ہی کے دم سے دہلی کے بزرگان سلف کی یاد تازہ ہے۔

حضرت سالم صاحب حضرت شاہ صاحب کے تیسرے صاحبزادے ہیں، یہ بھی عالم فاضل ہیں اور زہد و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہیں، مزاج میں بہت سادگی ہے، فی زمانہ ایسی سادگی ملنا مشکل ہے راقم الحروف پر بہت مہربان ہیں جب کبھی حاضر ہوتا ہوں شفقت بیکراں سے نوازتے ہیں، آپ کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں، آپ کے بیشمار مریدین و معتقدین ہیں، خانقاہ شریف میں شرقت اژدہام رہتا ہے۔

حضرت مولینا عبد السلام نیازی رح دہلی کے اعاظم علماء و صوفیہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، ولادت تو میرٹھ میں ہوئی مگر ساری عمر ترکمان دروازہ، دہلی کے قریب ایک معمولی مکان میں گزاری، دلی والوں سے بڑھ کر دلی والے تھے عالمانہ رکھ رکھاؤ سے کوسوں دور تھے ان کو دیکھ کر علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا مطلق گمان نہ ہوتا، اپنا ظاہر کچھ اس طرح بنا رکھا تھا کہ عالم و صوفی کی ضد معلوم ہوتے تھے جیسے فرقہ ملامتیہ کا کوئی صوفی ہو ——— دیوبند کے فارغ التحصیل اور بریلی کے نیازیہ سلسلہ میں بیعت تھے، بریلویت دیوبندیت پر غالب تھی، شاعر بھی تھے، آزاد تخلص کرتے تھے۔

مولانا کا تنہا دم تھا، بیوی بچوں کا بکھیڑا انہیں پالا، عطر کی تجارت کر کے ضرورت کے لائق روپیہ کما لیا کرتے تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے نیاز مندوں کے نیاز مند اور فرعونوں کے لئے موسیٰ، ان کے حق میں اقبال کا یہ مصرع بہت موزوں ہے ؎

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

مولویت اور درویشی کے پابند نہ تھے اس کے باوجود ان کی مولویت اور درویشی تسلیم کی جاتی تھی، راقم نے بھی ان کی زیارت کی ہے، فقیرانہ اور قلندرانہ بسر کرتے تھے، اقبال کا "مرد قلندر" کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا عبد السلام کو دیکھے، ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں اپنی جگہ سے نہ ہلے اور قطب بنے رہے۔

مولانا کے علم و فضل کا ہر جگہ چرچا تھا، منطق، فلسفہ اور ریاضی میں یگانۂ روزگار تھے، مفتی کفایت اللہ جیسے متبحر عالم کو خاطر میں نہ لاتے تھے، مولانا حسین احمد مدنی کو

بے دھڑک ڈانٹ دیا کرتے تھے، ڈاکٹر سر ضیاء الدین جیسے فاضل کو بھی ایک دفعہ ایک سوال پوچھ کر زچ کر دیا تھا اور پھر اس سوال کا خود فاضلانہ جواب مرحمت فرمایا، سوال تھا کہ تعدد کی کیا تعریف ہے؟ ——— مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی مولانائے ممدوح سے معقولات پڑھی ہیں — مولانا سے مستفید ہونے والوں کی خاص علامت یہ ہے کہ وہ کسی بڑے سے بڑے فاضل کو خاطر میں نہیں لاتے۔

حضرت مولانا کو حضرت قبلہؒ سے بڑی محبت تھی، اور حضرت کا خاص احترام کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے، ۱۳۵۳ھ سے قبل حضرت مولانا شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ الور سے دہلی تشریف لائے، حضرت کے پاس مہمان تھے، ایک روز مولینا عبدالسلام نیازی بھی تشریف لے آئے باتوں باتوں میں ایک علمی مسئلے پر بحث چل نکلی، مولانا چونکہ بے باک واقع ہوئے تھے، اس لئے اپنی فطری بے باکی کے ساتھ کوئی بات کہہ گئے حضرت مولانا رکن الدین علیہ الرحمہ نے تو کچھ نہ فرمایا لیکن حضرتؒ کو سخت غصہ آیا اور آپ نے اسی وقت مولانا کو فہمائش کی، مولانا خاموشی کے ساتھ مجلس سے اٹھ آئے اور ایک حرف نہیں کہا ——— جس شخص نے ساری عمر کسی کی ڈانٹ نہ کھائی ہو اور بڑوں بڑوں کو ڈانٹ دیا ہو اس کا خاموشی کے ساتھ چلا جانا تکریم و تحریم کا آئینہ دار ہے۔

حضرت مولانائے موصوف کافی سن رسیدہ ہو گئے تھے، تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں چند سال ہوئے دہلی میں وفات پائی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے کچھ فاصلہ پر ایک قصبہ ہے وہاں رہتے تھے، سلسلۂ قادریہ میں بیعت فرماتے تھے، زہد و تقویٰ اور عجز و انکسار میں فقید المثال تھے، بہت سادہ مزاج اور منکسر، دیکھ کر اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ کوئی باکمال اہل دل ہے، مگر چہرہ سے نورانیت نمایاں تھی، بہت خاموش رہتے، بولتے کم دیکھا گیا، دہلی میں ان کے بکثرت مریدین تھے۔

بالعموم جمعہ کو حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، جب تشریف لاتے تو زینے سے آواز آتی "غلام حاضر ہے" ——— اللہ اللہ کیا عجز و انکسار ہے، ان کی آواز آج تک کانوں میں گونج رہی ہے ——— حضرت خبر پاتے ہی بلا لیتے اور دونوں مل کر ایسے خوش ہوتے کہ خوشی کا صحیح مفہوم واضح ہو جاتا ——— کبھی کبھی دوپہر کا کھانا حضرت کے ساتھ تناول فرماتے، جو

پھر پکایا حاضر کر دیا جاتا ــــــ حضرت کا معمول تھا کہ سالن میں پانی اور نمک کا اضافہ کر دیا کرتے تھے، پہلے تو کچھ سمجھ میں آیا، لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ حضرات اہل اللہ خود کو کھانے کی لذتوں میں گرفتار کرنا نہیں چاہتے، جو لذتِ عشق سے آشنا ہو گیا، اس کو کسی لذت کی ضرورت نہیں۔

ــــــ دونوں حضرات خوشی خوشی کھانا نوش فرماتے، کھانے کے بعد سنت کے مطابق تھوڑی سی مٹھاس بھی نوش فرماتے، کبھی معقول مٹھاس نہ ہوتی تو سوکھی ہوئی مٹھائی کے ٹکڑے یا گڑ ہی نوش فرماتے اور لذت حاصل کرتے، ہم حیران ہوتے کہ اس میں کیا لذت ہے مگر وہاں تو اتباعِ سنت کی لذت سے متلذذ تھے، جس کا بچپن میں ہم کو اندازہ بھی نہ تھا ــــــ

ــــــ کھانے سے فارغ ہو کر دونوں حضرات مسجد شریف تشریف لے آتے۔

نواب خضر مرحوم | راقم نے نواب صاحب کو بہت بچپن میں دیکھا ہے، چند باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی ہیں، نواب صاحب مرحوم اچھے بزرگ تھے، فرشتہ صورت، نیک سیرت، درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء میں بائیں طرف سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک دالان میں تشریف فرما ہوتے، جب کبھی حضرت درگاہ نظام الدینؒ تشریف لیجاتے، ان کے پاس ضرور حاضر ہوتے بڑی محبت فرماتے تھے، یہ بات کوئی آج سے تیس سال پہلے کی ہے، اس وقت ان کا سن شریف اسی نوے سے کم نہ ہوگا، انہیں ایام میں انتقال فرما گئے۔ ع

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

خواجہ حسن نظامی مرحوم | خواجہ صاحب بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے منہ بولے بیٹے مولانا سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے ہیں خواجہ صاحب بارہ سال کی عمر میں یتیم و یسیر ہو گئے تھے، اپنی زندگی میں جو کچھ کمایا اپنے دست و بازو سے کمایا، جو کچھ شہرت حاصل کی وہ اسلاف کی رہین منت نہ تھی ع "اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے" کے مصداق ان کی زندگی تھی۔

خواجہ صاحب سلسلۂ چشتیہ کے شیخ طریقت کی حیثیت سے خاص امتیاز رکھتے تھے، ان کے مریدین اور مخلصین کا حلقہ بہت وسیع تھا مسلمانوں کے علاوہ ہندو، سکھ غرض ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے، جو سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے، ان کے حلقۂ اثر میں بڑی وسعت تھی، فی الحقیقت ع "اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی" کا مظہر تھی۔

خواجہ صاحب اردو ادب میں طرزِ خاص کے مالک ہیں اور ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی بیسیوں تصانیف منظرِ عام پر آ چکی ہیں، قرآن کریم کا ترجمہ بھی ان کے علمی کارناموں میں خاص مقام رکھتا ہے، ان کا رسالہ "منادی" اردو کے مقبول جرائد میں شمار ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب بڑی کامیابی کے ساتھ نکال رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کو حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز سے بڑی انسیت و محبت تھی، گاہے ماہے حضرت کے پاس تشریف لاتے، اور حضرت بھی جب کبھی نظام الدین اولیاء تشریف لیجاتے تو بغیر ملے تشریف نہ لاتے، ایک دو مرتبہ راقم بھی حضرت کے ساتھ خواجہ صاحب کے دولت کدہ پر گیا ہے اور ملاقات کی ہے، دونوں مرتبہ خواجہ صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

غالباً سنہ ۱۹۵۰ء میں ایک روز حضرت خواجہ صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے راقم بھی ہمراہ تھا، ملاقات ہوئی اور بہت دیر تک گفتگو فرماتے رہے، اگرچہ علالت کی وجہ سے طبیعت مضمحل تھی مگر حضرت کی تشریف آوری نے اس اضمحلال کو شگفتگی سے بدل دیا تھا، خواجہ صاحب موج میں تھے، اثنائے گفتگو میں میر عثمان علی خاں مرحوم (نواب حیدر آباد دکن) سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر سنایا، اس پر خواجہ صاحب کا نرالا اندازِ بیان، بہت لطف آیا۔ ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ "گرونانک ڈے" پر وہ سکھوں کے ہاں ایک تقریب میں مدعو تھے، اس تقریب میں خواجہ صاحبؒ نے فاضلانہ تقریر کی اور گرنتھ صاحب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن سے متعلق اقتباسات ازبر سنا کر خود سکھوں کو حیرت میں ڈال دیا، جس وقت خواجہ صاحبؒ واقعہ سنا رہے تھے متعلقہ اقتباسات ازبر سنائے ان کی قوت حافظہ اور معلومات کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب خواجہ صاحب بستر مرگ پر زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے، حضرت قبلہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ——— خواجہ صاحب کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا مگر اس کے باوجود عزم و ہمت کے آثار نمایاں تھے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

حسب معمول حضرت کی تشریف آوری سے خواجہ صاحب بہت خوش تھے، موج میں آ کر ایک اور واقعہ سنایا، ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن میں سید قاسم رضوی کے کسی جلسے میں شرکت پر حکومت ہند کی طرف سے جو عتاب نازل ہوا تھا اس کا دلچسپ انداز میں ذکر فرمایا۔

۱۹۵۵ء میں خواجہ صاحب کا دہلی میں وصال ہوا، بستی نظام الدین میں ان کا مزار مبارک زیارت گاہِ خاص و عام ہے، ہر سال عرس بھی ہوتا ہے۔

جس طرح خواجہ صاحب محبت و خلوص سے پیش آتے تھے، ان کے صاحبزادگان نے بھی اسی محبت و اخلاص کو قائم رکھا، بالخصوص خواجہ حسن ثانی نظامی حضرت قبلہ سے خاص انسیت و محبت رکھتے ہیں۔ اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، صاحبزادہ موصوف کو راقم اور دیگر برادران سے بھی خاص ربط خاطر ہے، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد مرحوم کے تعلقات کو برقرار رکھ کر محبت کا حق ادا کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو گوناگوں ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

پیرجی عبدالصمد صاحب مرحوم

پیرجی عبدالصمد صاحب آخری مغل بادشاہ سراج الدین ظفر کے مرشد حضرت میاں کالے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے، حویلی کالے صاحب کے ضبط ہونے کے بعد یہ خاندان کوچہ پنڈت (دہلی) میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہے، پیرجی عبدالصمد صاحب بھی یہیں رہتے تھے ——— حضرت قبلہ کے پاس اکثر تشریف لاتے تھے، حضرت بھی ان کا بڑا احترام فرماتے تھے، کبھی کبھی ضیافتوں میں ملاقات ہوتی تھی، وہاں بھی ایک دوسرے کا پورا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ پیرجی صاحب کے دل میں حضرت کا جو احترام تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے:۔

بانس کولی (نئی دہلی) میں پیر صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالسلامؒ کا مزار مبارک ہے چونکہ پیر صاحب سلسلۂ چشتیہ میں بیعت فرماتے تھے اس لئے درگاہ میں جو سالانہ عرس ہوتا تھا اس میں قوالی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا اور رات گئے تک قوالی ہوتی رہتی تھی، اس عرس میں حضرت بھی شرکت فرمایا کرتے تھے، حضرت قبلہ نماز عشاء کے بعد درگاہ میں تشریف لیجاتے فاتحہ خوانی اور نعت خوانی وغیرہ کے بعد حضرت واپس تشریف لے آتے اس کے بعد قوالی کا پروگرام شروع ہوتا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت کی موجودگی میں مزامیر کے ساتھ سماع ہوا ہو، یہی ادب و احترام درگاہ خواجہ نظام الدینؒ میں بھی رکھا جاتا تھا جس کی

طرف خواجہ حسن ثانی نظامی نے رسالہ منادی (دسمبر ۱۹۶۱ء) میں اشارہ کیا ہے۔

پیر جی عبدالصمد صاحب دہلی کی برگزیدہ ہستیوں میں شمار کئے جاتے تھے، ان کا حلقۂ اثر بہت وسیع تھا، ہندو، سکھ، عیسائی سب ہی ان کے معتقد اور مخلص تھے، بڑے خاموش طبع اور نیک انسان تھے، صبر و استقامت ان کی زندگی کا وہ طرۂ امتیاز تھا جو کم یاب ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے:-

آخر میں پیر صاحب سخت علیل ہو گئے حتیٰ کہ منہ کے راستہ کھانا پینا بند ہو گیا، حلق کے اندر سوراخ کر کے نلکی ڈالی گئی، اسی سے مشروبات پلائے جاتے تھے اور ناک سے سانس لیتے تھے، سخت تکلیف میں تھے، ہسپتال میں داخل تھے، حضرت عیادت کے تشریف لے گئے تو راقم بھی ساتھ تھا، اس تکلیف میں ان کے چہرہ پر طمانیت و سکون کے آثار دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، فی الحقیقت مصائب میں سیرت کے اصلی جواہر سامنے آتے ہیں۔

عرصہ ہوا پیر صاحب انتقال فرما چکے، ان کے صاحبزادے حاجی میاں صاحب ان کے جانشین ہوئے، آپ کا بھی دہلی کی ممتاز ہستیوں میں شمار ہوتا تھا، صاحبزادۂ موصوف بھی حضرت سے خاص تعلق و محبت رکھتے تھے، قبلہ پیر صاحب نے جو مخلصانہ تعلقات قائم کئے تھے صاحبزادہ نے ان کو اپنے اخلاص محبت سے اور مستحکم کر دیا تھا، افسوس چند سال ہوئے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ صاحب دہلی کے مشہور مجذوب تھے، عوام الناس میں دولہا میاں کے عرف مشہور تھے، ظاہری آنکھیں بند تھیں مگر دل کی آنکھیں روشن تھیں، لباس سے بے نیاز تھے، عریاں رہتے تھے، بیخودی و سرمستی نے ان کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیا، جامع مسجد شاہ جہانی (دہلی) کے جنوبی دروازے کے نیچے ایک جگہ بیٹھتے تھے، عالم جذب و کیف میں خاک اڑایا کرتے تھے، واقعی ان کے بعد دہلی میں خاک اڑنے لگی۔

حافظ صاحب حضرت قبلہ قدس سرہٗ سے بڑی محبت فرماتے تھے، کبھی کبھی اپنی مخصوص ڈولی میں بیٹھ کر دولت کدہ پر تشریف لاتے، ستر پر کپڑا ڈال لیتے تھے، اہل دل اہل دل کو خوب جانتے ہیں، حضرت سے مصافحہ کرتے اور واپس ہو جاتے، جب کبھی حضرت جامع مسجد کی طرف تشریف لیجاتے اور حضرتؒ کی سواری حافظ صاحب کے آگے سے گزرتی تو یا تو خود ٹلیتے یا

ہونے کے روشن ضمیری کا یہ عالم تھا کہ ادب و احترام کی وجہ سے فوراً کھڑے ہو جاتے ــــ نہ صرف حضرتؒ کے ساتھ یہ ادب و احترام تھا بلکہ صاحبزادگان کا بھی پورا پورا خیال رکھتے۔

ایک مرتبہ حضرتؒ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب اور مولانا مفتی... محمد مشرف احمد صاحب کسی مجلس میں تشریف لے گئے، نوعمری کا زمانہ تھا ــــ حافظ صاحب بھی اس مجلس میں موجود تھے، فوراً اشارہ کر کے دریافت کیا یہ کس کا بیٹا ہے؟ ــــ عرض کیا گیا کہ حضرت امام صاحب کے صاحبزادے ہیں فرمایا اس کو روپے دو روپے ــــ حاضرین میں کسی نے فوراً دس روپے نکال کر پیش کئے۔

حافظ صاحب کے متعلق بہت سی کرامات مشہور تھیں، یہ بھی سنا گیا کہ ابتدا میں دہلی کے انگریز حکمرانوں نے دیوانہ سمجھ کر قید خانہ میں محبوس بھی کیا مگر کمرے میں قفل موجود اور حافظ صاحب باہر جب معلوم ہوا کہ یہ دیوانہ نہیں بلکہ سرچشمہ عقل و دانش ہے، اسی طرح ان کے انتقال کے موقع پر سنا گیا کہ بمبئی سے آنے والوں نے بیان کیا کہ ہم تو ان کے جنازے میں وہاں شریک ہوئے تھے حالاں کہ حافظ صاحب کا دہلی میں وصال ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ حافظ صاحب ایک جلیل القدر مجذوب تھے، جو کہتے تھے، پورا ہو کر رہتا تھا، جس کے دروازے پر ان کی ڈولی پہنچ جاتی اس کے وارے نیارے ہو جاتے یہ باتیں اہل عقل کے دماغ میں مشکل سے آئیں گے لیکن یہ بات قابل غور و فکر ہے کہ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ ــــ

حافظ صاحب تقسیم ہند سے پہلے ہی وصال فرما چکے تھے، ان کے وصال سے دہلی کی روحانی محفل میں بڑی کمی محسوس کی گئی۔

فروغ شمع تو قائم رہے گا روز محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

مولوی پٹھان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دہلی سے چند میل کے فاصلے پر وزیر آباد جاتے ہوئے، مارکیٹ سے ذرا آگے، چڑھائی پر بائیں جانب ایک چھوٹی سی مسجد تھی، مولوی پٹھان اسی مسجد کے حجرے میں فروکش تھے، نہ بیوی نہ بچے بس ایک خادم تھا، سن مبارک ۹۰ سال سے کم نہ ہوگا، چہرہ بڑا پر رعب تھا، سرحدی علاقے کے رہنے والے تھے، ان کو دیکھ کر ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ شیر کچھار میں بیٹھا ہوا ہے، جب کبھی حضرت اس طرف تشریف لیجاتے ان سے ضرور ملاقات فرماتے، ایک مرتبہ یہ راقم بھی ساتھ تھا، حضرت کو دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوتے، ان کے خلوص محبت کا سماں آج تک نظروں کے سامنے ہے ع

بے لوث محبت کے زمانے گزر گئے

تقسیم ہند کے بعد یہ علاقہ ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا تھا، نہیں معلوم کہ وہ شہید ہوئے یا کہیں ہجرت کر گئے۔

مولوی پٹھان نام کے دہلی میں دو اور بزرگ تھے، دونوں حضرات، حضرت کا احترام کرتے تھے ان حضرات کی راقم نے کم ہی زیارت کی ہے اس لئے حافظہ میں کوئی نقش محفوظ نہیں جو عرض کیا جائے البتہ اتنا معلوم ہے کہ عملیات میں یہ دونوں بزرگ بے مثال تھے، اور دہلی کے عوام میں ان کا بڑا چرچا تھا

پیر صاحب جھیل کرنجہ شریف علیہ الرحمہ

دہلی سے شاہدرہ جاتے ہوئے دریائے جمنا کے اُس طرف جھیل کرنجہ کے نام سے ایک بستی تھی پیر صاحب وہاں رہتے تھے، ان کی خانقاہ بھی یہیں تھی سلسلہ چشتیہ میں بیعت فرماتے تھے، سالانہ عرس بھی ہوتا تھا، بڑی دھوم دھام ہوتی تھی،

پیر صاحب بڑے متورع متقی اور متبع شریعت تھے، عربی اور انگریزی علوم دونوں پر عبور تھا، اتباع شریعت میں اتنے سخت تھے کہ خود ان کے صاحبزادے نے ایک معمولی خلاف شرع کام کیا تو اس کو گھر سے باہر نکال دیا، صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے بلکہ کہتے تھے کہ دل چاہتا ہے کہ گولی سے اڑا دوں، فی زمانہ یہ فاروقی عزم و حوصلہ ناپید ہو کر رہ گیا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پیر صاحب پاکستان تشریف لے آئے تھے اور لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی تھی، لاہور میں ایک مندر میں اقامت گزیں تھے، تقوی و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ راقم ملاقات کے لئے حاضر ہوا، دیکھا کہ مندر کی لائبریری میں تشریف فرما ہیں، اور تمام الماریاں مقفل ہیں، معلوم ہوتا تھا کہ ایک کتاب بھی نکال کر نہیں دیکھی گئی، راقم نے عرض کیا کہ "آپ یہ کتابیں تصرف میں نہیں لاتے"؟ —— فرمایا "اوّل تو زیادہ تر ہندی میں ہیں، انگریزی میں بہت کم ہیں، دوسرے یہ ہندوؤں کی امانت ہیں، میرے لئے تصرف جائز نہیں" —— پاکستان آنے والے بیشتر علماء نے اس حزم و احتیاط سے کام نہیں لیا، اہل تقوی قدم قدم اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے جاتے ہیں۔

پیر صاحب حضرت قبلہ قدس سرہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ وہ راقم سے بڑی محبت فرماتے اور اسی نسبت سے ادب احترام ملحوظ رکھتے، راقم کو دو تین مرتبہ زیارت کا موقعہ ملا ہے ایک مرتبہ جھیل کرنجہ میں اور دو مرتبہ لاہور میں، چند سال ہوئے کہ پیر صاحب انتقال فرما چکے۔

مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم

مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم کا شمار ہندوستان کے مشہور علماء و فقہا میں ہوتا تھا، موصوف دیوبندی مسلک فکر سے تعلق رکھتے تھے، مگر تشدد و تعصب سے کوسوں دور، ایک عرصہ سیاست میں بھی شریک رہے مگر بعد میں اپنا دامن الگ کر لیا، فتویٰ نویسی میں حضرت قبلہ قدس سرہ اور حضرت مفتی صاحب اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اپنی نظیر آپ تھے، دونوں حضرات میں بڑی مماثلات تھیں، اسماء گرامی کی مماثلت، علمیت و تفقہ کی مماثلت، تحریر کی پاکیزگی اور رعنائی میں مماثلت، قناعت پسندی اور توکل میں مماثلت، اسی لئے دونوں ایک دوسرے کا پورا پورا احترام کرتے تھے۔
ارتضیٰ حسین الشرف ملا واحدی نے حضرت مفتی صاحب کو قریب سے دیکھا ہے انہوں نے اپنے تاثرات اس طرح قلم بند کئے ہیں :-

> مفتی صاحب ہمیشہ میرے پڑوسی رہے، اور ان کے دلی تشریف لانے کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک میں نے انہیں مسلسل دیکھا اور قریب سے دیکھا، علم کی جگہ علم، فراست کی جگہ فراست اور مومنانہ فراست، توکل، قناعت، سادگی وضعداری، پابندی سنت، کونسی خوبی ہے جو مفتی کفایت اللہ میں نہ تھی۔
>
> (ص - ۲۱۴)

حضرت مفتی صاحب شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے مگر زندگی کا بیشتر حصہ شاہجہاں آباد میں گزرا، مولوی امین الدین مرحوم نے شاہی مسجد سنہری (چاندنی چوک) میں مدرسہ امینیہ قائم کیا تھا، ابتداء میں مولانا انور شاہ کشمیری[1] اس کے صدر مدرس تھے ان کے بعد مفتی کفایت اللہ مرحوم اس کے صدر ہوئے، کچھ عرصہ بعد یہ مدرسہ کشمیری گیٹ منتقل ہو گیا اور

---

[1] حضرت قبلہؒ کے پوتے داماد قاری رضوان اللہ صاحب نے مولانا انور شاہ کشمیری پر اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ کر علی گڑھ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

ابتک وہیں ہے۔

مدرسہ امینیہ نے علم دین کی بڑی خدمت کی، حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، فارغ التحصیل طلبہ بھی آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے اس سے مفتی صاحب کی تبحر علمی اور تدریسی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب حضرت قبلہ قدس سرہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، مسجد فتح پوری میں رمضان المبارک اور عیدین کے سلسلے میں حضرت کی صدارت میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا، مفتی صاحب اس میں برابر شرکت فرماتے تھے، تقسیم ہند کے بعد جب بعض ناعاقبت اندیش حضرات نے علیحدہ کمیٹی بنانا چاہی تو مفتی صاحب نے سختی سے مخالفت فرمائی، اور تاحین حیات اسی قدیم کمیٹی کے اجلاس میں شرکت فرماتے رہے۔

لیکن اس تعلق و محبت کے باوجود علمی یا سیاسی مسائل میں کہیں اختلاف ہوتا تو حضرت بے دھڑک اس کا اظہار فرما دیتے، اظہار حق میں کسی قسم کی رعایت نہ فرماتے، چناں چہ تحریک خلافت کے زمانے میں جب کچھ عرصہ کے لئے حضرت بھی اس تحریک سے وابستہ ہو گئے تھے اور مفتی صاحب بھی اس میں شریک تھے، ترک موالات کی تحریک نے زور پکڑا، جذبۂ حب الوطنی نے لوگوں کو دیوانہ بنا دیا تھا، اسی زمانے میں دہلی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں بدیسی چیزوں کے مکمل مقاطعہ کی تجویز زیر غور آنی تھی، لوگوں میں اتنا جوش پھیلا ہوا تھا کہ بدیسی چیزوں کو نذر آتش کر رہے تھے —— اس جلسے کے تمام شرکاء دیسی کپڑے پہن کر گئے مگر حضرت قبلہ اس روز عمداً ولایتی کپڑے پہن کر گئے، جب جلسہ گاہ میں پہنچے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ "آپ نے یہ کیا کیا، سب لوگوں کی نظریں آپ کی طرف ہیں" حضرت نے فرمایا "اسی لئے تو پہن کر آیا ہوں" پھر فرمایا کہ "کیا آپ کے پاس نصاریٰ سے مقاطعہ اور غیر مسلموں سے موالات و مواخات کا کوئی شرعی جواز ہے؟" —— ظاہر ہے کہ کوئی جواز نہ تھا، مفتی صاحب خاموش ہو گئے، حضرت نے ہمیشہ قوانین شریعت کو پیش نظر رکھا، خواہ وہ سیاسی معاملات ہوں یا دینی معاملات، اصول شرعیہ کو تعلقات پر قربان نہیں کیا۔

آخری ایام میں جب مفتی صاحب علیل ہوئے تو انہوں نے تین وصیتیں فرمائیں جس میں سے دو یہ تھیں کہ "میری نماز جنازہ حضرت امام صاحب مسجد فتح پوری پڑھائیں" —— اور دوسری یہ تھی کہ میری تربت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے کے باہر وہاں بنائی جائے

جہاں زائرین جوتیاں اتارتے ہیں" ——— ان وصایا سے حضرت مفتی صاحب کی حضرات اہل اللہ سے محبت اور کمال تعلق کا اظہار ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ مفتی صاحب سلف صالحین کی یادگار تھے، چند سال ہوئے کہ دہلی میں مفتی صاحب کا وصال ہو گیا، مزار مبارک درگاہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ (مہرولی) میں مغربی دروازے کے باہر واقع ہے۔

مولانا محمد الیاس مرحوم

مولانا کی ذات محتاج تعارف نہیں آپ ہندوستان کی مشہور تبلیغی جماعت کے بانی مبانی ہیں اس جماعت کا مرکز بستی نظام الدین (نئی دہلی) میں تھا، اور اب بھی وہیں ہے" مولانا الیاس صاحب بھی اقامت گزیں تھے، مولانا مسجد فتح پوری میں گاہے گاہے تشریف لاتے تھے، اور حضرت سے بھی ملاقات فرماتے، مولانا حضرت قبلہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، کراچی کے ایک عالم نے فرمایا کہ مولانا اپنی نجی محفلوں میں فرمایا کرتے تھے :-

"محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سیکھنی ہو تو بریلویوں سے سیکھے، نماز پڑھنی ہو تو اہل حدیث امام کے پیچھے پڑھے اور فیض روحانی حاصل کرنا ہو تو حضرت امام صاحب مسجد فتح پوری کی صحبت میں بیٹھے"

حضرت قبلہ بھی جب کبھی بستی نظام الدین تشریف لیجاتے تو گاہے گاہے مولانا کے ہاں بھی تشریف لیجاتے، خصوصاً علالت کے زمانے میں عیادت کے لئے ضرور تشریف لیجاتے

حضرت مولانا الیاسؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف مرحوم ان کے جانشین ہوئے وہ بھی حضرت کا پورا پورا احترام کرتے تھے، چند سال ہوئے کہ وہ بھی انتقال فرما چکے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

مولانا حفظ الرحمٰن جامع صفات تھے، متبحر عالم، بے باک خطیب و مقرر اور سیاست کے مرد میدان تھے، ان کی علمیت کا اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے جو مختلف موضوعات مثلاً قرآنیات، اخلاقیات، معاشیات وغیرہ پر شائع ہو چکی ہیں ——— وہ ایک عرصہ جمعیۃ العلماء ہند سے متعلق رہے، کانگریس کے ہمنوا تھے مگر جب وقت آتا تو حق بات کہنے سے نہیں چوکتے۔

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران انہوں نے مسلمانان دہلی کی جو خدمت کی وہ ناقابل

فراموش ہے، فسادات نے مسلمانوں کے لئے دہلی کو تنگ و تاریک کر کے رکھدیا تھا، ہر شخص موت کا منتظر معلوم ہوتا تھا، انہیں ایام میں مولانا کے بعض ہندو دوستوں نے مشورہ دیا کہ وہ دہلی سے ۹ میل دور اوکھلہ مسلمانوں کو لے کر چل نکلیں، وہاں کیمپ لگادئیے جائیں گے اور تمام آسائش فراہم کر دی جائیگی، مولانا یہ سن کر جلال میں آگئے اور فرمایا :-

"وطن عزیز کی آزادی کی کوشش اس لئے نہیں کی تھی کہ ہم کسی کیمپ میں جا کر پناہ لیں، ہم اپنے مکانوں اور محلوں میں رہیں گے اور صبر و استقامت سے اس بغاوت کا مقابلہ کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شہید ہو جائیں گے" (محمد میاں : علمائے حق)

اس واقعہ سے مولانا کی سیرت کے اصلی جواہر اور خوبیوں کا علم ہوتا ہے اس میں شک نہیں اس بدامنی اور شورش کے زمانے میں مولانا کی استقامت قابل داد ہے، ان کی ہمت و حوصلہ نے سینکڑوں ساتھیوں کے حوصلے بلند کر دیئے تھے،

مولانا ممدوح حضرت قبلہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، رویت ہلال کمیٹی کے اجلاس میں اکثر تشریف لاتے تھے، ویسے بھی گاہے گاہے تشریف لاتے تھے،

مولانا حضرت کے تفقہ کے قائل اور معترف تھے، اپنی نجی محفلوں میں فرمایا کرتے تھے :-

"اس وقت ہندوستان میں فقاہت و فتوی نویسی میں حضرت امام صاحب کا ثانی نہیں"

تقسیم ہند کے بعد مولانا کچھ عرصہ مجلس اوقاف کے صدر بھی رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ جب کبھی حضرت کے پاس تشریف لاتے، دنیاوی مناصب کا ذرا بھی غرور محسوس نہیں ہوتا ——— پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے اس کا بھی گھمنڈ نہ تھا، سچی سیرت کی نشانی یہ ہے کہ وہ تمام مناصب سے بالاتر ہو کر ملتا ہے اور جو تعلق قائم ہو گیا ہے اس کو آخر تک نباتا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن جیسے ہمدرد، داور درد مند انسان کی مسلمانان ہند کو سخت ضرورت تھی، لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ مرض سرطان میں مبتلا ہو کر بندوں کو چھوڑ کر مولا سے جا ملیں ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء کو مولانا کا دہلی میں وصال ہوا۔

مولانا سید احمد مرحوم

مولانا سید احمد صاحب اصل نسل سید تھے، مسجد جامع شاہجہانی دہلی کی شاہی امامت و خطابت آپ ہی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلی آرہی تھی، راقم نے بھی اکثر زیارت کی ہے، فرشتہ معلوم ہوتے تھے، امام صاحب کے وائسرائے ہند تک سے تعلقات تھے، مگر محبان وطن انگریز حکمرانوں کے ساتھ امام صاحب

کے تعلقات کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے وسیع تعلقات سے مسلمانوں کو بہت فائدے پہنچائے ہیں۔

ارتضیٰ حسین ملا واحدی نے امام صاحب کے بارے میں لکھا ہے:

"انگریز حکومت پر اور مسلمان ریاستوں میں امام صاحب کا غیر معمولی اثر تھا، انگریز روم کے پوپ سے انہیں کم نہیں تصور کرتے تھے۔ امام صاحب نہایت اہل اللہ تھے، امام صاحب نے خود بھی ترقی کی اور اپنی ترقی سے دوسروں کو بھی فیض پہنچایا خدا معلوم کتنے مسلمان امام صاحب نے اعلیٰ عہدوں پر لیجا بٹھلائے، امام صاحب بڑے سے بڑے کام میں ہاتھ ڈال دیتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے کام میں ہاتھ ڈالتے نہیں ہچکچاتے تھے، وائسرے سے لے کر تھانہ دار تک سفارش کے لئے چلا جانا ان کے نزدیک یکساں تھا۔"

(میرے زمانے کی دلی، ص ۲۴۷)

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے تعلقات کی نوعیت خوشامدانہ نہ تھی بلکہ مصلحت اندیشانہ تھی، سر سید احمد خان بھی اسی مصلحت اندیشانہ موالاۃ و مواخات کی بنا پر ہدف ملامت بنے، لیکن ان حضرات کے دل میں مسلمانوں کے دکھ درد کا جو شدید احساس تھا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

امام صاحب کو راقم نے بہت قریب سے دیکھا ہے، ایک مرتبہ جب حضرت قبلہ اور امام صاحب اوقاف سے متعلق کسی معاملے کے سلسلے میں ملک فیروز خاں نون اور شہید ملت لیاقت علی خاں سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے تو یہ راقم بھی ہمراہ تھا، اس وقت بہت قریب سے دیکھنے اور بات سننے کا اتفاق ہوا، اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ جس شخص کے تعلقات کا یہ عالم ہے کہ وائسرے ہند بھی اس کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے وہ جب باتیں کرتا ہے تو طفلانہ معصومیت کے ساتھ ــــــ اس میں شک نہیں جن حضرات نے ان کو قریب سے دیکھا ہے معصوم پایا ہے

امام صاحب حضرت کا بڑا احترام کرتے تھے اور گاہے گاہے تشریف لاتے تھے اکثر تقاریب میں بھی شرکت فرماتے ان کے صاحبزادے مولانا عبدالحمید صاحب جو ان کے جانشین ہیں، حضرت سے خاص تعلق و محبت رکھتے ہیں، اور قدر و منزلت کی نظر

سے دیکھتے ہیں، راقم پر بھی بہت شفقت فرماتے ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کو سلامت باکرامت رکھے۔

حضرت امام صاحب کا وصال ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران دہلی میں ہوا، اسی روز دہلی کے ایک اور بزرگ حضرت شاہ کرار حسین صاحب کا بھی انتقال ہوا، اور دونوں جنازے ساتھ اٹھے، شاہ کرار حسین بھی حضرت کے خاص محبین میں تھے، گاہے گاہے تشریف لاتے، حضرت بھی جب کبھی دریا گنج تشریف لیجاتے تو خانقاہ صابریہ میں شاہ صاحب سے ضرور ملاقات فرماتے۔

مولانا طاہر حسین مرحوم

دہلی کی عیدگاہ کے شاہی امام تھے، عیدگاہ کی امامت ان کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ شاہانِ مغلیہ کے عہد سے چلی آ رہی تھی، امام صاحب عالم تھے اور حکمت میں درک رکھتے تھے، دہلی سے چند میل کے فاصلے پر درگاہ حضرت امام رسول نما کے قریب ان کا دولت کدہ تھا، حضرت کے پاس گاہے گاہے تشریف لاتے، تقاریب کے موقع پر تو ضرور تشریف لاتے راقم پر بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔ ——— تقسیم ہند کے بعد جب دہلی کے حالات بہت مخدوش ہو گئے وہ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں قیام فرمایا کافی عرصہ یہاں رہنے کے بعد پھر بھاول نگر تشریف لے گئے، اور غالباً وہیں انتقال فرمایا۔

پاکستان تشریف لانے کے بعد جب پہلی مرتبہ دہلی تشریف لے گئے تو اس وقت عیدگاہ میں امامت کے فرائض مولانا احمد سعید مرحوم انجام دے رہے تھے، جب عید آئی تو اہل دہلی نے چاہا کہ نماز عید مولانا طاہر حسین صاحب پڑھائیں کہ یاد ماضی تازہ ہو جائے، مگر نہ معلوم کیوں مولانا احمد سعید صاحب اس ایثار و قربانی کے لئے تیار نہ ہوسکے۔ اور صاف جواب دیدیا گیا، عبرت کا مقام ہے کہ جس شخص نے بیسیوں برس عیدگاہ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ آج وہ اسی عیدگاہ میں نماز عید پڑھانے سے محروم کر دیا گیا، جب حضرت کو اس محرومی اور امام صاحب کی مایوسی کی اطلاع ملی تو حضرت نے غمخواری و دلداری کے لئے جس ایثار و قربانی سے کام لیا وہ فتح پوری کی امامت کی تاریخ میں یکتا مثال ہے ——— عیدین کی نماز حضرت ہی پڑھایا کرتے تھے مگر اس مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ اعلان کر دیا جائے کہ اس مرتبہ مسجد جامع فتح پوری میں عید کی نماز حضرت مولانا طاہر حسن صاحب پڑھائیں گے چنانچہ نماز انہوں نے پڑھائی اور حضرت

کے بے مثال ایثار کو دیکھ کر اپنے اور بیگانے سب حیرت زدہ رہ گئے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آزر است — دل گزرگاہ جلیل اکبر است

مولانا ولایت احمد صاحبؒ

حضرت مولانا سنبھل کے رہنے والے تھے لیکن ایک عرصے سے دہلی میں مقیم تھے، اور مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں برسوں درس دیتے رہے، متورع، متقی اور متوکل تھے، ان کے زہد و تقویٰ کا ایک واقعہ ابتک یاد ہے۔

جس زمانے میں راقم مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں پڑھتا تھا، مولانا بھی راقم کے اساتذہ میں تھے، یاد نہیں کہ کبھی مولانا نے اپنا درس چھوڑا ہو، ایک روز معلوم ہوا کہ مولانا بخار میں مبتلا ہیں، طلبہ سمجھے کہ بس اب چھٹی ہے لیکن جوں ہی وقت ہوا مولانا اچانک نمودار ہوئے، رضائی میں لپیٹے ہوئے بخار کی شدت سے کپکپا رہے تھے، افتاں و خیزاں مدرسہ میں تشریف لائے اور مسند پر تشریف فرما ہوئے، ہم نے عرض کیا کہ "حضرت بخار تھا تو کیوں تکلیف فرمائی؟" آپ نے جو کچھ فرمایا وہ دور جدید کے اساتذہ کے لئے ایک عظیم سبق ہے فرمایا۔

"میں نے سوچا کہ اتنی سکت تو ہے کہ مدرسہ جاکر درس دیا جاسکتا ہے، اس لئے اگر نہ گیا تو آج کی تنخواہ حرام ہوگی، جو پوری تنخواہ کو خراب کردے گی"

اللہ اللہ یہ تھا ان حضرات کا تقویٰ جو مسلسل چھ چھ گھنٹے پڑھایا کرتے تھے، معمولی کتابیں نہیں بلکہ وہ کتابیں جو ہماری یونیورسٹیوں میں منتہی طلبہ پڑھتے ہیں، اور پھر تنخواہ کیا تھی؟ — مشکل سے ڈیڑھ سو روپے — مولانا فقہ، ادب، حدیث وغیرہ پر عبور رکھتے تھے، فن شعر میں بھی کمال حاصل تھا، خود بھی شعر کہتے تھے اور سخن فہم و سخن سنج تھے۔

حق گوئی اور بے باکی ان کی سیرت کے خاص جواہر تھے، ایک مرتبہ راقم کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، تقسیم ہند کے بعد ایک مرتبہ مسجد فتح پوری میں رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا، حضرت قبلہ صدارت فرما رہے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے جو اس زمانے میں وقف بورڈ کے صدر تھے، اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری اسی بورڈ کے تحت تھا، جہاں مولانا ولایت احمد صاحب بحیثیت استاد ملازم تھے — کمیٹی کے اجلاس میں یہ بات زیر بحث تھی کہ گواہ کے لئے شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں اس کو ذرا نرم کردیا جائے — مولانا

حفظ الرحمٰن صاحب اس تجویز کے محرک تھے، مگر مولانا ولایت احمد صاحب نے بلا کسی رو رعایت کے اس تجویز کی پرزور تردید کی اور تردید میں اپنے دلائل پیش کئے ــــــ آج کس شخص میں یہ جرأت ہے کہ وہ اپنے افسر اعلیٰ کی رائے سے محض اللہ اور اس کے رسول کے لئے اختلاف کرے اور نہ صرف اختلاف بلکہ پوری حمیت وغیرت کے ساتھ اس کی تردید بھی کرے ۔

مولانا ولایت احمد صاحب شروع میں حضرت سے اتنے قریب تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، قریب ہوتے گئے حتی کہ بالکل قریب ہو گئے، حضرت کا دل سے احترام کرتے تھے اور ان کے دل میں حضرت کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے کچھ کھو کر پایا ہے، آخر میں حضرت صدر المشائخ فضل عثمان صاحب سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت بھی ہو گئے تھے، اور ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا، حضرت موصوف ملا شور بازار کابلی کے صاحبزادے ہیں، دہلی میں حضرت کے ہاں مہمان تھے جب مولانا ولایت احمد صاحب بیعت ہوئے۔

مولانا ولایت احمد صاحب حضرت کی اولاد امجاد میں مولانا مظفر احمد صاحب، مولانا مشرف احمد صاحب، مولانا منظور احمد مرحوم اور راقم کے استاد گرامی تھے، اس لئے حضرت قبلہ بھی مولانا کا بڑا احترام کرتے تھے، مولانا ولایت احمد صاحب راقم پر بڑی شفقت فرماتے تھے، اور بہت مہربان تھے ۔

چند سال ہوئے اپنے وطن عزیز سنبھل میں آپ کا وصال ہو گیا ۔ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی کے اساتذہ اور علماء میں مولانائے مرحوم کو تو حضرت سے خاص ربط خاطر تھا مگر دیگر اساتذہ گرامی بھی اپنے اپنے درجہ پر تعلق و محبت رکھتے تھے اور پورا پورا احترام کرتے تھے، مثلاً ۔ مولانا سلطان محمود صاحب (صدر المدرسین) مولانا محمد شریف اللہ، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا فخر الحسن، مولانا محبوب الٰہی، مولانا سجاد حسین (موجودہ صدر المدرسین) مولانا رحمان علی، مولانا ناصر خلیق، مولانا عبدالدائم جلالی، مولانا اشفاق الرحمٰن، مولانا عبدالسمیع صاحب، قاضی محمد نصر اللہ، مولانا محمد میاں، قاری محمد سلیمان صاحب، وغیرہ وغیرہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت کے معاصرین اور محبین و مخلصین میں بیشمار علماء کرام اور صوفیہ کرام ہیں، گزشتہ اوراق میں معدودے چند حضرات کا ذکر کیا گیا ہے ان حضرات کے علاوہ بعض علماء کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں ــ یہ فہرست حضرت سے متعارف تمام

علماء صوفیہ پر محیط نہیں صرف راقم کے علم میں جو حضرات ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے اصل فہرست تو بہت طویل ہو گی بلکہ ایک مستقل کتاب ۔

ہندوستان کے مرحومین علماء کرام | مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا عبدالمجید اکبرآبادی، مولانا غلام یزدانی، مولانا سید محمد کچھوچھوی، مولانا عمادالدین سنبھلی، مولانا محمد اجمل سنبھلی، مولانا حشمت علی (بمبئی)، مولانا محمد شفیع وارثی، (دہلی) مولانا مظہرالدین شہید (دہلی) مولوی صبغۃ اللہ فرنگی محلی، مولینا نذیر احمد لکھنوی، مولوی نثار احمد (دہلی) وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم

پاکستان کے مرحومین علماء | مولانا محمد عمر نعیمی، مولانا سید طاہر اشرف، مولینا نسیم احمد، مولانا زاہد القادری بدایونی، مولانا ناصر جلالی، مولانا عبدالحفیظ (ملتان) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد (لاہور) مولینا سردار احمد (لائل پور) قاری احمد حسین صاحب فیروزپوری، (گجرات)

وغیرہ وغیرہ، رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔

ہندوستان کے موجودہ علماء وصوفیہ | حضرت مولانا محمد مصطفےٰ رضا خان (بریلی)، مولانا صوفی اخلاق احمد صاحب (احمد آباد) قاری محمد اسمٰعیل مجددی مدنی، (رام پور)، مولانا رجب علی صاحب، قاضی محمد محبوب صاحب (امروہہ) حضرت سید عبدالغنی صاحب (اندور) مفتی ضیاء الحق (دہلی) مفتی عتیق الرحمن (دہلی) مولینا عبدالمجید صاحب (دہلی) حافظ محمد عبداللہ صاحب (دہلی) علامہ اخلاق حسین (دہلی) مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی) پیر ضامن نظامی (دہلی) جناب اخوند صاحب (دہلی)، قاری محمد ادریس صاحب وغیرہ وغیرہ ۔

پاکستان کے موجودہ علماء وصوفیہ | (کراچی) حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، مولانا محمد شفیع اکاوڑی، مولانا سید زوار حسین صاحب مولانا زین العابدین صاحب مولانا سید حامد جلالی، مولینا محمد مسعود احمد مولانا ضیاء القادری بدایونی، عزیز الملک مولانا محمد یوسف سلیمانی، پنڈت محمد فاروق صاحب مولانا شبیر احمد صاحب ۔ وغیرہ وغیرہ

(حیدرآباد)

حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مولانا خلیل احمد صاحب برکاتی، مولانا محمد اسحاق صاحب، مولانا ابوالاسرار صاحب مولانا محمد ہاشم صاحب فاضل شمسی، حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب سید اکبر علی شاہ صاحب۔

مولانا سعید احمد کاظمی (بہاول پور) الحاج قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب (بہاول پور) مولانا جمیل الدین صاحب (بہاول پور) حضرت مولانا محمد منظور احمد مکان شریفی (ساہیوال)۔

(لاہور)

ابوالبرکات مولانا سید احمد صاحب، مولانا سید محمد محمود رضوی، مولانا خلیل احمد، مفتی محمد حسین نعیمی، سیف الاسلام مولانا منور حسین صاحب مولانا گلزار احمد صاحب مولانا اعجاز ولی صاحب، مولانا محمد شریف محدث صاحب مولانا جمیل الرحمٰن شرقپوری، مولانا محمد عمر الفاروقی شرقپوری، مولانا مفتی احمد یار خاں (گجرات) مولانا حکیم محمد مختار احمد سنبھلی (گجرات)، حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی (راولپنڈی)، حضرت مولانا دیوان سید آل رسول صاحب، سجادہ نشین درگاہ خواجہ اجمیری (پشاور)

بیرونی ممالک کے علماء و مشائخ حضرت مولانا عبد الغفور مدنی (مدینہ منورہ) مولانا نورانی میاں (مدینہ منورہ)، مولانا محمد صادق کابلی (مدینہ منورہ) ضیاء المشائخ حضرت مولانا محمد ابراہیم (افغانستان، کابل) وغیرہ وغیرہ

سترھواں باب

تصانیف

تصانیف

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے اپنی حیات طیبہ میں تقریباً ساٹھ ستر سال علمی فرائض انجام دئے اور بیشمار تحریرات یادگار چھوڑیں، حضرت کے روزانہ کے معمولات کا بیشتر حصہ علمی کاموں اور مطالعہ کتب میں صرف ہوتا تھا حتی کہ یہ سلسلہ وصال سے صرف ایک دو گھنٹے قبل تک جاری رہا، پاک و ہند بلکہ بلاد اسلامیہ کے بہت کم علماء و صوفیہ نے اتنے طویل عرصہ علم دین کی خدمت کی ہے حضرت کی علمی نگارشات و اقوال کو سات حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسائل، علمی و تحقیقی فتوے، مکاتیب گرامی، تقاریر، ملفوظات شریف، اوراد و ظائف اور تعویذات، نصابی منظوم و غیر منظوم نوٹس۔

پیش نظر باب میں بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسائل کا ذکر کیا جائے گا، اس سے اگلے باب میں مجملاً فتووں کے بارے میں عرض کیا جائیگا، ویسے اس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب "فتاوی مظہری" کے نام سے مرتب کی جارہی ہے، مکاتیب گرامی پر ایک باب قائم کیا گیا تھا مگر کتاب کی غیر ضروری طوالت کے پیش نظر یہ باب حذف کر دیا گیا اور ایک مستقل اور مبسوط کتاب "مکاتیب مظہری" کے نام سے علیحدہ مرتب کر لی گئی ہے جو عنقریب شائع کر دی جائے گی۔ تقاریر کے چند مسودے محفوظ کر لئے گئے ہیں وہ انشاء اللہ رسالے کی صورت میں پیش کر دئے جائیں گے ——— سالہا سال تک حضرت جمعہ کے دن نماز کے بعد اپنے حجرہ شریف میں حاضرین مجلس کو پند و نصائح فرماتے تھے، یہ سلسلہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا، اگر ابتداء سے یہ ملفوظات شریف جمع کئے جاتے تو کئی مجلدات ہو جاتیں مگر افسوس اس کا اہتمام نہیں کیا گیا، اب مختلف احباب اور مریدو معتقدین سے دریافت کر کے ایک رسالہ مرتب کیا جائیگا، حضرت کو عملیات میں بڑا درک تھا چناں چہ اس سلسلے میں لاکھوں تعویذات اور اوراد و ظائف تحریر فرمائے، بعض دعائیں و وظائف جو مکاتیب شریف میں نظر آئے وہ "مکاتیب مظہری" کے مقدمہ میں ایک مستقل عنوان کے تحت پیش کر دیئے گئے ہیں، متفرق دعائیں جو مختلف لوگوں کے پاس محفوظ ہیں، جمع کر کے ایک علیحدہ رسالے کی شکل میں پیش کر دی جائیں گی ۔

حضرت نے عربی طلبہ کی سہولت کے لئے مختلف فنون و علوم (مثلاً صرف و نحو، فقہ، منطق، میراث، توقیت وغیرہ) میں نصابی نوٹس تحریر فرمائے ہیں جن میں بیشتر منظوم ہیں تاکہ جلد ذہن نشین ہو سکیں، یہ نوٹس آج کل کے مروجہ نوٹس کی طرح نہیں جو اصل سے کئی درجہ بڑھ جاتے ہیں،

بلکہ نہایت جامع اور مختصر ہیں، عالمانہ ذہنی کاوش کا نتیجہ ہیں، گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا گیا ہے، یہ نوٹس بھی محفوظ کر لئے گئے ہیں اور انشاء اللہ کتابی صورت میں شائع کردیئے جائیں گے۔

اب ہم تاریخی ترتیب سے رسائل کا ذکر کرتے ہیں، جو رسائل معلوم ہوسکے یہاں صرف انہیں کا ذکر کیا جارہا ہے، اصل تعداد کا صحیح علم نہ ہوسکا۔

(۱)

"ارکان دین" مطبوعہ ہلالی پریس دہلی ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

صفحات ۳۲ ——— کتابی سائز ۵ × ۸

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ دین کے ارکان پر مشتمل ہے اس میں دیباچے کے علاوہ گیارہ ابواب ہیں اور ہر ایک باب کے ذیل میں فصلیں بھی ہیں، ابواب کی تفصیل یہ ہے :-

پہلا باب ——— شرع کے حکموں کے بیان میں

دوسرا باب ——— نجاست اور پاکی کے بیان میں

تیسرا باب ——— وضو کے بیان میں

چوتھا باب ——— غسل کے طریقہ کے بیان میں

پانچواں باب ——— تیمم کے بیان میں

چھٹا باب ——— نماز کے بیان میں

ساتواں باب ——— نماز کے طریقہ وغیرہ کے بیان میں

آٹھواں باب ——— رمضان کے مہینے کے روزوں کے بیان میں

نواں باب ——— زکوٰۃ کے بیان میں

دسواں باب ——— حج کے بیان میں

گیارھواں باب ——— قربانی کے بیان میں

حضرت قدس سرہ نے تمام ارکان کو نہایت اختصار وجامعیت کے ساتھ بیان کیا اور تطویل لاطائل سے اجتناب فرمایا ہے اس سے مقصود طلبہ کو تعلیم دینا ہے اس لئے ان کی ذہنی سطح کو دیکھتے ہوئے مختصر لکھا گیا ہے۔[1]

[1] رسالہ "ارکان دین" کا دوسرا اڈیشن، مشہور پریس کراچی میں چھپ رہا ہے اور انشاء اللہ جلد شائع ہوجائیگا۔

(۲)

"منظہر الاخلاق" مطبوعہ ہلالی پریس دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

صفحات ۴۴ ——————— سائز ۵×۸

جیساکہ نام سے ظاہر ہے اس رسالہ کا موضوع اخلاقیات ہے، اس کے شروع میں دیباچہ ہے جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے بعد پندرہ ابواب کے تحت موضوع پر بحث کی ہے۔ دیباچہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ اجمعین اما بعد جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو عقل اور نفس دو جوہر ایسے عنایت فرمائے ہیں جس سے ہر اچھی بری چیز کا امتیاز حاصل ہو جاتا ہے، عقل موجودہ فائدہ پر نظر نہیں رکھتی بلکہ اس کے انجام کو دیکھتی ہے برخلاف نفس کے وہ موجودہ راحت و آرام مدنظر رکھتا ہے، پس غور کرنے سے تمام چیزیں چار طرح کی نظر آتی ہیں:-

ایک وہ جس سے عقل راضی ہے اور نفس بیزار جیسے وہ تکالیف جو خدا کی فرماں برداری کے وقت ہوتی ہیں کیوں کہ اگرچہ اس وقت یہ بہت ہی گراں معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ بہت عمدہ ہے۔

دوسرے وہ جس کو نفس پسند کرتا ہے، عقل ناپسند کرتی ہے جیسے وہ سرور جو خدا کی نافرمانی کے وقت حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اگرچہ یہ بالفعل بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں لیکن آخران کا بہت خراب ہے۔

تیسرے وہ جس کو عقل و نفس دونوں پسند کرتے ہیں، جیسے علم کیوں کہ اس کی موجودہ اور آئندہ دونوں حالتیں عمدہ ہیں۔

چوتھے وہ جس کو عقل و نفس دونوں ناپسند کرتے ہیں، جیسے جہل، اس واسطے کہ اس کے دونوں پہلو برے ہیں۔ (ص-۱)

دیباچہ کے بعد مندرجہ ذیل پندرہ ابواب ہیں:-

پہلا باب ——— اخلاق ذمیمہ کے بیان میں

اس رسالے کا جدید اڈیشن اسی سال (۱۹۶۸ء) مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی نے شائع کر دیا ہے، اس اڈیشن کو راقم نے از سر نو مرتب کیا ہے اور حضرت کی مختصر سوانح بھی شامل کر دی ہے۔

(۳)

"مظہر العقائد" مطبوعہ ہلالی پریس دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

صفحات ۳۲ ——— سائز ۴½ × ۸

اس رسالے کا ایک نسخہ ہارڈنگ لائبریری، دہلی میں محفوظ ہے، راقم فروری ۱۹۶۸ء جب دہلی گیا تھا تو اس رسالے کا مطالعہ کیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے :-

ابتداء میں مقدمہ ہے پھر کتاب کو سات ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے آخر میں خاتمۃ الکتاب ہے اور پھر تتمہ، ابواب کو اسباق کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے اور سوالاً و جواباً لکھا گیا ہے سائل شاگرد ہے اور مجیب استاد، اسباق یا ابواب کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) مخزن عبادت (وجود باری تعالیٰ، وحدانیت، کتب سماوی، کلام الٰہی وغیرہ) (۲) وہ حق

وخالق ہے (۳) وہ قادر ہے (۴) مقام رسالت پناہی (صلی اللہ علیہ وسلم) (۵) آل و اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (۶) ایمان (۷) عقبیٰ و آخرت و متعلقات۔

آخری صفحہ کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ محولہ بالا دونوں رسالوں کے بعد شائع ہوا ہے:-

"یہ رسالہ اور رسالہ مظہر الاخلاق جس میں اخلاق کا بیان ہے اور رسالہ ارکان دین جس میں دین کے ارکان کا ذکر ہے اسی ضرورت کے واسطے تالیف ہوا"

مندرجہ بالا تینوں رسائل یعنی ارکان دین، مظہر الاخلاق اور مظہر العقائد مدرسہ ضیاء الاسلام (دہلی) کے طلبہ کے لئے لکھے گئے تھے جیسا کہ تتمہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

(۴)

کشف الحجاب عن مسئلۃ لبناء والقباب مطبوعہ مطبع جید پریس دہلی

تالیف ۱۰ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

صفحات ۳۲ ———— سائز ۵×۸

یہ رسالہ مزارات پر قبوں کی تعمیر کی حلت و حرمت اور انہدام سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا جو دہلی کی جمعیۃ خدام الحرمین کے اراکین کی طرف سے حاصل کیا گیا تھا، غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب سرزمین حجاز میں صحابہ اور دیگر مقدس ہستیوں کے گنبدوں کو منہدم کیا جا رہا تھا جو ترکوں کی محبت و عقیدت کا شاہکار تھے، حضرت قبلہ قدس سرہ نے اس کا بڑا مدلل جواب مرحمت فرمایا ہے جس پر پاک و ہند کے اکثر علماء کی تصدیقات ہیں، ہم یہاں اس رسالہ کے بعض چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کریں گے جس سے حضرت کے انداز تحقیق اور مسلک کا اندازہ ہو سکے گا۔ اصل رسالہ "فتاوی مظہری" میں شامل کر دیا جائیگا۔

(۱)

قبور پر مطلق بنا مباح الاصل ہے، حدیث پاک اور ائمہ کرام کے کلام میں اگر اس کی ممانعت ہے تو کسی عارضی قبح اور خارجی علت کی وجہ سے ہے ———— ان علتوں میں سے جو حرمت اور کراہت کی مقتضی ہیں، شراح حدیث نے اور ———— فقہا نے ———— ایک علت یہ بیان

فرمائی کہ اس میں تفاخر ہے اور تفاخر حرام ہے نیز ان میں زینت بھی ہے اور میت کو زینت کی کیا حاجت
پس اس میں سراسر تضییع مال ہے ـــــــ دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ مشرکین کی عادت
سے تھا کہ وہ اپنے مُردوں کی قبروں پر ایک سال تک خیمہ نصب کرتے تھے تاکہ قبر پر سایہ رہے پس چونکہ
اس سایہ سے مردہ کو کچھ فائدہ نہ تھا محض کفار کی تقلید تھی۔ لہٰذا مخالفت فرما دی گئی ـــــــ
تیسری علت یہ بیان فرمائی کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ـــــــ پس معلوم ہوا کہ ان علتوں
کے وجود کے وقت قبر پر بنا یا حرام ہوگی یا مکروہ پھر کراہت میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور جمہور علماء
اس پر ہیں کہ بناء میں کراہت تنزیہی ہے۔ (ص ۔ ۶ و ۷)

(۴)

الحاصل مذکورہ صورتوں میں تو قبر پر بنا حرام یا مکروہ ہے لیکن مذکورہ علتیں اگر نہ پائی جائیں
اور کوئی شخص اپنی ملک میں کسی فائدے کی غرض سے قبر پر بنا کرے تو بلا کراہت جائز ہوگا، ملا
علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علت عدم فائدہ علامہ توربشتی سے نقل کرنے کے بعد اس پر تصریح
فرمائی :-

حیث قال قلت فیستفاد منہ اذا کانت الخیمۃ لفائدۃ مثل
ان یقعد القراء تحتہا فلا تکون منہیۃ الخ

اس قول سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ خیمہ کا نصب کرنا کسی فائدے کے لئے ہو مثلاً یہ
کہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر ختم قرآن کریں، یہ ممنوع نہیں۔

صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی اسی پر عمل رہا کہ جب کوئی فائدہ نظر
نہ آیا، منع فرمایا بلکہ خود ایسے خیمہ کو علیحدہ کر دیا ـــ چناں چہ بخاری میں ہے :-

ولما مات الحسن بن علی ضربت امرأتہ القبۃ علی قبرہ وقال
العینی وضرب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی قبرہ زینب بنت جحش
وضربت عائشۃ علی قبر اخیہا فنزعہ ابن عمر وضربہ محمد
بن الحنفیۃ علی قبر ابن عباس۔

جب حضرت امام حسن کی وفات ہوئی آپ کی بیوی نے آپ کی قبر پر خیمہ بشکل قبہ
نصب کیا اور عینی نے کہا کہ حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر نصب کیا اور
حضرت عائشہ نے اپنے بھائی کی قبر پر خیمہ نصب کیا جس کو ابن عمر نے (جب عرفہ

نہ دیکھی) تو کھلوا دیا، محمد بن حنیفہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر خیمہ نصب کیا۔ (ص ۸ و ۹)

(۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ صلحائے امت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کے مزارات مقدسہ پر جو قبے بنے ہوئے ہیں ان میں کوئی غرض صالح پائی جاتی ہے یا نہیں یا ان کے بانیوں کی غرض اس سے محض تفاخر ہی تھا پس جب ان میں غرض صالح پاتے ہیں تو ہرگز گمان نہیں کر سکتے کہ تفاخر ان کی بنا ہوئی کہ ظنوا المؤمنین خیرا۔ اور غرض صالح یہاں یہ ہے کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اصحاب باطن یہاں حاضر ہو کر فیض یاب ہوں اور یہ دونوں باتیں اہل سنت کے نزدیک جائز ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں :-

"از اولیائے مدفونین انتفاع جاری است"

نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مظاہر الحق میں فرماتے ہیں :-

تیسری قسم زیارت کی برکت حاصل کرنے کے لئے ہے وہ زیارت اچھے لوگوں کی قبروں کی ہے اس لئے کہ ان کے لئے برزخ میں تصرفات و برکات بیشمار ہیں انتہی

اور رد المختار میں امام غزالی سے (یہ قول نقل کیا ہے) ہے :-

انہم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالیٰ ونفع الزائرین بحسب معارفہم واسرارہم۔ (ص ۱۰)

(۴)

اولیاء اللہ، قرب باری تعالیٰ اور اپنے زیارت کرنے والوں کو نفع پہنچانے میں اپنی معرفت اور رموز کے لحاظ سے متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔

تحریر میں تفسیر روح البیان سے نقل فرمایا :-

قال الشیخ عبدالغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ما خلاصتہ ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمی سنۃ فبناء القباب علی القبور الاولیاء والعلماء والصلحاء امر جائز انتہی ——— وقال العلامۃ الباجوری فی حاشیتہ نعم استثناھما بعضہم للانبیاء والشہداء والصالحین ونحوہم انتہی۔

ترجمہ :- کتاب "کشف النور عن اصحاب القبور" شیخ عبد الغنی نابلسی نے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو وہ سنت کہی جاتی ہے لہٰذا اولیاء، علماء اور صلحاء کی قبروں پر قبوں کا بنانا جائز ہے۔

اور علامہ باجوری نے شرح ابن قاسم پر اپنے حاشیہ میں کہا، ہاں بعضوں نے انبیاء، شہداء صلحاء اور ان کے امثال کی قبروں پر قبوں کے بنانے کو حدیث النہی سے مستثنیٰ کر لیا ہے۔

اور مجمع البحار میں ہے :-

وقد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء والاولیاء والعلماء لیزور الناس ویستریحون فیه انتهی ۔

ترجمہ :- بلاشک سلف صالحین نے فضلاء، اولیاء، علماء کی قبروں پر بنا کرنے کو روا رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کرنے آئیں (اور اس میں آرام پائیں)۔

اسی طرح مرقات شریف میں ملا علی القاری علامہ تورپشتی سے نقل فرماتے ہیں :-

وقد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشهورین لیزورهم الناس ویستریحوا بالجلوس فیه انتهی ۔

ترجمہ :- سلف نے مشہور و معروف علماء و مشائخ کی قبروں پر بناء کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔ (از مؤلف)

اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں :-

در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیزہا افزودند تا آں جا ہیبت و شوکت اہل اسلام و ارباب اصلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہندوستان کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلائے شان ایں مقامات باعث رعب انقیاد ایشان است و بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف مکروہات بودہ در آخر زمان از مستحسنات گردیدہ انتہی ۔

تلخیص و ترجمہ

آخر زمانے میں اس لئے کہ عوام الناس ظاہر سے اثر قبول کرتے ہیں، مشائخ عظام کی قبروں پر مصلحتاً کچھ نہ کچھ اضافہ کر دیا گیا تاکہ اس سے اولیاء اللہ اور اسلام

کی شان و شوکت کا اظہار ہو خصوصاً ہندوستان میں کہ یہاں اسلام کے دشمن ہنود اور کفار بہت ہیں اس لیئے ان مقامات مقدسہ کی تزئین رعب و دبدبے کا باعث ہو گی، بہت سی ایسی باتیں اور ایسے طریقے جو پچھلے زمانے میں مکروہات میں سے تھے آخر زمانے میں مستحسنات میں شمار کیئے جانے لگے۔ (ص ۱۱-۱۲۹)

(۵)

مطلقاً ممانعت کی بھی کیسے جا سکتی ہے کہ جب خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حجرہ شریف رکھا گیا اور پھر حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس پر بنا کی اور ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ نے پرانے حجرہ شریف کو منہدم کر کر از سر نو اس کی تعمیر کی اور کسی نے اس پر انکار بھی نہ کیا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مطلقاً ہر شخص کی قبر پر بنا ممنوع و حرام ہے اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے اس کا ارتکاب کیوں کر ہو سکتا؟

قال عمرو بن دینار و عبید اللہ بن ابی یزید لم یکن علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حائط فکان اول من بنی علیه جداراً عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال عبید اللہ کان جداراً قصیراً ثم بنا٭ عبد اللہ ابن الزبیر و زاد فیه و عن رجاء بن حیوة قال کتب الولید بن عبد الملک الی عمر بن عبد العزیز و کان قد اشتری حجر ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم ان هدمها و وسع بها المسجد فقعد عمر فی ناحیة[ے] ثم بناه کما اراد فلما ان بنی البیت علی قبر و هدم البیت الاول ظهرت القبور الثلاثة الخ (عینی)

ترجمہ:- عمرو بن دینار اور عبداللہ ابن ابی یزید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حجرۂ نبویہ پر دیوار نہ تھی، اولاً حضرت عمر نے (خشت خام سے) دیوار بنائی، عبیداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی بنائی ہوئی دیوار چھوٹی تھی، پھر حضرت عبداللہ ابن زبیر نے دیوار بنائی اور سابق دیوار میں اضافہ کیا، رجاء بن حیوۃ سے

[ے] ثم امر بهدمها فما رأیت باکیاً اکثر من یومئذ ثم الخ

منقول ہے کہ ولید بن عبدالملک (خلیفہ اموی) نے عمر بن عبدالعزیز (عامل مدینہ طیبہ) کو جو ازواج مطہرات کے حجروں کو خرید چکے تھے، لکھا کہ حجروں کو شہید کر کے مسجد کی توسیع کردو، عمر بن عبدالعزیز ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور حجروں کے گرانے کا حکم دیا میں نے کسی رونے والے کو اس زور سے زیادہ روتا ہوا نہیں دیکھا پھر جس طرح چاہا مسجد کو تعمیر کیا جب سابق مکان کو گرا کر قبر شریف پر نئی تعمیر شروع کی تو تینوں قبریں ظاہر ہو گئیں۔ (ص ۱۴۳ و ۱۴۴)

اب رہا یہ کہ ان کا انہدام کہاں تک جائز ہے تو اس میں اصلاً شک نہیں کہ اگر یہ متیقن ہو کہ یہ زمین عامہ موقوفہ میں بہ اجازت مستحقین بنایا گیا ہے تب تو اس کا انہدام جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

لاضاعة المال ولاهانة صاحب القبر وكلاهما حرام۔

قبروں پر تعمیر ہو جانے کے بعد بوجہ نقصان مال واہانت صاحب قبر ہدم ناجائز ہے کیوں کہ مال کا ضائع کرنا اور صاحب قبر کی توہین کرنا حرام ہے۔

وقال الشافعي في كتاب الام فان كانت القبور في الارض يملكها الموتى في حياتهم او ورثتهم بعدهم لم يهدم شئ وانما يهدم ان هدم ما لا يملكه احد فهدمه لئلا يحجر على الناس موضع القبر فلا يدفن فيه احد، فيضيق ذلك با الناس انتهى ما فيه۔

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مُردوں کی قبریں ان کی یا ان کے ورثہ کی مملوکہ زمین میں ہیں تو ان پر کی عمارت سے ہرگز کچھ نہ گرایا جائیگا، اگر گرانا ہی ہے تو انہیں عمارات کو گرایا جائیگا جو موقوفہ زمین میں ہیں تاکہ لوگوں پر تنگی نہ واقع ہو۔

وقال في الاكمال وافتى ابن رشد بوجوب هدم ما بني في مقابر المسلمين من السقائف والقبب والروضات والنقض لربه قال فان كان في ملك الرجل فحكمه حكم بناء الدور انتهى۔

جو چھتیں اور قبے اور چمن مسلمانوں کے موقوفہ مقابر میں بنائے جائیں ان کے

گرا دینے کے فتوے کا ابن رشد نے فتوی دیا اور ٹوٹ ان کی ان کے مالک کو دلائی اور کہا کہ اگر وہ عام قبرستان نہ ہو بلکہ اس شخص کی ملک ہو تو اس کا حکم گھروں کی تعمیر کے مانند ہے (یعنی وہ جائز ہیں پس ان کو نہ گرایا جائے)

لیکن صرف اس خیال سے کہ یہ زمین موقوفہ میں پائے جاتے ہیں ان کو منہدم کرنے کی جرأت نہ کی جائیگی چناں چہ حاشیہ علامہ باجوری میں ہے :۔

ولو وجد بناء فی ارض مسبلة ولم یعلم اصله ترك لاحتمال ان یکون وضع بحق قبل تسبیلها۔ انتهی۔

ترجمہ :۔ اگر کوئی بنا مسبلہ زمین میں ہو اور اس حقیقت کا علم ہو کہ مملوکہ زمین میں ہے یا غیر مملوکہ زمین میں تو اس کو بحالہ چھوڑ دیا جائے کیوں کہ احتمال ہے کہ بناء اپنے ملک میں فی سبیل اللہ کر دینے سے پہلے ہوئی ہو۔

پھر ایسے قبوں کے ہدم میں جو زمین موقوفہ میں نہیں ہیں، علاوہ اضاعتہ مال کے بغیر حق شرع صاحب قبر کی سخت اہانت بھی ہے جو حرام ہے :۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لان يجلس احدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص الى جلده خير له من ان يجلس على قبر (رواه مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر پر بیٹھنے کی بہ نسبت بہتر ہے کہ تم میں سے کوئی آگ پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل کر آگ کا اثر جلد تک پہنچ جائے۔

وروى انه (عليه السلام) رأى رجلا متكئا على قبر فقال لا تؤذ صاحب القبر، قال الطيبي هو نهى عن الجلوس عليه لما فيه من الاستخفاف بحق اخيه۔

ترجمہ :۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ صاحب قبر کو تکلیف نہ دے، طیبی کہتے ہیں کہ یہی مطلب قبر پر بیٹھنے سے منع کرنے کا ہے کیوں کہ اس میں حق برادر کی توہین ہے۔

علامہ اجل سیدی عبد الغنی نابلسی، حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں :۔

معناه ان الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة والاستهانة فتاذی بذلك انتهی ۔

ترجمہ :۔ مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ان کے احترام نہ کئے جانے اور اہانت کئے جانے کا ادراک ہوتا ہے اور اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے ۔

علامہ اجل، شیخ الہند حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی قدس سرہ العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :۔

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیہ کردن بر قبر وے از جہت تضمن اہانت و استخفاف را بوے، انتہی

شامی میں ہے :۔

لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحیّ

اس لئے کہ جو چیزیں زندہ کے لئے باعث تکلیف ہیں وہ مردہ کے لئے بھی باعث تکلیف ہیں ۔ (ص ۱۶-۱۷)

(۷)

اگر ان عمارات کے ڈھانے کے لئے یہی حیلہ نکالا جاتا ہے کہ حضور نے ان کو ناپسند فرمایا ہے تو چاہیئے کہ جس جس کی عمارت بلند اور پختہ دیکھی جائے بے دھڑک ڈھانی شروع کر دی جائے کہ حضور نے ایسی تمام عمارات کو ناپسند فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے کلام تک ترک فرمایا اور جب تک انہوں نے اپنی اس عمارت رفیعہ کو ڈھا نہ دیا ان سے کلام نہ فرمایا چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا پورا قصہ ابوداؤد شریف میں مروی ہے جس کے آخر میں حضور کے یہ کلمات روایت کئے گئے ہیں کہ :۔

اما ان کل بناء وبال علی صاحبہ الا ما لا یعنی ما لابد منہ ۔

ترجمہ :۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ہر غیر ضروری عمارت اپنے مالک پر وبال ہے مگر وہی جس کے بغیر چارہ نہیں ۔

——— احادیث کے سمجھنے کے لئے فقاہت درکار ہے، حضور نے عمارات پختہ کو اس لئے ناپسند نہیں فرمایا کہ وہ ناجائز تھیں بلکہ اس لئے کہ اگر ابتدائے اسلام میں لوگوں کو آسائش کی جانب توجہ ہو گئی تو اسلام کی ترقی میں نقصان پہنچے گا ۔ (ص ۱۸-۱۹)

(۸)

اگر ایسے قبہ جات کا ہدم ضروری ہی تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اپنے غلبہ و سطوت اور فتح کے اور باوجود شدت اتباع سنت کے بیت المقدس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ السلام کے اور دیگر انبیائے کرام کے قبہ جات شریفیہ کو شہید کرنے کا حکم نہ فرمایا، چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بشارت محمدیہ کے صفحہ ۹۹۸ پر فرماتے ہیں :-

"مولانا احمد بن حسن ترعی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب مصباح الظلام میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام کو فتح کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر اور ان کے سوا اور انبیاء کی قبروں پر جو قبے تھے ان کو ڈھانے کا حکم نہیں دیا" - انتہی

(ص - ۱۹)

(۹)

آجکل قبوں کے ہدم کے جواز پر بہت کچھ زور دیا جا رہا ہے جس کا اصل منشاء یہ ہے کہ وہ قبہ شریفہ جس کو قبہ خضرا کہتے ہیں اور جس پر ہر مسلمان کہ جس کے دل میں حقیقی ایمان جلوہ گر ہے، اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے اگر خدانخواستہ منہدم کر دیا جائے تو مسلمانوں میں اضطراب نہ پیدا ہو، ———— آہ یہ وہ گنبد اقدس ہے جس پر نظر کرنے کو ہمارے علماء اسی طرح عبادت لکھ رہے ہیں جس طرح بیت اللہ پر نظر کرنے کو عبادت کہتے ہیں چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ منسک المتوسط میں اور ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

وليغتنم ايام مقامه بالمدينة المشرفة فيحرص على ملازمة المسجد والاعتكاف والختم ولو مرة منه واحياء ليله وادامة النظر الى الحجرة الشريفة (اى ان تيسر) او القبة المنيفة (ان تعسر فاوللتنويع) مع المهابة والخضوع (اى ومع الخشية والخشوع ظاهرا وباطنا) فانه (اى النظر المذكور) عبادة كالنظر الى الكعبة الشريفة انتهى -

ترجمہ :- مدینہ شریف میں اپنے قیام کے دنوں کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور مسجد نبوی میں برابر،

حضوری اور اس اعتکاف و ختم قرآن اگرچہ ایک بار ہو اور شب بیداری اور حجرہ شریف کی طرف اگر یہ میسر ہو یا قبہ بلند کی طرف اگر حجرہ شریف کی جانب نظر دشوار ہو برابر نگاہ جمائے رکھنے کی حرص ہونی چاہیئے کیوں کہ حجرہ شریف یا قبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے جس طرح کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔

بلکہ بعض علماء ادب کی راہ سے آنکھ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے چناں چہ علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:-

یلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر کما کان یفعل بین یدیه فی حیاته (اذ هو حیّ) ویستحضر علمه بوقوفه بین یدیه علیه الصلوٰة والسلام وسماعه لسلامه کما هو فی حیاتیا انتہی۔

ترجمہ:- زائر کو چاہیئے کہ اس دربار عالی میں ادب عاجزی و تواضع کو لازم پکڑے، نظر نیچی رکھے جس طرح حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں کرتا، کیوں کہ حضور ابھی زندہ ہیں اور اس بات کو دل میں جمائے رکھے کہ حضور علیہ الصلوٰة والسلام کو اپنی درگاہ میں میری حاضری کا علم اسی طرح ہے، اور میرے سلام کو اسی طرح سنتے ہیں جس طرح کے آپ اپنی حیات ظاہری میں دیکھتے اور سنتے تھے۔

(ص-۲۴و۲۵)

(۱۰)

افسوس جس بارگاہ بیکس پناہ کے حضور علماء زور سے بات کرنے کو بھی ناجائز جانیں وہاں یہ ستم کہ لوگوں کی دل ہلا دینے والی آوازیں گونج رہی ہیں، تفسیر روح البیان میں ہے:-

وقد کره بعض العلماء رفع الصوت عند قبره علیه السلام لانه حیّ فی قبره۔ انتہی

ترجمہ:- بیشک مکروہ جانا ہے بعض علماء نے حضور علیہ الصلوٰة والسلام کی قبر شریف کے نزدیک آواز کے بلند کرنے کو کیوں کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔

خدا کی قسم کہ میں اس سے کہ اس قبہ شریف کی توہین سے متعلق کچھ سنتا یہ بہتر جانتا تھا کہ میرے کان پھوٹ جاتے بلکہ اس سے پہلے میرا وجود ہی نہ رہتا ؎

سنگ درحضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

فقط واللہ تعالیٰ بالصواب اعلم و علمہ اتم و احکم۔ تحریر بتاریخ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ
حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ النقشبندی مجددی
امام مسجد فتح پوری، دہلی۔

حضرت کے اس جواب با صواب پر پاک و ہند کے علماء کی تصدیقات ہیں جو مندرجہ ذیل شہروں سے حاصل کی گئیں ہیں۔ دہلی، سنبھل، پھلوار شریف، مراد آباد، بمبئی، پشاور، نوشہرہ، رام پور، قصور، جہلم وغیرہ وغیرہ، ان تصدیقات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے، کہ ۳۷ سال کی عمر میں حضرت نے وہ تبحر اور علمیت پیدا کر لی تھی کہ پاک و ہند کے دور دراز علاقوں کے علماء بھی آپ کی فقاہت سے بے حد متاثر تھے، تمام تصدیقات کا نقل کرنا تو ممکن نہیں صرف دو علماء کی تصدیقات نقل کی جاتی ہیں:۔

(۱)

حضرت مولانا مولوی محمد عماد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنبھلی نے ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے:۔

اما بعد اس حقیر و فقیر نے عالم نبیل، اریب و نبیہ و فاضل جلیل ادیب و فقیہ حقیقت آگاہ، فضیلت پناہ المولوی مولینا حافظ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مفتی اہل سنت پیش امام مسجد فتحپوری، دہلوی، حنفی نقشبندی مجددی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ و استعلمہ فی رضائہ کا جو جواب باصواب بڑے غور سے مطالعہ کیا سبحان اللہ سبحان اللہ کیا صحیح و حق، دشمن دوز، فتن سوز، جواب ہے، کہ حقیقت نفس الامری کا انکشاف فرما دیا اور یہ آپ کی ذات ستودہ صفات کی پہلی ہی برکت نہیں بلکہ ہمیشہ ایسے معرکۃ الآراء مسائل کے حل شافی میں آپ کا ہی نفیس انداز ہے، واللہ تعالیٰ بالصواب اعلم علمہ جل مجدہ اتم و احکم، وانا الفقیر القادری محمد بن المدعو بعماد الدین، الحقہ اللہ تعالیٰ بسلفہ الصالحین۔ فقط

(ص - ۲۷)

(۲)

حضرۃ العلامہ مولینا مولوی محمد اجمل قادری رضوی سنبھلی قدس سرہ العزیز نے جن الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے

اس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں :-

امعنت النظر فی اجوبۃ الفاضل الاجل و العالم الابجل قدوۃ السالکین و اسوۃ الراسخین مفتی اھل السنۃ والجماعۃ حضرتنا الشیخ محمد مظہر اللہ جزاہ اللہ خیر الجزاء ــ فوجدتھا مملوۃ بالدلائل الساطعۃ والحجج القاطعۃ لاینکرھا الامن لایمیز الغث والسمین ولایلتفت الی الشمال و الیمین فللہ در المجیب وسخطہ علی من یریب ۔

(۵)

"تحقیق الحق" مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء

صفحات ۳۰۰ ــــــــــــــ سائز ۶×۵

حضرت غوث اعظم محی الدین گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کے لئے "گیارہویں شریف" کے اہتمام کے بارے میں ایک فتویٰ لیا گیا تھا جس کا پہلا جواب مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم نے دیا ہے، دوسرا جواب مولوی محمد عبدالرسول لکھنوی کا ہے اور تیسرا مفصل و مبسوط جواب حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کا ہے جس پر بیسیوں علماء کی تصدیقات ہیں، جن کا ذکر ہم نے معاصرین علماء کے باب میں کر دیا ہے ۔

حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم نے نفس فاتحہ اور گیارہویں شریف کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

۱- ایصال ثواب شریعت میں جائز بلکہ مستحسن ہے (ص-۴)

۲- ہاں اگر زیادت ثواب کے لئے نہ موثر سمجھے اور نہ حصول ثواب کی شرط قرار دے، صرف اتفاقی طور پر یا سہولت کار کے لئے دن مقرر کرے اور وہ گیارہویں ہی کو مقرر ہے تو اس کا فعل فی حد ذاتہ جائز ہوگا۔ (ص-۴ و ۵)

مفتی صاحب نے اصل اختلاف جو فرمایا وہ تخصیص یوم کے بارے میں ہے یعنی دن کو اس لئے مخصوص کرنا کہ یہ واجب ہے یا اس میں ثواب زیادہ ملتا ہے وغیرہ وغیرہ ـــــ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے تخصیص و توقیت کی

مزید تشریح اس طرح فرمائی ہے :-

(۱)

توقیت

توقیت یعنی "وقتِ معینہ پر کسی کام کو کرنا" ـــ دو حال سے خالی نہیں یا شرعی ہوگا یا عادی، توقیت شرعی یہ کہ شارع نے کسی کام کے لئے خود وقت مقرر فرمادیا خواہ اس طرح کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو ہی نہیں سکتا جس کے لئے وقت معین کیا ہے جیسے قربانی کے لئے ایام نحر ہیں اگر ایام نحر کے سوا دوسرے ایام میں جانور ذبح کیا جائے گا تو قربانی نہ ہوگی یا اس طرح کہ دوسرے وقت میں وہ کام تو ہو سکتا ہے لیکن بلا عذر تقدیم و تاخیر جائز نہیں جیسے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات معینہ یا تقدیم و تاخیر بھی جائز ہے لیکن زیادتی ثواب اسی وقتِ معینہ میں ہے جیسے نمازوں کے لئے اوقات مستحبہ ـــــ غرض ان مذکورہ صورتوں میں سے اگر کوئی صورت ہے تو وہ توقیت شرعی ہے ورنہ عادی ۔

توقیت عادی کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے تو ہر وقت اجازت ہے لیکن مصلحت یا مناسبت کی وجہ سے کسی قوم یا کسی خاص شخص نے اس کام کے لئے ایک وقت خاص اختیار کر لیا ہے، مثلاً وعظ و نصیحت کرنا ہر وقت جائز ہے لیکن اس زمانے میں اکثر علماء نے نمازوں کے بعد وعظ فرمانا اختیار کر لیا ہے سو ایسی تقرر و تعین ممنوع نہیں، گیارہویں اعراس و سوم و چہلم وغیرہ میں تخصیص یوم اسی قبیل سے ہے پس ممنوع نہیں ۔

(ص ـ ۸)

---

(۲)

غرض کہ توقیت و تخصیصِ یوم نہ مطلقاً بدعت ہے اور نہ مجیب اول (مفتی کفایت اللہ صاحب) نے اسے بدعت کہا بلکہ جو توقیت بدعت نہ تھی اس کا صاف اظہار کر دیا قطع نظر اس کے شارع ایسی تخصیص کی کراہت پر بھی کوئی دلیل نہیں چہ جائے کہ حرمت پر ــــــ اگر تتبع کیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانے میں کروڑوں

ہی صلحائے امت ایسے ملیں گے جو ہمیشہ ایسی تخصیص پر کاربند رہے پس اس کو بدعت کیسے کہا جاسکتا ہے بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ :-

سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل القرآن علیّ - رواہ المسلم

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور یہ کیا وجہ ہے کہ آپ پیر کے دن روزہ رکھتے ہیں فرمایا اس روز میں نے اپنے جلوہ سے اس دنیا کو روشن کیا ہے اور اسی روز مجھ پر کلام الٰہی نازل ہوا ہے، تو اس کے شکریے میں میں اس روز روزہ رکھتا ہوں"۔

اب دیکھئے کہ شکریہ کا روزہ رکھنے کے لئے ہر دن کو استحقاق مساوی درجہ کا حاصل تھا لیکن حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اس مناسبت سے کہ جس کے شکریہ میں یہ روزہ رکھا جاتا ہے اس کا حصول پیر کے روز ہوا ہے لہٰذا اس روزہ کے لئے پیر کا دن اختیار فرمایا اور اس میں اپنی امت کو ارشاد فرمادیا کہ ایسی تخصیص تمہارے لئے جائز ہے۔ (ص -۱۰۰)

الحاصل تخصیص عادی کی شارع سے ممانعت نہیں اور تخصیص عادی کو تخصیص شرعی کے حکم میں جاننا کھلی بدعت ہے یہی حال تخصیص شئے متعدد کا بھی ہے کہ اگر عادتاً تخصیص واقع ہوئی —— جائز اور اس کے ساتھ شرعی تخصیص کے احکام میں سے کسی حکم کو لاحق کیا تو بدعت ہے —— (ص-۱۰۰)

(۶)

"رسالہ در علم توقیت" مؤلفہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء (قلمی)

صفحات ۱۷

یہ رسالہ علم توقیت سے متعلق ہے، ابھی تک شائع نہیں ہوا، قلمی ہے، اس رسالے میں پہلے دیباچہ ہے اس کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، چوتھا اور پانچواں باب اس میں نہیں ہے،

باقی ابواب کی تفصیل یہ ہے :۔

۱- باب اوّل مصطلحات علم توقیت کے بیان میں

۲- باب دوم قواعد کے بیان میں

۳- باب سوم استخراج اوقات کے بیان میں

۶- باب ششم طریقۂ جدیدہ کے بیان میں

۷- باب ہفتم میل شمسی و تعدیل الایام

۸- باب ہشتم جداول ریاضیہ وغیرہ

اس رسالہ کا دیباچہ چوں کہ فائدے سے خالی نہیں اس لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب والصلوٰۃ والسلام علی السراج المنیر محمد وآلہ واصحابہ الی یوم المآب۔

امّا بعد ارباب بصائر پر پوشیدہ نہیں کہ جس طرح ہر مسلمان پر نماز فرض ہے اسی طرح نماز کے اوقات کا علم بھی فرض ہے، شریعت مطہرہ نے ان اوقات کے علم کے لئے جو علامات بیان فرمائیں جب تک صحیح دھوپ گھڑی اور بلند مقام میسر آئے وہ علامات بھی معلوم نہیں ہو سکتیں، اس دشواری کے رفع کرنے کے لئے ماہرین نے فن توقیت مدوّن فرمایا لیکن افسوس عوام درکنار علماء میں بھی شاذ و نادر ہی اس کا جاننے والا نظر آتا ہے کہ اس کے قواعد پر عمل میں سخت دشواری پیش آتی ہے نہ اس فن میں آج تک کسی کی اردو میں تصنیف نظر سے گزری، اس لئے احقر عباد اللہ فقیر محمد مظہر اللہ بن علامۂ وحید عصر حضرت مولینا محمد سعید شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلف امام العارفین، حجۃ العلماء الراسخین غیث الجود، وغوث المنجود حضرت مولانا محمد مسعود نور اللہ برہانہ نے مناسب جانا کہ اس فن میں کوئی مختصر رسالہ لکھ دیا جائے تاکہ عوام تک اس سے مستفید ہو سکیں، امید ہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے والے فقیر کو دعائے خیر سے نہ بھولیں گے فاللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

حضرت قدس سرہ کو علم توقیت میں مہارت تامہ حاصل تھی چنانچہ حضرت کی ایجاد پسند طبیعت نے اس میں ایجادات سے کام لیا اور ایسے طریقے ایجاد فرمائے کہ مشکل ترین سہل ترین ہو گیا —— اس علم کو سیکھنے کے لئے حضرت کے پاس باہر سے بھی لوگ آتے تھے، لوگوں کی دلچسپی ہی نے حضرت کو اس طرف متوجہ کیا کہ سہل طریقے اختراع فرمائیں، حضرت نے اس رسالہ میں خود ایک جگہ اس کا ذکر فرمایا ہے :-

البتہ چونکہ اصل قواعد میں تصرفات واقع ہوئے ہیں اس لئے دو چار سیکنڈوں کا فرق ضرور پڑے گا جو لابدی ہے، اور ان تصرفات کا باعث یہ ہوا کہ بعض اصل قواعد پر عمل سخت دشوار ہے چنانچہ نواح کابل سے ایک عالم اس کے سیکھنے کی غرض سے تشریف لائے لیکن جب انہوں نے ان دشواریوں کو ملاحظہ کیا بلا تحصیل ہی واپس ہو گئے، اس کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت واقع ہوئی —— نیز اس وجہ سے بھی کہ عرض بلد وغیرہ کے درجات بھی ایسے نہیں ملتے جس میں ثانیوں تک کا فرق نہ ہو، دقائق تک کے فرق ہوتے ہیں، تو اس صورت میں ان دشواریوں میں پڑنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے، بلکہ میں تو اس کے باوجود ابھی اس میں دشواریاں پاتا ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید تصرفات کرکے اس کو اور زیادہ آسان کر دوں، اس خیال کے پیش نظر آئندہ ابواب میں اس کو ایک جدید صورت میں پیش کرتا ہوں تاکہ طالبین پر اور زیادہ آسان ہو جائے اور ہندوستان کے بلاد کے اوقات نکالنے کے لئے جس جس کتاب کی ضرورت پیش آتی ہے اس سے بھی وہ مستغنی ہو جائیں البتہ اس میں یہ سقم ضرور رہے گا کہ کچھ زمانہ کے بعد دو چار سکنڈ کا اور بھی زیادہ فرق ہو جائے اس لئے کہ اس سال رواں ۱۹۳۱ء کی المنک سے میل شمسی اور تعدیل زمانہ لیا گیا ہے اور ہر سال اس میں کچھ نہ کچھ فرق دیکھا جاتا ہے اگرچہ وہ خفیف ہی ہی لیکن ہو سکتا ہے کہ زیادہ مدت کے بعد بین فرق ہو جائے لیکن وہ بھی ایسا فرق نہ ہوگا جو دس پندرہ سکنڈ کے فرق کو پہنچ جائے۔ (ص - ۲۷)

پہلے باب میں حضرت نے علم توقیت کی جن مصطلحات پر بحث کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے :-
درجہ و دقیقہ وغیرہ، خط استوا، خط نصف النہار، خط اوّل نصف النہار، خط سرطان، خط جدی، عرض بلد، طول بلد، میل شمسی، بعد میلی، بعد سمتی، انحراف شعاع، اختلاف المنظر، نصف قطر آفتاب، تعدیل الایام، جداول ریاضیہ، وقت ظاہری، وقت بلدی، فرق طول، وقت رائج، فاصلہ قطبی، وقت خاص، زائد متزائد وغیرہ۔
اسی طرح مختلف ابواب میں مختلف مسائل پر بحث کی ہے، سب کا بیان طوالت کا باعث ہوگا، اس رسالہ کے آخر میں حضرت نے ایک نقشہ تحریر فرمایا ہے جس کا عنوان ہے :-

"نقشہ مُظہر سمت قبلہ بلاد ہندوستان"

چوں کہ یہ افادیت عامہ کا حامل ہے اس لئے نقل کیا جاتا ہے :-

نقشہ مُظہر سمت قبلہ بلاد ہندوستان

اس نقشہ سے سمت قبلہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس بلد کا سمت قبلہ دریافت کرنا ہو اوّل اس کے طول بلد کے درجات کے اگر دقیقے ہوں ان کو عرض موقع کے دقیقوں کے فرق میں ضرب دے کر حاصل کو عرض موقع کے درجات میں اور لوگارثم محفوظ کے فرق میں ضرب دے کر حاصل کو لوگارثم میں جمع کرلیں پھر عرض موقع اور عرض بلد کے درجات کے تفاضل کی جیب لے کر اس کو محفوظ سے منہا کر دیجئے، حاصل کے قوس ظل لے کر اس کا نوّے درجے تک تمام لیجئے، یہ اس بلد کا قدر انحراف ہوگا، عرض بلد اگر عرض موقع سے کم ہے تو انحراف شمالی ہوگا اور زائد ہے تو جنوبی اور برابر ہے تو کچھ نہ ہوگا۔

درجات طول بلد	عرض موقع: درجہ	عرض موقع: دقیقہ	لوگارثم محفوظ	فرق فی دقیقہ محفوظ
۶۶	۲۳	۳۳ ۱۸ء۱۸	۹٫۶۴۷۲۰۱	۳۰۷٫۶۵
۶۷	"	۴۴ ۱۹ء۱۹	۹٫۶۶۵۶۶۰	۲۹۹٫۵۳
۶۸	"	۵۵ ۲۰ء۲۰	۹٫۶۸۳۶۳۲	۲۹۱٫۵۰
۶۹	۲۴	۷ ۲۱ء۲۱	۹٫۷۰۱۱۰۲	۲۸۳٫۵۰
۷۰	"	[illegible]	۹٫۷۱۸۱۱۲	۲۷۷٫۴۳

درجات طول بلد	عرض موضع		لوگارثم محفوظ	فرق فی دقیقہ محفوظ
	درجہ	دقیقہ		
۷۱	۲۴	۳۳ ۰٫۲۳	۹٫۷۳۴۷۵۸	۲۷۰٫۹۰
۷۲	″	۳۷ ۰٫۲۴	۹٫۷۵۱۰۱۲	۲۶۵٫۹۲
۷۳	۲۵	۱ ۰٫۲۵	۹٫۷۶۶۹۶۷	۲۵۹٫۳۳
۷۴	″	۱۶ ۰٫۲۵	۹٫۷۸۲۵۲۷	۲۵۶٫۲۷
۷۵	″	۳۲ ۰٫۲۶	۹٫۷۹۷۹۰۳	۲۵۰٫۵۷
۷۶	″	۴۹ ۰٫۲۸	۹٫۸۱۲۹۳۷	۲۴۷٫۲۸
۷۷	۲۶	۶ ۰٫۳۲	۹٫۸۲۷۷۴	۲۴۲٫۲۶
۷۸	″	۲۵ ۰٫۳۱	۹٫۸۴۲۳۱۰	۲۳۹٫۶۵
۷۹	″	۴۴ ۰٫۳۳	۹٫۸۵۶۶۸۹	۲۳۷٫۴۳
۸۰	۲۷	۳ ۰٫۳۵	۹٫۸۷۰۹۳۵	۲۳۳٫۳۰
۸۱	″	۲۴ ۰٫۳۶	۹٫۸۸۴۵۳۳	۲۳۰٫۵۷
۸۲	″	۴۶ ۰٫۴۰	۹٫۸۹۸۷۶۷	۲۲۹٫۲۰
۸۳	۲۸	۸ ۰٫۴۰	۹٫۹۱۲۵۱۹	۲۲۵٫۸۵
۸۴	″	۳۲ ۰٫۴۱	۹٫۹۲۶۰۷۰	۲۲۳٫۸۷
۸۵	″	۵۷ ۰٫۴۳	۹٫۹۳۹۵۰۲	۲۲۲٫۱۵
۸۶	۲۹	۲۳ ۰٫۴۵	۹٫۹۵۲۸۳۱	۲۲۰٫۶۵
۸۷	″	۵۰ ۰٫۴۷	۹٫۹۶۶۰۷۰	۲۱۹٫۳۸
۸۸	۳۰	۱۸ ۰٫۴۹	۹٫۹۷۹۲۳۳	۲۱۸٫۱۸
۸۹	″	۴۷ ۰٫۵۰	۹٫۹۹۲۳۲۴	۲۱۶٫۴۸
۹۰	۳۱	۱۸ ۰٫۵۵	۱۰٫۰۰۵۳۱۳	۲۱۴٫۴۱
۹۱	″	۵۱	۱۰٫۰۱۸۱۷۸	

مثال

اس نقشہ سے دہلی کی سمت قبلہ کے انحراف کے درجے نکال کر تحریر کئے جاتے ہیں :-

دہلی عرض بلد = ۲۸-۳۹
طول بلد = ۷۷-۱۷

عرض موقع	محفوظ	ف ۱	ف ۲
		۰٫۳۲	۲۴۲٫۲۶
		۱۷	
۶—۲۶	۹٫۸۲۷۷۷۴	۲٫۲۴	
۶	۴۱۱۸	۳٫۲	
موقع = ۱۲—۲۶	محفوظ = ۹٫۸۳۱۸۹۲	۵٫۴۴	
عرض بلد = ۳۹—۲۸	جیب = ۸٫۶۳۰۹۱۱	ف ۲	
ف = ۲—۲۷	ظل = ۱۱٫۲۰۰۹۸۱	۲۴۲٫۲۶	
قوس = ۶۳—۴۴		۱۷	
		۱۶۹۵٫۸۲	
تمامہ = ۲۶—۳	قدر انحراف جنوبی	۲۴۲۲٫۶	
		۴۱۱۸٫۴۲	

(۷)

"موجودہ مصائب کا واحد علاج" مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

صفحات ۱۶

دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ہندوستان کے مسلمان بھی کچھ کم مصیبت میں نہ تھے گرانی سے معیشت کو خطرہ، جنگ سے جان کو خطرہ، ہندوستان کے ہر بڑے اور چھوٹے شہروں میں لاتعداد پناہ گاہیں بنائی گئیں تھیں جنگ کا پورا پورا اہتمام تھا، خوف و دہشت کے ان موقعوں پر اسلام نے جو علاج پیش کیا ہے وہ توجہ الی اللہ ہے جو سارے دردوں کا مداوا ہے پاک و ہند کی جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہم خود مشاہدہ کر چکے ہیں لیکن انسان کی یہ فطری خامی ہے کہ وہ خوف سے مرعوبیت کے وقت ایسا حواس باختہ ہو جاتا ہے کہ اپنے خدا کو بھول کر مادی اسباب کی فراہمی میں لگ جاتا ہے ؎

اللہ کو پا مردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

بہرکیف ایسے نازک موقعوں پر خود فراموشوں کو خدا کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے یہ فرض اہل اللہ نے ادا کیا ہے اور خود پیکر استقامت بن کر دوسروں کے لئے نمونہ بنے ۔ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی مقدس ہستیوں نے دہلی کے پُرآشوب انقلابات دیکھیں ہیں مگر پائے استقامت متزلزل نہ ہوسکا، اسی طرح جن لوگوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے زمانے میں حضرت مرحوم کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ خوف و دہشت کی تاریکیوں میں حضرت کی ذات گرامی آفتاب ہدایت اور مہتاب طمانیت تھی، بات یہ ہے کہ انسان عالم سراسیمگی میں اپنی طرف نظر رکھتے ہوئے حفاظت کی فکر کرتا ہے وہ "غیر" پر نظر رکھتا ہے اور جب وہ حافظ حقیقی کی طرف نظر رکھتا ہے تو اس کی نظر غیر پر نہیں "عین" پر ہوتی ہے، جب تک غیریت پسندی رہے گی پیکر خاکی آتش حزن و ملال میں جلتا رہے گا، اور جب عینیت پسند ہوگا تو اس کی ذات آتش زن ہر خرمن ہوگی، اسی لئے تو فرمایا ہے :۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

پیش نظر رسالہ میں حضرت مرحوم نے جنگ سے مایوس ہونے والوں کی ڈھارس باندھی ہے، اور ان دعاؤں کو یکجا کرکے پیش کیا ہے جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں، دعا کی تاثیر کی طرف خود قرآن کریم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے :۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ الخ

اب ہم اس رسالہ سے اقتباس پیش کرتے ہیں :۔

(۱)

اس زمانے کی جنگ وہ عالم گیر جنگ ہے جس کے اثرات سے دنیا کے کسی گوشہ کا رہنے والا بھی مامون نہیں ایسی ہمہ گیری کو جنگ سے کیا علاقہ کہ یہ تو غضب الٰہی کا خاصہ ہے پس حقیقت یہی ہے کہ ہماری بداعمالیوں کا یہ ثمرہ ہے جو جنگ کی صورت میں نمودار ہوا ہے اور جس کی وجہ سے خطرات گوناگوں کی اندھیریوں میں ہر فرد بشر حیران و خوف زدہ نظر آتا ہے تو ——

میرے عزیزو! اگر عافیت چاہتے ہو تو وہ یوں ہرگز میسر نہ آئیگی کہ گھبراہٹ

اور پریشانیوں کا اظہار کر دیا کسی محفوظ جگہ کی تلاش ہی کو ذریعہ نجات سمجھو بلکہ اس کا تو صرف واحد علاج یہی ہے کہ اس کے سبب کو دور کرو یعنی معاصی کی طرف توجہ کیجئے اور جہاں تک ہو سکے صدقات دیجئے کہ صدقہ غضب الٰہی کی آگ کو بجھاتا ہے، کثرت سے استغفار کیجئے کہ استغفار ہر سختی کو دور کرنے والا ہے، اپنے اوقات کو دعا سے معمور رکھیئے کہ ردّ بلا میں دعا سے زیادہ کوئی موثر شئے نہیں، اس پر عامل گرفتار بلا میں سے اس طرح صحیح سلامت نکل جاتا ہے کہ دیکھنے والے متحیّر رہ جاتے ہیں، چنانچہ زیکوزان میں اس جنگ کی وجہ سے جو تباہی ظہور میں آئی وہ کسی پر پوشیدہ نہیں جن مظالم کا وہاں مظاہرہ کیا گیا اس کے تصور سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے، بے شمار نفوس مارے گئے لاتعداد مظلومین بے وطن ہوئے، اکثر مقامات وہاں کے ویران اور کھنڈر پڑے ہیں، لیکن بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس ہی میں ایک محلہ ایسا بھی ہے جس پر اس سانحہ ہوش ربا کا مطلق بھی اثر نہ ہوا تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کے رہنے والے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کئے ہوئے اصلی تدبیر سے غافل نہ رہے اور اس کے جناب میں خضوع و خشوع سے نماز روزہ، درود و استغفار کے ساتھ استعانت کرتے ہوئے دعاؤں میں مصروف رہے، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان پر آنچ بھی نہیں آئی۔

پس ہمیں بھی اس آفت کا مقابلہ انہیں چیزوں سے کرنا چاہیئے لیکن نہ رسمی و رواجی طور پر بلکہ اس طریق سے جو نتیجہ خیز ہو۔

(ص - ۲۷۲)

(۸)

"خزینۃ الخیرات" مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی، ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

صفحات ۱۶ ———— سائز ۴ × ۶

یہ رسالہ حضرت مرحوم نے فسادات ۱۹۴۷ء کے زمانہ میں تالیف فرمایا اس میں چند مفید دعاؤں کو جمع کر کے پیش کیا ہے یہاں دیباچہ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ السمیع المجیب الصلوٰۃ علیٰ حبیبہ الشفیع النجیب وعلیٰ آلہ واصحابہ مع الحبیب اللبیب، اما بعد مسلمان کچھ زمانے سے جن پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور مصائب و بلیات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کا علاج تو صرف یہ ہے کہ جن اعمال قبیحہ کی بدولت یہ آفات و بلیات پیش آرہے ہیں ان کو ترک کریں اور اپنے مولائے کریم کے حضور صمیم قلب سے بدرجہ غایت تضرع وزاری و عاجزی و انکساری کے ساتھ استغفار اور دعا کریں کہ یہ نسخہ خود اسی کا بتلایا ہوا ہے ممکن ہی نہیں کہ یہ خطا کر جائے اور تم بلاؤں میں پھنسے رہو، چناں چہ وہ فرماتا ہے :-

"جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تھی تو وہ گڑگڑائے کیوں نہیں؟"

بلکہ استغفار و دعا کا ترک کرنا اگرچہ چاروں طرف سے نعمتوں کی بارش ہی کیوں نہ ہو رہی ہو، خود ہی مسلمان کے لئے ایسا ہے کہ اس پر بلاؤں کا دروازہ کھول دیتا ہے چناں چہ حدیث قدسی میں ہے :-

"جو مجھ سے دعا نہ کرے گا اس پر غضب فرماؤں گا"

اعاذنا اللہ تعالیٰ ———

تو میرے عزیزو! غور کرو کہ کیا یہ مصائب یوں جائیں گے کہ بجائے اس کے کہ ان سے دور کرنے کی تدبیر کی جائے اور بھی زیادتی کے اسباب پیدا کئے جا رہے ہیں معاصی کے ارتکاب میں فرق ضرور پیدا کر دیا ہے مگر یوں کہ بہ نسبت پہلے کے کچھ زائد کر دیئے اور اس کریم کے حضور بجائے تضرع وزاری کے اس کے دشمنوں کے منہ پر اس کی شکایتیں کی جانے لگیں، کسی پر اپنے سے ظلم ہو گیا ہے تو بجائے اس کے کہ اس سے معاف کرایا جائے اور ظلم کا اضافہ کر دیا، افسوس ان باتوں سے یہ امراض دور ہوں گے یا اور ترقی پائیں گے ؟

یہ صحیح ہے کہ اب پریشانیاں قابل برداشت نہیں ہیں لیکن اس کا کیا علاج کہ خود ہی تو تم نے اس تعالیٰ سے طلب کی تھیں وہ تو مجیب الدعوات ہے جو طلب کیا تھا وہ تمہیں دے دیا گیا، اب اس کی جناب میں شکایت کا کیا موقع، اگر یہ چاہتے ہو کہ یہ مصائب دور ہوں تو اس کی بارگاہ میں اس کی طلب کرو، وہ تعالیٰ

تمہیں اس میں کامیاب فرمائے گا مگر شرط یہ ہے کہ طلب سچی طریقہ پر ہو، وہ طریقہ اختیار کیجئے جو آپ کے ساتھ ایسا منگتا اختیار کرتا ہے جس کو سوائے آپ کے در کے کوئی در نہیں دکھلائی دیتا کم از کم وہ ہیئت تو بنایئے جو آپ کی ایک جلیل القدر بادشاہ کے حضور ایسے وقت ہوتی ہے جب کہ بغاوت کے جرم میں آپ کو پیش کیا گیا ہو، اس بارگاہ کے آداب کا پوری طرح خیال رکھیں، اگر اس میں کچھ قصور ہوا جس سے دعا رد کردی گئی تو شکایت کی گنجائش نہ ہوگی کہ خود اپنا ہی قصور رہے۔ (ص - ۲۹۲)

(۹)

"اسفاء المحال فی رویۃ الہلال" مطبوعہ جید برقی پریس دہلی،

مؤلفہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

صفحات ۳۲ ——— سائز ۴×۶

یکم ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ کو شہر جے پور کے قاضی عقیل احمد عثمانی نے حضرت مرحوم کو ایک فتوی ارسال کیا تھا جس میں سوال کیا گیا تھا کہ تار، ٹیلیفون، خطوط اور ریڈیو کی خبر عینی شہادت کی طرح معتبر اور قابل عمل ہے یا نہیں، حضرت نے اس کا مدلل جواب مرحمت فرمایا تھا جو دہلی سے شائع بھی ہوگیا تھا، حضرت کے دلائل کا بیان تفصیل طلب اس لئے یہاں صرف چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جس سے اس سلسلے میں حضرت کے شرعی خیالات کا اندازہ ہو جائے، اصل رسالہ "فتاوی مظہری" میں شامل کردیا جائے گا۔

(۱)

اصل اس باب میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے کہ :-

لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له وفی روایة فاکملوا العدة ثلثین (متفق علیه) ای حتی یثبت عندکم رؤیة هلال بشهادة (مرقات)

ترجمہ :- یعنی (بہ نیت رمضان) روزہ رکھو تا وقتیکہ چاند نہ دیکھ لو اور نہ افطار کرو جب تک اسے نہ دیکھ لو (یعنی تمہارے نزدیک جب تک ثابت نہ ہو جائے) تو اگر تم پر (مطلع

صاف نہ ہونے کی وجہ سے) چاند پوشیدہ کر دیا جائے تو اس کے لئے اندازہ کر لو،
یعنی تیس روزے پورے کر لو۔

اس حدیث پاک کا مضمون تو ظاہر ہے کہ روزہ رکھنے اور اس کے ترک کرنے کی ممانعت رؤیت ہلال کے نہ ثابت ہونے پر فرمائی ہے، نیز ارشاد ہے کہ:۔

اگر چاند تمہارے دیکھنے میں نہ آئے تو تم تیس روزے پورے کر لو تمہارے تار وغیرہ سے اس ٹٹول کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چاند کہاں ہوا کہاں نہیں؟ کہ یہ تمہیں کچھ مفید نہ ہوگا۔" (ص۔۲و۳)

(۳)

رہا ریڈیو تو اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ اس میں ایک غائب آدمی کی آواز سُنی جاتی ہے جس کی نہ خلقت کا علم ہو سکتا ہے اور نہ اخلاق کا اور اوپر گذرا کہ جانا پہچانا آدمی بھی اگر دیوار کے پیچھے سے بولے تو اس باب میں اس کا کچھ اعتبار نہیں جس میں ریڈیو جیسے سبھی آلات کا حکم تو موجود ہے سمجھنے کے لئے فہم درکار ہے ورنہ فقہائے کرام (شکر اللہ مساعیہم) نے تو ہمارے اجتہاد کے لئے کوئی ضرورت بھی باقی نہ رکھی۔ (ص۔۹)

(۴)

بعض حضرات کو ایک شبہ یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اس لئے کہ فقہا تصریح کرتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چاند ثابت ہو جائے تو مشرق سے مغرب تک ہر اس مقام کے رہنے والوں پر چاند کا ماننا لازم ہو جاتا ہے جن کو ان کی خبر پہنچے لہٰذا ان ذرائع سے جہاں خبر پہنچے گی ان پر چاند کا ماننا لازم ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کہ ہر طرح کی خبر سے چاند کا ماننا لازم ہوتا ہے بلکہ خبر مستفیض سے اور خبر مستفیض کی تعریف ہم بحوالہ شامی و منحۃ الخالق بتا چکے ہیں کہ متعدد جماعت کا خبر دینا بنے ہر ایک کی خبر —— منحۃ الخالق میں ہے:۔

کل من استفاض عندھم خبر تلک البلدۃ یلزمھم اتباع اھلھا ویدل علیہ قولہ ویلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذ الیس المراد باھل المشرق جمیعھم بل بلدۃ واحدۃ تکون کما لا یخفی۔ انتھی

اور اسی میں ہے :-

لا مجرد الاستفاضة لانها قد تکون مبنیة علی اخبار رجل واحد مثلا فیشیع الخبر عنه ولا شك ان هذا لا یکفی بدلیل قولهم اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا یکون الا بما ذکرنا

(ج-۲، ص-۲۷۰) (ص-۱۷)

(۵)

کیا کبھی کسی سرکاری محکمہ کو دیکھا ہے کہ ان ذرائع سے کسی مقدمہ میں شاہدوں کی شہادت مان کر کوئی حکم نافذ کرتا ہو، اگر نہیں تو دینی احکام نافذ کرنے کی اس سے کیوں توقع کی جاتی ہے ؟- اور اگر دنیاوی معاملات پر ہی قیاس کی ٹھہری ہے تو پھر چاند دیکھنے اور ریڈیو سننے کی تکلیف بھی کیوں گوارا کی اس باب میں تو جنتریوں پر عمل درآمد ہے تو چاہیئے کہ رویت کے مسئلے ہی کو ختم کر دیا جائے، جنتری دیکھی اور عید کر لی کہ اس میں تو بعض فقہاء بھی آپ کی تائید فرماتے ہیں، مراقی الفلاح میں ہے :-

وقول اولی التوقیت لیس بموجب وقیل نعم و البعض ان کان یکثروا - (ص-۱۸)

(۶)

وہ کون مجتہد ہے جس کے نزدیک ریڈیو کی خبر سے سلطان تمام ملک میں رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتا ہے ؟ —— درمختار میں ہے :-

"الاصل ان القضاء یصح فی موضع الاختلاف لا الخلاف و الفرق ان للاول دلیلا لا الثانی"

علاوہ ازیں سیاسی اور انتظامی امور کا یہ مسئلہ نہیں ہے جس میں اس کا حکم نافذ ہو جاتا ہے اس کا تعلق حقوق سے ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے ولی خاص کے ہوتے ہوئے ولی عام کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا - چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے :-

الولایة الخاصة اقوی من الولایة العامة ولهذا قالوا ان القاضی لا یزوج الیتیم والیتیمة الا عند عدم ولی

لهما فی النکاح ولو ذا رحم محرم او اما او معتقًا وعلی هذا ان القاضی لا یملک التصرف فی مال الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبله ۔ انتہی

اور پھر سلطان کو بھی اگر اختیار رہے تو ایسے امور میں صرف اسی قدر جس قدر قاضی کو ہے بلکہ اس میں بھی فقہا کا اختلاف ہے چناں چہ عالمگیری میں ہے :۔

السلطان اذ حکم بین اثنین لا ینفذ وا فی ادب القاضی للخصاف فیحذ، هو الاصح ، به یفتی کذا فی الخلاصه ۔

شامی میں ہے :۔

لو کان امرا ئی اماما فلا یامر الناس بالصوم ولا بالفطر اذا رآہ وحدہ ویصوم هو کما فی الامداد ۔ انتہی

اور فتح القدیر میں ہے :۔

لا فرق بین کون هذا الرجل من عرض الناس او کان الامام فلا ینبغی للامام اذا رآہ وحدہ ان یامر الناس بالصوم و کذا فی الفطر بل حکمه حکم غیرہ ۔ انتہی

(ص ۔۲۱ و ۲۲)

(۷)

یہاں تک تو کلام اس بنا پر تھا کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہ تھا اور اسی پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہے لیکن چوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہر مقام کا مطلع جدا ہوتا ہے اور ایک مقام میں جس روز چاند نظر آتا ہے بعض بہت سے دوسرے مقامات میں اس روز چاند نظر نہیں آتا، آپ نے ہمیشہ سنا ہوگا کہ مکہ معظمہ میں یہاں سے ایک دن پہلے چاند ہوا لیکن باوجودیکہ ایک جماعت عظیم آپ کو آکر اس کی خبر دیتی ہے اپنے لئے آپ کبھی اس پر عمل کو جائز نہیں کہتے علاوہ اس کے بہت سے محققین فقہا نے بھی اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ دو شہروں کے درمیان فاصلہ کثیر ہو تو ایک شہر کی رویت دوسرے کے لئے معتبر نہیں (اور اس فاصلۂ کثیر کا اندازہ چوبیس فرسخ یا ایک ماہ کی مسافت بتلائی ہے) چناں چہ علامہ زیلعی اور صاحب التجرید اور صاحب الفیض وغیرہم اسی کو موافق حدیث وقیاس اور اشبہ کہہ رہے ہیں اور

ظاہر الروایۃ کو اسی صورت پر محمول کرتے ہیں جب کہ دو بلاد وں کے درمیان فاصلہ بعید ہو، یہاں تک کہ محقق رافع الظلام علامہ ابن ہمام نے بھی اس کو اولیٰ فرمایا :-

حیث قال و مختار صاحب التجرید وغیرہ من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع وعورض علیھم بحدیث کریب (الحدیث) و لاشك ان ھذا اولیٰ لانہ نص و ذلك محتمل لکون المراد امر کل اھل مطلع بالصوم لرؤیتھم کذا فی فتح القدیر۔

فتاوی سراجیہ میں ہے :-

اھل بلدۃ صامو اللرؤیۃ بثلٰثین یوما و اھل بلدۃ اخریٰ تسعۃ و عشرین یوما للرؤیۃ فعلی ھٰؤلاء قضاء یوم الا اذا کان فی البلدتین تباین بحیث یختلف المطالع۔ انتہی

مستخلص میں ہے :-

والعمل بقول من رای لا بقول من لم یر ھٰذا اذا کان بین البلدتین تقارب بحیث لا یختلف المطالع وان کان یختلف لایلزم اھل احدی البلدۃ حکم الاخر ھٰذا کلامہ ولا خفاء فی انہ قد اعتبر اختلاف المطالع (کذا فی المستخلص ناقلا عن الفتاوی الکبیر) ۔ (ص۔۲۴۴تا۲۶)

(۸)

اور مولانا گنگوہی نے بھی اپنے فتاوی میں اس کو معتبر رکھا ہے، تو عید اضحیٰ میں تو اگر ریڈیو ایسے مقامات سے رویت ہلال کی خبر دے جس کا مطلع جدا مانا گیا ہے تو اس صورت میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہی اقوی ہے کہ وہ علماء جو مطلقاً اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے وہ بھی اس جگہ اعتبار کر رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ھٰذا ما عندی وعلم حقیقۃ المسئلۃ عند ربی۔

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفر لہ الاٰثام

مسجد جامع فتح پوری، دہلی

۶ ذوالحجۃ ۱۳۷۰ھ

(۱۰)

"فتوٰی رویت ہلال" مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء

"مسجد جامع فتحپوری دہلی میں سالہا سال سے حضرت مرحوم کی سرپرستی میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا اور اسی فیصلے کے مطابق چاند کے ہونے نہ ہونے کا اعلان کیا جاتا تھا۔ حضرت مرحوم کے نزدیک چوں کہ ریڈیو اور ٹیلیفون وغیرہ کی خبر معتبر نہ تھی اس لئے زمانے کے حالات سے بعض علماء نے اس سے اختلاف کیا اور ایک عرصہ بعد دوسری رویت ہلال کمیٹی قائم کی جس کا پہلا اجلاس جامع مسجد دہلی میں ہوا، اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۵۹ء میں اس کی تفصیلات موجود ہیں اس کمیٹی نے جو فیصلہ کیا تھا وہ یہ ہے:۔

مجلس نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کرایا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلمان معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے قصبوں اور شہروں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو اس پر عمل کیا جائے یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔

(ص - ۳)

اس فیصلے پر ۲۲ علماء کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں، اس فیصلے کے پیش نظر دہلی کے ایک صاحب محمد عاشقین نے حضرت سے چند استفسارات کئے ہیں، مذکورہ بالا رسالہ میں حضرت نے اسی کا مختصر جواب دیا ہے، یہ رسالہ صرف ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، فتوٰی ۲۰ مارچ ۱۹۵۹ء کو پیش کیا گیا تھا، یہاں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :۔

(۱)

اس فیصلے پر تو بائیس ۲۲ علماء کا اتفاق نظر آتا ہے لیکن اگر اس کو ریڈیو کا ہم نوا تسلیم کیا جائے تو اس کے مخالف بیسیوں نہیں سیکڑوں اور ہزاروں علماء کا اتفاق نظر آتا ہے، اسی آپ کی دہلی میں کیسے کیسے بڑے بڑے فضلا گزرے ہیں مثلاً مولانا ابو الخیر شاہ صاحب مولانا مسعود

شاہ صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب، مولانا سید نذیر حسین صاحب، مولانا محمد شاہ صاحب، مولانا ابو محمد عبدالخالق، مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب، مولانا کرامت اللہ صاحب، مولانا محمد عمر صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا عبدالعلی صاحب وغیرہم اور ان کے علاوہ دوسرے مقامات کے تو اس قدر علماء ہیں جن کا شمار میں آنا ہی دشوار ہے مثلاً مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، وغیرہم ان حضرات کے زمانے میں تار، ٹیلیفون موجود تھے لیکن کسی نے بھی چاند کے باب میں ان کا اعتبار نہیں کیا اور ان کے غیر معتبر ہونے پر ہی فتوی صادر کئے بلکہ بعض نے اس پر مستقل رسالے شائع کئے۔

(ص ۔ ۵)

(۲)

میری نظر سے متعدد رسائل اس مسئلے میں گزرے جن میں علماء کے فتاوے کو جمع کیا گیا ہے سب میں علماء کو اس پر متفق پایا کہ ریڈیو ٹیلیفون جیسے آلات کی خبر سے چاند کی رویت کا ثبوت نہیں ہو سکتا، مولانا عبدالحی صاحب خطیب جامع رنگون نے علمائے عرب ترکستان و ہندوستان کے بڑے بڑے چالیس سے زیادہ علماء کے فتاوے عربی کے مرتب کئے، مولانا سید شاہ محمود حسن صاحب نے رسالہ مسمی بہ "جامع الاقوال" مرتب کیا جس میں ۳۲ علماء کے فتاوے جمع کئے اور قیس محمد خان صاحب قادری نے رسالہ مسمی بہ "عید کا چاند" تالیف کیا جس میں ۱۹۵ علماء کے فتاوے اور تصدیقات ہیں، اسی طرح اور بھی حال میں کئی رسالے ایسے نظر سے گزرے جن میں بیسیوں علماء کے فتاوے اور تصدیقات اس پر ہیں کہ چاند کی رویت کا ثبوت تار ٹیلیفون اور خطوط سے نہیں ہو سکتا۔

(ص ۔ ۶)

(۳)

بلکہ بعض علمائے متبحرین تو جواز ابھی ان کو روزہ کے باب میں قابل اعتبار نہیں جانتے اور خبر مستفیض میں داخل نہیں فرماتے، چناں چہ مولانا مشتاق احمد کانپوری فرماتے ہیں :۔

صرح علمائنا الکرام بان فی الامور الشرعیۃ ھذہ الخطوط لیست بمعتبرۃ اصلاً۔

اور حضرت مہر علی شاہ صاحب (گولڑہ شریف) فرماتے ہیں :-

والکتاب المرسل بالواسطة مثل التلغراف فی کل القوم -

یونہی بکثرت علماء کا یہی مسلک ہے - (ص - ۷)

(۴)

نواب حیدرآباد ہمیشہ چاند کے ہونے کا تار بھیجتے رہے نہیں مانا گیا، آخر نواب صاحب موصوف دہلی آئے اور مفتی صاحب (مولوی کفایت اللہ مرحوم) کو اور مجھ کو بلایا، مفتی صاحب تشریف لے گئے لیکن میں نہیں گیا (کہ اپنے میں اس کی قابلیت نہ پائی) جب مفتی صاحب مل کر تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ کیوں بلایا تھا، فرمایا کہ تار کے متعلق پوچھتے تھے میں نے کہدیا کہ شرعاً یہ معتبر نہیں -

(ص - ۸)

اس رسالے کے آخر میں حضرت مرحوم نے مسلمانوں کو بڑی دل سوزی کے ساتھ وصیت فرمائی ہے کہ وہ ان لوگوں کی پیروی کریں جن کی روش مجتہدانہ نہیں بلکہ سلف کے راستہ پر گامزن ہیں، فرماتے ہیں :-

(۵)

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تو تشریف لے جاچکے اب فقیر بھی اپنی عمر پوری کر چکا ہے آج نہیں کل اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائیگا، اس لئے تمہیں وصیت کرتا ہے کہ تم ایسے امور میں ان علماء کی پیروی کرنا جو مجتہدانہ روش نہیں جارہے ہیں بلکہ سلف صالحین کے پیرو ہیں -

(ص - ۱۲ و ۱۳)

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)
مسجد جامع فتح پوری
۲۴ مارچ ۱۹۵۹ء

(۱۱)

"قصد السبیل"، مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء

صفحات ۲۴ سائز ۴×۶

کراچی سے قیصر حسین نامی ایک صاحب نے ایک فتوی حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کیا تھا،

جس میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز اور اذان وغیرہ کے جواز و عدم جواز کے متعلق استفسار فرمایا تھا،
تقسیم ہندوستان سے قبل ہندوستان کی مساجد میں بالعموم بغیر لاؤڈ اسپیکر کے نماز ہوتی تھی
مگر تقسیم کے بعد جب ملت کا رجحان تجدد پسندی کی طرف ہوا تو مختلف سوالات سامنے آئے
جن میں ایک یہ سوال بھی اہمیت کا حامل تھا، حضرت مرحوم نے اس سوال کا شافی جواب مرحمت
فرمایا جو ۱۳۷۹ھ میں دہلی سے شائع ہوا، یہاں ہم اس رسالہ کے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کرتے
ہیں :-

(۱)

اگر نظر غائر سے کام نہ لیا جائے تو ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ واذان میں اس آلہ کا
استعمال مضائقہ نہیں رکھتا لیکن اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو اس کے جائز بلا کراہت ہونے کی
کوئی صورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے ان افعال کو ایک خاص ہیئت کیساتھ
مخصوص فرمایا ہے جس میں کسی قسم کے تغیر کو جائز نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ جب فقہاء نے دیکھا
کہ حضور علیہ السلام نے قیام کی حالت میں خطبہ فرمایا ہے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو مکروہ فرمایا،
اسی طرح جب دیکھا کہ دو خطبوں کے درمیان قعود فرمایا ہے تو اس کے ترک کو ممنوع قرار دیا
اور باوجودیکہ قیاس چاہتا تھا کہ اردو میں خطبہ یا اس کا کوئی حصہ غیر عربی میں پڑھا جائے لیکن
جب دیکھا کہ عجم میں پہنچ کر صحابہ نے اس قیاس پر عمل نہ کیا تو غیر عربی میں خطبہ کو خلاف سنت اور
مکروہ قرار دیا، بلکہ صاحبین کے نزدیک بلا عذر غیر عربی میں خطبہ جائز ہی نہیں اور یہی وجہ ہے
کہ اس زمانے میں اس مسئلے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اذانِ خطبہ کا مقام کہاں ہونا چاہیئے کہ
حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں تو خارج مسجد ہی جاتی تھی، اسی طرح اور بہت سے
مقام ہیں جس میں اس زمانۂ پاک پر نظر رکھتے ہوئے اس کے خلاف مکروہ قرار دیا گیا ہے
چناں چہ انہی میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے جس میں کلام کیا جا رہا ہے کہ باوجودیکہ اذان
میں رفع صوت مطلوب ہے چناں چہ شامی میں ہے :-

"وینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران
ویرفع صوتہ"

لیکن اس کے واسطے بھی ایک حد مقرر ہے کہ موذن اپنی قوت کے موافق اس میں آواز بلند
کرے اس سے زیادہ تکلف کی اس کو اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے :-

"ویکرہ للمؤذن ان یرفع صوته فوق الطاقة"

پس اس پر نظر رکھتے ہوئے فقہا نے باوجودیکہ نگل جیسی ایسی چیزیں پائی جاتی تھیں جو آواز کو بلند کرنے والی تھیں لیکن ان کو اختیار نہ کیا اور انسانی قوت سے زیادہ جہر مفرط کے متعلق فرمایا کہ یہ کلام کے حکم میں ہے اور کلام اذان میں مکروہ ہے چناں چہ درمختار میں ہے :-

"الصّباح ملحق بالکلام فتح"

اور اسی میں ہے :-

"ولا یتکلم فیھا ای فی الاذان والاقامة اصلاً ولو ردّ السّلام"

اور بھی اسی میں ہے :-

"یکرہ تکلمة فیھا (ای فی الخطبة) الالامر معروف"

یونہی خطبہ کے درمیان سننے والے پر بھی کلام اور اس کی طرف التفات بلکہ ہر وہ شئے جو اس کے لئے خطبہ سننے میں حارج ہو مکروہ ہے، منحة الخالق میں ہے :-

قال فی البدائع یکرہ الکلام حال الخطبة وکذا قراءة القرآن وکذا الصلوٰة وکذا ما یشغل باله عن سماع الخطبة انتھی

اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے :-

وفی الشرح الزاھدی یکرہ لمستمع الخطبة ما یکرہ فی الصلوٰة من اکل وشرب وعبث والتفات ونحو ذالك و فی الخلاصة کل ما حرم فی الصلوٰة حرم حال الخطبة انتھی

اور رعایت درجہ ظاہر کہ ہو نہیں سکتا کہ اس آلہ کی آواز اور اس کے تغیرات کی طرف التفات نہ ہو تو اس صورت میں خطیب اور سامعین دونوں ہی اس فعل مکروہ کے مرتکب ہوں گے۔

(ص ۳ تا ۴)

(۲)

علاوہ ازیں یہ شئے اور بھی مفسد عظیمہ کی سبب ہوتی ہے جس کی وجہ سے نماز میں قرآن کریم کو جہر قوی کے ساتھ پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ مخالفین اسلام کو

اس کے ساتھ استہزاء اور گستاخی کا موقع ملتا ہے لہٰذا ایک مقدار جہر سے جب فعل واجب یا سنت ادا ہو گیا تو اب اس سے زائد جہر بلا ضرورت ہو گا جس کی اس مفسدہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی جا سکتی فقال تعالیٰ ناھیا :-

"لا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلا"

وفی التفسیر الاحمدی وبیانہ ما قیل ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یرفع صوتہ بقرأۃ فاذا سمع المشرکون لغوا وسبّوا فامر بان یخفض من صوتہ بھٰذہ الآیۃ۔ والمعنی لا تجھر بقرأۃ صلاتک حتی یسمع المشرکون ولا تخافت بھا حتی لا یسمع من خلفک وابتغ بین ذالک ای بین الجھر والاخفاء سبیلا وسطاً۔

وفی انوار التنزیل فان الاقتصاد فی جمیع الامور محبوب انتھی، ھکذا فی عامۃ التفاسیر۔

اس آیہ کریمہ اور اس کی تفاسیر نے جس امر پر تنبیہ فرمائی ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں

(ص-۴ و ۵)

نوٹ :- حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے بلا ضرورت تلاوت و تکبیرات وغیرہ میں آواز بلند کرنے کی ممانعت اور کراہت کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اغیار شعائر اسلام کے ساتھ استہزاء کرنے لگیں، لیکن پاکستان میں تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اس آلہ کے کثرت استعمال کی وجہ سے اغیار تو اغیار مسلمانوں نے استہزاء و تمسخر شروع کر دیا ہے۔ (مؤلف)

(۳)

اس سے پہلے کہ اس دعویٰ کے لئے دلیل پیش کی جائے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ آواز کیا شئے ہے اور وہ کیوں کر پیدا ہوتی ہے اور کہاں تک کام کرتی ہے؟ تو یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کیا شئے ہے رہا اس کے پیدا ہونے کا سبب سو اس کا سبب قرع یا قلع ہے، ایک شئے کا مقابلہ والی شئے سے سختی کے ساتھ ملنا قرع کہلاتا ہے اور اس سے بہ سختی جدا ہونے کو قلع کہتے ہیں، متکلم کے گلو و زبان کی حرکت جو ہوائے دھن پر قرع کرتی ہے تو اشکال، حرفیہ پیدا ہو کر کلام کی صورت جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس سے جدا ہو کر ہوائے مجاور کو قرع کرتی ہے، یونہی جب تک قرع اول کی قوت یاری دیتی ہے ہوا کے اگلے حصول میں قرع

وقلع ہوتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے ہوا کے اندر ایک تموّج اور لہر پیدا ہو جاتی ہے پھر جس قدر اس میں ضعف آجاتا ہے یہ لہر بھی ہلکی پڑتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک حصہ پر جاکر ختم ہو جاتی ہے، یہی وہ لہر ہے جس کے ہر حصہ میں متکلم کی آواز اور اس کا کلام ساری ہوتا ہے کہ پہلے قرع سے جو کلام پیدا ہوا تھا اسی ہی کا سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے پس اس لہر کے درمیان اگر کسی کا کان واقع ہو جاتا ہے تو وہ یہ کلام سن لیتا ہے اور جس کے کان تک یہ سلسلہ نہیں پہنچتا وہ نہیں سن سکتا اور ضعف کی حالت میں پہنچتا ہے تو کچھ سنتا بھی ہے تو سمجھ نہیں سکتا، شرح مطالع میں ہے :۔

والمشہور ان السبب الاکثری للصوت ہو تموّج الہواء بقرع او بقاع عنیف والتموج عبارۃ عن امر یحدث فی الہواء یصل بعد صدم وسکون بعد سکون وہذا التموج سببہ القرع وہو امساس عنیف او القلع وہو تفریق عنیف فان القرع و القلع کل منہما یموج الہواء الی ان ینقلب من المسافۃ التی سلکہا القارع (انتہی ما فیہ، ص-۹۱) (ص-۷۹۶)

(۴)

اس تموّج کی حالت میں جس میں یہ مسموع ہوتا ہے اس کو فونوگراف کی پلیٹوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے پھر اس قدر مدت کے بعد کہ اس کا متکلم انتقال بھی کر جاتا ہے فونوگراف کے ذریعہ پھر اس پر جدید قرع واقع کیا جاتا ہے تو پھر وہی کلام سننے میں آنے لگتا ہے تو کیا اب بھی آپ فونو کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ مرنے والا کلام کر رہا ہے، ہرگز نہیں کہ کلام تو متکلم ہی کا ہے، لیکن اس کا پہنچانے والا فونوگراف ہے پھر یہاں کیوں تامل ہے اور لاؤڈ اسپیکر کو کیوں کالعدم کئے دیتے ہیں؟ ——— کہ حالت تو دونوں ہی کی یکساں ہے، دونوں ہی نے اس لہر سے کلام حاصل کیا ہے جو متکلم کی قرع نے پیدا کی تھی اور دونوں ہی متکلم اور مسمع کے درمیان واسطہ پڑے ہیں، الحاصل اس بیان سے ثابت ہوا کہ یقیناً اس قدر مسافت بعیدہ پر یہ آلہ امام کی آواز اس کی تکبیرات وغیرہ پہنچانے کے لئے واسطہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آلہ امام اور مقتدیوں کا غیر ہے اور امام کا غیر مقتدی کے قول پر اور مقتدی کا غیر امام کے قول پر عمل کرنا مفسد صلوٰۃ ہے پس اس آلہ کی آواز پر جو لوگ ارکان ادا کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی، چنانچہ ردالمحتار میں ہے :۔

(وکذا الاخذ) ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیہ مفسدًا ایضًا کما فی البحر عن الخلاصۃ او اخذ الامام بفتح من لیس فی صلاتہ کما فیہ عن القنیۃ۔ انتہی

(ص-۱۰۹۹)

(۱۲)

"شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ" مطبوعہ امپریل پریس، دہلی

صفحات ۳۴ ———— سائز ۴×۶

اس مجموعہ میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مسعودیہ کے مفصل و مجمل منظوم شجرے ہیں، پہلا شجرہ مخمس کی صورت میں ہے، اس کے بعد سلسلہ قادریہ و سلسلہ چشتیہ کے منظوم شجرے ہیں، پھر بعض اصطلاحات تصوف کی تشریح ہے، جس میں لطیفۂ قلب، لطیفہ سِر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفیٰ کا ذکر ہے، اس کے بعد "دائرہ عالم امکان" کا خاکہ دیا ہے، پھر اعمال سہ گانہ رابطہ ذکر، مراقبہ کی تشریح ہے، آخر میں بعض اعمال ضروریہ کا بیان ہے، ہم اس مجموعے سے یہاں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:۔

(۱)

انسان کی پیدائش سے مطلب صرف اللہ تبارک تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہے چنانچہ خود وہ فرماتا ہے:۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (ای لیوحدون ولیعرفون)

یہاں یہ آیت عبارت عرفان کے معنی میں ہے، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"کل عبادۃ فی القرآن وھو توحید"

اس سے معلوم ہوا کہ انسان و جنات محض تحصیل معرفت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور دوسرے مادی امور سب فائدے کے لئے ہیں، آج کل دیکھا جاتا ہے اکثر لوگ مادی منافع کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں، اگلے زمانے میں اکثر لوگ معرفت کے حاصل

کرنے میں کوشاں تھے جس کے لیئے پیدا ہوئے ہیں، چناں بکثرت اولیاء اللہ اہل معرفت گزرے
برخلاف اس کے ماننے کے ـــــــــ

خالق کائنات نے امتحان کے لیئے قلب دیا ہے جس کے دو پہلو ہیں، ایک شیطانی جو عقل کے برخلاف برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے جسے نفس کہتے ہیں، اور دوسرا رحمانی اور ملکی پہلو جو بھلائیوں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور عقل اور روح کی تابعداری میں اپنے مفوضہ کام کو انجام دیتا ہے، میں یہاں یہ بتلادوں کہ ان کی تخلیق کا منشاء کیا ہے؟ اس کی پیدائش میں خود اسی کا فائدہ مدّنظر ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے بہشت کی ابدالآباد ایسی نعمتوں کا مالک ہو جائے جس کا اس کے دل پر خطرہ بھی نہ گزر سکتا ہو۔

مخلوق کی پیدائش کا سلسلہ یوں ہے کہ جب رب تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی شئے کا وجود نہ تھا لیکن وہ بے چوں تھا اور کسی شئے میں اس سے مناسبت نہ تھی کہ چوں تھی اور یہ عالم لاہوت تھا اس لیئے اسماء و صفات کے ظلال سے اعیان ثابتہ کا ظہور فرمایا اور عالم کو پیدا فرمایا اور اعیان ثابتہ کو دو قسم کا قرار دیا، ایک قسم لطیفۂ وحدت کہ مراد جمالی صفات سے ہے اور یہ حقیقت محمدیّہ ہے کہ احدیّت (ذات بحت) اور وحدت کے درمیان برزخ ہے، اور دوسری قسم لطیفۂ احدیّت جس کی صفات میں ایک دوسرے سے امتیاز ہے اور اس قسم میں دوسرے پیغمبروں کے حقائق ہیں۔ ان دو مرتبوں کو عالم جبروت کہتے ہیں، جو عرش کے اوپر ہے، ان کا میں اعیان ثابتہ ہیں جن میں تمام اشیاء کی حقیقتیں ہیں جو عرش کے نیچے ہیں ـــــــــ

ـــــــــ اور عرش کے نیچے جو اشیا ہیں وہ بھی تین مرتبہ رکھتی ہیں، اوّل مرتبہ ارواح اور ملائکہ۔ یہ لطیفہ تنقیص و ترکیب کی صفت نہیں رکھتا اس عالم کو عالم ملکوت کہتے ہیں۔ اس میں ارواح و ملائکہ کا وجود ہے اور اس میں (انسان) صفت لوّامہ سے متصف ہوتا ہے اور اس مقام میں علم الیقین حاصل ہوتا ہے، دوم مرتبہ عالم مثال کا ہے کہ اس میں ارواح بصورت لطیفہ ظاہر ہوتی ہیں اور یہ بھی تنقیص و تجزّی سے مبرا ہے اور اسے عالم مثال کہتے ہیں، تیسرا مرتبہ جسم کا ہے جو جواہر کثیفہ عناصر کا مقام ہے جس میں جسم انسانی و حیوانی وغیرہ ہیں اس میں انسان جامع مراتب اور جمیع صفات کا ظہور ہے اور اس عالم کو عالم ناسوت کہتے ہیں۔ یہاں انسان صفت امّارہ بالسوء سے متصف ہوتا ہے جس کا تصفیہ اتباع شریعت سے ہوتا ہے۔

انسان کے لیئے بجز اتباع شریعت چارہ نہیں ہے۔ اور انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں

کہ مجموع کائنات کے لطائف عشرہ کا جامع ہے، پانچ عالم امر کے قلب، روح، سر، خفی و اخفیٰ کے بالائے عرش ہیں اور پانچ عالم خلق کے کہ نفس اور عناصر اربعہ ہیں کہ جسم انسان میں ہیں، عالم خلق کے لطائف کو عالم امر کے لطائف سے نقش دیا گیا ہے پھر اس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے قالب کی درستی کے بعد پانچوں لطائف عالم خلق کے ہر مناسب مقام کو اس طرح مربوط فرما دیا جس کا بیان لطائف کے بیان میں آتا ہے۔

(ص ۱۸ تا ۲۰)

(۲)

قلب انسانی

انسان کا قلب بمنزلہ آئینہ کے ہے جس طرح آئینہ کے مقابل جو شئے آتی ہے وہ اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے مگر جبھی کہ کوئی شئے اس کے مقابل تو ہو، اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود آئینہ بھی نقش و نگار سے پاک ہو، زنگ آلود نہ ہو، اس پر کوئی پردہ نہ پڑا ہوا ہو، دونوں کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو، اگر ان امور میں سے کسی امر کا وجود ہو گا تو ظاہر ہے کہ آئینے میں کسی شئے کا عکس کیسے پایا جا سکتا ہے، یہی قلب انسانی کا حال ہے، پس اگر قلب کا رخ صور ممکنات کی طرف ہو گا، اور پشت محبوب حقیقی جل مجدہ کی طرف تو وہ محبوب اس میں جلوہ گر کیسے ہو سکتا ہے بلکہ اگر رخ بھی اس کی جانب کر لیا لیکن خود اس کا حال یہ ہے کہ صور ممکنات کے نقوش سے منقش ہو رہا ہے یا معاصی کی وجہ سے زنگ آلود ہو رہا ہے، یا غفلت کا دبیز پردہ اس پر ڈال رکھا ہے یا شہوتہائے نفسانیہ کی دیوار آہنی درمیان میں حائل ہے تب بھی اس نور مطلق کی چمک سے یہ کیوں کر منور ہو سکتا ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ جب کسی قلب میں مقابل ہونے کی طاقت ہی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ چناں چہ آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے تو کسی نظر کو یہ قوت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے مقابل ہو سکے، پس جب ادنیٰ المخلوق کے مقابل نظر کا یہ حال ہے تو اس خالق بے ہمتا کے مقابل یہ قلب ضعیف کیا حیثیت رکھتا ہے جس کے ادنیٰ جلوے نے پہاڑ کے ٹکڑے کر دیئے لیکن قلب انسانی نظر انسانی سے زیادہ طاقت ور ہے۔ دوسرے جس طرح نظر انسانی بواسطہ پانی کے یا اس شیشے کے جس کی ایک جانب ہلکی سیاہ ہو، آفتاب کے مقابل ہو سکتی ہے، یوں ہی قلب

انسانی بواسطۂ ایسی ذات کے جو اس تعالیٰ کے جلووں سے منور ہو چکی ہے اس کے مقابل ہو سکتا ہے اور اگر موانعات مذکورہ کا وجود نہ آنے دے تو ضرور اس واسطہ سے اس تعالیٰ کے جلوے حاصل کرلے گا کہ ایسے آئینے کے مقابل جس کو خورشید جہاں تاب نے منور کر رکھا ہے جب دوسرا آئینہ آجاتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے شیخ کامل کا واسطہ لابدی ہے۔

پھر برخلاف آئینے کے قلب انسانی اور بھی عجیب عجیب صفات کا حامل ہے جن کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب اس سے کام لیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ حقائق صفات الٰہی اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں اور اصلی غرض تصفیہ قلب سے یہی ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے —— وہ قوتیں جن کا اوپر ذکر ہوا وہ تو اس کے صدقے میں حاصل ہوتی ہیں پھر ان کی ہمیشہ یہ شان بھی نہیں ہوتی۔ جب مولیٰ تعالیٰ چاہتا ہے ان قوتوں کا ظہور ہوتا ہے بلکہ ایسے قلوب اسے کی کبھی یہ شان بھی ہوتی ہے کہ معمولی قوتوں سے بھی کام نہیں لے سکتا، (جس کے متعدد وجوہ ہوتے ہیں) بقولے کہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نبینم

(ص - ۳۲ تا ۳۴)

نوٹ ۱:- حضرت قبلہ قدس سرہ کی بعض تصانیف ابھی تک پردۂ خفا میں مخفی ہیں، تذکرہ ہٰذا کی کتابت کے بعد معلوم ہوا کہ تقریباً پچیس تیس سال قبل حضرتؒ نے قرآن پاک کے فارسی ترجمہ (از شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ) کے اردو ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی تھی اور حواشی میں تفسیر بھی تحریر فرمائی تھی اس کے علاوہ "اصلاح رکن دین" کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جو احمد آباد سے شائع ہوا تھا۔

اٹھارھواں باب

فتاوے

فتاوے

حضرتؒ کے مطبوعہ فتووں کے علاوہ بے شمار قلمی فتوے پاک و ہند کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو اگر جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو سکتی ہیں، ان کا حاصل کرنا ابتداء میں کچھ مشکل نظر آیا اس لئے یہی سوچا کہ تذکرۂ ہٰذا میں فتاوے پر ایک باب قائم کر کے جتنے فتوے دستیاب ہوں سب کو یکجا کر دیا جائے، لیکن تلاش و جستجو کے بعد بکثرت قلمی فتوے دستیاب ہو گئے، اس لئے اب یہ خیال ہوا کہ اس باب میں شامل کرنے کے بجائے کیوں نہ ایک مستقل کتاب کی صورت میں پیش کئے جائیں چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر اس باب کو مختصر کر کے صرف دو قلمی اور ایک مطبوعہ فتویٰ رہنے دیا گیا، انشاء اللہ قارئین کرام حضرت کے فتوے "فتاویٰ مظہری" میں مطالعہ فرمائیں گے جو مستقبل قریب میں شائع کر دی جائیگی۔

اب ہم منتخبہ فتوے نقل کرتے ہیں :-

(۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :-

۱۔ گائے کی قربانی شریعت غرّا ہر اسلامی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتی ہے ؟

۲۔ اگر حکومت اپنی طاقت سے بند کرنا چاہے تو اس وقت مسلمانوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے ؟

۳۔ کیا مسلمان اسلامی اخلاقی اعتبار سے صرف دیگر اقوام کی خوشی کے لئے خود گائے کی قربانی ترک کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو جو مسلمان اس فعل کے مرتکب ہوئے ہیں یا آیندہ ہوں ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے ؟

غرض گائے کی قربانی و عدم قربانی کے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب صادر فرمائیں۔

سائل
فضل احمد

الجواب

۱۔ گائے کی قربانی دین الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے لقولہ تعالیٰ

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ یعنی اونٹ اور گائے کی قربانی کو تمہارے لئے دین الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنایا ہے جس میں تمہارے لئے بھلائی ہے، درمختار میں ہے بدنة هی الابل والبقر سمیت بہا لضخامتها بدنہ اونٹ اور گائے ہے ان کے ڈیل دار ہونے کے سبب ان کا یہ نام ہوا۔

۲- ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ ہر ممکن کوشش سے اس اسلامی نشان کی محافظت کریں کہ اس سے لاپرواہی عقاب الٰہی کا موجب اور عقاب الٰہی کا خوف اس کی حفاظت کا سبب، چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ جو شخص اللہ کے دین کی محترم نشانیوں کی محافظت کرے گا تو یہ محافظت کرنا دلوں کے خوف کا مقتضی ہے۔

۳- اس کا جواب تو بہت ظاہر ہے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ دین الٰہی کی نشانیوں کو مٹانا اور اس کے بجائے کفری نشان قائم کرنا کس طرح غضب الٰہی کا موجب ہوگا جس طرح گائے کا ذبیحہ اسلامی نشان ہے یوں ہی اس کا بند کرنا کفری نشان ہے پس اس کی بندش کا اقدام تو بڑی شئے ہے اس کی جانب قلب کا میلان بھی عذاب نار کا موجب ہے یہ خیال کہ اس سے ہمیں حکومت ہند کی حمایت و خوشنودی میسر آجائے گی محض ایک شیطانی دھوکہ ہے ایسی حالت میں حمایت درکنار ان لوگوں کا کوئی رفیق بھی نہیں ہو سکتا لقولہ تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ اس مقام پر حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب کے واقعہ پر غور کیجئے کہ جب وہ یہودیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ اونٹ کا گوشت شریعت موسوی میں حرام ہے اور اسلام میں محض مباح تو کیا حرج ہے کہ ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں اس پر نہایت عتاب آمیز انداز میں ممانعت فرمائی گئی چنانچہ ارشاد ہوا — يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ یعنی ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو (اور ایسے خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم نہ چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، پھر اس کے بعد بھی کہ تمہیں واضح دلائل پہنچ چکیں

اگر لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اس کے عذاب کا کوئی روکنے والا نہیں) حکمت والا ہے (کہ بمقتضائے حکمت جب اور جس قدر چاہے سزا دیتا ہے) اس واقعہ میں اور متنازع فیہ واقعہ میں اصلاً فرق نہیں جس طرح عبداللہ ابن سلام نے اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھا اور غلطی یہ کی کہ شعار اسلام نہ سمجھتے ہوئے ترک کا ارادہ کر لیا وہی قصہ یہاں ہے، پس جس طرح وہ مورد عتاب ہوئے جو لوگ اس کو ترک کریں گے وہ بھی یقیناً مورد عتاب ہوں گے بلکہ مستحق عذاب کہ یہاں اس سے بڑی ایک شئے اور بھی موجود ہے اور وہ ھنود کے عقائد باطلہ کی ترویج ہے جو اشد معاصی ہے، اور عصیان میں کسی کا بھی حکم کیوں نہ ہو اس کی پیروی موجب استحقاق عذاب ہے کہ ان الحکم الا للہ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اور تمام مخلوق، اسی کی محکوم، مشرکین مکہ نے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کیا ہوا تھا اللہ تعالیٰ ان کی اس تحریم کی بھی تردید فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلا لاً طیباً الایہ یعنی لوگو جو چیزیں زمین میں حلال پاکیزہ موجود ہیں ان میں سے کھاؤ اور ان کی تحریم کا ارتکاب کر کے شیطان کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے واہیات خیالات سے تم کو ہر طرح کا نقصان دے رہا ہے) وہ تو تمہیں انہیں باتوں کی تعلیم کرے گا جو (میرے نزدیک) بری اور بے حیائی کی ہیں اور یہ (کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے۔ (جیسے گائے کی حرمت کہ من جانب اللہ تمہارے پاس اس کی کوئی سند نہیں) اس آیہ کریمہ میں جس طرح مشرکین مکہ کو حکم ہے کہ تم حلال جانوروں کو حرام ٹھہرا کر شیطان کی پیروی نہ کرو اور اللہ پر بہتان نہ باندھو یوں ہی ہندوؤں کو بھی حکم ہے کہ گائے کے باب میں ایسا معاملہ نہ کرو پس جب خود ھنود کو یہ حکم ہے تو مسلمانوں کے لئے کب جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے ان کے اس ناپاک عقیدہ کو قوت پہنچائیں اور شیطان کے اتباع اور خدا پر بہتان بندی میں ان کا ساتھ دیں۔ مانا کہ مسلمان اس کو حرام جان کر ترک نہ کریں گے لیکن اس ترک میں قرآنی حکم کے خلاف غیر قرآنی حکم کی تقویت تو ہے اور سن چکے کہ آسمانی کتاب کے حکم منسوخ پر بھی عمل حرام کر دیا گیا ہے تو پھر کسی انسانی حکم اس کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام کے واقعہ پر پھر غور کی نظر ڈالیے کہ باوجودیکہ اونٹ کی حرمت ایک آسمانی کتاب میں موجود تھی لیکن چوں کہ اس کی حرمت منسوخ ہو چکی تھی اس لئے یہ اصحاب اسلامی حکم سے اس کو حلال ہی سمجھتے تھے، غلطی یہ ہو گئی کہ اس کو شعار اسلام نہ سمجھا اور ترک کا ارادہ کر لیا، جس کو تہدیداً اشیطان کا اتباع قرار دیا گیا اور اپنے غضب کا اظہار فرمایا گیا، اونٹ کچھ ہنود کے معبودوں سے نہ تھا پس یہاں عتاب تو صرف اس پر ہے کہ حکم منسوخ پر عمل کا کیوں ارادہ کیا گیا اور گائے کا تو معاملہ ہی جداگانہ ہے کہ اس کی حلت تعلیم توحید اور ایک شرک جلی کے ابطال پر ہے تو اب مسلمان خود ہی غور کرے کہ اس کا ترک کیا معنی رکھتا ہے یہی کہ اس میں توحید کا ابطال اور شرک کا اعلان ہے یہ حکم تو مطلقاً ذبیحہ گاؤ کے ترک کا ہے لیکن اس پر قربانی کا ترک حکم میں اس سے بھی اشد ہے کہ وہ عبادت الٰہی ہے پس اس کے ترک میں ایک مخصوص عبادت کا ترک ہے تو مسلمان کو یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ اس کو میں ترک کر سکتا ہوں یا نہیں۔ یقیناً اپنی خوشی سے جو اس کو ترک کریں گے یا اس میں اعانت کریں گے، وہ سخت گنہ گار ہوں گے۔

اور یہ خیال کہ محض ہنود کی خوشی حاصل کرنے کے لئے اس کی قربانی کا ترک مقصود ہے اور کسی کی خوشی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں تو اوّل تو حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلے میں کسی کی رضا کی طلب خود ہی حرام ہے دوسرے وہ محض اتنی بات سے کہ آپ ذبیحہ گاؤ کو ترک کر دیں پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکتے کہ حقیقت میں ان کو صرف گائے کی قربانی کا ترک مطلوب نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مہتم بالشان قربانی مطلوب ہے یعنی ایمان کی قربانی لقولہ تعالیٰ ودّوا لو تکفرون ؕ یعنی ان کی خوشی تو اس میں ہے کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ، چناں چہ آج مسلمان اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، تو کیا مسلمان اس کو برداشت کر کے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا سکتے ہیں

——— میرے دوستو! امور دنیوی میں آپ کو ان سے مدارات سے کوئی نہیں روکتا کیجئے اور ضرور کیجئے لیکن ایسی مدارات جس سے کوئی شعار اسلامی چھوٹنے اور امور مذہبی پامال ہوں ہرگز جائز نہیں، آپ کو ان کی خوشی اسی لئے تو درکار ہے کہ اتفاق میسر آجائے جس کی آج سخت ضرورت ہے لیکن کیا وہ یوں حاصل ہو سکتا ہے ——— ؟

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں، کہ یہ شئے تو اور اختلاف کی بنیاد مضبوط کرنے والی ہے اتفاق حاصل کرنے کی تو صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جس طرح تم ان کے مسلمات میں کوئی مداخلت نہیں کرتے اسی طرح ان کو بھی چاہیئے کہ اسلام احکام کے بجالانے میں ہم سے کچھ تعرض نہ کریں ان کو بتلائیے کہ فروعات ایک طرف ہے اصول پر نظر ڈالیے کہ شرک بدترین شے ہے جس میں معبود برحق کے مقابلہ کا اعلان ہے لیکن جب مشرکین ہمسایہ ہو جاتے ہیں تو کیا کوئی مسلمان ان سے تعرض کرتا ہے کہ اپنے بت خانے توڑ دو، شرک چھوڑ دو ہم سے معبود برحق کا مقابلہ نہیں دیکھا جا سکتا؟ پس جب مسلمانوں کی طرف سے اس قدر وہ آزاد ہیں تو ان کے لیئے کیا گنجائش کہ ہم سے مطالبہ کریں کہ گائے کی قربانی ترک کرو حالاں کہ اس ہی کے نام پر قربانی کی جاتی ہے جس کو وہ بھی معبود جانتے ہیں اور خود ان کے اکابر سے بھی یہ فعل ثابت ہے جو اپنے مقام پر بدلائل واضح ہو چکا ہے۔

الحاصل مسلمانوں کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنی رضا سے گائے کی قربانی ترک کریں بلکہ ھنود کو سمجھائیں کہ وہ اس کے ترک پر اصرار کر کے ایک نیا فتنہ کھڑا نہ کریں کہ یہ ہمارے مذہب میں مداخلت ہے جو قانوناً بھی ممنوع ہے، فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہٗ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(مہر)

(۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ آجکل جب کہ دنیائے کفر پورے طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو کچل دینے پر آمادہ ہے مسلمانوں کو اپنی جائز حفاظت کے لئے ہندوستان کے ایک خاص فرقہ کی طرح ہر حالت میں تلوار اپنے ساتھ رکھنا مذہبی حیثیت سے واجب ہے یا نہیں؟

بینوا و توجروا
المستفتی مسلمانان دہلی

اس سوال کا مختصر جواب مولوی محمد کفایت اللہ مرحوم نے عنایت فرمایا ہے پھر حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے تفصیلی طور پر اس انداز سے تحریر فرمایا ہے :۔

جواب صحیح ہے اگرچہ اپنے بچاؤ اور دشمن پر اظہار قوت کے لئے یہ امر تو مسلمانوں پر ہمیشہ لازم ہے کہ وہ مدافعت کے سامان سے ہر وقت تیار رہیں جیسا کہ آیہ کریمہ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ وعدوکم کا مفاد ہے، اگر مسلمان اس پر عامل ہوتے تو ہر گز دشمن کو یہ جرأت نہ ہوتی جو آج دیکھنے میں آ رہی ہے کہ نزلہ عضو ضعیف پر ہی گرتا ہے لیکن ایسی حالت میں کہ دشمن ان کے مقابل کھڑا ہو گیا اور ان کو نقصان بھی پہنچانے لگا تو اس صورت میں تو یہ امر اور موکد ہو جاتا ہے لقولہ تعالیٰ خذوا حذرکم یعنی مسلمانو اپنے بچاؤ کے ہتیار رکھو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے والذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ یعنی کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ ہی تم پر حملہ کر دیں۔ یہ آیت کریمہ نہایت وضاحت اور تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو متنبہ فرما رہی ہے کہ خوف کے وقت کبھی بھی اپنے سے ہتیار جدا نہ کرنا اور اپنے بچاؤ سے ہر گز غافل نہ ہونا، غرض احکم الحاکمین نے تو مسلمانوں پر اپنے تحفظ کیلئے ہر قسم کے سامان کا تیار رکھنا لازم کیا ہوا ہے اب یہ ہماری غفلت یا مجبوری ہے، ہم اس پر عمل سے قاصر ہیں، خیر اب تک جو فرو گزاشت ہو گئی آئندہ مسلمانوں کے فرائض سے ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ کم از کم تلوار یا بندوق رکھنے کی اجازت دی جائے تاکہ مخالف کو ہم پر ظلم و تعدی کی جرأت نہ ہو سکے اور امن قائم ہو جائے، تعجب ہے کہ انتظام کرفیو آرڈر جاری کر کے مسلمانوں کے مذہب میں تو مداخلت کی جائے اور ان کو محلہ کی مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکا جائے حالاں کہ اس میں امن عامہ کے خلل کا ادنیٰ سا بھی اندیشہ نہیں اور غیر کو مذہب کے نام پر وہ آلات دے دئے جائیں جس سے سارا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے نہ اس کی تحقیق کی ضرورت سمجھی جائے کہ یہ شئے ان کے مذہب میں لازم بھی ہے یا نہیں ؟ نہ ان سے پوچھا جائے کہ پہلے تیرے پاس

کرپان بھی اب نیا حکم تلوار کا کہاں سے آیا؟ اور پھر وہ بھی ننگی تلوار کا، پس حکومت کو چاہیئے کہ ان امور پر غور کرے، فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام جامع مسجد فتحپوری دہلی

نوٹ :- یہ فتوی ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے قریب لیا گیا تھا جب دہلی میں فسادات کا سخت اندیشہ تھا، سکھوں کو عام طور پر تلوار رکھنے کی اجازت تھی، لیکن مسلمانوں کو ہر قسم کا ہتیار رکھنے کی ممانعت، آزادی ہند کے بعد سردار پٹیل کے مذہبی تعصب نے سکھوں کو اور چھوٹ دے دی، اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ ایک خوں چکاں داستان ہے۔

(۳)

۱۹۵۹ء میں محمود عباسی نے خلافت یزید پر ایک کتاب لکھی تھی جس کو مصنف اپنا تحقیقی مقالہ کہتا ہے لیکن تحقیق میں حقائق کے اظہار کے ساتھ ساتھ جن آداب کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس کی ہوا بھی نہ لگی، مصنف نے اپنی کتاب میں یزید کے نام کے ساتھ 'امیر' اور 'امام' کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور حضرت امام حسین کو بڑی بے ادبی سے صرف حسین لکھا ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع اور متین تھا حضرت امام حسین نے جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا وہ مصنف کی نظر میں 'انوکھی لغزش' اور 'خطائے ذلیل' ہے، اس لئے وہ حضرت امام حسین کو نہ امام کہنے کے لئے تیار ہے اور نہ 'شہید' وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین کے متعلق آج تک جو کچھ سنا گیا ہے سب غلط ہے۔

بہرحال اس کتاب اور مصنف کے خیالات کے متعلق کراچی سے محمد اسماعیل خاں عاقل اکبر آبادی کا ایک فتوی حضرت کے پاس گیا تھا، حضرت نے اس کا جواب مرحمت فرمایا جو کراچی کے ماہنامہ اذان کے نومبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع ہوا، ہم وہیں سے جواب کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں (مؤلف)

(۱)

یزید پر پلید کے فاسق ہونے میں اصلاً کلام نہیں، کتب تواریخ اور آثار صحابہ ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ علم و عمل، زہد و تقوی، جود و سخا، شجاعت و قوت، اخلاق و مروت، صبر و شکر، عفت و حیا، وغیرہا صفات حسنہ میں سے کونسی صفت ایسی ہے کہ جو اس بارگاہ کی کنیزوں میں سے

نہ ہو، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ ان کے فضائل شریفہ حد حصر سے خارج ہیں، ذرا ذرا سی بات پر کنیزوں کو آزاد کر دینا تو آپ کے لئے ایک معمولی شئے تھی، ان کی ایک ایک صفت سے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اگر وہ یک جا قلم بند کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو، میرا کیا زہرہ کہ ان کے کچھ فضائل بیان کر سکوں جب کہ ان کا مولیٰ خود ان کی اور ان کے والدین، ان کے برادر عالی وقار کی صفت و ثناء فرمائے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا اس اہل بیت سے مراد بالمعنی الاخص یہی حضرات مراد ہیں، جس پر بکثرت احادیث دال ہیں، یوں ہی آیت کریمہ مباہلہ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابنائکم ---- الایہ میں بھی یہی حضرات مراد لیے گئے ہیں اور آیہ کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ میں بھی مسلمانوں سے انہی ذوات عالیہ کی محبت مطلوب ہے، اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل تو علماء نے اور بھی بکثرت آیات سے ثابت کئے ہیں اور ان حضرات کی شان میں احادیث کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے، چند حدیثوں کا ذکر کروں :-

۱- فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک قرآن کریم ہے دوسری اہل بیت، یعنی جب تک احکام قرآنیہ کو بجا لاتے اور اہل بیت سے محبت کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے -

(ترمذی)

۲- اور فرمایا میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں قصور نہ کرنا (ترمذی)

۳- اور فرمایا اشتد غضب اللہ علیٰ من اذانی فی عترتی -

۴- اور فرمایا ان سے محبت مجھ سے محبت ہے اور ان سے بغض مجھ سے بغض ہے۔
اور علی الخصوص حضرت امام ہمام کی شان میں فرمایا کہ حسین (علیہ السلام) سے جو لڑے اس سے میں لڑنے والا ہوں (معاذ اللہ)

یہ ہیں مختصر فضائل اہل بیت کے اور اگر کسی کو بالتفصیل دیکھنا ہو تو وہ کتب سیر مثل تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ ہی کو ملاحظہ کر لے۔

لیکن یزید پلید کے فضائل مردود کونسی آیت یا حدیث یا کسی مستند کتاب کی تاریخی روایت ہے جس میں یزید خبیث کے ان فضائل کا ذکر ہے جو زبیہ سراپا کید بیان کرتا ہے ----

ہم نے تو بعض احادیث میں یزید پر یزید کے متعلق یہ پیش گوئی پائی ہے۔ فرمایا کہ ہمیشہ میری امت انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنی امیہ میں ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا وہ اس دین میں رخنہ کرے گا اور وہ میری سنت کو بدلے گا۔

(صواعق المحرقہ)

(ص ۱۶۔۱۷)

(۲)

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں امتنع الحسین علیہ السلام من بیعتہ لانہ کان فاسق مدمنا للخمر ظالما۔ (سر الشہادتین) ۔ بلکہ خود اس کے لڑکے معاویہ ابن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرماتے ہوئے خلافت کو ٹھکرا دیا کہ میں ایسی خلافت کو کیوں کر قبول کر سکتا ہوں جس کی بدولت میرے باپ یزید نے جو نااہل تھا، سرکار اقدس کے نواسے سے منازعت کی اور عترت رسول کو قتل کیا۔ (ص ۔۱۷)

(۳)

غرض ہمیں تو اس بد نصیب کے یہ مناقب ملتے ہیں اور اس کے فسق میں کسی کا بھی اختلاف نظر نہیں آتا ہاں البتہ اس کے کفر میں اختلاف ہے چناں چہ صواعق محرقہ میں ہے ان اھل السنۃ اختلفوا فی تکفیر یزید بن معاویہ فقالت طائفۃ انہ کافر (والیضا) و بعد اتفاقھم علی فسقہ اختلفوا فی جواز لعنہ (انتھی ملتقتا) جو حضرات اسے کافر کہتے ہیں ان کے دلائل دیکھتے ہوئے تو انہیں کا قول راجح معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے محرمات قطعیہ کو حلال کر دیا اور حضرت سید الشہداء اور آپ کے ساتھیوں کو ظلماً شہید کرایا اور حضرت کے سر اقدس کے ساتھ بے ادبی کے ساتھ پیش آیا نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد اس جرم پر کہ ——— اہالی حرمین شریفین نے اس کی بیعت سے انکار کیا، حرمین شریفین میں قتل عام کرایا جس میں سینکڑوں صحابہ اور قراء شہید کئے گئے بلکہ اس کے علاوہ بھی وہاں جو مظالم اور شرمناک افعال شنیعہ کرائے وہ قابل بیان نہیں تو ایسی صورت میں اس کے کفر میں کیا شک رہ گیا؟ ۔ لیکن بایں ہمہ پھر بھی بر بنائے شک محتاط علماء فرماتے ہیں کہ اس کے باب میں سکوت ہی بہتر ہے اور اس کے معاملے کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں یہ ہے وہ جس کی زید پر کید صفت و ثناء کرتا ہے، اس کے مظالم کی داستان اگر دیکھنی ہو تو کتب سیر، صواعق محرقہ وغیرہ میں ملاحظہ کریں

جس سے آپ کو اس پلید کی پرہیزگاری اور صوم صلوٰۃ کی پابندی اور کریم النفسی کا ڈھونگ بخوبی ہویدا ہو جائیگا اور حضرت امام ہمام علیہ السلام کے فضائل جلیلہ کی بھی سیر ہو جائیگی۔ (ص-۱۷)

(۴)

خلیفہ برحق امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جو خلفائے راشدین میں شمار کئے گئے ہیں ان کی مجلس شریف میں کسی نے یزید کو امیر المؤمنین کہدیا تھا تو امیر المؤمنین نے اس کو صرف اتنی بات پر بیس تازیانے لگوائے تھے کہ تو ایسے ناپاک کو امیر المؤمنین کہتا ہے (صواعق محرقہ) ————

(ص-۱۷)

(۵)

کہتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، اس کی خلافت کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے بعض شرائط پر خلافت عطا فرمائی تھی، جن میں ایک شرط یہ تھی کہ ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنائیں اور ان کے بعد مسلمان مختار ہوں گے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں اور بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ یہ شرط تھی کہ ان کے بعد پھر خلافت ہماری ہوگی تو اس صورت میں تو حضرت معاویہ کا یزید کو خلیفہ بنانا ہی صحیح نہیں ہوا کہ اذا فات الشرط فات المشروط، نیز اہل حل وعقد اور عام اہل حرمین نے بھی اس کی خلافت کو نہ مانا، چناں چہ کتاب الامامۃ والسیاست میں حضرت ابو محمد عبداللہ بغدادی جو دوسری یا تیسری صدی کے ایک بڑے فاضل ثقہ گزرے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے جب بیعت یزید حاصل کرنے کا فرمان مروان عامل مدینہ کو لکھا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کی قوم یزید کی بیعت سے انکار کرتی ہے تو اس کو معزول کرکے سعید بن العاص کو مقرر کیا اور ان کو لکھا کہ بزرگانِ امت کو تو نہ چھیڑ، باقی لوگوں سے سختی کے ساتھ بیعت یزید حاصل کر اور انصار و مہاجرین اور ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ چھوڑ، تو انہوں نے بھی جو کچھ سختی کرنی تھی کی، لیکن کچھ نہیں بنا، تو ناچار انہوں نے بھی حضرت معاویہ کو لکھدیا کہ لم یبایعنی احد وانما الناس تبع لھؤلاء النفر فلو بایعوک بایعک الناس جمیعا ولم یتخلف عنک احد یعنی لوگ تو بزرگوں کے تابع ہیں اگر یہ بیعت کرلیں تو پھر تو ایک بھی بیعت سے انکار نہ کرے گا۔ آخر خود حضرت معاویہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے،

اور بہت کچھ ترکیبیں کیں کہ اکابر امت سے یزید کی بیعت حاصل کریں لیکن ناکام رہے (انتہی خلاصہ)
ان حالات میں یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا۔ (ص ۱۸)

(۶)

اور یزید کا یہ قول بھی محض باطل کہ حضرت حسین نے اس دعوی کی بنا پر یزید پر خروج کیا کہ سرکار اقدس کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہوں، حضرت امام ہمام ہرگز لشکر لے کر اس کے مقابلے کو نہ نکلے تو جب شامیوں نے یزید کو خلافت کا گڈا بنا کر بٹھایا تب بھی خاموش ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب آپ کے قتل کی تدبیریں کی جانے لگیں تب آپ بنظر تحفظ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور جب وہاں بھی اندیشہ دیکھا اور کوفیوں کے پے درپے ایلچی اور خطوط آئے اور آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ حالت موجودہ میں مجھے ان کی درخواست کا رد کرنا جائز نہیں تو مجبورًا آپ نے بذریعہ امام مسلم ان کی بیعت لینا قبول کی جس کا انکار اہل حل عقد میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہاں یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کوفہ جانے سے ضرور منع کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ مکہ میں ایک مینڈھا ہوگا جس کی وجہ سے کعبہ کی حرمت حلال ہو جائیگی، (یعنی ایک شخص ہوگا جو مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا اور کعبہ کی بے حرمتی ہوگی) ایسا نہ ہو کہ وہ مینڈھا میں ہی ہوں، اور میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو، غرض جب آپ کی طلب پر مزید تقاضے ہوئے تو آپ نے اہل مکہ کو شدید آہ و زاری میں چھوڑ کر اپنے اقارب اور بعض احباب کے ہمراہ کوفہ کا قصد کیا تھا، پھر جب آپ محصور کر لئے گئے تب بھی آپ نے ہرگز جدال کا قصد نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ یا مجھے واپس جانے دو یا یزید کے پاس لے چلو اور اگر تم مجھے دنیا میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے تو مجھے ترکستان وغیرہ کی طرف جانے دو تاکہ کفار سے جہاد کر کے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں، اور تمہاری مراد بر آئے، تم خود کیوں اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہو؟ — لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی اور پھر جو کچھ مظالم نہ کرنے تھے کیے اور سب سے اوّل ابن سعد نے آپ کی طرف تیر پھینکا اور مفرج کو گواہ کر کے کہا کہ تمہیں گواہی دینی ہوگی کہ سب سے پہلے امام کی طرف ابن سعد نے تیر چلایا تھا، اب اس واقعہ کو کون ایسا بیوقوف ہے، سوائے زید کے کہ وہ امام کا یزید پر خروج کہے گا اور یوں بکے گا آپ نے یزیدی فوج پہ اچانک قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کی موت معاذ اللہ جاہلیت کی موت تھی، لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ آپ یقیناً نہ صرف شہید بلکہ سید الشہداء ہیں۔ (ص ۱۹)

(۷)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات کے مکتوب نمبر ۵۴ میں فرماتے ہیں :-

یزید بےدولت از اصحاب نیست در بدبختی او کرا سخن است ؟
کارے کہ آں بدبخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نکند، بعضے کہ از علمائے
اہل سنت در سخن او توقف کردہ اند نہ آں کہ وے از و راضی
اند بلکہ رعایت احتمال توبہ کردہ اند ۔

زید پر بھی لازم ہے کہ توبہ بلکہ احتیاطاً تجدید اسلام کرے اگر باز نہ آئے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق کرنا لازم ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

(ص ۔ ۱۹)

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
(دہلی)

اُنیسواں باب

شجرہ ہائے طریقت

شجرۂ طریقت خاندانِ اعلیٰ حضرت مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندی مجددی اسامی

(شجرۂ منثور بزبانِ فارسی مطبوعہ مطبع حسنی)

الحمد للہ الذی ہدانا صراط المستقیم ونوّر قلوب العارفین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین وآلہ واصحابہ اجمعین امّا بعد فہٰذہٖ سلسلۃ من المشائخ فی الطریقۃ النقشبندیۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ الٰہی بحرمۃ سید الکونین، رسول الثقلین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم الٰہی بحرمۃ صاحب الغار والحوض بالتحقیق امیر المؤمنین و امام المتقین ابی بکر ن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ الٰہی بحرمۃ شمس العارفین پارسی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ الٰہی بحرمۃ مقتدائے ارباب تحقیق و تصدیق حضرت قاسم ابن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم الٰہی بحرمۃ آں جمیع اسرار ظاہر و باطن را حاذق حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ آں مست جان ناکامی، قطب وحدت حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ عارف نورانی، غوث وقت خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ واقف اسرار احمدی، امام الوقت حضرت شیخ بو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ محو گشتہ ذات سبحانی، پیشوائے قوم حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ شمع نور روحانی، مقتدائے قوم حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ در بر کردہ از حق خلعت سروری، مقتدائے وقت حضرت خواجہ عارف ریوگری قدس سرہٗ الٰہی بحرمۃ مخزن علوم صوری و معنوی، قطب افراد، حضرت خواجہ محمود ابو الخیر فغنوی قدس سرہٗ الٰہی بحرمۃ ممتاز بعشق و جوال مردی، مرشد وقت، حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ، الٰہی بحرمۃ آں منتقل از عالم مجازی، محبوب حق، حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ العزیز الٰہی بحرمۃ شاہد ذو الجلال، مقتدائے صاحب کمال، حضرت خواجہ امیر سید کلال رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمۃ سر حلقۂ عارفان حق پسند، قطب الاولیاء، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ الٰہی بحرمۃ فارغ از حوادثات چرخ پیشوائے اولیاء حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہٗ الٰہی بحرمۃ معدنِ عشق و اسرار، مقتدائے اہل ابرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ الٰہی بحرمۃ بہر عابد و زاہد علی الدوام حق را حامد حضرت

خواجہ محمد زاہد قدس سرہٗ الٰہی بحرمت تیر خوردہ دل ریش، قطب وقت حضرت خواجہ درویش قدس سرہٗ الٰہی بحرمت وارث علوم رسول عربی، مرکز دائرۂ قطبیت حضرت مولانا خواجہ امکنگی قدس سرہٗ الٰہی بحرمت مالک ولایت صافی، فانی فی اللہ و اصل باللہ، افراد وقت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ، الٰہی بحرمت وارث علوم ربانی، مجدد دین صمدانی، محبوب یزدانی حضرت خواجہ احمد مجدد الف ثانی قدس سرہٗ الٰہی بحرمت جمیع مرادات را ساختہ معدوم، پیشوائے عارفین حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت مستغرق ذات احد، پیر اولیا حضرت خواجہ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت متخلق باخلاق منیف، قطب وقت حضرت خواجہ محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت کاشف اسرار نہاں، امام الوقت حضرت خواجہ محمد رازدال رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت رازدان اسرار احمدی، قطب الاولیاء حضرت خواجہ محمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت فخر زمین و زماں، قطب دوراں حضرت خواجہ محمد زماں رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت واقف رموز سرمدی، عاشق زار احمدی پیشوائے عارفین حضرت خواجہ احمد متقی رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت سلطان کشور معرفت و توحید برہان، مدعا ہوّیت و تجرید، مصدر ولایت، منبع قناعت و قطب افراد، مجمع اہل ارشاد، خلاصہ دودمان حسن و حسین خواجہ حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت قطب الاقطاب غوث الشیخ والشاب سلطان العارفین، سیمرغ قاف یقین، مقتداء اولیاء کاملین، پیشوائے اہل دنیا و دیں، امام المتقین، خلاصہ احفاد مصطفوی، سلالۂ اولاد مرتضوی جناب حضرت فیض مآب خواجہ سید امام علی قدس سرہٗ الٰہی بحرمت مقنن قوانین شریعت و مدلل آئین طریقت حضرت شیخ محمد مسعود فرد الافراد۔

(مطبوعہ مطبع حسنی)

ایضاً

(شجرۂ منظوم بزبان فارسی مطبوعہ مطبع حسنی)

الٰہی بحق رسول امیں — کہ پایوں او گشت عرش بریں
الٰہی بصدیق اکبر کہ او — شدہ از جاں فدائے شہ مرسلیں
بسلمان و قاسم بہ جعفر کہ بود — ز سر تا قدم عین صدق و یقین

بسر حلقۂ اولیاء بایزید — حق آگاہ، حق عاشق، حق گزیں
بہ حسن صفائے دل بوالحسن — بعشق دلِ بو علی شاہ دیں
بحق ابو یوسف حق پرست — باں عبد خالق شہ حق گزیں
بعارف کہ معروف از اولیاء است — بمحمود ممدوح اہل یقیں
بحق عزیزان کہ در عشق دوست — دل اندوہ گیں و اشتی جان حزیں
بہ بابا سماسی و سید کلال! — کہ بودند شاہان اقلیم دیں
باں پیر پیراں شہ نقشبند — کہ شستہ ز دل نقش ہر بغض و کیں
بہ یعقوب چرخی والا مقام — باوج کمالات ماہ مبیں
باں شیخ احرار خواجہ عبید — کہ عالم شد از خرمنش خوشہ چیں
بزاہد کہ زہد ست نازاں ازو — باں خواجہ درویش خلوت نشیں
باں خواجہ خواجگان خواجگی — باں خواجہ باقی روشن جبیں
بہ سعی مجدد کہ از جان و دل — شدہ دین و آئین حق را معیں
الٰہی باں خواجہ معصوم پاک — باں خواجہ عبدالاحد زیب دیں
الٰہی بحق محمد حنیف — باں راز داں شمع بزم یقیں
الٰہی باں مظہرے و محمد زماں — کہ بودند فخر زمان و زمیں
باں متقی حاجی احمد کہ بود — بجاں عاشق خاتم المرسلین
بشاہ حسین احسن اولیاء — بصبر و رضاء اکمل الکاملین
بحق امام خلائق علی! — کہ ملک دلش گشت زیر نگیں
بزہد محمد کہ سعد است — بذاتش ہمیں گشتہ دین مبیں
بہ مہرت پُر انوار گرداں دلم — ز اندوہ خویشم کن اندہ گیں

ایضاً

(شجرۂ منظوم بزبانِ اردو قلمی)

کچھ نہیں سرمایہ ہے روز جزا کے واسطے — ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے دعا کے واسطے

در پہ آیا ہوں خدا عفو و عطا کے واسطے

بارِ عصیاں دوش پر اور دل میں ہے حرص ہوا کینۂ و بخل و ریا میں ہوں سراسر مبتلا
در گزر کر مجھ سے ختم الانبیاء کے واسطے

رات دن یہ حبِّ دنیا ہے مرے جی کا وبال میری کشتی کو الٰہی بحرِ عصیاں سے نکال
حضرت صدیق اکبر باصفا کے واسطے

شرک و بدعت اور ضلالت سے الٰہی دور رکھ نورِ ایماں سے خدایا دل مرا معمور رکھ
حضرت سلمان صحابی مصطفےٰ کے واسطے

صبر و شکر و صدق پر ثابت قدم رکھنا مجھے اور توفیقِ حیاء و حلم بھی دینا مجھے
حضرت قاسم امام الاتقیاء کے واسطے

نفس و شیطاں ہاں ہیں اور بُرے سب ہیں کام رکھ مجھے محفوظ ان سب سے خدا وندا مدام
حضرت جعفر امام اولیاء کے واسطے

کوئے عصیاں میں الٰہی خاک چھانی دربدر باز رکھ اب اس سے یارب مجھ کو اور رسوا نہ کر
بایزید قطب عالم مقتدا کے واسطے

رنج و غم میں مبتلا ہوں کیا کہوں میں اپنا حال اس مصیبت سے خدایا تو مجھے جلدی نکال
بوالحسن خرقانی شاہ اصفیاء کے واسطے

تیری رحمت کے سوا یارب نہیں حاجت مجھے کر عنایت یا الٰہی دین کی عزت مجھے
بوعلی فارمد فیض خدا کے واسطے

مال و دولت عیش و عشرت کا نہ ساماں چاہیئے مجھ غریب بے نوا کو نورِ ایماں چاہیئے
یوسف ہمدانی شیخ اولیاء کے واسطے

کیسی دولت کیسی حشمت اور کہاں کا جاہ و مال طالب دیدار ہوں تیرا ہی رب ذوالجلال
عبد خالق غجدوانی رہنما کے واسطے

اپنی نارِ عشق سے کر دے مرے دل کو کباب تا نیا ید جز وصال تو دلم را صبر و تاب
خواجہ عارف ریوگری خدا کے واسطے

ہر گھڑی، ہر وقت، ہر لحظہ ترا مجنوں رہوں یہ دعا مقبول ہو یارب ترا مفتوں رہوں
فغنوی محمود ابخیر و عطا کے واسطے

عشق احمد کا الٰہی ہو مرے دل کو سرور — اور نظر آوے مجھے ہر چیز میں تیرا ظہور
شہ علی رامیتنی خیر الوریٰ کے واسطے

کر دے فانی اس قدر عشق محمد میں مجھے — موت آجائے خیال شکل احمد میں مجھے
خواجہ بابا سماسی مقتدا کے واسطے

نامۂ اعمال ہے میرا گناہوں سے سیاہ — زآب رحمت کن سفیدش اے رحیم اے الٰہ
خواجہ سید کلال دل ربا کے واسطے

رات دن یہ التجا ہے اس دل غمناک کی — دے مجھے اپنی محبت اور شہ لولاک کی
شہ بہاؤالدین شیخ اولیاء کے واسطے

ہر بلائے دین و دنیا سے مجھے محفوظ رکھ — دولت ایمان سے یارب دل مرا محظوظ کر
خواجۂ یعقوب چرخی دلربا کے واسطے

یہ تمنا اور خواہش ہے مری صبح و مسا — جام وحدت دے پلا اور غیر کو دل سے بھلا
شہ عبید اللہ ذی المجد و علا کے واسطے

آرزو ہے تو یہی ہے اور یہی ہے التجا — عشق دے اپنا الٰہی اور اپنا لے بنا
خواجۂ زاہد ولیٔ و پارسا کے واسطے

دین احمد پر خدایا میں رہوں ثابت قدم — اس قدر مجھ بے نوا پر ہو ترا فضل و کرم
حضرت درویش خواجہ بے ریا کے واسطے

مطلع خورشید رحمت مجھ پہ چمکا دے ذرا — یعنی دیکھوں روضۂ اقدس شہ ہر دو سرا
خواجہ امکنگی شہ اہل رضا کے واسطے

جلد وہ دن ہو طواف کعبہ جو حاصل کروں — اور رسول کبریا کے در کا میں سائل رہوں
باقی باللہ مقتدائے اتقیاء کے واسطے

یاالٰہی مجھ کو پہنچا دے مدینہ پاک میں — خاک ہو کر جا پڑوں کوئے شہ لولاک میں
اور مجدد شیخ احمد مقتدا کے واسطے

دے وہ بینائی کہ جس سے میں ترا دیکھوں جمال — دل وہ دے کہ جس میں گزرے شۂ احمد کا خیال
خواجہ معصوم با حلم و حیاء کے واسطے

ہو غریب خستہ پر لطف و عنایت کی نظر — یاد میں یارب تری قائم رہوں شام و سحر

خواجہ عبدالاحد قطب الوراء کے واسطے

حبِ دنیائے دنی نے کر دیا مجھ کو تباہ دور رکھ اس سے خدایا اور عطا کر اپنی چاہ
شہ حنیفِ مقتدائے اصفیاء کے واسطے

دن قیامت کے الٰہی آبرو رکھ لیجیئو! غرق دریائے معاصی ہوں عنایت کیجیئو!
شہ محمد رازدانِ سرِ خدا کے واسطے

کیا کہوں غفلت کی ہے دل پر گھٹا چھائی ہوئی رحم کر یارب لبوں پر جان ہے آئی ہوئی
شہ محمد مظہری پیر ہُدیٰ کے واسطے

دونوں عالم میں نہیں تیرے سوا مشکل کشا رحم کی مجھ پر نظر کر بخش دے میری خطا
حضرت خواجہ زماں محو رضا کے واسطے

دین و دنیا کی سعادت کر مجھے یارب عطا نخلِ امید آبِ رحمت سے رہے پھولا پھلا
حاجی احمد متقی با اتقا کے واسطے

ہوں گنہ گار و خطا وار اے مرے پروردگار کشتئ طوفانیم را کن ز دریا بر کنار
خواجہ حاجی شہ حسین باخدا کے واسطے

سخت حیراں ہوں عجب مشکل مجھے آکر پڑی تو کرے رحمت تو پھر آساں ہووے ہر کڑی
شہ امام با علی نور الہدیٰ کے واسطے

دولتِ ایماں تری درگاہ سے ہووے عطا خاتمہ بالخیر ہووے بس مرا جب یا خدا
خواجۂ مسعود شاہ دوسرا کے واسطے

(سلوکِ مسعودی، قلمی، ص-۱۷۹-۱۸۴)

ایضاً

شجرۂ مختصر منظوم بزبان اردو

بخش دے یارب محمد مصطفےٰ کے واسطے حضرت صدیق و سلماں باخدا کے واسطے
حضرت قاسم و جعفر بایزید و بوالحسن بوعلی و خواجہ یوسف رہنما کے واسطے
عبد خالق عارف و محمود علی رامیتنی شہ سماسی اور کلال مقتدا کے واسطے

شہ بہاؤ الدین و یعقوب اور عبید اللہ شاہ زاہد و درویش و امکنگی صفا کے واسطے
باقی باللہ احمد و معصوم اور عبد الاحد شہ حنیف و راز داں راز خدا کے واسطے
شہ محمد مظہری و شہ زماں و متقی خواجہ حاجی شہ حسین دل ربا کے واسطے
حضرت سید امام با علی پیر ہدی فضل کر مسعود شاہ اولیاء کے واسطے

(سلوک مسعودی، قلمی، ص- ۱۷۵)

وفیات الاولیاء نقشبندیہ

۱- وصال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ و بقول صحیح ۲ ربیع الاول ——— مزار پر انوار مدینہ منورہ میں ہے، عمر شریف ۶۳ سال۔

۲- وصال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۲ یا ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ، بروز دوشنبہ یا شب سہ شنبہ، مزار مبارک مدینہ منورہ میں ہے، عمر ۶۳ سال۔

۳- وفات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ۱۰ رجب ۳۳ھ، مزار شریف مدائن میں ہے عمر شریف بقول اصح ۲۵۰ سال۔؟

۴- وفات حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۴ جمادی الاول ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ، مزار مبارک مدائن میں ہے، عمر شریف ۷۲ سال۔

۵- وفات حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ روز دوشنبہ مزار مبارک مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں ہے عمر شریف ۶۵ یا ۶۸ سال۔

۶- وفات حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ ۱۵ شعبان المعظم ۲۶۱ھ (باختلاف روایات) مزار مبارک بسطام میں ہے۔

۷- وفات حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ رمضان المبارک یا محرم الحرام ۴۲۵ھ، شب سہ شنبہ، مزار مبارک بسطام کے پہاڑی علاقے میں خرقان نامی ایک قریہ میں ہے۔ عمر شریف ۷۲ سال۔

۸- وفات حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ ۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ، مزار مبارک طوس میں ہے، عمر شریف ۷۰ سال۔

۹- وفات خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رجب المرجب ۵۳۵ھ (یا غرۂ صفر المظفر)

مزار مبارک مرو میں ہے، عمر شریف ۹۵ سال۔

۱۰۔ وفات خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ، مزار مبارک غجدوان میں ہے، یہ قریہ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

۱۱۔ وفات خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ غرہ شوال المکرم ۶۱۶ھ، مزار مبارک ریوگر میں ہے جو بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

۱۲۔ وفات خواجہ محمود ابوالخیر فغنوی، ۱۷ ربیع الاول ۷۱۱ھ، مزار مبارک وابکنی میں ہے جو بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلے پر ہے، مولد شریف فغنہ توابع بخارا میں واقع ہے۔

۱۳۔ وفات خواجہ عزیزاں علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ ذیقعدہ ۷۱۵ھ (بقول صحیح) مزار مبارک خوارزم میں واقع ہے، مولد شریف رامیتن ہے جو بخارا سے دو فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے، عمر شریف ۱۳۰ سال۔

۱۴۔ وفات حضرت بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ جمادی الآخر ۷۵۵ھ، مزار مبارک طوس کے قریہ سماس میں واقع ہے۔

۱۵۔ وفات خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ ۸ جمادی الاول ۷۷۲ھ صبح پنج شنبہ امیر تیمور صاحب قراں کے عہد میں وصال فرمایا، مزار مبارک سوخار نامی گاؤں میں واقع ہے۔ جو سماس سے پانچ منزل پر واقع ہے۔

۱۶۔ وفات حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ شب دوشنبہ امیر تیمور کے عہد میں وصال فرمایا، مزار مبارک قصر عارفان میں ہے جو بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے، عمر شریف ۷۴ سال، حضرت خواجہ ممدوح فرماتے ہیں کہ میرا اور میرے والد کمخواب بافی کا کام کرتے تھے، اس لئے "نقشبندی" مشہور ہو گئے۔

۱۷۔ وفات حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ ۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ، حصار کے علاقے میں "ہلفتو" نامی ایک گاؤں میں مزار مبارک ہے، مولد شریف چرخ ہے جو غزنی کے علاقے میں واقع ہے۔

۱۸۔ وفات خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ، مزار مبارک سمرقند میں واقع ہے، عمر شریف تقریباً ۹۰ سال۔

۱۹۔ وفات مولانا زاہد رحمۃ اللہ علیہ غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ، مزار مبارک وخش میں واقع ہے

اس کو دخشور ابھی کہتے ہیں، افغانستان میں واقع ہے۔

۲۰- وفات خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ ۱۹ محرم الحرام ۹۷۵ھ، مزار مبارک الفرازہ میں ہے جو کش کے علاقے میں واقع ہے۔

۲۱- وفات حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۰۰۸ھ، مزار مبارک موضع امکنگ میں واقع ہے جو شہر سبزوار کے قریب واقع ہے اس کو امکنہ بھی کہتے ہیں۔

۲۲- وفات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ، مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، عمر شریف ۴۰ سال۔

۲۳- وفات حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ روز دوشنبہ، مزار مبارک شہر سرہند میں واقع ہے، عمر شریف ۶۳ سال۔

۲۴- وفات خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ ۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے، عمر مبارک ۷۲ سال۔

۲۵- وفات خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۱۴۲ھ، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے، صاحب روضۃ القیومیہ نے تاریخ وفات ۲۷ ذی الحجہ ۱۱۲۷ھ لکھی ہے۔

۲۶- وفات خواجہ محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ غرہ صفر المظفر ۱۱۳۳ھ، مزار مبارک موضع بامیان میں واقع ہے جو کابل کے نزدیک ہے۔

۲۷- وفات خواجہ محمد مکی راز داں رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴۳ھ، مزار مبارک موضع انثکی لاتقی میں واقع ہے، جو حجاز مقدس میں ہے۔

۲۸- وفات خواجہ محمد مظہری سندھی رحمۃ اللہ علیہ ۹ ذی الحجہ ۱۱۴۹ھ، مزار مبارک مکہ معظمہ میں ہے۔

۲۹- وفات خواجہ محمد زماں رحمۃ اللہ علیہ ۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، مزار مبارک قصبہ لواری شریف میں واقع ہے، جو مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سندھ میں بدین کے قریب ہے۔

۳۰- وفات حضرت خواجہ احمد عتیقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶ ذیقعدہ سنہ ھ، مزار مبارک موضع قاضی احمد میں واقع ہے، جو سابق صوبہ سندھ کے شہر ہالا سے کچھ فاصلہ پر ہے۔

۳۱- وفات حضرت حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ ۷ صفر المظفر ۱۲۴۲ھ، مزار مبارک موضع ترکھیتر میں ہے جس کو مکان شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ موضع مشرقی پنجاب

کے ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔

۳۲۔ وفات حضرت امام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ ۲۱ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ یوم پنج شنبہ۔ مزار مبارک مکان شریف میں واقع ہے۔

۳۳۔ وفات حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ۔ مزار مبارک دہلی میں واقع ہے۔

(سلوک مسعودی، قلمی، ص۔ ۱۷۵-۱۷۸)

شجرۂ طریقت خاندان حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمتہ اللہ علیہ

(نقشبندی مجددی مسعودی)

شجرۂ منظوم بزبان اردو مرتبہ مولوی ارشاد علی مرحوم

بخشدے یارب محمد مصطفےٰ کے واسطے — حضرت صدیق اکبر باخدا کے واسطے
خواجہ سلمان خواجہ قاسم خواجہ جعفر کے طفیل — رحم فرما بایزید رہنما کے واسطے
از پے محبوب سبحاں شاہ خرقاں بوالحسن — بوعلی و خواجہ یوسف مقتدا کے واسطے
پیر برحق عبد خالق خواجہ عارف کے طفیل — خواجہ محمود حبیب کبریا کے واسطے
قدوۂ اہل صفا خواجہ علی رامیتنی — بابا سماسی کلال مقتدا کے واسطے
فخر جملہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین شاہ — خواجہ یعقوب امام الاولیا کے واسطے
حامی دین متین خواجہ عبیداللہ شاہ — خواجہ زاہد پیر برحق پارسا کے واسطے
خواجہ درویش خواجہ امکنگی کے صدقہ میں الٰہ — رحم فرما باقی باللہ باخدا کے واسطے
ابر رحمت خواجہ سرہند احمد کے طفیل — خازن الرحمت سعید باصفا کے واسطے
خواجہ معصوم اور عبدالاحد محبوب حق — شہ حنیف رازداں راز خدا کے واسطے
از پے خواجہ محمد رازداں پیر ہدیٰ — شہ محمد پیر برحق باصفا کے واسطے
از برائے شہ زماں و حاجی احمد متقی — خواجہ حاجی حسین دل ربا کے واسطے
از برائے حضرت سید امام باعلی — فضل کر مسعود شاہ اولیاء کے واسطے
دے مجھے سوز محبت تا مٹے میری خودی — رکن الدین پیر برحق پارسا کے واسطے

خاکِ پائے خواجگان ارشادعلی الورٰی ! چاہتا ہے مغفرت آلِ عبا کے واسطے

ایضاً

شجرۂ طریقت خاندانِ عالیہ قادریہ

(منظومہ جمیل دہلوی)

بخشدے یا رب محمد مصطفےٰ کے واسطے
حضرت مولا علی مشکل کشا کے واسطے

قافلہ سالار اور سبطِ نبی حضرت حسین
سید الشہداء حسین دل ربا کے واسطے

وارد ئے امراض زین العابدین باقر امام
جعفر و کاظم علی موسیٰ رضا کے واسطے

خواجۂ معروف کرخی اور سری سقطی کے طفیل
اور جنید و خواجہ شبلی رہنما کے واسطے

عبدِ واحد اور یوسف اور قرشی بوالحسن
رحم فرما بوسعید باصفا کے واسطے

حضرت محبوب سبحان عبد قادر شاہ دیں
عبد الرزاق ضمیر اولیاء کے واسطے

شاہ شرف الدین و حضرت سید عبد الوہاب
شہ بہاؤ الدین عقیل مقتدا کے واسطے

شمس الدین و شہ گدا رحمٰن اول کے طفیل
شمس دیں ثانی گدا رحمٰن علا کے واسطے

شہ فضل و شہ کمال و شہ سکندر کے طفیل
حضرت احمد مجدد باخدا کے واسطے

خواجہ معصوم و خواجہ صبغۃ اللہ باکمال
اور اسماعیل مذبوح خدا کے واسطے

شہ غلام حضرت معصوم اور حاجی صفی
عبد باقی اور عطا معصوم علا کے واسطے

قطب وقت خواجہ معصوم ضیاء نور حق
رکن دیں منظور احمد پارسا کے واسطے

کس مپرس و بیکس و خادم جمیل بے نوا
چاہتا ہے مرضی مولیٰ خدا کے واسطے[1]

ایضاً

شجرۂ طریقت خاندان عالیہ چشتیہ

(منظومہ جمیل دہلوی)

بخشدے یا رب محمد مصطفےٰ کے واسطے
حضرت مولا علی مشکل کشا کے واسطے

[1] رسالہ آداب سالک مطبوعہ دہلی ص ۲۰

حضرت خواجہ حسن اور عبد واحد شاہ دیں — حضرت خواجہ فضیل پارسا کے واسطے
خواجہ ابراہیم اور حضرت حذیفہ کے طفیل — شہ امین الدین اور ہبیرہ باصفا کے واسطے
صدقہ ابراہیم دینوری و بو اسحاق کا — اور ابو احمد شہ دین خدا کے واسطے
بو محمد اور شاہ ناصر دین مبین — قطب دیں مودود چشتی باخدا کے واسطے
صدقہ حاجی شریف و حضرت مخدوم علی — خواجہ شمس الدین شاہ اتقیا کے واسطے
شہ جلال الدین عبد الحق عارف پُرضیا — حضرت شیخ محمد مقتدا کے واسطے
عبد قدوس اور حضرت رکن دیں محبوب حق — خواجہ عبد الاحد نور ھدیٰ کے واسطے
حضرت احمد مجدد الف ثانی کے طفیل — خواجہ معصوم پیر رہنما کے واسطے
از پے خواجہ محمد صبغۃ اللہ شاہ دیں — خواجہ اسمٰعیل شاہ اصفیا کے واسطے
شہ غلام حضرت معصوم اور حاجی صفی — عبد باقی اور عطا معصوم علا کے واسطے
حضرت خواجہ ضیاء معصوم محبوب خدا — رکن دیں منظور احمد پارسا کے واسطے
کس مپرس و بیکس و خادم جمیل بے نوا — چاہتا ہے مرضیٔ مولا خدا کے واسطے[۱]

شجرۂ طریقت خاندان حضرت مفتی اعظم الحاج مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی

خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی

یا الٰہی ہاتھ اٹھاتا ہوں دُعا کے واسطے — کھول دے اپنے خزانے مجھ گدا کے واسطے
رحمتِ عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے

مانگتا ہوں وہ جو مانگا ہے رسول پاک نے — دور رکھ جس سے پناہ مانگی شہ لولاک نے
حضرت بوبکر شاہ اولیاء کے واسطے

ہر مہم میں میرے یارب تو مرا ہو جا کفیل — انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل[۱]
حضرت سلمان امام الاتقیا کے واسطے

مشکلوں میں آپھنسا ہوں مرے بیکس نواز[۲] — چارہ سازی کر غریب ناتواں کے چارہ ساز
خواجہ قاسم فرد کامل بے ریا کے واسطے

---

[۱] رسالہ آداب سالک، مطبوعہ دہلی، ص ۲۰

ہیں معاصی اس قدر اعمال نامہ ہے سیاہ　　یاالٰہی بخشدے ورنہ ہوا بس اب تباہ
حضرت جعفر سراج الاولیا کے واسطے

شرک و بدعت کفر و ذلت حب دنیا سے بچا　　اور حمیدہ مجھ کو سب اخلاق کر یارب عطا
کنز عرفاں بایزید رہنما کے واسطے

معصیت سے پھیر دے دل کو مرے طاعت کی طرف تو　　اے دلوں کے پھیرنے والے بڑا قادر ہے تو
شاہ خرقاں بوالحسن نور خدا کے واسطے

نفس و شیطان راہ زن ہیں اور کٹھن ہے راستہ　　کر دے بُعد المشرقین ان سے مرا تو فاصلہ
بوعلی کنز الیقیں جان ہدیٰ کے واسطے

میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ　　نور مطلق کی جھلک سے باطن کو کر پیراستہ
مظہر حق خواجہ یوسف مہ لقا کے واسطے

کام وہ مجھ سے کرا ہو جس سے راضی مجھ سے تو　　تیرے محبوبوں کے سب انداز آئیں ہو بہو
عبد خالق قدوۂ اہل صفا کے واسطے

اہل سنت کے طریقہ پہ ہمیں ثابت قدم　　یاالٰہی رکھ کہیں ایسا نہ ہو ڈگ جائیں ہم
خواجہ عارف سمائے ارتقا کے واسطے

عشق ایسا دے مجھے حضرت رسول اللہ سے　　ان کی ہر سنت پہ مٹ جاؤں پھروں نہ راہ سے
خواجہ محمود مفتاح عطا کے واسطے

اک سر مو تیری طاعت میں نہ مجھ سے فرق ہو　　راہ میں تیری مرا دل یا الٰہی برق ہو!
شہ علی رامیتنی مرد خدا کے واسطے

راستہ پر اپنے محبوبوں کے مجھ کو ڈال کر　　اے مرے ہادی مجھے پھر اس سے تو گمراہ نہ کر
بابا سماسی چراغ اصفیاء کے واسطے

راستہ پیروں سے میرا ایسا مستحکم رہے　　طے کرا تا منزل صد سالہ جو ہر دم رہے
حضرت سید امیر رہنما کے واسطے

اپنا ذوق و شوق درد و سوز یارب کر عطا　　اپنے ذکر و فکر انس و معرفت کا دے مزا
شہ بہاؤ الدین غوث اولیاء کے واسطے

توبہ و زہد و ورع صبر و قناعت کر عطا　　شکر و تسلیم و رضا و عزلت توکل اے خدا

شہ علاؤالدین عطار ولا کے واسطے

مورد الطاف میرے سب لطائف کر خدا قلب و روح و سر و خفی اخفیٰ مقام نفس وا

حضرت یعقوب چرخی باصفا کے واسطے

مجھ کو خلوت انجمن میں اور وطن میں دے سفر دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر

شہ عبیداللہ نور کبریا کے واسطے

اپنی نار عشق سے کر سوختہ دل کو مرے تا ہمیشہ کے لئے وہ نار دوزخ سے بچے

خواجہ زاہد ماحی حرص و ہوا کے واسطے

یاد میں اپنی الٰہی ایسا استغراق دے ذات واحد کے سوا جو مجھ سے سب کچھ گم کرے

خواجۂ درویش جان ارتقا کے واسطے

جام وحدت کا پلا کر کر دے بیخود مجھ کو یوں غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست ہوں

شاہ امکنگی کبیرالاولیاء کے واسطے

زندگی جتنی بڑھے طاعت بڑھے اتنی مدام موت جب آئے تو آئے چین اے رب انام

باقی باللہ شاہ ذوالمجد و علا کے واسطے

جس مقام قرب میں پہنچوں کہوں ھل من مزید میری ہر شب ہو شب قدر اور ہر دن روز عید

حضرت احمد مجدد مقتدا کے واسطے

خاتمہ بالخیر ہو سکرات کی سختی نہ ہو روح جب تیری طرف جائے اسے پستی نہ ہو

حضرت معصوم کوہ اعتلا کے واسطے

قبر جب پہنچے مجھے ہونے لگے مجھ سے سوال کیجیو میری مدد اس وقت میرے ذوالجلال

حضرت عبدالاحد محو خدا کے واسطے

روز محشر کا مجھے ڈر کھائے جاتا ہے خدا اس کی ہر سختی سے یا رب لیجیو مجھ کو بچا

شہ حنیف فخر ارباب ہدیٰ کے واسطے

شمس ہو جب میل بھر مجرم پسینہ میں ہوں غرق تیرا سایہ چاہتا ہے یہ کمینہ عار خلق

شہ محمد رازداں راز خدا کے واسطے

خصم جب میرے کریں مجھ سے طلب اپنے حقوق ان کو راضی مجھ سے کر دیجو کہ ہے تجھ پر وثوق

شہ محمد مظہری محو رضا کے واسطے

جس مقام سخت میں پہنچوں شفیع عاصیاں ہو مدد پہ میری سنتے ہوں میری آہ و فغاں ،
شہ زماں سلطان خوباں باخدا کے واسطے

جب تیری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب حکم ہو جا ہم نے بخشا بے حساب و بے عتاب
حاجی احمد متقی نور الہدیٰ کے واسطے

۱۸ھ
تولے جائیں جب میرے اعمال میزاں میں خدا پلۂ نیکی کو بوجھل کر کے ہلکی کر خطا
خواجۂ حاجی حسین دل ربا کے واسطے

۱۹ھ
جب سر پل میں چلوں تو ہو میرا محبوب ساتھ یوں زباں پر رب سلّم ہاتھ میں ہو میرا ہاتھ
شہ امام باعلی بحر عطا کے واسطے

وہ جہنم کانپتی ہے جس سے دنیا کی یہ آگ میرے مولا دور رکھیو مجھ سے تو اس کا عذاب
حضرت مسعود شاہ اولیاء کے واسطے

پیاس کی شدت ہو جب تو آب کوثر ہو عطا تا ابد لیتی رہے میری زباں اس کا مزا
سید صادق علی مشکل کشا کے واسطے

۲۰ھ
روز محشر مثل لمحہ مجھ پہ گزرے یا خدا آخرش فردوس اعلیٰ میں مجھے دی جائے جا
شاہ رکن الدین محبوب خدا کے واسطے

۲۱ھ
مجھ سا منگتا بھی کہیں اس در سے جاتا ہے خدا تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا
شہ محمد مظہر اللہ پیشوا کے واسطے

۲۲ھ
مجھ کو اور اس کو کہ جس کا مجھ پہ کچھ حق ہے خدا جو طلب میں نے کیا یہ سب ہی کو ہو عطا
اپنی ذات پاک کے کل اولیاء کے واسطے

نوٹ :- اس شجرے کے تیسرے اڈیشن میں جو امپیریل پریس دہلی سے شائع ہوا حضرتؒ نے ترمیم و اضافہ فرمایا ہے۔

مندرجۂ بالا نشان زدہ اشعار یا مصرعوں میں جو ترمیم کی گئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے :-

۱ھ میری ہر مشکل میں یارب تو ہی ہو میرا کفیل انت ربی انت حسبی نت لی نعم الوکیل

۲ھ مشکلوں نے مجھ کو آگھیرا ہے اے بیکس نواز الخ

۳ھ اور سب اخلاق اچھے مجھ کو یارب کر عطا الخ

۴ھ معصیت سے پھیر دے دل کو مرے کر نیک خو الخ

۵ ناتواں ہوں کر حفاظت تجھ کو تیرا واسطہ الخ

۶ جو عمل یارب کروں میں آخری مقصد ہو تو — تیرے محبوبوں کے سب انداز پاؤں ہوبہو

۷ رہروانِ راہِ سنت سے نہ کر مجھ کو جدا — نقشِ پا اور ہر قدم پر جان و دل سے ہوں فدا

۸ عشقِ شاہِ دوسرا سے جگمگائے دل مرا — ہر ادا میں اُن کی پنہاں ہو مرے دل کی دوا

۹ ذرہ بھر تیری اطاعت میں نہ مجھ سے فرق ہو — یاد میں تیری سرا دل یا الٰہی برق ہو

۱۰ راستہ پر اپنے محبوبوں کے مجھ کو ڈال کر — اے مرے ہادی نہ پھر مجھ کو کبھی گمراہ کر

۱۱ رابطہ پیروں سے میرا ایسا مستحکم رہے الخ

۱۲ جس طرف دیکھوں نظر آئے مجھے ہر سو تو ہی — دیدہ و دل میں مرے اس طرح بس جائے تو

۱۳ دردِ فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو — موت جب آئے صبحِ وصل کا پیغام ہو

۱۴ قبر میں آکر فرشتے جب کریں مجھ سے سوال — تب مدد فرمائیو بہرِ کرم اے ذوالجلال

۱۵ روزِ محشر انبیاء جس سے سہم جائیں گے، آہ — اس کی ہر سختی سے یارب دے مجھے اپنی پناہ

۱۶ میل بھر سورج ہو اور ہو ہر طرف آہ و بکا — سایۂ داماں ملے اس بیکس و بے سایہ کا

۱۷ میرے دشمن جب کریں مجھ سے طلب اپنے حقوق الخ

۱۸ جب ترازو میں مرے اعمال ہوں پیش اے خدا — ہر خطا کے بدلے مل جائے ترے در سے عطا

۱۹ جب سرِ پل میں چلوں ان کی نگاہیں ساتھ ہوں — ربِّ سلِّم کی صدائیں ہر قدم کے ساتھ ہوں

۲۰ روزِ محشر ایک پل کی طرح گزرے اے خدا — اور پھر فردوسِ اعلیٰ میں مجھے دی جائے جا

۲۱ چھوڑ کر در کو ترے جائے کہاں تیرا گدا — تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا

۲۲ جو طلب میں نے کیا، سب کچھ یہ سب کو ہو عطا الخ

بیسواں باب

شجرہ ھائے نسب

شجرۂ نسب حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ

①

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مورثِ اعلیٰ مشہور ولی کامل حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا شجرۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، حضرت جلال الدین علیہ الرحمہ سے حضرت شاہ صاحب کے جدِ امجد شیخ احمد علیہ الرحمہ تک جو کڑیاں ہیں ان کا علم نہ ہو سکا، کیوں کہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں حضرت شاہ صاحب کے مکان شریف کا سارا اثاثہ تلف ہو گیا تھا جس میں شجرہ بھی شامل تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے جدِ امجد شیخ احمدؒ کے ہاں ایک صاحبزادے ہوئے جن کا اسم گرامی شیخ الٰہی بخش تھا، آپ کے ہاں ایک صاحبزادے حضرت شاہ صاحب (شیخ رحیم بخش الملقب بہ محمد مسعود شاہ) اور دو صاحبزادیاں رحیم النساء اور افضل النساء (زوجۂ حافظ عبدالعزیز خاں) تولد ہوئیں۔

②

حضرت شاہ صاحب کے ہاں زوجۂ اوّل عائشہ خانم (بنت مولانا حیدر شاہ خاں، امام شاہی مسجد فتحپوری دہلی) کے بطن سے ایک صاحبزادے مولانا محمد سعید تولد ہوئے جن کے ہاں دو صاحبزادے مظہر قیوم اور حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ تولد ہوئے اوّل الذکر بچپن میں فوت ہو گئے، حضرت مفتی اعظمؒ نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں، جس کی تفصیل یہ ہے۔

③

زوجۂ اوّل انور جہاں بیگم کے بطن سے دو صاحبزادے مولانا محمد مظفر احمد اور مولانا محمد مشرف احمد اور ایک صاحبزادی اختر بیگم تولد ہوئیں ۔۔۔۔۔ مولانا محمد مظفر احمد کے ہاں تین صاحبزادے محمد ظفر احمد، محمد اظہر احمد، محمد نذر احمد اور پانچ صاحبزادیاں زبیدہ بیگم (زوجۂ محی الدین فاطمی) عشیدہ بیگم، (زوجۂ اکرم احمد کلیمی) وحیدہ بیگم مرحومہ، سالمہ بیگم اور عالمہ بیگم، تولد ہوئیں[1] ۔۔۔۔۔ مولانا محمد مشرف احمد کے ہاں چار صاحبزادے محمد آصف جاہ، احمد میاں، محمد احسن، محمد اسلم، محمد اکرم اور چار صاحبزادیاں عابدہ خاتون (زوجۂ ڈاکٹر

[1] یہ سب کراچی میں مقیم ہیں۔

رضوان اللہ) زاہدہ خاتون، شاہدہ بیگم اور شاکرہ بیگم تولد ہوئیں[۱] ــــــ اختر بیگم (زوجہ حضرۃ العلامہ مفتی محمد محمود صاحب) کے بطن سے بکثرت اولاد ہوئی گھران میں ایک صاحب زادے ابوالخیر محمد زبیر اور دو صاحب زادیاں مہرجہاں بیگم (زوجہ محمد فاروق) اور میمونہ بیگم (زوجہ محمد رضی) بقید حیات ہیں ــــ اوّل الذکر کے ہاں ایک صاحب زادے محمد انیس اور ایک صاحب زادی تولد ہوئیں۔ اور مؤخر الذکر کے ہاں ایک صاحب زادی تولد ہوئیں[۲]۔

(۴)

حضرت کی دوسری اہلیہ نورجہاں بیگم کے بطن سے دو صاحب زادیاں فاطمہ بیگم (زوجہ سیّد حفیظ الرحمٰن) اور عائشہ بیگم (زوجہ مولوی شفیق احمد مرحوم) تولد ہوئیں، اوّل الذکر کے بطن سے چار صاحب زادے محمد طاہر، محمد عارف، محمد زاہد، محمد فاخر[۳] اور چار صاحب زادیاں حافظہ بیگم (زوجہ سید محمد مستقیم) حامدہ بیگم مرحومہ (زوجہ اکرام الحق) رابعہ بیگم (زوجہ اقبال حسن انصاری) اور طاہرہ بیگم (زوجہ حافظ عبدالقدیر) تولد ہوئیں۔ ان چاروں صاحب زادیوں کی اولاد کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے:۔

(۱)۔ محمد عظیم، مظہر قیوم، محمد تسنیم، احمد وسیم، ندیم اور عارفہ بیگم (یہ سب شکار پور میں مقیم ہیں)

(۲)۔ احترام الحق، اسرار الحق، عرفان الحق، اور صبیحہ بیگم (یہ سب کراچی میں مقیم ہیں)

(۳)۔ شہزاد اقبال، فرخ اقبال، فرزانہ جبیں، دردانہ جبیں اور گل رعنا (یہ سب راولپنڈی میں مقیم ہیں)

(۴)۔ محمد عاصم، محمد ہاشم، فرحت، رفعت ثریا، اور رخشندہ گوہر (یہ سب احمد پور شرقیہ میں مقیم ہیں)

حضرت کی تیسری صاحب زادی عائشہ بیگم کے بطن سے تین صاحب زادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

محمد احمد، احمد علی، رئیسہ بیگم، مسرت بیگم، کوثر بیگم، سلمہ بیگم وغیرہ وغیرہ، یہ سب کراچی میں مقیم ہیں۔

(۵)

حضرت کی تیسری اہلیہ عائشہ بیگم کے بطن سے پانچ صاحب زادے مولانا محمد احمد، مولانا

---

[۱] عابدہ خاتون علی گڑھ میں مقیم ہیں باقی سب دہلی میں مقیم ہیں۔

[۲] یہ سب حیدر آباد (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں۔

[۳] محمد زاہد و محمد فاخر توحید الدین کے ساتھ بہاول پور میں مقیم ہیں، محمد طاہر اسلام آباد میں ملازم ہیں، محمد عارف گورنمنٹ کالج شکار پور میں پروفیسر ہیں۔

منورا احمد مرحوم، مولانا منظور احمد مرحوم، راقم الحروف محمد مسعود احمد، ڈاکٹر محمد سعید احمد اور چھ صاحبزادیاں آمنہ بیگم مرحومہ (زوجۂ حاجی عبدالخالق) خدیجہ بیگم مرحومہ، صدیقہ بیگم (زوجہ نوابزادہ فریدالدین مرزا) امینہ بیگم (زوجہ سید عبدالعزیز) اور نسیمہ بیگم (زوجہ محمد نسیم صاحب) تولد ہوئیں ———

مولانا مظہر احمد صاحب کے ہاں پانچ صاحبزادے مکرم احمد، معظم احمد، بشیر احمد، مبشر احمد، محمود احمد اور چھ صاحبزادیاں عشرت بیگم مرحومہ، شبیہہ بیگم، وسیمہ بیگم، فہیمہ بیگم، سلیمہ بیگم اور رضیہ بیگم تولد ہوئیں ——— مولانا منور احمد اور مولانا منظور احمد مرحوم جوانی میں انتقال فرما گئے اول الذکر کا مزار دہلی میں ہے، اور مؤخر الذکر کا مزار حیدر آباد (مغربی پاکستان) میں ——— محمد مسعود احمد کے ہاں ایک صاحبزادی کوکب جہاں اور ایک صاحبزادی ثروت جہاں تولد ہوئیں ——— ڈاکٹر محمد سعید احمد کے ہاں ایک صاحبزادے غضنفر احمد اور ایک صاحبزادی بشریٰ بیگم تولد ہوئیں ——— صدیقہ بیگم کے ہاں چار صاحبزادے سلیم الدین، رفیع الدین، نجم الدین، رضی الدین اور دو صاحبزادیاں طیبہ بیگم اور صبیحہ بیگم تولد ہوئیں ——— امینہ بیگم کے ہاں ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں ——— نسیمہ بیگم کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے ———

(۴)

حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری زوجۂ مرحومہ افضل بیگم کے بطن سے چار صاحبزادے مولانا احمد سعید مولانا عبدالمجید مولانا عبدالرشید مولانا حبیب اللہ اور ایک صاحبزادی سعیدالنساء تولد ہوئیں ——— مولانا احمد سعید لاولد فوت ہوئے، مولانا عبدالمجیدؒ کے ہاں تین صاحبزادے مولانا عبدالحمیدؒ، حبیب الرحمٰن مرحوم، عبدالودود مرحوم اور دو صاحبزادیاں ——— سعیدہ بانو (زوجۂ مشرف حسین مرحوم) اور حمیدہ بانو (زوجۂ بابو عبدالغفور صاحب) تولد ہوئیں تمام صاحبزادگان لاولد فوت ہوگئے، صاحبزادیوں میں سعیدہ بانو کے ہاں ایک صاحبزادے مکرم حسین اور ایک صاحبزادی رشیدہ بانو تولد ہوئیں، رشیدہ بانو کے ہاں ایک صاحبزادی فاخرہ بیگم تولد ہوئیں ——— دوسری صاحبزادی حمیدہ بانو کے ہاں دو صاحبزادے محمد احمد مرحوم، عبدالباقی، اور چار صاحبزادیاں خدیجہ بیگم، رفیعہ بیگم، رضیہ بیگم اور زبیدہ بیگم تولد ہوئیں ——— حضرت مولانا عبدالمجیدؒ کی یہ دونوں صاحبزادیاں اور ان کی اولاد حیدرآباد میں مقیم ہے، ———

حضرت شاہ صاحب کے چوتھے صاحبزادے مولانا عبدالرشید کے ہاں ایک صاحبزادے محمد ادریس تولد ہوئے جو صاحب اولاد ہیں ——— حضرت شاہ صاحب کے پانچویں صاحبزادے مولانا حبیب اللہ مرحوم لاولد فوت ہو گئے ——— حضرت شاہ صاحب کی صاحبزادی سعیدالنساء کے ہاں کئی اولادیں ہوئیں جن میں دو صاحبزادے محمد سعیدالدین مرحوم اور محمد وحیدالدین صاحب اولاد ہوئے۔ اوّل الذکر کے ہاں ایک صاحبزادے عطوف احمد اور ایک صاحبزادی حبیبہ خاتون تولد ہوئیں جو صاحب اولاد ہیں اور جام شورو (حیدرآباد) میں مقیم ہیں ——— دوسرے صاحبزادے محمد وحیدالدین صاحب کے ہاں دو صاحبزادے عزیز احمد، خورشید احمد اور چھ صاحبزادیاں سعیدہ خاتون، عزیزہ خاتون، محمودہ خاتون، عقیلہ خاتون خورشیدہ خاتون، فریدہ خاتون اور ساجدہ جبین تولد ہوئیں، یہ سب اجمیر شریف میں مقیم ہیں،

(۷)

حضرت شاہ صاحب کی پہلی ہمشیرہ رحیم النساء غالباً لاولد فوت ہوئیں، دوسری ہمشیرہ افضل النساء چوں کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نانا حافظ عبدالعزیز خاں سے منسوب تھیں اس لئے ان کی اولاد کا ذکر ننھیالی شجرے میں کیا گیا ہے ——— مندرجہ بالا شجرے میں مختلف حضرات کی اولاد کی جو تفصیلات پیش کی ہیں وہ حتمی نہیں، جہاں تک معلومات حاصل ہوئیں درج کر دی گئیں۔

شجرۂ نسب حافظ عبدالعزیز خاں مرحوم

(۱)

حافظ عبدالعزیز خاں صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحبؒ کے برادر نسبتی اور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے نانا تھے، ان کے تفصیلی حالات تذکرۂ ہٰذا کے دوسرے حصے میں بیان کر دیئے گئے ہیں —— حافظ صاحب کے مورث اعلیٰ خان ملک شہاب خاں تھے جو ریاست سوات (مغربی پاکستان) کے علاقے میں رہتے تھے، یہ علاقہ اس زمانے میں کابل کے زیر اثر تھا، خان موصوف نسلاً افغان، یوسف زئی، عمر خیل تھے، یہ قبیلہ افاغنہ میں نہایت معزز و محترم سمجھا جاتا ہے، اس قبیلے کے لوگ اکثر حکمراں رہے ہیں اور اب بھی ہیں ——— خان موصوف کے ہاں چار صاحبزادے ہوئے، محمد حیات خاں، غلام رسول خاں، عبدالرسول خاں اور ملک عالم خاں ——— محمد حیات خاں کے ہاں دو صاحبزادے بدرالدین خاں اور صدرالدین خاں

تولد ہوئے — اوّل الذکر کے ہاں ایک صاحب زادے احمد خاں پسران کے ہاں ایک صاحبزادے شمس الدین خاں اور پسران کے ہاں دو صاحب زادے عبدالقادر خاں و عبدالواحد خاں تولد ہوئے، دونوں کی اولاد آنولہ (ضلع بانس بریلی، بھارت) میں آباد ہے — صدرالدین خاں کے ہاں ایک صاحب زادے عبداللہ خاں تولد ہوئے۔

(۲)

خان موصوف کے دوسرے صاحب زادے غلام رسول خاں کے ہاں ایک صاحب زادے حافظ حامد خاں اور پسران کے ہاں دو صاحب زادے غلام نبی خاں اور غلام حسین خاں تولد ہوئے۔ — غلام نبی خاں کے ہاں ایک صاحب زادی امۃ الرسول تولد ہوئیں اور غلام حسین خاں کے ہاں ایک صاحب زادی ام کلثوم تولد ہوئیں جن کے ہاں ایک صاحبزادے محمد یونس مرحوم تولد ہوئے (جنہوں نے ایک لڑکی پروین بیگم چھوڑی) اور دو صاحب زادیاں رابعہ بیگم اور آمنہ بیگم تولد ہوئیں۔ دونوں بہنیں راولپنڈی میں مقیم ہیں، رابعہ بیگم (زوجہ محمد شفیع) کے ہاں چھ لڑکے لئیق احمد، عتیق احمد، خلیق احمد، محمد رضی، شمیم احمد، سلیم احمد اور دو صاحب زادیاں رضیہ سلطانہ بیگم اور رعنا سلطانہ تولد ہوئیں — آمنہ بیگم (زوجہ محمود جان) کے ہاں تین لڑکے امین الرحمٰن، ایاز محمود، قمر ثابت اور ایک لڑکی رخسانہ روحی تولد ہوئیں۔

(۳)

خان موصوف کے تیسرے صاحب زادے عبدالرسول خاں کے ہاں دو صاحب زادے غلام محمد خاں اور نور محمد خاں تولد ہوئے۔ اوّل الذکر کے ہاں ایک صاحب زادے عبدالغفور خاں تولد ہوئے مؤخر الذکر کے ہاں دو صاحب زادے عبدالرزاق خاں اور عبدالوہاب خاں تولد ہوئے — عبدالرزاق خاں کے صاحب زادے حافظ محمد جمیل خاں کے ہاں تین صاحب زادے محمد امیر خاں، محمد نصیر خاں اور محمد سعید خاں تولد ہوئے اور محمد سعید خاں کے ہاں دو صاحب زادے احمد سعید خاں اور عبدالرشید خاں تولد ہوئے، اول الذکر کے ہاں ایک صاحب زادے عبدالقدیر خاں اور ایک صاحب زادی زیب النساء تولد ہوئیں اور مؤخر الذکر کے ہاں ایک صاحب زادے عبدالقیوم خاں اور دو صاحب زادیاں اکبری بیگم اور اختری بیگم تولد ہوئیں، یہ تینوں بھائی بہن کراچی میں مقیم ہیں۔ ان میں سے دو صاحب اولاد ہیں۔

(۴)

عبدالوہاب خاں موصوف (بن نور محمد خان بن عبدالرسول خاں بن ملک شہباز خاں) کے ہاں تین صاحبزادے حافظ عبدالعزیز خاں (شوہر افضل النساء ہمشیرہ حضرت شاہ صاحبؒ) عبدالحکیم خاں اور عبدالکریم خاں تولد ہوئے ——— حافظ صاحب موصوف کے ہاں زوجۂ اوّل سے ایک صاحبزادے عبدالسلیم خاں تولد ہوئے اور زوجۂ ثانی سے چار صاحبزادیاں حمیدالنساء (زوجۂ مولانا احمد سعید بن حضرت شاہ صاحب) امراؤ بیگم (زوجۂ مولانا محمد سعید بن حضرت شاہ صاحب) محفوظ النساء، مجیدالنساء (زوجۂ مولانا عبدالمجید بن حضرت شاہ صاحبؒ) اور حفیظ النساء تولد ہوئیں ——— حمیدالنساء، امراؤ بیگم اور مجیدالنساء چوں کہ حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادگان سے وابستہ ہوگئیں تھیں اس لئے ان کی اولادوں کا ذکر حضرت شاہ صاحب کے شجرے میں کر دیا گیا ہے ——— حافظ صاحب کی پانچویں صاحبزادی حفیظ النساء کے ہاں ایک صاحبزادے ریاض الدین احمد اور ایک صاحبزادی رضیہ بیگم مرحومہ تولد ہوئیں، اوّل الذکر کے ہاں چھ صاحبزادے مصباح الدین، نگہ ریز، صبیح الدین نجم الدین، نجیب الدین، مسعود احمد اور تین صاحبزادیاں، عتیقہ پروین، رخسانہ یاسمین اور نگہت سعا تولد ہوئیں، سب کراچی میں مقیم ہیں۔

(۵)

عبدالوہاب خاں موصوف کے دوسرے صاحبزادے عبدالحکیم خاں کے ہاں دو صاحبزادے محمد ابراہیم خاں اور محمد اسمٰعیل خاں تولد ہوئے، اوّل الذکر کے صاحبزادے عبدالعلیم خان کے ہاں ایک صاحبزادے جلیل خاں مرحوم اور دو صاحبزادیاں اکرام النساء (زوجہ عنایت اللہ خاں) اور عزیزالنساء تولد ہوئیں۔ یہ دونوں صاحبزادیاں کراچی میں مقیم ہیں، اوّل الذکر کے ہاں ایک صاحبزادے منظور احمد اور مؤخرالذکر کے ہاں ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

(۶)

عبدالوہاب خاں موصوف کے تیسرے صاحبزادے محمد اسمٰعیل خاں کے ہاں دو صاحبزادیاں سلطانہ بیگم اور رقیہ بیگم تولد ہوئیں۔ مؤخرالذکر احمد سعید خاں موصوف سے منسوب ہوئیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، یہ آجکل اپنی اولاد کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں۔

شجرۂ نسب ڈپٹی سید اکبر علی مرحوم

(۱)

حضرت مولانا حیدر شاہ خاں، مسجد جامع فتحپوری، دہلی کے شاہی امام تھے، موصوف کی ایک صاحبزادی فاطمہ خانم ڈپٹی سید اکبر علی صاحب سے منسوب تھیں اور دوسری صاحبزادی عائشہ خانم اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تھیں اس طرح ڈپٹی صاحب اور حضرت شاہ صاحب کے خاندان دو سگی بہنوں کی اولاد ہیں، ڈپٹی صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کے فرزند اکبر مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہؒ) کے سگے خالو ہوتے تھے اسی لئے حضرت مفتی اعظمؒ نے اس خاندان سے مخلصانہ تعلقات قائم رکھ کر وضع داری اور صلہ رحمی کا حق ادا کیا، راقم یہ شجرہ اسی لئے پیش کر رہا ہے تاکہ دونوں خاندانوں کے اخلاف کو رشتہ داریوں کا علم ہو اور اسلاف کے قدم بہ قدم چل کر صلہ رحمی کا حق ادا کریں۔

(۲)

ڈپٹی اکبر علی صاحب کا سلسلۂ نسب متعدد واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے، یہ سلسلہ اوپر سے نیچے اس طرح ہے ——

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت سید اسمٰعیل، حضرت سید محمد، حضرت سید علی ثانی، حضرت سید ابراہیم، حضرت سید علی، حضرت سید حاتم، حضرت سید صالح، حضرت سید جعفر، حضرت سید موسیٰ، حضرت سید ہاشم حضرت سید کمال الدین، حضرت سید عبداللہ، حضرت سید محمد، حضرت عبداللہ، حضرت سید محمد، حضرت عبداللہ، حضرت سید نور الدین، حضرت سید برہان الدین، حضرت سید ضیاء الدین، حضرت شاہ عبدالرحمٰن غزنوی، حضرت شاہ فتح اللہ، حضرت شاہ محمد ادریس، حضرت شاہ غلام انبیاء، حضرت شاہ بہاؤ الدین، حضرت شاہ حسام الدین، میر کلب علی، مولوی فرزند علی اور ڈپٹی سید اکبر علی۔

(۳)

مولوی فرزند علی کے ہاں جو شاہ محمد اسحاقؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے، پانچ صاحبزادے تولد ہوئے، شاہ سبحان علی، میر سید اکبر علی، میر اعظم علی، میر امیر علی اور میر وزیر علی —— یہ سب بھائی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، چناں چہ مولوی اکبر علی ڈپٹی کلکٹر انفادر تھے، سید امیر علی ڈسٹرکٹ

جج تھے، وزیر علی ریاست نابھہ میں وزارت کے عہدے پر فائز تھے۔

ڈپٹی سید کبر علی کے ہاں چار صاحب زادے میر اصغر علی، میر غضنفر علی، میر مظفر علی، میر اکابر علی اور تین صاحب زادیاں اکبری زمانی بیگم، سکینہ بیگم اور حسینہ بیگم تولد ہوئیں۔

(۴)

میر اصغر علی کے ہاں دو صاحب زادے سید انور علی، سید ضمیر علی اور تین صاحب زادیاں انور جہاں بیگم، (زوجہ حکیم جعفر علی) زمرد جہاں بیگم اور بالقیس زمانی بیگم (زوجہ محمد صفی مرزا) تولد ہوئیں — سید انور علی صاحب کا انتقال ہو گیا ان کی اولاد میں ایک صاحب زادی زاہدہ بیگم اور دو صاحب زادے بقید حیات ہیں اور دہلی میں سکونت پذیر ہیں — سید ضمیر علی صاحب لائل پور میں مقیم ہیں موصوف کے ہاں نو صاحب زادے امیر احمد، شمیم احمد، فاروق احمد، تسلیم احمد، عبد المتین، محمد مہدی، عبد الماجد، عبد الواحد، عثمان احمد اور سات صاحب زادیاں ام حبیبہ، ام سلمیٰ، ام عشیہ، ام زبیدہ، میمونہ بیگم عارفہ بیگم، اور ماجدہ بیگم تولد ہوئیں۔

انور جہاں بیگم کے شوہر حکیم جعفر علی چوں کہ اسی خاندان سے وابستہ ہیں اس لئے ان کی اولاد کا ذکر حکیم صاحب کے زمرے میں کیا جائے گا — میر اصغر علی کی تیسری صاحب زادی بالقیس زمانی بیگم کا دہلی میں انتقال ہوا ان کے ہاں دو صاحب زادے محمد رفیع مرزا اور محمد زکی مرزا اور ایک صاحب زادی امۃ القیوم تولد ہوئیں، دونوں صاحب زادگان بقید حیات ہیں، اول الذکر کوئٹہ میں مقیم ہیں اور موخر الذکر راولپنڈی میں، دونوں کی اولاد کی تعداد بالترتیب اس طرح ہے:-

(۱) مرزا محمد فصیح اللہ بیگ، مرزا وجیہ اللہ بیگ، مرزا تقی اللہ بیگ، مرزا نجیب اللہ بیگ صالحہ خاتون عابدہ خاتون، طاہرہ خاتون، زاہدہ خاتون، سلمہ خاتون، رابعہ خاتون اور رحیمہ خاتون۔

(۲) محمد تقی مرزا، محمد رفیع مرزا، ریحانہ خاتون، رخسانہ خاتون، شاہدہ خاتون، ناصرہ خاتون، صبیحہ خاتون اور ماجدہ خاتون۔

(۵)

ڈپٹی صاحب کے دوسرے صاحب زادے میر غضنفر علی کے ہاں دو صاحب زادے میر ناصر علی اور میر نصیر علی اور دو صاحب زادیاں اکبری بیگم اور اصغری بیگم (زوجہ حکیم ظفر علی) تولد ہوئیں — میر ناصر علی کے ہاں دو صاحب زادیاں صدیقہ بیگم (زوجہ بدر الاسلام) اور امۃ الغنی (زوجہ سید صفدر علی) تولد ہوئیں، اول الذکر کے ہاں دو صاحب زادے ضیاء الاسلام، نجم الاسلام

اور دو صاحب زادیاں راشدہ بیگم (زوجہ سید آغا انور علی) اور خالدہ بیگم (زوجہ سعید الدین) تولد ہوئیں
——— امتہ الغنی کے ہاں پانچ صاحب ادے اکبر علی، اختر علی، افسر علی، اظہر علی، سکندر علی اور دو صاحب زادیاں صادقہ بیگم اور کوثر بیگم تولد ہوئیں۔

میر غضنفر علی کے دوسرے صاحب ادے میر نصیر علی کے صاحب ادے سید مبشر علی کے ہاں چار صاحب ادے خالد نصیر، طارق نصیر، راشد مبشر، شاہد مبشر اور چار صاحب زادیاں ملکہ نصیر، رضیہ سلطانہ، نجمہ نصیر اور صبیحہ تولد ہوئیں۔

(۶)

ڈپٹی صاحب کے تیسرے صاحب ادے میر مظفر علی کے ہاں ایک صاحب ادے مناظر علی تولد ہوئے جو لاولد راولپنڈی میں فوت ہو گئے ——— ڈپٹی صاحب کے چوتھے صاحب ادے میر اکابر علی کے ہاں ایک صاحب زادے حامد علی اور ایک صاحب ادی صدیقہ بیگم تولد ہوئیں۔ حامد علی کے ہاں ایک صاحب زادے سعید علی اور ایک صاحب ادی تولد ہوئیں جو صاحب اولاد ہیں اور آجکل کراچی میں مقیم ہیں۔

(۷)

ڈپٹی صاحب کی صاحب ادی اکبری زمانی بیگم (زوجہ حکیم صادق علی مرحوم) کے ہاں تین صاحبزادے حکیم جعفر علی، حکیم ظفر علی، محمود علی، اور تین صاحب ادیاں فرخ زمانی (زوجہ رشید علی) وحیدی بیگم اور اختری بیگم (زوجہ حکیم انور علی) تولد ہوئیں۔ حکیم جعفر علی کے ہاں تین صاحب ادے سید ہاشم علی، سید شوکت علی، سید لیاقت علی اور تین صاحب ادیاں فخر جہاں بیگم، فرحت جہاں بیگم اور روشن جہاں بیگم تولد ہوئیں ——— سید ہاشم علی کراچی میں مقیم ہیں ان کے ہاں تین صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

سید شوکت علی ملتان میں مقیم ہیں ان کے ہاں پانچ صاحب زادے شہزاد شوکت، شمشاد شوکت، محمد ارشاد شوکت، فرید شوکت، راشد شوکت اور پانچ صاحب ادیاں ملکہ سرور جہاں، عشرت جہاں، مسرت جہاں، فرخندہ شوکت اور شگفتہ شوکت تولد ہوئیں ——— سید لیاقت علی کراچی میں مقیم ہیں، ان کے ہاں تین صاحب ادے نسیم احمد، نعیم احمد، وسیم احمد مرحوم، اور دو صاحب ادیاں سلمہ بیگم اور سیما بیگم تولد ہوئیں ———

اکبری زمانی بیگم کے دوسرے صاحب ادے حکیم ظفر علی کے ہاں ایک صاحب ادے سید مظہر علی (یہ راقم الحروف کے خسر ہیں) اور ایک صاحب زادی مسعودہ بیگم تولد ہوئیں ——— سید مظہر علی صاحب کے ہاں زوجۂ اول فخر جہاں بیگم (بنت حکیم جعفر علی موصوف) کے بطن سے ایک صاحب ادی سلطانہ بیگم (زوجہ حکیم فیض الرحمٰن مرحوم) تولد ہوئیں، اور زوجۂ ثانی فرحت جہاں بیگم (بنت حکیم جعفر علی موصوف) سے چار صاحب ادے سعید الظفر، شکیل احمد، شاہد احمد، شان احمد اور دو صاحب ادیاں نگہت بیگم (زوجہ ڈاکٹر اقبال احمد قریشی) اور نعیمہ بیگم (زوجہ راقم الحروف) تولد ہوئیں۔ صاحب ادگان ابھی نو عمر ہیں ——— نگہت بیگم کے ہاں دو صاحب ادے جاوید اقبال اور رضوان احمد اور چھ صاحب ادیاں نوشابہ بیگم، ریحانہ بیگم، سلمانہ بیگم، رخسانہ بیگم، رضوانہ بیگم اور شبانہ بیگم تولد ہوئیں۔

حکیم ظفر علی کی صاحب ادی مسعودہ بیگم حیدر آباد دکن میں مقیم تھیں اور وہیں انتقال کیا، ان کے دو صاحب زادے عشرت علی اور نصرت علی، اور ان کی اولاد حیدر آباد ہی میں سکونت پذیر ہے

اکبری زمانی بیگم کے تیسرے صاحب زادے محمود علی صاحب کے ہاں ایک صاحب زادے سعید علی، اور تین صاحب ادیاں عزیزہ بیگم، رشیدہ بیگم اور سعیدہ بیگم تولد ہوئیں، سب صاحب اولاد ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔

⑧

ڈپٹی اکبر علی صاحب کی دوسری صاحب ادی سکینہ بیگم کے ہاں ایک صاحب ادے مسعود علی اور ایک صاحب ادی رقیہ بیگم تولد ہوئیں ——— ڈپٹی صاحب کی تیسری صاحب ادی حسینہ بیگم (زوجہ سید ظہیر علی) کے ہاں تین صاحب ادے بشیر علی، تنویر علی، منیر علی، اور ایک صاحب ادی جمیلہ بیگم تولد ہوئیں، ——— بشیر علی صاحب کے ہاں تین صاحب ادے منصور علی، مختار علی، طارق کمال اور تین صاحب ادیاں صوفیہ خالد، شکیلہ ظفر، یاسمین اور ناصرہ تولد ہوئیں ——— تنویر علی صاحب کے ہاں ایک صاحب ادے شاکر علی اور منیر علی صاحب کے ہاں تین صاحب ادے میر امیر علی، میر اصغر علی، میر اختر علی، اور دو صاحب ادیاں طیبہ بیگم اور لئیقہ بیگم تولد ہوئیں

⑨

ڈپٹی اکبر علی صاحب کے دوسرے برادران میں شاہ سبحان علی کے ہاں تین صاحب ادے شرافت علی، یوسف علی، منصب علی اور احسان علی تولد ہوئے ——— منصب علی کے ہاں ایک

صاحب زادے حشمت علی اور احسان علی کے ہاں ایک صاحب زادے نیاز علی تولد ہوئے ــــ
ــــ ڈپٹی صاحب کے دوسرے بھائی میر اعظم علی کے ہاں دو صاحب زادیاں حاتم زمانی بیگم اور سکندر زمانی بیگم تولد ہوئیں، اول الذکر کے ہاں دو صاحب زادے امیر مرزا اور احمد مرزا تولد ہوئے اور مؤخر الذکر کے ہاں دو صاحب زادیاں مختار بیگم اور خورشید بیگم تولد ہوئیں یہ دونوں کراچی میں مقیم ہیں
ــــ ڈپٹی صاحب کے تیسرے بھائی میر امیر علی کے ہاں ایک صاحب زادے کبیر علی اور بھران کے ہاں ایک صاحب زادے دبیر علی اور دو صاحب زادیاں بدر جہاں اور شمس جہاں تولد ہوئیں ۔ دبیر علی صاحب کے ہاں مبشر علی، مدثر علی اور شمشیر علی تولد ہوئے ــــ
ڈپٹی صاحب کے چوتھے بھائی میر وزیر علی کے ہاں ایک صاحب زادے میر نذیر علی اور ایک صاحب زادی سعید زمانی بیگم تولد ہوئیں ۔ میر نذیر علی کے ہاں ایک صاحب زادے ظہیر علی تولد ہوئے ان کی اولاد کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ۔

نوٹ :- اوپر حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے شجرۂ نسب میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے بڑے صاحب زادے حضرت مفتی محمد مظفر احمد صاحب کی صاحب زادیوں کی اولاد کا ذکر نہیں کیا گیا، موصوف کی دو صاحب زادیوں زبیدہ بیگم اور عبیدہ بیگم کی اولاد کی تفصیل بالترتیب یہ ہے :-

(۱) شجاع الدین، حبیب الدین، مصباح الدین، محسن الدین، مختار الدین اور حمیرہ بیگم ۔
(۲) سید عامر مسعود، سید مطہر، عظمیہ بیگم، اور صائمہ بیگم ۔

کتابیات

کتابیات

(۱)

کتب عربی، فارسی اور اردو

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱-	آقائے احمد بہمن یار	منتخب اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید	مطبوعہ تہران	۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
۲-	ابوالکلام آزاد، مولانا	غبار خاطر	مطبوعہ لاہور	۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء
۳-	احمد جان دہلوی، منشی	طب روحانی، دفتر اوّل	مطبعہ شعلہ نور، بٹالہ	۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء
۴-	اخلاق حسین دہلوی علامہ	"مفتی اعظم"	مطبوعہ ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی)	۱۳۸۶ھ/جولائی و اگست ۱۹۶۶ء
۵-	ارتضیٰ حسین، ملا واحدی	"میرے زمانے کی دلّی"	مطبوعہ ماہنامہ ہمدرد صحت (کراچی)	۱۳۸۶ھ/ مارچ ۱۹۶۶ء
۶-	ارتضیٰ حسین، ملا واحدی	"میرے زمانے کی دلّی"	مشہور آفسٹ پریس کراچی	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
۷-	ارتضیٰ حسین ملا واحدی	"تاثرات"	مطبوعہ ماہنامہ ہمدرد صحت (کراچی)	۱۳۸۶ھ/ نومبر ۱۹۶۶ء
۸-	امام بخش بن پیر بخش	حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار	ڈیرہ غازی خان	مابعد ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء
۹-	امام خاں نوشہروی ابو یحییٰ	تراجم علمائے حدیث ہند جلد اول	مطبوعہ دہلی	۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء
۱۰-	امام علی شاہ، سید	مرأۃ المحققین (قلمی)	کتب خانہ مولانا منظور احمد مکان شریف، ساہیوال	
۱۱-	امتیاز علی عرشی، مولانا	مکاتیب غالب	مطبوعہ بمبئی	۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء
۱۲-	بزرگ بن شہریار	عجائب الہند	مطبوعہ لیڈن	
۱۳-	بخش اللہ	سوانح حیات حضرت شاہ ابوالخیر	مطبوعہ مجتبائی المطابع برقی پریس، دہلی	

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۴-	بشیر الدین احمد، مولوی	واقعات دارالحکومت دہلی جلد سوم	مطبوعہ آگرہ	۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء
۱۵-	بلاقی داس، منشی	غنچۂ عشرت المعروف بہ تحفۂ مرغوب (قلمی)	مطابق نسخۂ مطبوعہ میور پریس دہلی	۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء
۱۶-	پلوتارک، حکیم	مشاہیر یونان و روما (ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی) جلد اوّل	مطبوعہ دہلی	۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء
۱۷-	جلال الدین	مکتوب قلمی فارسی	دوسوہ ضلع ہوشیار پور	
۱۸-	حمید الدین حیدر شاہ	اشارات عرفاں (۱۳۰۴ھ)	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء
۱۹-	،،	شجرۂ طریقت محمد مسعود شاہ	مطبع حسنی	
۲۰-	رحمان علی، مولانا	تذکرۂ علمائے ہند	مطبوعہ لکھنؤ	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء
۲۱-	رکن الدین شاہ	رسالہ رکن دیں	فاروقی پریس، دہلی	
۲۲-	،،	توضیح العقائد	مطبع علیمی، دہلی	۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء
۲۳-	،،	مولود محمود (۱۳۳۹ھ)	افضل المطابع، دہلی	
۲۴-	،،	رسالہ دافع طاعون	ناردرن انڈیا پرنٹنگ پریس (لکھنؤ)	۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء
۲۵-	،،	روح الصلوٰۃ	تجلی پرنٹنگ ورکس، دہلی	
۲۶-	رکن الدین نظامی	حیات دہلی	ادریس المطابع، دہلی	۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء
۲۷-	،،	حیات دہلی	خواجہ پریس، دہلی	
۲۸-	زید ابوالحسن، مولانا	بزم خیر از زید در جواب بزم جمشید	مطبوعہ دہلی	۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء
۲۹-	سعادت یار خاں رنگین	اخبار رنگین (۱۲۴۹ھ)	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی	۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء
۳۰-	سید احمد خاں، سر	آثار الصنادید	مطبع سید الاخبار، دہلی	۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۳۱-	سید احمد، مولوی	یادگار دہلی	مطبع احمدی، دہلی	۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
۳۲-	سید سلیمان، ندوی	خطبات مدراس	مطبوعہ اعظم گڑھ	
۳۳-	شاہ علی، ڈاکٹر	اردو میں سوانح نگاری	مطبوعہ کراچی	۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
۳۴-	شبلی نعمانی، مولانا	سیرۃ النبی، جلد اول	مطبوعہ اعظم گڑھ	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء
۳۵-	〃	الفاروق	مطبوعہ دہلی	
۳۶-	صادق علی شاہ، سید	تفسیر صدیقی (قلمی)	مکتوبہ حافظ ابو سعید خاں	۲۵ محرم ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء
۳۷-	ضیاء الدین احمد علوی	مراۃ الانساب	مطبع رحیمی، جے پور	۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء
۳۸-	ظہور الحسن، سید	تاریخ دربار دہلی	ہلالی پریس، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۳۹-	عبد الحامد بدایونی، مولانا	سپاسنامہ	کراچی	۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
۴۰-	عبد الرشید خاں لائق	دیوان لائق (قلمی)	مملوکہ عبد القیوم خاں	۱۹۴۲ء تا ۱۹۵۴ء
۴۱-	عبد العزیز	آثار دہلی	مطبع حقانی، دہلی	۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء
۴۲-	〃	دربار دہلی	مطبع حقانی، دہلی	۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء
۴۳-	عبد الغفور، محمد	آثار المتاخرین (۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء)	مطبوعہ دہلی	۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء
۴۴-	عبد القادر بدایونی	منتخب التواریخ جلد سوم	مطبوعہ کلکتہ	۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء
۴۵-	عبد القیوم ندوی، مولانا	خطبات نبوی	مطبوعہ لاہور	
۴۶-	عبد اللہ فاروقی	سوانح شیخ جلال الدین تھانیسری	مطبوعہ دہلی	
۴۷-	عبد الماجد دریا آبادی	مکتوبات سلیمانی	مطبوعہ لکھنو	۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء
۴۸-	عبد الحمید، مولانا	وصیت نامہ (قلمی)	حیدر آباد	
۴۹-	غلام ابراہیم	شجرۂ طریقت محمد حمید الدین حیدر شاہ	روز بازار الیکٹرک پریس، امرتسر	
۵۰-	غلام رسول مہر، مولانا	تبرکات آزاد	مطبوعہ لاہور	
۵۱-	غلام سرور، مفتی	خزینۃ الاصفیاء	مطبع ہوپ پریس لاہور	۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء
۵۲-	فضل احمد، حاجی	قیوم عالم حضرت مرشدنا سید امام علی شاہ صاحب	ماہنامہ سلسبیل، مطبوعہ لاہور جلد ۴ شمارہ ۲	۱۳۸۶ھ/فروری ۱۹۶۶ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۵۳-	فضل احمد	شمشیر صداقت	انیس پریس، کراچی	۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء
۵۴-	فقیر محمد جہلمی	حدائق الحنفیہ	نول کشور پریس، لکھنو	
۵۵-	فیروز الدین، مولوی	یادگار دربار	مطبع صدائے ہند، لاہور	۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء
۵۶-	قلی خاں نواب	مرقع دہلی	مطبوعہ حیدرآباد دکن	تالیف ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء
۵۷-	لیاقت علی نواب زادہ	مکتوب بنام حضرت قبلہؒ	از گل رعنا، دہلی	۱۳۶۵ھ/۱۵ ستمبر ۱۹۴۶ء
۵۸-	مالک رام	تلامذۂ غالب	مطبوعہ دہلی	۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء
۵۹-	محمد ابراہیم قصوری صوفی	خزینۂ معرفت	مطبوعہ لاہور ؟	۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء
۶۰-	محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	تاریخ اہل حدیث	مطبوعہ لاہور	۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء
۶۱-	محمد امین شرقپوری	تذکرۂ اولیائے نقشبند	مطبوعہ لاہور	۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء
۶۲-	محمد اقبال، علامہ	اسرار خودی	مطبوعہ لاہور	۱۳۶۸ھ/۱۹۴۷ء
۶۳-	〃	رموز بیخودی	〃	۱۳۶۸ھ/۱۹۴۷ء
۶۴-	〃	ضرب کلیم	〃	
۶۵-	〃	بال جبریل	〃	۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء
۶۶	〃	بانگ دراء	〃	۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء
۶۷	محمد برکت اللہ، حاجی	مجموعۃ البرکات	مشہور آفسٹ پریس کراچی	۱۳۸۴ھ/۱۹۶۳ء
۶۸	محمد بن منور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید میہنی (م۔ ۴۴۰ھ)	اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید (مرتبہ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا دانش گاہ تہران)	مطبوعہ تہران	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء
۶۹-	محمد حسن قرشی	دستور الاطباء جلد اول		
۷۰-	محمد سرور، پروفیسر	مولانا محمد علی	مطبوعہ لاہور	۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء
۷۱-	محمد شفیع	شجرۂ طریقت	مطبع سلطانی، بمبئی	
۷۲-	محمد ذوقی، سید	سرّ دلبراں	مطبوعہ کراچی	

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۷۳۔	محمد صالح کنبوہ	شاہجہان نامہ، جلد سوم	مطبوعہ لاہور	۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء
۷۴۔	محمد عالم شاہ	مزارات اولیاء دہلی	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۷۵۔	محمد عمر خاں	آئینہ دربار دہلی	مطبع شمسی، میرٹھ	۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء
۷۶۔	محمد مسعود شاہ، مفتی	رسالہ سلوک مسعودی (قلمی)	مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی	۱۵ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ۲۶ر اکتوبر ۱۸۹۳ء
۷۷۔	//	رسالہ سماع وغنا (قلمی)	// ہردوئی	۸ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۹۳ء
۷۸۔	//	رسالہ در سماع موتی (قلمی)	//	تالیف ۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء مکتوبہ ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۳ء
۷۹۔	//	رسالہ آداب سلوک (قلمی)	// ہردوئی	۱۷ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ ۲۸ر اکتوبر ۱۸۹۳ء
۸۰۔	//	مکتوبات مسعودی (قلمی)	//	۱۲۹۰ھ تا ۱۳۰۷ھ
۸۱۔	//	فتاوی مسعودی (قلمی)	دہلی	۱۲۹۷ھ تا ۱۳۰۴ھ
۸۲۔	//	در الیتیم فی قرآن العظیم (تالیف جمادی الآخر ۱۲۸۵ھ)	محمود المطابع، دہلی	۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء
۸۳۔	//	دُررِ ثمانیہ	مطبع شعبۂ احباب دہلی	
۸۴۔	//	آداب سالک	مطبع علیمی دہلی	
۸۵۔	محمد محمود، مفتی	مصباح السالکین فی احوال رکن الملۃ والدین	انصاری پریس، دہلی	۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء
۸۶۔	//	رسالہ رکن دین کتاب الصیام جلد دوم	مطبوعہ کراچی	
۸۷۔	محمد مظہر احمد، مفتی	رسالہ الجہاد	مشہور آفسٹ پریس، کراچی	

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۸۸-	محمد مظہر اللہ، مفتی	خزینۃ الخیرات	اعلیٰ پریس، دہلی	
۸۹-	"	ارکان دین	ہلالی پریس، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۹۰-	"	مظہر الاخلاق	"	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۹۱-	"	مظہر العقائد	"	
۹۲-	"	موجودہ مصائب کا واحد علاج	جید برقی پریس، دہلی	بالجبہ ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ
۹۳-	"	کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب	"	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۹۴-	"	تحقیق الحق	اعلیٰ پریس، دہلی	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۹۵-	"	دار الافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ	مطبوعہ دہلی	۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
۹۶-	"	فتویٰ	مطبوعہ ماہنامہ اذان، کراچی	۱۳۷۹ھ/ نومبر ۱۹۵۹ء
۹۷-	"	القول الفائق علی امامۃ الفاسق	جید برقی پریس، دہلی	
۹۸-	"	انفاء المحال فی رؤیۃ الہلال	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء
۹۹-	"	قصد السبیل	اعلیٰ پریس، دہلی	
۱۰۰-	"	فتویٰ رویت ہلال	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
۱۰۱-	محمد یوسف عزیز الملک	ادب عزیز، حصہ اوّل	مشہور آفسٹ پریس کراچی	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
۱۰۲-	میرزا حیرت دہلوی	چراغ دہلی	کرزن پریس، دہلی	۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء
۱۰۳	"	نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی (منتخبات نثر)	مطبوعہ لاہور	۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء
۱۰۴-	محمد میاں، مولوی	علمائے حق، حصہ دوم	مطبوعہ دہلی	
۱۰۵-	محمد ہدایت علی نقشبندی	معیار السلوک و دافع الاوہام والشکوک	ویلڈن پرنٹنگ پریس کراچی	
۱۰۶-	مسعود عالم ندوی مولانا	مکاتیب سلیمان	مطبوعہ لاہور	۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۰۷-	ناصر نذیر فراق دہلوی	یادگار دہلی	مطبوعہ دہلی	
۱۰۸	نرائن بھارگو	صحیفۂ زریں	نول کشور پریس، لکھنو	۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
۱۰۹	ہدایت علی جے پوری	احسن التقویم	انٹرنیشنل پریس کراچی	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
۱۱۰	وی-اے ژوکوفسکی	اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید	مطبوعہ روس	۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

(۲) کتب انگریزی

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۱۱-	ایس-ہنری-شارپ :	دہلی	آکسفورڈ	۱۹۲۸ء
۱۱۲-	آر-ایم-میکن :	اسٹیز آف ڈائیورس ہنڈرس جلد — II X	لندن	
۱۱۳-	ایم-گل وغیرہ :	ہائی پوموتھرانی	نیویارک	۱۹۴۷ء
۱۱۴-	پلوٹارک :	دی لائف آف نوبل گریشین اینڈ رومنز۔ جلد ۱۴، مرتبہ آر-ایم ہوچینز	چیکاگو	۱۹۵۲ء
۱۱۵-	جیمس باسول :	لائف آف سیموئل جانسن (جلد ۴۴ مرتبہ آر-ایم ہوچینز)	چیکاگو	۱۹۵۲ء
۱۱۶-	ڈی-ایس-مارگولیوس :	محمد اینڈ دی رائز آف اسلام	لندن	۱۹۳۱ء
۱۱۷-	سی-کلا-ٹیلر :	دی ہوم یونیورسٹی انسائیکلوپیڈیا، جلد چہارم	نیویارک	۱۹۴۶ء
۱۱۸-	فانس ڈا :	دہلی پاسٹ اینڈ پریزنٹ	—	۱۹۰۲ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۱۹-	کارل بیکسن وغیرہ :	اسے ریڈرس گائڈ ٹو لٹریری ٹرمس	لندن	۱۹۶۱ء
۱۲۰-	فرانسس بیکن :	اڈوانسمنٹ آف لرننگ۔ (دی ویسٹرن ورلڈ سیریز، جلد ۔ ۳۰، مرتبہ آر۔ ایم ہوچنز)	چیکاگو	۱۹۵۲ء
۱۲۱-	کول مین	اے نارمل سائیکولوجی اینڈ موڈرن لائف		
۱۲۲-	گارڈن رزلے ہرن	دی سیون سٹیز آف دہلی ،	لندن	۱۹۰۶ء
۱۲۳-	ـــــــ	پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیرس، جلد B III صفحہ ۱/۱ × ـــ	لاہور	۱۹۱۳ء
۱۲۴-	ملٹن ۔ ایچ ۔ ارکسن :	ایکسپیریمنٹل ڈیمانسٹریشن آف سائیکولوجی آف ایوری ڈے لائف		۱۹۳۹ء
۱۲۵-	ـــــــ	کاسٹن ہچرڈ انسائیکلوپیڈیا، جلد چہارم	امریکہ	۱۹۴۶ء
۱۲۶-	ـــــــ	انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ہفتم	لندن	۱۷۶۸ء
۱۲۷-	ـــــــ	انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس	نیویارک	۱۹۳۵ء
۱۲۸-	ـــــــ	قرآنک اڈوائسس	کراچی	
۱۲۹	ـــــــ	دی امپیریل گزیٹیر آف انڈیا ، جلد ۱/۱ × ـــ	آکسفورڈ	۱۹۰۸ء

(۳)

اخبارات و رسائل

(اخبارات)

نمبر شمار	اخبار	مقام اشاعت	تاریخ اشاعت	صفحہ و کالم
۱-	استقامت	کانپور	۱۶ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲-	الجمعیۃ	دہلی	۲۸ر نومبر ۱۹۶۶ء	
۳-	؍؍	؍؍	۳۰ر نومبر ۱۹۶۶ء	

نمبر شمار	اخبار	مقام اشاعت	تاریخ اشاعت	صفحہ و کالم
۴-	الجمعیۃ	دہلی	۲ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۵-	امروز	لاہور	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	
۶-	انجام	کراچی	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۳، ک-۷ و ۸
۷-	〃	〃	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۸، ک-۵
۸-	آغاز	کراچی	۳۰ر نومبر ۱۹۶۶ء	ص-۱، ک-۴ و ۵
۹-	〃	〃	۷ر دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۱، ک-۶
۱۰-	پاکستان ٹائمز	لاہور	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	
۱۱-	پیام مشرق	دہلی	۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۱۲-	تیج	〃	۵ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۱۳-	جنگ	کراچی	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۱۰، ک-۷ و ۸
۱۴-	جنگ	کراچی	۲ر دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۲، ک-۶
۱۵-	〃	〃	۷ر دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۱، ک-۴ و ۵
۱۶-	〃	〃	۲۶ر فروری ۱۹۶۷ء	ص-۲، ک-۳ و ۴
۱۷-	〃	〃	۲۶ر فروری ۱۹۶۷ء	
۱۸-	〃	〃	۴ر مارچ ۱۹۶۷ء	ص-۲، ک-۲
۱۹-	دعوت	دہلی	۲ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲۰-	〃	〃	۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲۱-	غریب نواز	دہلی	۱۵ر دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲۲-	غریب نواز	دہلی	۱۵ر نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۳-	کوہستان	لاہور	۱۷ر نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۴-	مشرق	〃	۱۶ر نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۵-	نوائے وقت	〃	۱۶ر نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۶-	نئی روشنی	کراچی	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۴، ک-۳
۲۷-	〃	〃	۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۲، ک-۱ تا ۴

نمبر شمار	اخبار	مقام اشاعت	تاریخ اشاعت	صفحہ و کالم
۲۸-	نئی روشنی	کراچی	۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۴، ک-۳
۲۹-	ہمارا دور	دہلی	۱۷ر نومبر ۱۹۶۷ء	

(رسائل)

نمبر شمار	رسالہ	مقام اشاعت	شمارہ
۳۰-	آستانہ	دہلی	جنوری ۱۹۶۷ء
۳۱-	المرشد	دہلی	ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ
۳۲-	المرشد	دہلی	ج-۲، ش-۱، محرم ۱۳۵۴ھ
۳۳-	"	دہلی	ج-۲، ش ۸ و ۹، شعبان و رمضان ۱۳۵۴ھ
۳۴-	"	دہلی	ج-۳، ش-۴، ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ
۳۵-	"	دہلی	ج-۳-ش-۵، جمادی الاول ۱۳۵۵ھ
۳۶-	"	دہلی	ج-۳، ش-۱۰، شوال ۱۳۵۵ھ
۳۷-	"	دہلی	ج-۳، ش-۱۱، ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ
۳۸-	پیام حق	کراچی	جنوری ۱۹۶۷ء
۳۹-	رضائے مصطفیٰ	گجرانوالہ	دسمبر ۱۹۶۶ء
۴۰-	عقیدت	دہلی	جولائی و اگست ۱۹۶۴ء
۴۱-	منادی	دہلی	۱۲ر دسمبر ۱۹۶۴ء
۴۲-	نوری کرن	بریلی	فروری ۱۹۶۷ء

تاریخ التذکرۃ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الصادق الامین سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ و اصحابہ الی یوم الدین وبعد فقد تم تالیف تذکرۃ الجلیلۃ العظیمۃ للمؤلف الفاضل المولانا محمد مسعود احمد بن المفتی الاعظم العلامۃ محمد مظہر اللہ الخطیب بشاہی مسجد جامع الواقع فی بلدۃ ---------- دہلی الھند فی سنۃ ۱۳۸۷ ہجریہ وسنۃ ۱۹۶۷ عیسویہ وکتبھا الکاتب الضعیف الراجی عبد الباقی بن المولوی مہردل من سکناء کوئٹہ وکان الفراغ من کتابتھا فی آخر جمادی الثانی سنۃ ۱۳۸۸ من ہجرۃ النبویۃ علی صاحبھا السلام وسنۃ ۱۹۶۸ من عیسویۃ قیل

یبقی الخط فی القرطاس دھرًا　　وکاتبہ رمیم فی التراب

وطبعت تلک التذکرۃ الشریفۃ فی مطبعۃ مشہور آفسٹ پریس لصاحبھا الحکیم محمد تقی الدہلوی الکائن مرکزھا بکراتشی الباکستان والمسئول من اللہ العظیم ان یجعل ھذہ التذکرۃ المبارکۃ موعظۃ و عبرۃ لکل ذی قلب منیب وینفعنا باولیائہ ویحشرنا فی زمرۃ اھل ولائہ آمین وصلی اللہ علی رسولہ الکریم وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین

الکاتب عبد الباقی غفر اللہ لہ

التماس

"تذکرۂ مظہر مسعود" پیش ناظرین ہے اگر کسی صاحب کے علم میں حضرت قبلہ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ کے حالات وکرامات وغیرہ ہوں یا ان کے پاس حضرت ممدوح کے فتوے اور مکاتیب گرامی محفوظ ہوں، یا ان کو حضرت مرحوم نے سفارتاً یا خلافتاً اجازت بیعت و ارشاد مرحمت فرمائی ہو اور تذکرۂ ہذا میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو از راہِ کرم مندرجہ ذیل پتے پر مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ دوسرے اڈیشن میں ترمیم و اضافہ کر دیا جائے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد

فرحت منزل

۴۴/۲، بلاک-این-پی-ای-سی-ایچ سوسائٹی

کراچی-۲۹ (مغربی پاکستان)

ناشر
اسلامی کتب خانہ
اقبال روڈ سیالکوٹ